طبقاتِ ناصری

جلد دوم

تصنیف

ابوعمرو منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج

ترتیب و تحشیہ

عبدالحیٔ حبیبی قندھاری

ترجمہ و اضافہ

غلام رسول مہر

نظر ثانی

سیّد حسام الدین راشدی

اردو سائنس بورڈ

299- اپر مال، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر 131

نگران : خالد اقبال یاسر

اہتمام طباعت : زبیر وحید

مطبع : عدن پرنٹرز، شاہ زیب مارکیٹ، کوپر روڈ، لاہور

ناشر : اردو سائنس بورڈ، 299- اپر مال، لاہور

فون:5758475 فیکس:5754281

e-mail : info@urduscienceboard.com

Website:www.urduscienceboard.com

طبع دوم : 2004ء

قیمت : -/250روپے

فہرست مضامین

(جلد دوم)

دوسرا باب : شمسی ملوک ہند ، ۲۳

(۲)

تیسرا باب : شمسی ملوک ہند ، ۴۱

(۳)

پانچواں باب : خان اعظم الغ خان بلبن ، ٨٣

(٢)

ساتواں باب : خراسان و اطراف کی تسخیر ، ۱۶۴

(۲)

آٹھواں باب : چنگیز کی ترکستان کی طرف مراجعت اور وفات ، ۱۸۰

نواں باب : (۴) اوکتائی بن چنگیز خان ، ۱۹۱

(۱)

دسواں باب : اوکتائی بن چنگیز خان ، ۱۹۸

(۲)

گیارھواں باب : چغتائی اور کیک ، ۲۱۰

بارھواں باب : باتو اور منکو ، ۲۲۲

تیرھواں باب : ہلاؤ (ہلاکو) بن تولی بن چنگیز خاں ، ۲۴۱

(۱)

چودھواں باب : ہلاکو بن تولی ، ۲۵۳

(۲)

اشاریہ :

طبقاتِ ناصری

(جلد دوم)

بائیسواں طبقہ

شمسی ملوک ہندوستان میں

پہلا باب

شمسی ملوکِ ہند

(۱)

تمہید

تمام تعریفیں اور ستایشیں اللہ کے لیے زیبا ہیں ، جس سے ہر شے کی ابتدا اور تخلیق ہوئی ۔ وہ بادشاہی اور جہانداری کا مالک ہے ۔ جسے چاہے ملک بخش دے ۔ سلام اور درود ہو اس پاک ذات پر جو مخلوق میں بہترین ہے ۔ کھڑے ہونے والے اور چلنے والے جتنے بھی ہوئے یا ہوں گے ان سب پر اسے فضیلت و برتری حاصل ہے ، نیز ان کی آل اور اصحاب پر صبح و شام زیادہ سے زیادہ ۔

اللہ کی بارگاہ کا حقیر بندہ منہاج سراج جوزجانی (اللہ اسے فانی کی طرف رغبت سے محفوظ رکھے) کہتا ہے : سلیم عقلوں اور راست باز طبیعتوں کے نزدیک نعمت کا شکر بہ ہر حال واجب ہے ۔ یہ حقیقت اہل علم کے نزدیک عقلاً ثابت شدہ اور روشن ہے اور یہ قاعدہ اولین اصول کے مسئلوں میں جانا پہچانا ہے ۔ جن لوگوں نے حضرت سید ابرار (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی مستند روایات نقل کی ہیں ، انہوں نے سعادت کے اس سرچشمے اور سرداروں کے اس سردار (اس پر بہتر سے بہتر صلٰوۃ ، کامل سے کامل سلام ہو) کے حوالے سے بیان کیا ہے :

من لم یشکر الناس ، لم یشکر اللہ ۔

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا (جن کے ذریعے سے اسے اللہ کی نعمت ملی) سمجھ لینا چاہیے ، اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا ۔

یہ دونوں اصلیں عقلاً بھی درست ہیں اور روایات سے بھی ثابت ہیں ۔ لہٰذا

جن انعامات و اکرامات سے مجھے اسلامی سلاطین کے سلطان ، سعید و نیک نام بادشاہ شمس الدنیا و الدین نے نوازا یا جو اس حکمران خاندان کے بادشاہوں کی طرف سے مجھے حاصل ہوتے رہے جنھوں نے عزت کا پاؤں بادشاہی کی مسند پر رکھا ، یا ان سرداروں ، خانوں اور غلاموں کی طرف سے مجھ پر عنایتیں اور مہربانیاں ہوتی رہیں جنھیں خوش نصیبی کے ایوان اور جہانداری کے میدان میں پہنچنے کا موقع ملا ، اس کا شکریہ اس ضعیف دعاگوے دولت نیز اس کے فرزندوں پر ایک ایسا فرض ہے [2] جو انھیں فرداً فرداً ادا کرنا چاہیے ، اور ایک ایسا قرض ہے جو ادا کیے بغیر چارہ نہیں ۔ اس بادشاہ سلیمان مکان ، شاہوں ، فرزندوں ، سرداروں ، خانوں اور غلاموں کی طرف سے انعام و اکرام ، عنایات و الطاف ، مہربانی و نوازش شاہانہ کا یہ سلسلہ ۶۲۵ھ[1] سے آج تک کہ ۶۵۸ھ[2] کا سال جا رہا ہے ، اس ضعیف ، اس کے فرزندوں ، نوکروں چاکروں اور متوسلوں پر روز بہ روز ، ساعت بہ ساعت ، متواتر ، مسلسل ، پیہم اور بلا انقطاع زیادہ سے زیادہ بڑھتا اور ترقی کرتا رہا ہے ۔ اعلیٰ منصب مجھے دیے گئے ۔ میرا رتبہ بلندتر ہوتا گیا ۔ مجھے بیش قیمت خلعت ملے ۔ میں نے انعامات پائے ۔ بلند پایہ مشغلے مجھے عطا ہوئے ۔ کئی مرتبہ سلطنت کا عہدۂ قضا میرے سپرد ہوا اور سب پر مجھے رئیس بنایا گیا ۔ (اللہ تعالیٰ ان نوازشوں کو ان کی مملکت کے باقی رہنے کا سبب بنائے) ۔ اگر میں ان میں سے ایک ایک مشغلے کی تفصیل بیان کروں تو نوازشوں اور عطیوں کی زیادتی و فراوانی کے باعث ، یہ طبقہ جو اختصار پر مبنی ہے ، بہت طوالت اختیار کر جائے گا ۔

طبقہ کی ترتیب کا سبب :

اب ہم اصل مقصود پر آتے ہیں ۔ جب اللہ تعالیٰ نے التتمش اور اس کے خاندان سے تعلق رکھنے والی سلطنت کے عہد کو طول بخشا اور اس کے غلاموں کا پھریرا زندگی کی فضا میں بلند ہوا تو اس ضعیف نے چاہا اس درگاہ کے سرداروں ، خانوں اور غلاموں کا ذکر ، جہاں دنیا کو پناہ ملتی ہے ، تقریر کے سلسلے اور تحریر کی لڑی میں موتیوں کی طرح پرودے ۔ خصوصیت سے اس ضعیف کی خواہش یہ ہے کہ خاقان معظم ، شہریار عادل اکرم ، خسرو بنی آدم ، بہاءالحق والدین ، جو اسلام اور مسلمین کا فریادرس اور جہانوں میں اللہ کا سایہ ہے ، جو سلطنت کا بازو ، مملکت کا دست

راست ، بلندیوں کا قطب ، اعلیٰ رتبے والوں کا ستون ہے یعنی الغ قتلغ اعظم ۔ الغ خاں بلبن السلطانی ابن السلاطین ظہر (پشتیبان) امیرالمؤمنین (اللہ اس کے حامیوں اور یاوروں کو غلبہ عطا کرے اور اس کا اقتدار دوچند ہو) کی نعمتوں کے تواتر اور لطف و کرم کی افزائش کا ذکر کرے - جب سے نیلگوں آسمان کے دائرے کا قلم ظہور بادشاہی کے صحیفوں پر خوش نصیبی کے نقش اور کامیابی کی شکلیں بنا رہا ہے ۔ الغ خان اعظم کی دولت سے زیادہ خوشنما شکل اس نے آج تک نہیں بنائی - زمانے کے جھنڈے اٹھانے والے ہاتھ نے خان اعظم کی قدر و قیمت کے پرچم سے بلندتر پرچم کوئی نہیں اڑایا ۔ مشرق و مغرب کے کسی بادشاہ کی بارگاہ میں کسی غلام نے نصیبے کے تخت پر قدم نہیں رکھا ، جو خان اعظم سے بڑھ کر بزرگ و توانا ہو ۔ شہریاری کی استواری کے جتنے قصے سنے گئے ان میں سے خان اعظم کی فرمانروائی کی حکایت سے زیادہ خوش گوار و دل آویز قصہ کسی کان [3] تک نہیں پہنچا ۔ اس کے عدل و انصاف کا عہد ، حضرت عمر فاروقؓ کا ورثہ نظر آتا ہے اور اس کے احسان کا ذکر حاتم طائی کی سخاوت کا بیان معلوم ہوتا ہے ۔ اس کی تلوار ضرب رستم کی یاد تازہ کرتی ہے اور اس کی تیر اندازی میں ارش[3] کے بازو کا سا زور ہے ۔ (اللہ تعالیٰ اس کے پرچم کا یاور و ناصر ہو ، اس کے دوستوں کی حمایت کرے اور اس کے دشمنوں کو نیچا دکھائے !)

یہ ذکر اس لیے ضروری ہے کہ جو حقوق میرے ذمے ہیں ، ان میں سے کچھ تو ادا ہو جائیں ۔ یہ طبقہ اسی غرض سے مرتب ہوا کہ بالعموم ناموَر سرداروں اور خصوصیت سے اس شہریار (خان اعظم) کی دولت کا ذکر آ جائے تاکہ واجبات ادا ہو سکیں ۔ جو اصحاب غور و فکر سے ان صحیفوں کو دیکھیں اور ہر ایک کا حال سامنے آئے تو گزرے ہوؤں اور باقی ماندوں کے لیے ان کے دل سے دعا نکلے ۔ اس طبقے کی ترتیب کے سلسلے میں یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ جب یہ دعا گوے دولت دربار میں پہنچا ۔ بعض اصحاب بہ اعتبار عہدہ ، اس سے مقدم اور بعض متاخر تھے ۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ بادشاہان اسلام کے بادشاہ کو بادشاہی کی مسند پر ہمیشہ رکھے اور الغ خان معظم ایوان امکان میں باقی و پاینده رہے (آمین یارب العالمین) ۔

(۱) ملک تاج‌الدین سنجر کزلک خان

یہ دعا گو سلطان سعید کی بارگاہ جہاں پناہ میں اوچہ کی فصیل کے پاس یکم ربیع‌الاول ۶۲۳ھ[3] کو بدھ کے دن پہنچا تھا، جب شمسی فوجیں ممالک سندھ پر قبضے کی غرض سے اس ملک (اوچہ) میں آئی ہوئی تھیں۔ اس سے پندرہ روز پیشتر بادشاہ کا فتح مند لشکر ملک تاج‌الدین کزلک خان سنجر (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے زیر سرکردگی اوچہ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے بارگاہ سلطانی کے جس سردار سے ملاقات کی، وہ ملک تاج الدین کزلک خاں تھا۔ ۱۶۔ صفر ۶۲۵ھ[5] کو بدھ کے دن میں شہر اوچہ سے فتح مند فوج کی قیام گاہ پر پہنچا تو اس فرشتہ سیرت ملک (کزلک خان) نے اس دعا گو کی تعظیم کی، مسند سے اٹھا، باقاعدہ خیر مقدم کیا، آگے بڑھ کر ملا، دعا گو کو اپنی جگہ بٹھایا، ایک سرخ سیب دیتے ہوئے کہا (اس پر اللہ کی رحمت ہو) مولانا! یہ [4] لے لیجیے کہ فال نیک ہو، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔

میں نے ملک تاج‌الدین کزلک خاں کو ایسا ملک پایا، جس کے چہرے سے ہیبت برستی تھی۔ صورت بڑائی کی حامل تھی۔ اعتقاد بہت پاکیزہ تھا۔ اس کے پاس لشکری اور نوکر چاکر بے شمار تھے۔

معتبر راویوں کا بیان ہے کہ سلطان سعید (التتمش) نے کزلک خاں کو اس وقت خواجہ علی باستادی[6] سے خریدا تھا جب وہ قطب الدین ایبک کے ماتحت برن[7] کا حاکم تھا، اور خریدتے ہی اسے اپنے بڑے بیٹے ملک ناصرالدین محمود کے حوالے کر دیا تھا۔ چنانچہ کزلک خاں نے ناصرالدین محمود کے ساتھ یکجا پرورش پائی۔ ایک مدت کے بعد کزلک خاں کی پیشانی پر راستی و درستی کے آثار دیکھے تو شہزادے کی خدمت سے ہٹا کر خاص اپنی خدمت میں لے لیا۔ سب سے پہلے اسے چاشنی گیر[8] کا عہدہ دیا۔ پھر اصطبل کا داروغہ بنا دیا۔ ایک سال گزر جانے کے بعد سلطان ۶۲۸ھ[9] میں ملتان گیا تو کزلک خاں کو ونجروت[10] (ملتان) کا حاکم مقرر کر دیا۔ وہاں سے لوٹا تو کہرام کی جاگیر دے دی۔ مزید وقت گزر گیا تو تبرہندہ کا نظم و نسق اس کے حوالے کر دیا۔ اسی سال یہ دعا گو (منہاج سراج) بارگاہ سلطانی میں پہنچا۔

سلطان سعید نے کزلک خاں کو ولایت سندھ کی سرحد سے ہراول کا

سالار بنا کر ملک عزالدین محمد سالاری (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے ساتھ اوچہ بھیج دیا تھا - جب ۶۲۵ھ میں سلطانی لشکر قلعہ اوچہ کے پاس تھا اور سلطان نے کزلک خاں کو سلطنت کے وزیر نظام الملک جنیدی کے ساتھ بکھر کی طرف روانہ کر دیا تھا ، کچھ مدت گزر جانے پر وہ قلعہ (قلعہ بکھر) فتح ہو گیا اور ناصرالدین قباچہ دریائے سندھ میں ڈوب گیا ۔ نیز اوچہ کا قلعہ ہاتھ آ گیا تو سلطان نے اوچہ کا قلعہ اور شہر نیز آس پاس کے پورے علاقے کا انتظام کزلک خاں کے حوالے کر دیا - جب بادشاہ مرکز [5] دہلی چلا گیا تو کزلک خاں نے علاقے کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالا ، اسے آباد کر دیا - جو لوگ جنگ و پیکار سے پریشان ہو کر ادھر اُدھر بکھر گئے تھے ، ان سب کو بلا کر نئے سرے سے بسایا - مخلوق کے ساتھ عام و خاص کا امتیاز قائم رکھے بغیر انصاف اور لطف و مہربانی کا برتاؤ کیا - احسان و عدل کا طریقہ سب کے ساتھ یکساں قائم رکھا - رعایا کے ہر طبقے کے لیے امن و امان ، فارغ البالی اور خوشحالی کی کوششوں میں لگا رہا - ایک مدت کے بعد ۶۲۹ھ[11] میں نیکی ، ایمان کی سلامتی ، صدقات و خیرات اور احسان و بخشش کے ساتھ دنیا کی منزل سے اٹھ کر آخرت کے مراحل میں پہنچ گیا -

(۲) کبیر خاں ایاز المعزی

کبیر خاں ایاز رومی ترک تھا - وہ دراصل ملک نصیرالدین حسین امیر شکار (غزنہ) کا غلام تھا - پھر نصیرالدین نے شہادت پائی تو اس کے بیٹوں کے ساتھ کبیر خاں ایاز بھی ہندوستان آ گیا - سلطان سعید (التتمش) کی نظر لطف اس پر مبذول ہوئی - اس نے ہر حیثیت میں سلطان کی شایاں خدمات انجام دیں - حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا دانا ، محتاط اور کاردان ترک تھا - مستعدی ، جوانمری اور دلاوری کے اعتبار سے اپنے عہد میں بے نظیر مانا جاتا تھا - اس کا مالک و مخدوم ملک نصیرالدین حسین غور ، غزنہ ، خراسان اور خوارزم کے تمام علاقوں میں جنگجوئی اور مردانگی کے اعتبار سے خاص شہرت کا حامل تھا - ملک کبیر خاں ہر حال میں اپنے آقا کے ساتھ رہ کر خدمات انجام دیتا رہا - جنگی چالوں ، دلاوری اور بہادری کی تعلیم آقا ہی سے پائی تھی اور ان میں کمال حاصل کیا - جب ملک نصیرالدین نے ترکان غزنہ کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا تو اس کے بیٹے —

شتر سرخ اور اس کا بھائی — بارگاہ سلطانی میں آ گئے ۔ سلطان نے ملک عزالدین کبیر خاں کو انہیں سے خریدا ۔

ایک اور بیان :

بعض کا بیان یہ ہے کہ کبیر خاں ایاز سلطان کی خدمات انجام دیتا رہا۔ جب سلطان نے ۶۲۵ھ میں علاقہ ملتان پر قبضہ کیا تو شہر اور قلعۂ ملتان ۔ گرد کے قصبے اور اطراف و نواحی ملک کبیر خاں ایاز کے سپرد کر دیے ۔ اسے پورے خطے کا حاکم بنا دیا اور کبیر خاں کے لقب سے شرف [6] بخشا ۔ سلطان ہی اسے لوگوں سے روشناس کرانے والا تھا ۔ عام لوگ اسے ''ہزار مردہ'' کہتے (ہزار آدمیوں کے برابر) ۔ اس سبب سے سلطان نے اس کے لیے منکبرنی کا لقب تجویز کر دیا تھا ۔ سلطان واپس ہو گیا تو کبیر خاں نے اس ولایت کو پورے اہتمام سے قبضے میں لے لیا اور اسے آباد و با رونق بنا دیا ۔ دو یا چار سال کے بعد اسے دہلی بلایا گیا تو ذاتی مصارف کے لیے پلول کا علاقہ اسے دے دیا ۔

رکن‌الدین اور رضیہ کا عہد :

سلطان شمس الدین التتمش کا دور ختم ہوا تو سلطان رکن‌الدین (فیروز شاہ) نے کبیر خاں کو سنام کے حوالی عطا کر دیے۔ جب ملک جانی لاہور سے اور ملک کوچی ہانسی سے سلطان (رکن الدین) کی مخالفت کے لیے اکھٹے ہو گئے تو کبیر خاں بھی ان کے ساتھ ہو گیا ۔ یہ لوگ ایک مدت تک سلطان رکن الدین کی افواج کے لیے تشویش و پریشانی کا باعث بنے رہے ۔ آخر سلطان رضیہ تخت نشین ہوئی تو یہ لوگ دہلی کے دروازے پر پہنچ گئے ۔ طویل مدت تک شہر اور حوالی کے لیے آزار کا موجب بنے رہے ۔ بارگاہ سلطنت کے خدمت گزاروں سے جنگ و پیکار جاری رکھی ۔ آخر سلطان رضیہ نے خفیہ خفیہ کبیر خاں سے قدر شناسی کے وعدے کر لیے ۔ اس طرح وہ مخالفین کے گروہ سے الگ ہوا اور ملک عزالدین محمد سالاری کے ہمراہ بارگاہ میں حاضر ہو گیا ۔ ان دونوں کے آ جانے سے سلطان رضیہ ۔ خدمت گزاران بارگاہ شاہی اور اہل شہر کو بڑی قوت حاصل ہوئی ۔ ملک کوچی اور ملک جانی نے شکست کھائی ۔

لاہور اور ملتان :

سلطان رضیہ نے کبیر خان ایاز کے اعزاز میں کسر نہ اٹھا رکھی - لاہور اور اس مملکت کے تمام مضافات و اطراف اس کے سپرد کر دیے - مدت تک وہاں حکومت کا کاروبار چلاتا رہا - پھر سلطان رضیہ کے مزاج میں اس کے متعلق تغیر پیدا ہوا اور وہ ٦٣٦ھ میں لشکر کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ ہوئی - کبیر خان مقابلے سے ہٹ گیا اور دریاے راوی کو عبور کر کے سوہدرہ کی طرف چلا گیا - سلطانی فوج نے اس کا تعاقب کیا - جب کبیر خان نے دیکھا کہ فرمانبرداری کے سوا کوئی صورت ممکن نہیں رہی تو فرمانبرداری قبول کر لی - سلطان رضیہ نے ملتان کی حکومت اس کے حوالے کر دی -

خاصی مدت گزر گئی - پھر تاتاری فوج منکوتہ نوین اور طائر بہادر کی سرکردگی میں لاہور کی جانب متوجہ ہوئی - کبیر خان ایاز نے (افراتفری کے اس دور میں) سندھ[12] کے اندر مستقل حکومت قائم کر لی اور اپنے لیے شاہی چتر اختیار کر لیا - وہ اوچہ پر بھی قابض ہو گیا - اس مخالفت سے کچھ ہی دیر بعد ٦٣٩ھ[13] میں اس نے وفات پائی -

ابوبکر ایاز :

[7] کبیر خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا تاج الدین ابوبکر ایاز — جو جوان ، بہادر ، نیک سیرت ، بڑا دلیر اور جوانمرد تھا — ولایت سندھ پر قابض ہو گیا - کئی مرتبہ ملتان کے دروازے پر پہنچ کر قرلغیوں[14] کے لشکر پر حملہ کیا اور اسے شکست دی - غرض اس نے بڑی مردانگی اور دلاوری دکھائی - اس بنا پر شہرت عام پائی - اچانک عالم جوانی ہی میں انتقال کیا - خدا (باپ بیٹے) دونوں پر رحمت کرے (اور بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا والدین کو مسند سلطانی پر پایندہ اور باقی رکھے !)

(۳) ملک نصیرالدین ایتمر بہائی

ملک نصیر الدین (ایتمر) ملک بہاء الدین طغرل سلطان معزالدین کا غلام تھا - بعض بیان کرتے ہیں کہ سلطان سعید شمس الدین التمش نے اسے بہاء الدین طغرل کے وارثوں سے خریدا تھا - یہ شخص بڑا توانا اور کاردان ، دلیر اور شجاع ، منتظم ، عادل اور دانشمند تھا - اول سلطان نے

خدمت خاص کے لیے رکھا اور محافظ فوج کا سالار (سرجاندار) بنا دیا۔ اس نے پسندیدہ کارنامے انجام دیے تو اسے لاہور کی حکومت دے دی۔ جب سلطان سعید ۶۲۵ھ میں اوچہ اور ملتان کی تسخیر کے لیے آیا تو فرمان شاہی کے مطابق نصیر الدین ایتمر نے فوج کے ساتھ لاہور سے ملتان پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر ایا تھا۔ اس کی فتح کے لیے زبردست کارنامے انجام دیے۔ آخر وہ قلعہ عہدنامے کی بنا پر قبضے میں آ گیا۔ سلطان نے علاقہ سندھ سے دہلی کی طرف مراجعت کی تو ولایت سوالک ، اجمیر ، لوہ ، کاسلی اور سانبر نمک کا انتظام نصیر الدین ایتمر کے حوالے کر دیا اور اسے ایک ہاتھی بھی دیا۔ اس اعزاز کی بدولت اسے تمام دوسرے ملوک میں درجۂ امتیاز حاصل ہو گیا۔

ملک نصیرالدین نے اجمیر پہنچ کر جہاد اور کافروں کے علاقوں پر تاخت و تاراج میں [8] بڑی بہادری اور مستعدی دکھائی۔ عظیم القدر کارنامے انجام دیے۔ اس دعا گو نے ملک نصیرالدین سے ایک مرتبہ ولایت سانبھر نمک میں ملاقات کی تھی۔ وہ بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ یقیناً وہ بڑے اچھے عقیدے کا ملک تھا۔ اس پر اللہ کی رحمت ہو!

ایک مرتبہ وہ جہاد کی غرض سے اچانک بوندی کے علاقے میں پہنچ گیا۔ وہاں ایک تنگ گھاٹی میں ہندوؤں سے جنگ پیش آ گئی اور اسے ایک دریا سے گزرنا پڑا۔ چونکہ جوشن وغیرہ بھاری اسلحہ پہن رکھے تھے ، اس لیے دریا میں ڈوب گیا۔ اس پر اللہ کی رحمت ہو!

(۴) سیف الدین ایبک اچھہ

خواجہ سیف الدین ایبک سلطان شمس‌الدین کا غلام تھا۔ بڑا بہادر ، جوانمرد اور خوش اعتقاد ترک تھا۔ سلطان نے اسے بدایوں میں جمال‌الدین چوبکار سے خریدا تھا۔ پہلے اسے محافظ فوج کا سالار (سر جاندار) بنایا۔ ساتھ ہی جرمانہ وصول کرنے کا کام دے دیا اور تین لاکھ جیتل مشاہرہ مقرر ہوا۔ سیف الدین نے اس مشاہرے پر توجہ نہ کی۔ یہ بات بادشاہ تک پہنچی تو پوچھا اس بے رغبتی کا سبب کیا ہے؟ عرض کیا : خداوند سلطان اپنے غلام کو جرمانہ وصول کرنے کا حکم دیتا ہے۔ غلام زادے سے یہ ممکن نہیں کہ جرمانہ وصول کرنے کے لیے مسلمانوں اور رعایا پر سختیاں کرے۔ غلام کو کوئی اور ملازمت دے دیجیے۔

سلطان پر ایبک کے افکار و خیالات آشکارا ہو گئے تو اسے نارنول کی حکومت دے دی ۔ مدت تک وہاں رہا ۔ پھر برن کی جاگیر اس کے حوالے ہوئی ۔ بعد ازاں سنام اس کے سپرد کر دیا گیا ۔ پھر سلطان لشکر لے کر لکھنوتی گیا اور وہاں بلکا خلجی کی گوشمالی کی ۔ دہلی واپس آ رہا تھا کہ سنا تاج الدین سنجر کزلک خاں نے اوچہ میں وفات پائی ۔ سلطان سعید نے اوچہ کی جاگیر ، قلعہ اور شہر ملک سیف الدین ایبک کے حوالے کر دیے ۔

سیف الدین مدت تک وہاں حکمرانی اور رعیت پروری کرتا رہا ۔ ولایت کا انتظام خوب سنبھال لیا تھا ۔ جب سلطان سعید نے وفات پائی ملک سیف الدین حسین قرلغ کے دل میں ولایت اوچہ کی حرص پیدا ہوئی ۔ چنانچہ وہ لشکر لے کر [9] اوچہ کے دروازے پر پہنچ گیا ۔ سیف الدین ایبک منظم فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے اوچہ سے باہر نکلا ۔ مقابلہ ہوا اللہ تعالیٰ کی نصرت ایبک کے شامل حال رہی ۔ سیف الدین قرلغ نے شکست کھائی اور نامراد لوٹ گیا ۔ حقیقتاً یہ اُس وقت بہت بڑی فتح تھی کیونکہ سلطان التتمش کی وفات کے باعث ہندوستان میں سلطنت کے دبدبے اور شان و شکوہ کو خاصا دھچکا لگا تھا اور دشمنوں کو اطراف مملکت میں علاقے ہتھیا لینے کی طمع پیدا ہو گئی تھی ۔ اللہ نے سیف الدین ایبک کو فتح دی ۔ ان علاقوں میں اس کی وجہ سے یہ نام باقی رہ گیا اور ہندوستان بھر میں اس فتح کا ذکر پھیل گیا ۔

اس فتح سے تھوڑی مدت کے بعد ملک سیف الدین ایبک گھوڑے سے گر گیا ۔ گھوڑے نے نازک مقام پر دولتی ماری ، اس صدمے سے ملک نے وفات پائی ۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے ۔ (اس پر رحمت اور مغفرت ہو ۔ بقا اور دوام صرف اللہ ہی کے لیے ہے) ۔

(۵) سیف الدین ایبک یغان تت

ملک سیف الدین ایبک یغان تت خطا کا ترک تھا ۔ اس کا ظاہر و باطن آراستہ تھا اور مردانگی کے تمام اوصاف اس میں موجود تھے ۔ سلطان سعید نے اسے اختیار الدین چست قبا کے وارثوں سے خریدا تھا اور خاص اپنی خدمت کے لیے رکھا تھا ۔ پہلے اسے امیر مجلس[۱۵] کا منصب دیا گیا تھا ۔ مدت تک اس منصب کی خدمات عمدگی سے انجام دیں کہ اسے اور بڑا منصب مل گیا ۔ ولایت سرستی اس کی جاگیر مقرر کر دی گئی ۔ اس

اعزاز کے ساتھ ہی فرمان صادر ہوا کہ امرا و ملوک میں سے ہر شخص ایک ایک گھوڑا سیف‌الدین کو دے ۔ یوں اس کی قوت و پشتیبانی اور نمایاں ہوگئی ۔ ۶۲۵ھ[16] میں دعاگوے دولت ملتان سے اوچہ آیا اور بارگاہ سلطانی میں پہنچا تو ملک سیف الدین ایبک سرستی کا جاگیردار تھا اور سلطان کی خدمت میں اسے خاص قرب اور استواری حاصل تھی ۔ چونکہ مدتوں پسندیدہ خدمات انجام دی تھیں ، اس لیے بہار کی حکومت اسے دے دی گئی ۔ جب ملک علاءالدین جانی لکھنوتی سے معزول ہوا تو وہاں کی حکومت ملک سیف الدین ایبک یغان تت کو مل گئی ۔ وہاں اس نے بہادرانہ کارنامے انجام دیے ۔ مشرق۔ بنگال سے چند ہاتھی ہاتھ آئے اور وہ بارگاہ سلطانی میں [10] بھیج دیے ۔ سلطان نے اسے یغان تت خطاب دیا ۔ یوں اسے بڑی ناموری حاصل ہوئی ۔ ایک زمانے تک لکھنوتی کا حاکم رہا ۔ ۶۳۱ھ[17] میں وفات پائی ۔

(۶) ملک نصرت الدین تایسی معزی

نصرت‌الدین تایسی سلطان شہید معزالدین سام کا غلام تھا ۔ وہ بہ ظاہر ایک کم رو ترک تھا مگر اللہ نے اسے ہر نوع کی مردمی اور مردانگی سے آرائش بخشی تھی ۔ اس کی بہادری ، دلاوری اور جنگجوئی کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور وہ عقل کامل سے بہرہ مند تھا ۔ جس وقت راقم الحروف منہاج سراج بارگاہِ شمسی میں پہنچا ، نصرت الدین تایسی جیند اور بروالہ[18] کا جاگیردار تھا ۔ وہ نہایت عمدہ خدمات انجام دیتا رہا ۔ سلطان نے فتح گوالیار کے دو سال بعد بیانہ اور سلطان کوٹ تایسی کے سپرد کر دیے اور حکم [11] دے دیا کہ سکونت کالیور (گوالیار) میں رکھے ۔ قنوج ، مہر اور مہاون[19] کے عساکر اس کی تحویل میں دے دیے گئے تاکہ کالنجر اور چندیری پر لشکر کشی کرے ۔ تایسی ۶۳۱ھ میں کالیور (گوالیار) سے لشکر لے کر کالنجر گیا ۔ کالنجر کے راجا نے شکست کھائی ۔ تایسی نے اس ولایت کے قصبوں کو نشانۂ تاراج بنایا اور تھوڑی ہی مدت میں بہ کثرت مال غنیمت اس کے ہاتھ آیا ۔ چنانچہ پچاس روز میں سلطان کے حصے کی رقم ، جس کو خمس سلطانی کہا جاتا ہے ، پچیس لاکھ[20] تھی اور سلطان کو کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ ملتا تھا ۔[21]

رانا اجار سے مقابلہ :

تایسی واپس ہوا تو رانا اجار نے ، جو سرراہ تھا اور اس کا نام جاہر تھا ، اسلامی لشکر کا راستہ روک لیا ۔ گہری اور تنگ گھاٹیوں کے راستے کی بندش کا انتظام کرکے وہ جنگ کے لیے تیار ہو گیا ۔ اس وقت نصرت الدین تایسی پر کسی قدر ضعف طاری تھا ۔۲۲ اس نے تین راستوں کے سرے پر اپنی فوج کے تین حصے کر لیے ۔ ایک حصہ صرف سواروں پر مشتمل تھا (ان کے ساتھ کوئی سامان نہ تھا) ۔ دوسرے حصے میں سامان ، مال و اسباب اور بہیر و بنگاہ تھے ۔ تیسرے حصے میں مال غنیمت اور مویشی تھے ۔ ہر حصے پر ایک ایک امیر مقرر تھا ۔

میں نے خود ملک نصرت الدین تایسی کی زبان سے سنا کہ خدا کی رحمت سے ہندوستان میں دشمن نے میری پیٹھ نہیں دیکھی تھی اور یہ ہندو مجھ پر اچانک اس طرح پڑا جس طرح بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ پر آ پڑتا ہے ۔ میں نے لشکر کے تین حصے کر لیے تھے ۔ اگر ہندو راجا سواروں سے مقابل ہوتا جو میری سرکردگی میں تھے تو مال اسباب اور مویشی سلامت نکل جاتے ۔ اگر وہ مال و اسباب اور مویشی کی طرف متوجہ ہوتا تو میں اور میرے ساتھی اس پر حملہ آور ہو جاتے اور ہم اس کی شرانگیزی کی روک تھام کے لیے کافی تھے ۔ ہندو راجا [12] نے خود نصرت‌الدین کے سواروں سے جنگ کی ۔ خدا نے ملک کو فتح عطا کی ۔ ہندو فوج شکست کھا گئی ۔ اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور ملک نصرت الدین مال غنیمت کے ساتھ بہ خیر و عافیت قلعہ گالیور (گوالیار) پہنچ گیا ۔

اس لشکر کشی کے دوران میں اس کی دانائی اور فراست کی ایک کہانی سنی گئی جو یہاں نقل کی جاتی ہے تاکہ پڑھنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں ۔ کہانی یہ ہے کہ اس مہم میں ایک دودھیل بکری ریوڑ سے گم ہو گئی ۔ اس واقعے پر ڈیڑھ مہینہ گزر گیا ۔ لشکر ایک مقام پر سات روز مقیم رہا ۔ ہر شخص نے سایے کے لیے کوئی نہ کوئی اوٹ بنا لی تھی ۔ ملک نصرت الدین لشکرگاہ میں گھوم پھر کر تمام حالات دیکھ رہا تھا ۔ اچانک بکری کے ممیانے کی آواز اس کے کان میں پہنچی ، اس نے اپنے آدمی سے کہا : یہ میری بکری کی آواز ہے ۔ چنانچہ لوگ ایک طرف گئے اور اس امیر غازی کا قول درست ثابت ہوا ۔ وہ بکری لے آئے ۔

اس مہم میں ملک نصرت‌الدین کی دانائی اور کاردانی کے اور بہت سے واقعات سنے گئے ۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب کالنجر کا راجا شکست کھا کر نصرت‌الدین کے سامنے سے ہٹ گیا تو اس کا تعاقب کیا گیا ۔ ایک ہندو رہبر ساتھ لے لیا اور شکست خوردہ کے پیچھے چل پڑا ۔ ایک رات دن تعاقب میں گزر گیا ۔[۲۳] دوسری رات نصف گزر چکی تھی کہ ہندو رہبر نے کہا : میں راستہ بھول گیا ہوں اور آگے کی منزل کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ۔ ملک نصرت الدین نے کہا کہ رہبر کو جہنم میں پھینکو اور وہ خود لشکر کی رہبری کرنے لگا ۔

ایک جگہ پہنچے جو اونچی تھی ۔ دیکھا کہ وہاں شکست خوردہ لشکر نے پانی پیا تھا اور ان کے گھوڑوں کے پیشاب کے نشان جابجا موجود تھے ۔ اسلامی لشکریوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ رات کا وقت ہے ، ایسا نہ ہو ہم اسی طرح چلتے چلتے دشمن کے لشکر میں پہنچ جائیں ۔ ملک نصرت الدین تایسی خود گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر پھر کر ایک ایک نشان غور سے دیکھا ۔ پھر بولا : رفیقو ! خوش ہوجاؤ ، یہ نشان شکست خوردہ فوج کے عقبی حصے کا ہے ۔ اگر ہراول اور قلب کا نشان ہوتا تو اس پر سے عقبی حصے کے گزر جانے کا کوئی نہ کوئی نشان ضرور مل جاتا ، مگر یہاں ایسا نشان ہے ہی نہیں ۔ ہمت سے کام لو ۔ ہم دشمن کے پیچھے ہیں ۔ فتح کے یہ نشان سامنے رکھتے ہوئے صبح دشمن کے لشکر پر حملہ کیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ رائے کالنجر کا چتر ہاتھ آیا ۔ اسلامی لشکر سلامت واپس ہوا ۔

سلطان شمس الدین کا عہد گزر گیا اور غیاث الدین محمد شاہ (بن سلطان شمس الدین) کا حادثہ پیش آیا ۔ سلطان رضیہ نے اودھ ملک نصرت‌الدین تایسی کو دے دیا ۔ جب ملک جانی اور ملک کوچی دہلی کے دروازے پر پہنچ گئے اور رضیہ کی مخالفت شروع کی تو ملک نصرت‌الدین اودھ سے خدمت گزاری کے لیے بارگاہ سلطنت کی طرف روانہ ہوا ۔ ملک کوچی اچانک مقابلے کے لیے جا پہنچا اور اسے گرفتار کرلیا ۔ ملک نصرت‌الدین بیمار تھا ، اسیری میں بیماری بڑھ گئی اور اس نے وفات پائی ۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے !

[13]

(۲) ملک عزالدین طغان خاں طغرل

ملک طغان خاں خوشرو اور پاکیزہ سیرت ترک تھا ۔ وہ اصلاً قرہ خطا سے تھا ۔ ہر قسم کی مردم پروری اور دانائی سے آراستہ تھا ۔ اخلاق بہت عمدہ اور اوصاف بے حد پسندیدہ پائے تھے ۔ بخشش و سخاوت ، مہربانی و مردانگی اور لوگوں کا دل موہ لینے میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا ۔ سلطان التتمش نے اسے خریدا تو پہلے ساقی خاص (پیالہ بردار یعنی پانی پلانے والا) بنایا ۔ مدت تک اس خدمت پر مامور رہا ۔ پھر ''سردوات دار''۲۳ بنا دیا گیا ۔ اچانک سلطان کا مرصع قلمدان کھو گیا ۔ چنانچہ سلطان نے اس کی خوب تادیب کی ، پھر خلعت عطا کیا اور چاشنی گیر (داروغہ باورچی خانہ) کا عہدہ دیا ۔ بعد میں داروغہ اصطبل مقرر کیا ۔ ۶۳۰ھ۲۵ میں اسے بدایوں کی حکومت ملی ۔

جب لکھنوتی کی حکومت یغان تت کو عطا ہوئی تو بہار کی حکومت طغان خاں کو دے دی گئی ۔ یغان تت کی وفات پر طغان خاں لکھنوتی کا والی مقرر ہوا اور اس نے ولایت کا انتظام بڑی عمدگی سے کیا ۔ سلطان التتمش کی وفات کے بعد لکھنوتی کے ایک جاگیردار ایبک نام (جس کا خطاب اور خاں تھا) اور طغان خاں کے درمیان دشمنی پیدا ہو گئی ۔ اور خان ایبک بڑا مستعد اور بہادر تھا ۔ چنانچہ ان کے درمیان شہر بسن کوٹ کے پاس جنگ ہوئی جو لکھنوتی کے مضافات میں ہے ۔ طغان طغرل نے ایک تیر ایسا مارا کہ اور خان کے جسم کا نازک حصہ چھد گیا اور اس نے وفات پائی ۔ اس سے طغان طغرل کو دونوں طرف بڑی ناموری حاصل ہوئی ۔ یعنی ایک طرف وہ جسے رال کہتے تھے اور لکھنوتی اسی جانب تھا ۔ [14] دوسری طرف وہ جس کا نام ''برند'' تھا جو بسن کوٹ کی جانب ہے ۔ (مطلب یہ کہ دریا کی دو طرفیں تھیں ؛ ایک کو رال اور دوسری کو برند کہتے تھے) ۔

التتمش کے جانشین :

مدت تک طغان خاں کے پاس صرف ایک طرف تھی ، اب دونوں طرفیں اس کے پاس آ گئیں ۔ سلطان رضیہ تخت نشین ہوئی تو طغان خاں نے بعض ممتاز اصحاب دربار میں بھیجے ۔ چنانچہ اسے چتر اور پرچموں سے شرف بخشا گیا

اور خلعت ملا۔ وہ لکھنوتی سے ترہٹ کی طرف بڑھا اور بیش قیمت مال غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔

معزالدین بہرام شاہ کی تخت نشینی پر بھی طغان طغرل بہ دستور معزز تھا اور برابر بادشاہ کی بارگاہ میں قیمتی تحفے بھیجتا رہتا تھا۔ جب عہد معزی پورا ہو گیا تو اوائل عہد علائی میں طغان خاں کے مشیر خاص بہاءالدین ہلال سوریانی نے اسے یہ رائے دی کہ اودھ، کڑہ، مانک پور اور دوسرے علاقوں پر قابض ہو جانا چاہیے۔ اور اس پر خوب برانگیختہ کیا۔

۶۴۰ھ[26] میں اس دعا گو نے فرزندوں اور متوسلین کے ساتھ دہلی سے لکھنوتی جانے کا اردہ کیا تھا۔ اودھ پہنچا، طغان خان طغرل کڑہ اور مانک پور آیا ہوا تھا۔ دعا گو اودھ سے اس کے پاس جا پہنچا۔ کچھ مدت علاقہ مذکور میں اس کے ساتھ گزاری۔ پھر وہ لکھنوتی واپس ہوا تو میں بھی اسی کے ساتھ گیا۔

جاج نگر سے جنگ:

۶۴۱ھ[27] میں جاج نگر کے راجا نے ولایت لکھنوتی کے لیے پریشانیوں کی ابتدا کردی۔ طغان خاں نے اسی سال شوال[28] میں جاج نگر کا قصد کر لیا۔ یہ دعا گو بھی اس جہاد میں اس کے ہمراہ تھا۔ جب کتاسین[29] پہنچے جہاں سے جاج نگر کی سرحد شروع ہوتی تھی تو ۶۔ ذی قعدہ ۶۴۱ھ[30] کو منگل کے دن طغان خاں نے لشکر آراستہ کر کے جنگ کی۔ بہادر مسلمان حملہ کر کے دو خندقیں گزر گئے۔ کافر شکست کھا کر بھاگ گئے۔ میں نے دیکھا کہ کافروں نے ہاتھیوں کو جو چارہ ڈال رکھا تھا، اس کے ایک حصے کے سوا مسلمان لشکریوں کو کوئی چیز نہ ملی۔

ملک طغان طغرل کا حکم تھا کہ ہاتھیوں کو کوئی گزند نہ پہنچایا جائے، اس لیے جنگ کی تیز آگ جلد بجھ گئی۔ دوپہر تک جنگ [15] ہوتی رہی۔ پھر مسلمان پیادے کھانا کھانے کے لیے لوٹے۔ ہندوؤں نے دوسری طرف سے حملہ کر دیا اور پانچ ہاتھی پکڑ کر لے گئے۔ دو سو پیادے اور پچاس سوار اسلامی لشکر کے ایک حصے کے عقب سے آ گئے اور مسلمانوں کو شکست سے سابقہ پڑا۔ ان کی خاصی تعداد نے شہادت پائی۔ طغان خاں اس میدان سے کچھ حاصل کیے بغیر لوٹنے پر مجبور ہوا۔

مرکز سے طلب امداد :

لکھنوتی پہنچا تو شرف الملک اشعری کو سلطان علاءالدین مسعود شاہ کے پاس امداد کے لیے بھیجا ۔ دربار سے قاضی جلال الدین کاشانی کو (اس پر اللہ کی رحمت ہو!) شرف الملک کے ہمراہ بھیجا گیا ۔ اس کے ساتھ خلعت ، سرخ چتر کے اعزاز و اکرام کے سامان بھی تھے ، مثلاً علم و خیمہ ۔ ہندوستانی فوج تمر خان قمرالدین قیران کی سرکردگی میں بھیجی گئی ، جو اودھ کا والی تھا ۔ وہ فرمان شاہی کے مطابق جاج نگر کے کافروں کی گوشمالی کے لیے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا ۔

راجا جاج نگر کا حملہ :

اسی زمانے میں جاج نگر کے راجا نے کتاسین کا بدلہ لینے کے لیے ، جہاں گزشتہ سال شکست کھائی تھی ، (اور اس کی کیفیت لکھی جا چکی ہے) لکھنوتی کی جانب پیش قدمی کی ۔ ۱۳ ۔ شوال ۶۴۲ھ[31] کو منگل کے دن جاج نگر کے کافروں کا لشکر ہاتھیوں ، پیادوں اور بہت سے سواروں کے ساتھ لکھنوتی پہنچا ۔ طغان خاں مقابلے کے لیے شہر سے باہر نکلا ۔ جاج نگر کے کافروں نے سرحد سے قدم باہر رکھتے ہی پہلے لکھنور پر قبضہ جمایا اور فخرالملک کریم الدین لاغری کو جو لکھنور کا جاگیردار تھا ، مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ شہید کر ڈالا ۔ پھر وہ لکھنوتی کے دروازے پر پہنچ گئے ۔

طغان کی شکست :

دوسرے روز اطراف سے تیز رفتار خبر رساں پہنچے اور بتایا کہ اسلامی لشکر کے جھنڈے قریب آ گئے ہیں ۔ کافروں کے لشکریوں پر ایسی ہیبت چھا گئی کہ وہ وہیں سے لوٹ پڑے ۔ جب ہندوستان کا لشکر لکھنوتی پہنچا تو طغان خاں اور تمر خاں کے درمیان کشیدگی رونما ہوئی ، یہاں تک کہ مقابلے کے لیے صف بندی شروع ہو گئی اور لکھنوتی میں دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کی نوبت آئی ، جو صبح سے چاشت کے وقت تک جاری رہی ۔ پھر بیچ بچاؤ کی بات چیت شروع ہو گئی اور دونوں لشکر مقابلہ چھوڑ کر اپنی اپنی لشکر گہوں [16] میں پہنچ گئے ۔ طغان خاں شہر کے دروازے پر مقیم تھا ، وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو لشکری اپنے اپنے گھروں

کو چلے گئے اور وہ اکیلا رہ گیا ۔ تمر خاں اپنی لشکر گاہ میں چلا گیا ۔ اس کے لشکری بہ دستور اسلحہ سے لیس جنگ کے لیے تیار تھے ۔ جب تمر خاں کو موقع ملا اور پتا چلا کہ طغان خاں اپنے خیمے میں تنہا ہے تو اس نے (تمر خاں قیران نے) پورے لشکر کو اٹھایا اور طغاںؔ خاں کی لشکر گاہ پر بڑھایا ۔ مجبوری کی حالت میں طغان نے شکست کھائی اور شہر میں پہنچ گیا ۔ یہ واقعہ ذی قعدہ ۲ ۶۴۲ھ[۳۲] کو منگل کے دن پیش آیا ۔

مصالحت :

طغان خاں شہر میں پہنچا تو اس نے دولت کے دعا گو منہاج سراج کو بیچ میں ڈالا اور صلح و امان کا پیغام دے کر باہر بھیج دیا ۔ پھر دونوں — طغان خاں اور تمر خاں — کے درمیان صلح کا عہد و پیمان مستحکم ہو گیا ۔ قرار پایا کہ طغان خاں لکھنوتی تمر خاں قیران کے حوالے کر دے اور خود مال و زر ، ہاتھیوں ، نوکروں چاکروں اور متوسلین کے ساتھ شاہی بارگاہ میں یعنی دہلی چلا جائے ۔ اس طرح لکھنوتی کی ولایت تمر خاں قیران کے حوالے ہوئی ۔ ملک طغان خاں ، ملکؒ قراقش خاں ، ملک تاج الدین سنجر ماہ پیشانی اور دوسرے امرا کے ساتھ دہلی روانہ ہو گیا ۔ میں بھی اپنے متوسلین کے ہمراہ اسی کے ساتھ آیا ۔ ۱۰ صفر ۶۴۳ھ[۳۳] کو بدھ کے دن ہم بارگاہ شاہی میں پہنچے ۔

وفات :

طغان خاں دہلی پہنچا تو اس کا بہت اعزاز و اکرام ہوا ۔ اسی سال ربیع الاول میں اودھ کی حکومت اس کے حوالے کر دی گئی ۔ جب تخت سلطنت نے سلطان ناصرالدنیا والدین کے مبارک شکوہ سے زینت پائی تو طغان ۶۴۴ھ میں اودھ گیا ۔ تھوڑی مدت بعد جمعہ کی شب میں وفات[۳۴] پائی ۔ تقدیر آسمانی کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ طغان خاں اور تمر خاں قیران کے درمیان کشمکش اور دشمنی پیدا ہوئی ، دونوں نے ایک دوسرے کی ولایتیں سنبھال لیں[۳۵] اور دونوں ایک ہی رات فوت ہوئے ۔ ایک رات کے ابتدائی حصے میں اور دوسرا رات کے آخری حصے میں ۔

اس مطلب کو بڑوں چھوٹوں کے سردار شرف الدین بلخی نے نظم

کر دیا :

[17] آدینہ و سلخ ماہ شوال لقب
(جمعہ تھا اور جس مہینے کا نام
شوال ہے اس کی آخری تاریخ تھی

خ بودہ و میم و دال تاریخ عرب
عربوں کے حساب ابجد کے مطابق
۶۰۰ + ۴۰ + ۴/ یعنی خ + م + د
۶۴۴ھ سنہ تھا[۳۶])

شد کوچ تمر خان و طغان خان زجہان
(تمر خان اور طغان خان اس جہان
سے کوچ کر گئے

او اول شب گزشت و ایں آخر شب
ایک رات کے شروع میں اور دوسرا
رات کے آخر میں فوت ہوا)

(تمر خان نے لکھنوتی میں اور طغان خان نے اودھ میں وفات پائی) چنانچہ کسی کو ایک دوسرے کی وفات کا علم نہ ہو سکا ۔ بہ ہرحال بارگاہ باری تعالیٰ میں اور آخرت میں ان کی ضرور ملاقات ہوگی ۔ (اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

حواشی

۱- ۱۲۲۸ء -
۲- ۱۲۶۰ء -
۳- قدیم زمانے کا ایک ایرانی تیرانداز جس کا ذکر پانچویں طبقے میں آ چکا ہے -
۴- ۹- فروری ۱۲۲۸ء - مولانا منہاج سراج اس وقت اوچہ پہنچے تھے جب قباچہ وہاں حکمران تھا اور قباچہ کے ماتحت ان کے لیے منصب کا انتظام ہو گیا تھا - التتمش کی لشکر کشی کے ساتھ ہی قباچہ اوچہ کو چھوڑ کر بکھر چلا گیا اور مولانا منہاج سراج شہر سے التتمش کی لشکر گاہ میں پہنچ گئے -
۵- ۶- جنوری ۱۲۲۸ء -
۶- ممکن ہے یہ "بست آبادی" ہو -
۷- ہندوستان کا وہی مقام جسے آج کل بلند شہر کہتے ہیں -
۸- لفظی معنی کھانا چکھنے والا ، حقیقتہً باورچی خانہ خاص کا منتظم
۹- ۳۱ - ۱۲۳۰ء - لیکن یہ تاریخ بداہتہً غلط ہے - راورٹی نے ۶۲۸ھ کی جگہ ۶۲۵ھ تاریخ لکھی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں ، اس لیے کہ خود مصنف لکھ چکا ہے پہلے اسے ونجروت کا حاکم بنایا ، پھر کہرام کا ، بعدازاں تبرہندہ کا - اسی سال کے اوائل میں منہاج سراج بارگاہ سلطانی میں آیا - یہ آخری واقعہ ۶۲۵ھ کا ہے - پھر ایک ہی سال کے مختصر سے حصے میں ملک کزلک تبدیلی مناصب کے تین مرحلے کیونکر طے کر سکتا تھا ؟ معلوم ہوتا ہے ونجروت کی حکومت پہلے ملی ، پھر کہرام کی اور بعد ازاں تبرہندہ کی پہلا واقعہ ۶۲۲ھ اور ۶۲۳ھ کے درمیان کا ہونا چاہیے -
۱۰- یہ پہلے ملتان میں شامل تھا ، پھر سابق ریاست بہاول پور میں شامل رہا -
۱۱- ۳۲ - ۱۲۳۱ء -

۱۲- راورٹی نے لکھا ہے کہ یہ اس امر کا ثبوت ہے، ملتان اور اوچھ کو اس زمانے میں سندھ کہا جاتا تھا - لیکن یہ بیان بے تکلف قبول نہ کر لینا چاہیے - مغلوں کے زمانے تک بالائی سندھ ملتان کی حکومت میں شامل رہا لیکن سندھ اور ملتان کو الگ الگ مان لینے میں نہ تامل کی ضرورت ہے اور نہ تکلف کی - اگر دونوں ایک ہوتے تو ابوبکر ایاز کو ملتان پہنچ کر قرلغیوں پر ترکتاز کی ضرورت کیوں پیش آتی ؟

۱۳- ۳۲ - ۱۲۴۱ء -

۱۴- ان کا ذکر آگے آتا ہے -

۱۵- یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے کہ اس منصب کے وظیفے کیا تھے - ممکن ہے مشورے کے لیے کوئی مجلس بنائی گئی ہو اور اس کے صدر کو امیر مجلس کہتے ہوں -

۱۶- ۱۲۲۸ء -

۱۷- ۳۴ - ۱۲۳۳ء -

۱۸- بروالہ جیند کے قریب ہی شمال مغرب میں ہے - اکبر کے زمانے میں ہانسی، بروالہ اور جیند سرکار حصار کے حصے تھے -

۱۹- مہاون آگرہ کے قریب ہے، مہر بھی اس پاس ہی ہونا چاہیے -

۲۰- یہ تصریح نہیں کی پچیس لاکھ کس سکے کے ؟ ۶۳۱ھ کا عیسوی سال ۱۲۳۴ء بنتا ہے -

۲۱- کل سوا کروڑ کا مال غنیمت ہاتھ آیا -

۲۲- غالباً لشکر کشی کے دوران میں بیمار ہو جانے کے باعث وہ کمزور ہو گیا تھا -

۲۳- راورٹی نے چار راتیں اور چار دن لکھا ہے، بہ ظاہر یہ بیان قرین قیاس نہیں -

۲۴- اس سے مراد ہے داروغہ یا محافظ قلمدان خاص -

۲۵- ۳۳ - ۱۲۴۲ء -

۲۶- ۴۳ - ۱۲۴۲ء -

۲۷- ۴۴ - ۱۲۴۳ء -

۲۸- مارچ - ۱۲۴۴ء -

۲۹- راورٹی نے لکھا ہے کہ لکھنوتی کے جس حصے کو لکھنور کہتے ہیں، وہ جاج نگر سے قریب تر ہے، اور کتاسین اسی حصے میں مہاندی کے

کنارے واقع ہے ۔

۳۰۔ اپریل ۱۲۴۴ء ۔

۳۱۔ ۱۴۔ مارچ ۱۲۴۵ء ۔

۳۲۔ ۴۔ اپریل ۱۲۴۵ء ۔

۳۳۔ ۱۱ جولائی ۱۲۴۵ء ۔ ریاض السلاطین میں ہے کہ طغان خاں تیرہ سال چند مہینے لکھنوتی کا حاکم رہا ۔

۳۴۔ مصنف نے یہاں تاریخ نہیں بتائی لیکن بلخی کے قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوا کہ ۲۹ شوال ۶۴۴ھ (۸ یا ۹ مارچ ۱۲۴۷ء) کو دونوں کا انتقال ہوا ۔

۳۵۔ مطلب یہ کہ تمر خاں نے ولایت لکھنوتی سنبھال لی جس کا والی طغان خاں تھا اور طغان خاں کو اودھ کا والی مقرر کر دیا گیا ۔ جہاں پہلے تمر خاں حکومت کرتا تھا ۔

۳۶۔ ''خ'' کے عدد بہ حساب ابجد چھ سو، ''م'' کے چالیس اور ''د'' کے چار ہیں ۔ یہ تینوں مل کر ۶۴۴ بنے ۔ آقائے حبیبی کے متن میں ''سین'' ہے جو غلط ہے کیوں کہ اس کے اعداد ۶۰ ہیں ۔

☆ ☆ ☆

دوسرا باب

شمسی ملوکِ ہند

(۲)

(۸) ملک تمر خان قیران

ملک تمر خان اچھی سیرت اور پاکیزہ اخلاق کا ترک تھا ۔ بڑا مستعد ، بہادر ، حملہ آور اور دلیر ۔ اس کی اصل قفچاق سے تھی ۔ شکل صورت اچھی تھی اور خط و خال تیکھے ۔ سلطان نے اسے ابتدائی دور میں اسدالدین منکلی سے ، جو ملک فیروز کا بھائی تھا ، پچاس ہزار جیتل میں خریدا تھا ۔ چنداول کی مہم میں (جس میں جے چند والی قنوج مارا گیا). اتفاق سے رائے چندوار کا بیٹا ، جس کا نام لدہ تھا ، تمر خان کے ہاتھ آ گیا ۔ اسے سلطان کے سامنے پیش کیا ، سلطان خوش ہوا اور اسے مناسب انعام دیا ۔ پھر وہ نائب داروغۂ اصطبل مقرر ہوا ۔ اس زمانے میں طغان خان داروغۂ اصطبل تھا ۔ نائب داروغۂ اصطبل کی حیثیت میں تمر خان نے عمدہ خدمات انجام دیں ۔ جب طغان خان کو بدایوں کی حکومت ملی تو تمر خان (قیران) کو داروغۂ اصطبل کا منصب دے دیا گیا ۔

سلطان رضیہ (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے عہد میں تمر خان کو قنوج کی جاگیر ملی ۔ اس زمانے میں فرمان شاہی کے مطابق اسے کالیور (گوالیار) اور مالوہ کی جانب لشکروں کا سالار مقرر کیا گیا ۔ اس مہم میں شاندار خدمات انجام دیں ۔ جب دہلی واپس آیا تو اسے کڑہ کا علاقہ دے دیا گیا ۔ اس طرف بھی جہاد کیے اور لشکر کشی کی شرطیں بہترین طریق پر پوری کرتا رہا ۔ جب نصرت الدین تایسی نے جو اودھ کا حاکم تھا ، وفات پائی. تو ولایت اودھ اور اس کے مضافات تمر خان قیران کے حوالے ہوئے ۔ ان

علاقوں میں تربٹ کی سرحد تک شایان کارنامے انجام دیے اور بہت مال غنیمت حاصل کیا ۔ ان اطراف کے راجوں ، [18] رانوں اور خود مختار قبیلوں کو ادائے خراج پر مجبور کیا ۔ چند مرتبہ یعنی گویہ[1] کے علاقے پر حملے کیے اور وہاں سے خراج لیا ۔

۳۹ء۳[2] میں لکھنوتی بھیجا گیا ۔ طغان خان سے اس کی کشمکش کا حال بیان کیا جا چکا ہے ۔ غور کیجیے معاملہ کہاں تک پہنچ چکا تھا ۔ جب طغان خان دہلی میں تھا تو تمر خان لکھنوتی سے تنہا تابس گیا اور اودھ سے اپنا پورا مال متاع لکھنوتی لے گیا ۔ دو سال لکھنوتی میں کامیابی سے حکومت کی ، لشکر کشی بھی کرتا رہا ، پھر وفات پائی اور اسی رات جس رات طغان خان فوت ہوا ۔ ملک یغان تت کی بیٹی تمر خان کی بیوی تھی ، اس نے تمام حقوق پورے کیے ۔ تمر خان کی میت لکھنوتی سے اودھ لائی اور وہاں دفن کیا ۔ اس پر اللہ کی رحمت اور مغفرت ہو ۔ (اور حق تعالٰی سلطان اسلام کو تخت جہانبانی پر باقی رکھے) ۔

(۹) ملک ہندو خان موید الدین مبارک الخازن

ملک ہندو خان مہتر[3] مبارک اصل کے اعتبار سے مہیر تھا ۔ جب وہ سلطان کے ملاحظے میں پیش ہوا تو اسے فخرالدین صفاہانی سے خرید لیا ۔ وہ (ہندو خان) اچھی سیرت ، اچھے اخلاق اور اچھے اعتقاد کا آدمی تھا ۔ سلطان کے پاس اسے ہر اعتبار سے قرب حاصل تھا اور اس پر پورا بھروسا کیا جاتا تھا ۔ سلطان شمس الدین کے عہد میں اول سے آخر تک نیز سلطان رضیہ کے عہد میں اسے بڑا وقار و اعزاز حاصل تھا ۔ خزانچی وہی تھا ۔ بڑی عمدہ خدمات انجام دیں ۔ سلطان کے جو غلام ملکی عہدوں اور بلند رتبوں پر پہنچے ، سب پر اس کی نظر لطف و شفقت تھی ، سب کے حالات پر باپ کی طرح مشفق و مہربان تھا ۔

جب پہلے پہل سلطان کی خدمت میں پہنچا تو شکاری چیتوں کا داروغہ (یوزبان) تھا ۔ پھر اسے مشعل بردار بنا دیا گیا ۔ اس زمانے میں سلطان کو [19] قطب الدین ایبک نے برن جاگیر میں دیا تھا اور ہندو خان برن ہی کے حدود میں مشعل برداری پر مامور تھا ۔ اسی زمانے میں ایک آزاد ہندو قبیلے پر حملہ ہوا ۔ ہندو خان نے مشعل کی سیخ سے ایک شخص کو گھوڑے سے گرایا اور جہنم رسید کر دیا ۔ سلطان نے اسے طشت دار بنا لیا ۔

مدت تک اس عہدے پر رہا ۔ جب شمس‌الدین التتمش کو تختِ سلطنت حاصل ہوا تو مہتر مبارک شمس‌الدین التتمش کا خزانچی بن گیا ۔ لیکن آخر عمر تک طشت داری کی خدمت نہ چھوڑی ۔ خزانہ داری کے ساتھ سلطان کی طشت داری کی خدمت بھی خود ہی انجام دیتا ۔

جس زمانے میں سلطان گوالیار پہنچا ہوا تھا اور وہ قلعے فتح کیے جا رہا تھا تو دعاگوے دولت منہاج سراج لشکر میں تھا ۔ سات مہینے تک فرمان کے مطابق خیمۂ شاہی کے دروازے پر ہفتے میں دو مرتبہ وعظ کہتا رہا ۔ رمضان شریف ، ذی حجہ کے دس دنوں (یکم سے ۱۰ تک) اور محرم کے دس دنوں میں روزانہ وعظ ہوتا تھا ۔ اس طرح حقوق دعا گوئی ثابت ہو چکے تھے ۔ فتح کے بعد قلعے کے کل امور شرعی اس دعا گو کے حوالے ہو گئے ۔ یہ ۶۳۰ھ[3] کا واقعہ ہے ۔ جب شرعی منصب کے لیے خلعت عطا کرنے کا وقت آیا تو ہندو خاں خود خزانۂ عالیہ میں موجود تھا ۔ اس نے مجھ پر ایسی مہربانی فرمائی ، اس درجہ دلداری کی کہ میں اس کے اکرام کا احسان مند ہوا ۔ اللہ تعالیٰ اس کی یہ نیکی قبول فرمائے اور اس پر رحمت کرے ۔ سلطان شمس‌الدین کا عہد ختم ہو گیا ۔ سلطان رضیہ کے عہد میں ہندو خاں کو اوچہ کا قلعہ اور ولایت دے دیے گئے ۔ سلطان معزالدین کے عہد میں جالندھر ہندو خاں کے حوالے ہوا ۔ وہاں سے دہلی پہنچا اور وفات پائی ۔

(۱۰) ملک اختیارالدین قراقش (خاں) ایتگین

ملک اختیار الدین قراقش ایتگین قرہ خطا سے تھا ۔ حد درجہ اچھی سیرت ، جوانمرد ، صاف باطن اور بہادری و شجاعت کے ہر جوہر سے آراستہ تھا ۔ وہ قدیم غلاموں سے تھا ۔ سلطان نے اسے خریدا تو ساقی خاص [20] بنا لیا ۔ طویل مدت تک یہ خدمت انجام دینے کے بعد اسے ''بریہوں'' اور درنگوان[5] جاگیر میں مل گئے ۔ چند سال کے بعد اسے تبرہندہ کی شاہی جاگیرات کا ناظم بنا دیا گیا ۔ سلطان التتمش ہی کے عہد میں کبیر خاں کے بعد ایتگین کو ملتان کی حکومت مل گئی اور قراقش خاں خطاب عطا ہوا ۔ سلطان التتمش کا عہد ختم ہو گیا تو سلطان رضیہ نے لاہور کبیر خاں سے لے کر قراقش خاں کو دے دیا اور کبیر خاں کو ملتان بھیج دیا ،

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے - لاہور میں قراقش کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اور تاتاریوں کے حملے پر لاہور سے اس کے نکلنے کے حالات بیان ہوں گے ، ان شاء اللہ تعالیٰ -

قراقش خاں کو بیانہ کی ولایت دے دی گئی ۔ ایک مدت وہاں رہا - جب سلطان معزالدین بہرام شاہ کا دور آیا اور امرا نے بغاوت کی تو ملک قراقش ملک یوزبک (اختیار الدین طغرل خاں) کے ساتھ سلطان معزالدین کی خدمت میں پہنچ گیا - مہتر مبارک شاہ فرخی (فخر الدین مبارک شاہ قراقش جو سلطان کا معتمد علیہ مشیر بن گیا تھا) برابر ترک ملوک و امرا کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا - اسی نے سلطان کو ملک قراقش اور ملک یوزبک کے خلاف بھی برانگیختہ کر دیا - چنانچہ دونوں قید میں ڈال دیے گئے - شہر فتح ہوا - جب سلطان علاءالدین مسعود شاہ بادشاہ بنا تو قراقش خاں کو امیر حاجب کا عہدہ ملا - کچھ مدت کے بعد ۔ جمادی الاولیٰ ۶۴۴ھ کو بیانہ اس کی جاگیر میں دے دیا گیا - پھر کڑہ اس کے حوالے ہوا - وہاں سے لشکر لے کر ملک تمر خاں قیران کے ساتھ لکھنوتی پہنچا - طغان خاں کے ساتھ وہاں سے واپس ہوا - جب سلطان جہان ناصر الدنیا و الدین کے مبارک شکوہ سے تخت ملک نے زیب و زینت پائی تو قراقش کڑہ ہی کے حدود میں ۶۴۴ھ میں فوت ہوا -

(۱۰) ملک اختیار الدین التونیہ ملک تبرہندہ

ملک اختیار الدین التونیہ والی تبرہندہ بڑا سردار تھا - [21] شجاعت ، جنگ جوئی ، مردانگی اور شیر دلی میں درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا - وقت کے تمام سردار اس کی دلیری اور بہادری کے بارے میں ہم زبان تھے - سلطان رضیہ کی اسیری پر التونیہ نے مخالف سرداروں سے (رضیہ کے ساتھ ہو کر) جنگ کی -

سلطان التتمش نے اسے خریدا اور سرآبدار[7] بنا دیا - مدت کے بعد اس کی پیشانی پر مردانگی کے آثار نمایاں دیکھے تو سر چتر دار[8] کا منصب دے دیا - سلطان شمس الدین التتمش کا عہد گزر گیا تو سلطان رضیہ کے عہد میں اسے برن کی جاگیر دے دی گئی - پھر تبرہندہ اسے دے دیا گیا - اس کے جو ترک امیر اور سردار سلطان التتمش کے غلام تھے ، وہ اس لیے سلطان رضیہ سے بگڑ گئے تھے کہ (رضیہ کی مہربانی سے) جمال الدین یاقوت حبشی کو بڑا اقتدار

حاصل ہو گیا تھا ۔ ملک اختیارالدین التولیہ اور ملک اختیارالدین ایتگین امیر حاجب کے درمیان دوستی اور محبت کا عہد مضبوط و مستحکم تھا اور ان دونوں کا اتحاد حد درجہ پختہ تھا ۔ چنانچہ امیروں اور سرداروں کی رائے سے (جو دہلی میں تھے) ملک التونیہ کو اطلاع دے دی گئی ۔ اس نے خفیہ خفیہ تبرہندہ میں بغاوت کا انتظام کر لیا اور سلطان رضیہ کی فرمانبرداری کا حلقہ گردن سے اتار پھینکا ۔ سلطان نے لشکر خاص کے ساتھ اہار (اسا؛ھ۹) کے مہینے میں دہلی سے تبرہندہ کا رخ کیا ، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔ وہاں سلطان رضیہ کو قید کر دیا گیا ۔ سردار اور امیر دہلی واپس آ گئے ۔ سلطان معزالدین بہرام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا ۔ اختیارالدین التونیہ نے سلطان رضیہ سے جو اسیر تھی ، خود نکاح کر لیا اور اس تعلق کی بنا پر سرکشی [22] اختیار کر لی ۔ جب ملک اختیارالدین ایتگین نے شہادت پائی تو بدرالدین سنقر رومی امیر حاجب مقرر ہوا ۔ اختیارالدین التونیہ اور سلطان رضیہ تبرہندہ سے نکلے ، لشکر جمع کیا اور دہلی کی جانب پیش قدمی کی ۔ ربیع الاول ۶۳۸ھ میں دہلی سے ناکام لوٹے تو سلطان رضیہ کیتھل کے حدود میں گرفتار ہوئی ۔ اختیارالدین التولیہ منصور پور میں پکڑا گیا ۔ ۲۵ ربیع الاول ۶۳۸ھ[10] کو شہادت پائی ۔ (حق تعالیٰ سلطان وقت کو باقی رکھے ، آمین یا رب العالمین) ۔

(۱۲) اختیارالدین ایتگین

ملک اختیارالدین ایتگین قرہ خطا سے تھا ۔ خوش رو ، سیرت کا اچھا ، ہیبت والا ، دانشمند اور دوراندیش تھا ۔ سلطان نے اسے امیر ایبک سنامی سے خریدا تھا ۔ جس کام پر بھی مامور ہوا سلطان کے لیے پسندیدہ خدمات انجام دیں ۔ اس وجہ سے بادشاہ کی مہربانیوں کا مستحق بنا رہا اور اونچے درجے پر پہنچ گیا ۔

وہ پہلے محافظ فوج کا سالار رہا ، پھر اس کی پیشانی پر ہوشمندی اور راستبازی کے آثار چمکے تو منصور پور اس کی جاگیر میں دے دیا گیا ۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد کوجات[11] اور نندنہ اس کے حوالے ہوئے ۔ سرحد پر اس نے بڑی اچھی خدمات انجام دیں ۔ جب سلطان رضیہ تخت نشین ہوئی تو ایتگین نے مزید اعلیٰ کارنامے دکھائے ۔ رضیہ نے اسے دہلی بلا لیا اور بدایوں کی حکومت اسے دے دی ۔ پھر وہ امیر حاجب کے عہدے پر پہنچ

گیا ۔ [23] جمال الدین یاقوت حبشی کے اقتدار کی وجہ سے تمام ترک ، غور اور تاجیک امیر اور سردار دربار سے نکل رہے تھے ۔ ان کے دل سخت رنجیدہ تھے ۔ خصوصیت سے اختیارالدین ایتگین کو بڑا قلق تھا ، جو امیر حاجب تھا ۔ چنانچہ یہ سب کچھ سلطان رضیہ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے ۔ اسی وجہ سے جمال الدین یاقوت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اسی وجہ سے سلطنت سلطان رضیہ سے برگشتہ ہو گئی ۔ ایک خوش طبع نے مثنوی میں کہا ہے :

عناں تافت دولت ز پیرامنش
(سلطنت نے اس کے پاس سے
باگ موڑ لی

چو گردِ سیہ دید بر دامنش
جب اس کے دامن پر سیاہ گرد
دیکھی)

معزالدین تخت کا مالک بن گیا ۔ بیعت کے دن جب شاہی محل کے ایوان میں سلطان کو تخت پر بٹھایا گیا تو سرداروں ، امیروں ، عالموں ، صدروں اور لشکر کے بڑے بڑے افراد کو بارگاہ اعلٰی میں بیعت کے لیے حاضر کیا گیا ۔ سب نے سلطان معزالدین کی بادشاہی اور ایتگین کی نیابت پر بیعت کی ۔ سلطان کے ساتھ طے یہی ہوا تھا کہ وہ کم سن ہے اور کم از کم ایک سال کے لیے ملکی معاملات کسی غلام کے حوالے کر دینے چاہییں ۔ سلطان نے اسی کے مطابق عمل پیرائی کا حکم دے دیا ۔ یہ التماس قبول ہو گئی تو ایتگین نے خواجہ نظام الملک مہذب الدین وزیر کے ساتھ مل کر انتظامات سنبھالے ۔ سلطان سے نوبت اور ہاتھی لے لینے کی درخواست کی ۔ سلطان کی ایک ہمشیرہ سے (جس کا پہلا نکاح خلع کی بناء پر فسخ ہوا تھا) ایتگین نے خود نکاح کر لیا ۔ سلطنت کے تمام معاملات اسی کے پاس پہنچنے لگے ۔ یہ حالات دیکھ کر سلطان کے دل میں سخت حسد پیدا ہوا اور مزاج بگڑ گیا ۔ چند بار اس نے خفیہ خفیہ ایتگین کو ختم کرنے کی تدبیر کی مگر کوئی تدبیر کامیاب نہ ہو سکی ۔ ۸ محرم ۶۳۸ھ[1] کو پیر کے دن کامیابی حاصل ہوئی ۔

کہتے ہیں کہ سپہ سالار احمد سعید (اللہ اس پر رحمت کرے) خفیہ سلطان کی خدمت میں پہنچا اور اس کی درخواست کے مطابق چند ترکوں

کو شراب پلا دی گئی ۔ جب وہ مست ہو گئے تو سفید محل کی بالائی منزل سے نیچے اترے ۔ باریابی کے چبوترے کے سامنے ملک ایتگین کو چھری مار کر شہید کر ڈالا ۔ خواجہ مہذب الدین کے بھی ، جو کہ وزیر تھا ، چھری کے چند زخم لگے ، لیکن وہ زخم کھا کر بھاگ گیا اور بچ نکلا ۔ (اور اللہ ہی سب کچھ بہتر جانتا ہے) ۔

(۱۳) ملک بدرالدین سنقر رومی

[24] بدرالدین سنقر اصلاً رومی تھا ۔[۱۳] بعض معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ مسلمان گھرانے سے تھا (اور گردش روزگار سے) غلام بن گیا ۔ لیکن اس کی سیرت بہت اچھی تھی ۔ چہرے سے جمال و شکوہ نمایاں تھا ۔ بڑا خوش اخلاق ، متواضع ، شفیق اور پسندیدہ اوصاف کا آدمی تھا ۔ آدمیوں کو بڑی خوبی سے رام کر لیتا تھا ۔

ابتداءً جب سلطان نے اسے خریدا تو سب سے پہلے تشت دار کا عہدہ دیا ۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد اسے چہلہ دار[۱۴] بنا دیا گیا ۔ پھر بدایوں میں اسے زرہ سازی کے کارخانے[۱۵] کا نگران مقرر کر دیا گیا ۔ مزید وقت گزر گیا تو وہ نائب داروغہ اصطبل[۱۶] کے عہدے پر مامور ہوا ۔ جو خدمت اس کے سپرد ہوتی رہی اس نے پسندیدہ کارناموں سے سلطان کو خوش رکھا ۔ جب اسے اصطبل کا نائب داروغہ بنایا گیا تو خاص ضرورت کے سوا ایک لمحے کے لیے بھی بارگاہ کے دروازے سے ادھر اُدھر نہ ہوتا ۔ سفر و حضر (دونوں میں) آستانۂ عالیہ پر حاضر رہتا ۔ قلعۂ کالیور (گوالیار) کے محاصرے کے دوران میں بدرالدین سنقر نے راقم حروف پر ایسی مہربانیاں فرمائیں اور اس درجہ اعزاز و اکرام کیا کہ ان شفقتوں کی یاد دل سے کبھی محو نہ ہوگی ۔ اللہ تعالٰی اس پر رحمت کرے ۔

جب سلطان رضیہ کا عہد حکومت آیا تو اسے بدایوں کی حکومت ملی ۔ ۶۳۲ھ[۱۷] میں سلطان معزالدین کی بادشاہی کے وقت اختیارالدین ایتگین مارا گیا تو بدرالدین سنقر کو بدایوں سے بلا کر امیر حاجب مقرر کیا گیا ۔ جب ملک اختیارالدین التونیہ نے سلطان رضیہ کے ساتھ دہلی کا قصد کیا تو بدرالدین سنقر رومی نے فتنے کو مٹانے کے لیے نہایت عمدہ کوششیں کیں ۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد سنقر اور خواجہ نظام الملک مہذب الدین وزیر کے درمیان تفرقہ رونما ہوا ۔ سبب اس قدر معمولی سا تھا

کہ اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں ۔ دونوں کے درمیان رنج و کدورت میں اضافہ ہوتا رہا ۔ خواجہ نظام الملک ہر وقت اسی کوشش میں رہتا تھا کہ سلطان کا مزاج سنقر رومی سے برگشتہ کر دے ۔ آخر اس ہر سے سلطان کا اعتماد اٹھ گیا اور خود اسے بھی سلطان پر اعتماد نہ رہا ۔ یہ حال دیکھ کر سنقر رومی نے سید تاج الدین موسوی کی قیام گاہ پر ۱۰ صفر ۶۳۹ھ کو پیر کے دن بڑے بڑے آدمیوں کو جمع کیا ، تاکہ [25] تبدیل حکومت کے بارے میں مشورہ کیا جائے ۔ خواجہ مہذب الدین نے سلطان کو اطلاع دے دی ۔ سلطان سوار ہو کر موقع پر پہنچ گیا اور بدرالدین سنقر کو ان خیالات و افکار سے باز رکھا ۔ وہ سلطان کے ساتھ وہاں سے اٹھ آیا ۔ اسی روز اسے بدایوں جانے کا حکم مل گیا ۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد وہ اجازت حاصل کیے بغیر دہلی چلا آیا اور ملک قطب الدین کے مکان میں ٹھہرا ۔ اسے اُمید تھی کہ پناہ اور امان نامہ مل جائے گا ۔ بارگاہ سے فرمان صادر ہوا کہ اسے گرفتار کر لیا جائے ۔ چنانچہ پکڑ کر قید میں ڈال دیا ۔ کچھ مدت اسیری میں گزاری ۔ انجام کار ۱۴ ۔ ربیع الاول ۶۳۹ھ[18] کو بدھ کے دن شہادت پائی ۔

(۱۴) ملک تاج الدین سنجر قتلق

ملک تاج الدین قتلق[19] مرد کامل تھا ۔ وہ اصلاً قبچاق سے تھا ۔ مستعدی و مردانگی ، دانائی و دانشمندی ، بہادری اور شجاعت کمال پر پہنچی ہوئی تھی ۔ تمام اوصاف میں اس کا درجہ بہت بلند تھا ۔ نیکی اور پاک دامنی کا یہ عالم تھا کہ کوئی ممنوع فعل اس سے سرزد ہو ہی نہیں سکتا تھا ۔

سلطان التتمش نے اسے خواجہ جمال الدین ازیمان[20] سے خریدا تھا ۔ پہلے اسے محافظ فوج کا سالار بنایا ، بعد ازاں اصطبل کا نگران بنا دیا ۔ ہر عہدے پر سلطان کی بہترین خدمات انجام دیں ۔ التتمش کا دور ختم ہو گیا اور رضیہ تخت نشین ہوئی تو تاج الدین سنجر کو برن جاگیر میں ملا اور حکم ملا کہ لشکر لے کر گوالیار کی طرف جائے ۔ شعبان ۶۳۵ھ[21] میں راقم حروف دعاگوے دولت منہاج سراج ، سنجر کے ساتھ کالیور (گوالیار) سے آیا اور سلطان رضیہ کی بارگاہ میں [26] پہنچا ۔ راستے میں سنجر نے اتنی مہربانیاں کیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں ۔ کالیور (گوالیار) سے نکلتے وقت میرے پاس خود میری کتابوں کے دو صندوق تھے ، سنجر نے وہ اپنے اونٹ پر منتقل کر لیے اور

مہاون پہنچا دیے ۔ دوسرے وقتوں میں بھی مجھ پر اس کا انتہائی لطف وکرم رہا ۔ اللہ اس کی یہ نیکی قبول کرے اور اس پر اللہ کی رحمت ہو ۔

سنجر دہلی پہنچا تو اسے ولایت سرستی جاگیر میں مل گئی ۔ جب سلطان معزالدین بہرام شاہ تخت نشین ہوا تو سنجر نے بےشمار خدمات انجام دیں ۔ یہ دور ختم ہوا اور علاءالدین مسعود بادشاہ بنا تو سنجر کو بدایوں کی حکومت عطا ہوئی ۔ بدایوں کے علاقے کٹھیر میں جو آزاد قبیلے رہتے تھے ۶۴۰ھ میں سنجر نے ان کا زور توڑ ڈالا ۔ بڑے جہاد کیے ۔ بعض مقامات پر جامع مسجدیں تعمیر کرائیں ، منبروں اور خطبوں کا انتظام کیا ۔ خاصی بڑی فوج اکٹھی کر لی ۔ پیادے اور سوار آٹھ ہزار تھے ۔ ان کے علاوہ بے قاعدہ پیادے بہت تھے ۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ کالنجر اور مہوبہ کی جانب لشکرکشی کرے اور اس ولایت پر قابض ہو جائے ۔ ایک گروہ کو اس امر پر حسد پیدا ہوا ۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ سنجر کے پاس لشکر زیادہ ہے ، ساز و سامان بھی ہے اور وہ بڑی قوت کا حامل ہے ۔ یہ بھی جانتے تھے کہ سب پر اس کی ہیبت بیٹھی ہوئی ہے اور لشکرکشی میں اس کی دلیری بھی ہر ایک کے نزدیک مسلم تھی ۔ حسد کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے پانی میں زہر رکھ کر اسے کھلا دیا جس سے معدے میں تکلیف شروع ہوگئی ۔ اسی بیماری میں چند روز بعد انتقال کیا ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس نیک سیرت ملک کے حقوق جو اس دعاگو کے ذمے ہیں ، دعا سے ادا ہو جائیں ۔

ایک حق یہ ہے کہ جب راقم حروف نے ۶۴۰ھ[22] میں دہلی سے لکھنوتی کے سفر کا ارادہ کر لیا اور اپنے اہل و عیال کو پہلے بدایوں بھیج دیا ، اس نیک سیرت ملک نے اس دعاگو کے اہل و عیال کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر دیا اور ہر ممکن طریقے سے ان کی عزت کا خیال رکھا ۔ اور جب پانچ مہینے کے بعد خود دعاگو بدایوں پہنچا تو اتنا انعام دیا اور اتنا اعزاز ملحوظ رکھا کہ تحریر میں نہیں سما سکتا ۔ اس نے بدایوں میں جاگیر مقرر کر دی ۔ طرح طرح کی مہربانیاں مجھ پر کیں ۔ لیکن تقدیر لکھنوتی کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی اور رزق وہیں کا تھا ۔ جدھر قضائے الٰہی لے گئی چلا گیا ۔ اللہ تعالیٰ اس نیک سیرت [27] ملک کی مہربانیاں قبول فرمائے ۔ سلطان معظم مسند سلطنت پر پایندہ رہیں ۔ بقا اور دوام صرف اللہ کے لیے ہے ۔

(۱۵) ملک تاج الدین سنجر کریت خاں

ملک کریت خاں قپچاق ترک تھا ۔ بہادری ، مردانگی ، مستعدی اور عقل مندی میں اسے کمال حاصل تھا ۔ میدانِ جنگ کا معاملہ ہوتا تو لشکر اسلام کی صفوں میں بڑے بڑے بہادروں کے درمیان بھی وہ یگانہ سمجھا جاتا تھا ۔ ہتھیاروں کے استعمال اور سواری میں اس جیسا دوسرا کوئی نہ تھا ۔ سواری میں دو گھوڑے رکھتا اور دونوں پر زین کسا ہوا رہتا ۔ ایک پر سوار ہوتا ، دوسرے کو ساتھ لیے لیے سرپٹ دوڑانے کی حالت میں ایک گھوڑے سے اچھل کر دوسرے پر جا بیٹھتا ، پھر پہلے پر آ جاتا ۔ کئی مرتبہ ایسے کرتب دکھاتا ۔ تیراندازی میں اتنا کمال بہم پہنچا لیا تھا کہ میدان جنگ میں کوئی دشمن اور شکارگاہ میں کوئی شکار اس کے دوشاخہ تیر کے زخم سے سلامت نہیں رہ سکتا تھا ۔ کسی شکارگاہ میں اپنے ساتھ چیتا یا باز یا شکاری کتا نہ لے جاتا ۔ ہر شکار صرف تیر سے کرتا ۔ شکار کے لیے جنگل میں نکلتا تو تمام ساتھیوں سے آگے رہتا ۔ وہ دریاؤں اور کشتیوں کا بھی ناظم و نگران تھا ۔ دعاگو کے ساتھ اسے بےحد محبت و ارادت تھی ۔ اللہ تعالیٰ اسے غریق غفران کرے ۔ سلطان شمس الدین التتمش کے ترکوں نے پہلی مرتبہ خواجہ مہذب الدین وزیر کے خلاف بغاوت کی (جمادی الاولیٰ ۶۴۰ھ ۱۲۴۳ء) تو اس ہنگامے میں پیش پیش کریت خاں تھا ۔ خواجہ مہذب کے ایک غلام مہتر جتان نے جو فراش تھا ، کریت خاں کے چہرے پر تلوار ماری تھی اس زخم کا نشان چہرے پر باقی رہا ۔

خواجہ مہذب کی شہادت کے بعد کریت خاں ہاتھیوں کا داروغہ بن گیا ۔ پھر محافظ فوج کا سالار مقرر ہوا ۔ بعد ازاں برن کی جاگیر پائی ۔ آخر اودھ کی حکومت ملی ۔ وہاں جہاد بہت کیا ۔ آزاد قبائل پر بار بار یورشیں کیں ۔ اودھ سے بہار کی طرف گیا اور وہاں تاخت و تاراج کی ۔ [28] بہار کے ایک قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا ، وہاں تیر لگنے سے شہادت پائی ۔ (اس پر اللہ کی رحمت اور غفران ہو) ۔

(۱۶) ملک بت خاں سیف الدین ایبک خطائی

ملک سیف الدین (بت خاں) ایبک خطائی بڑا نیک سیرت ، حلیم ، متواضع اور اچھے اعتقاد کا آدمی تھا ۔ مستعدی اور مردانگی میں ممتاز ، بہادری اور

دانائی میں مشہور - سلطان سعید نے اسے خریدا اور محافظ فوج کے سالار کا عہدہ دے دیا - پھر علاءالدین مسعود شاہ کے عہد میں دوبارہ یہی عہدہ ملا - کہرام اور سامانہ کی جاگیر اسے دے دی گئی - پھر برن اس کے حوالے ہوا - بارگاہ شاہی سے اسے اوچہ اور ملتان کی ولایت قبضے میں لانے کے لیے بھیجا گیا - اس لشکر کشی میں اس کا ایک بیٹا جو عنفوانِ شباب ہی میں بہادری اور مردانگی کے اعتبار سے درجہ امتیاز حاصل کر چکا تھا ، گھوڑے کے ساتھ دریائے سندھ میں غرق ہو گیا -

جب وہاں سے لوٹا تو مدت کے بعد بادشاہوں کے بادشاہ سلطان ناصرالدنیا والدین کے پاس وکیل در مقرر ہوا - سلطان کی بارگاہ میں پسندیدہ خدمات انجام دیں - سرمور پر لشکر کشی ہوئی تو وہاں سے واپسی میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی - اللہ بادشاہ اسلام کو سلطنت میں باقی رکھے -

(۱۷) ملک تاج الدین سنجر ترخان

ملک تاج الدین سنجر ترخان کرخی[۲۴] ترک تھا - بڑا مستعد اور جواں مرد ، بہت دانشمند اور فرزانہ - اس میں بڑے پسندیدہ اوصاف تھے اور وہ خاص احوال کا آدمی تھا - مردانگی اور لشکرکشی کی خصوصیتوں سے آراستہ ، نیکی اور پاکیزہ سیرتی کے اعتبار سے مشہور - سلطان سعید نے اسے خریدا تھا - سلطان معزالدین کے عہد میں داروغہ اصطبل [29] مقرر ہوا - سلطان ناصرالدین کے زمانے میں اسے نائب امیر حاجب بنا دیا گیا - (کچھ مدت کے بعد امیر حاجب بن گیا) - جھنجھانہ اس کی جاگیر مقرر ہوا - جب الغ خان اعظم ناگور کی طرف روانہ ہوا تو ملک تاج الدین سنجر اس کی خدمت اور خیر خواہی میں خصوصیت کا حامل تھا - اسے ہندوستان میں کسمنڈی اور منڈیانہ کی جاگیر دے دی گئی - کچھ مدت وہاں رہا - خان اعظم دوبارہ بارگاہ عالی میں پہنچا تو ملک ترخان بھی دہلی گیا ، اسے برن کی جاگیر ملی - کچھ مدت تک وہاں رہا - ۶۵۳ھ[۲۵] میں بادشاہ اسلام کا وکیل در مقرر ہوا اور بدایوں اس کی جاگیر میں دیا گیا -

جب ملک قتلغ خان فرمان شاہی کے خلاف اودھ ہی میں رہا اور لشکر لے کر بدایوں کی طرف بڑھا تو ملک ترخان کو ملک بکتم ارکلی اورخان کے

ساتھ لشکر دے کر لشکر ہند کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا ۔ دونوں لشکروں کے درمیان سیھراسو[26] میں مقابلہ ہوا ۔ ملک ترخان کو مجبوراً مقابلے سے ہٹنا پڑا اور وہ دہلی آ گیا ۔ پھر اسے اودھ کی حکومت پر مقرر کیا گیا ۔ وہاں پہنچا اور پوری ولایت کا انتظام بخوبی سنبھال لیا ۔ کافروں کے آزاد قبیلوں کی خوب گوشمالی کی اور ان سے مال غنیمت چھینا ۔ چند مرتبہ فرمان کے مطابق دہلی آیا ۔ خدمت کی گردن ہر لحظہ فرماں برداری کے حلقے میں رکھی ۔

جس سال یہ کتاب لکھی جا رہی تھی یعنی ۶۵۸ھ[27] میں ملک ترخان شاہی فرمان کے مطابق دہلی آیا اور خاقان معظم (بلبن) کے مشورے سے دہلی اور قلب کے لشکر کا سالار مقرر کرکے میوات کے کوہستانی علاقے کی طرف بھیجا گیا ۔ وہاں اس نے پسندیدہ خدمات انجام دیں ۔ پھر دہلی واپس آ گیا ۔ الغ خان معظم کے ہم رکاب دوبارہ میوات کے کوہستانی علاقے میں جہاد کے لیے گیا ۔ بڑی مردانگی اور مستعدی دکھائی ۔ دہلی واپس آنے پر بے شمار اعزازات ملے ۔ پھر اودھ لوٹ گیا ۔ دعا ہے اللہ تعالٰی سلطنت کے خادموں کو جہانداری پر باقی اور پائندہ رکھے ۔ (اپنے احسان اور اپنے کرم سے) ۔

(۱۸) ملک اختیارالدین یوزبک طغرل خاں

[30] ملک اختیار الدین یوزبک کا تعلق قبچاق سے تھا ۔ وہ سلطان شمس الدین کا غلام تھا ۔ جب گوالیار کے قلعے کا محاصرہ جاری تھا تو وہ سلطانی باورچی خانے کا نائب داروغہ تھا ۔ سلطان رکن الدین فیروز شاہ تخت نشیں ہوا تو ملک یوزبک کو امیر مجلس کا عہدہ دیا گیا ۔ پھر فیل خانے کا داروغہ بنا دیا گیا اور اسے بادشاہ کی بارگاہ کا قرب خاص حاصل تھا ۔

جب سلطان کے غلاموں نے ترائن کے میدان میں بغاوت اختیار کی اور بڑے بڑے لوگ مارے گئے ، مثلاً تاج الملک ، بہاؤ الملک ، کریم الدین زاہد ، نظام الدین شفورقانی ، تو باغیوں کے سرخیلوں میں سے ایک ملک یوزبک بھی تھا ۔

سلطان رضیہ کے عہد حکومت میں اسے داروغہ اصطبل کا عہدہ مل گیا ۔

جب سلطان معزالدین بہرام شاہ تخت نشین ہوا تو دہلی کے سرداروں اور امیروں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تو ملک یوزبک ملک قراقش کے ساتھ (منگل کے روز یکم شعبان ۶۳۹ھ ۲۸) سلطان معزالدین کے پاس شہر میں آ گیا ۔ چند مرتبہ پسندیدہ خدمات انجام دیں ۔ مہتر مبارک شاہ فرخی (فراش) نے معزالدین کے مزاج میں بے حد رسوخ حاصل کر لیا تھا اور وہ ترک امیروں کو سلطان سے جدا کرتا رہتا تھا ۔ اس نے سلطان کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ ملک قراقش کے ساتھ ملک یوزبک کو بھی قید کر لے ۔ چنانچہ اسے ۹ رمضان ۶۳۹ھ کو بدھ کے دن قید کر لیا گیا ۔ ۷ ذیقعدہ ۶۳۹ھ ۲۹ کو منگل کے دن شہر فتح ہوا تو ملک یوزبک نے رہائی پائی ۔

جب سلطان علاءالدین مسعود شاہ بادشاہ بنا تو تبرہندہ کی حکومت ملک یوزبک کو دے دی ۔ کچھ مدت کے لیے لاہور کا بھی حاکم رہا ۔ وہاں اسے ملک نصیرالدین محمد بندار سے دشمنی پیدا ہو گئی ۔ پھر اس نے خود بارگاہ شاہی کی مخالفت [31] شروع کر دی ۔ کیونکہ اس کے مزاج میں تہور اور خودرائی بہت زیادہ تھی ۔ الغ خان معظم اسے اچانک دربار میں لے آیا ۔ وہاں اس پر نوازش ہوئی ۔ خان معظم کی عرضداشت پر بادشاہ نے یوزبک کو شاہانہ پرورش سے اختصاص بخشا اور اس کی مخالف حرکتوں کو معاف کر دیا ۔

جاج نگر سے جنگ :

پھر مدت تک یوزبک قنوج میں حاکم رہا ۔ دوبارہ سرکشی شروع کر دی ۔ دہلی سے ملک قطب الدین حسن کو لشکر دے کر اس کے خلاف بھیجا گیا ۔ چنانچہ اسے دوبارہ فرمانبرداری اور اطاعت گزاری پر مجبور کیا گیا ۔ کچھ مدت بعد اودھ اس کے حوالے ہوا ۔ دہلی آیا تو لکھنوتی کی حکومت اسے دے دی گئی ۔ لکھنوتی پہنچا تو ولایت کا انتظام بڑی عمدگی سے کیا ۔ اسے رائے جاج نگر سے دشمنی پیدا ہو گئی تھی ۔ رائے کی فوج کا سالار اس کا داماد تھا ، جس کا نام سابن تر (ساونتر) تھا ۔ وہ ملک عزالدین طغرل طغان خان کے عہد حکومت میں دریائے لکھنوتی کے کنارے تک بڑھ آیا تھا ۔ اور مردانگی سے کام لے کر لشکر اسلام کو لکھنوتی کے دروازے تک دھکیل لایا تھا ۔

یوزبک نے اپنے عہد میں بڑی مردانگی دکھائی ، مگر شکست کھائی ۔

دوبارہ جنگ کی تو کامیاب ہوا ۔ تیسری مرتبہ پھر شکست سے سابقہ پڑا ۔ اس کے پاس ایک سفید ہاتھی تھا ، جس سے زیادہ نادر چیز وہاں کوئی نہ تھی ۔ وہ مست ہو گیا اور دوران جنگ میں یوزبک کے ہاتھ سے نکل کر جاج نگر کے کافروں کے ہاتھ میں چلا گیا ۔

دوسرے سال ملک یوزبک نے (دہلی سے امداد کی درخواست کی) اور لکھنوتی سے ارسودن[۳۰] پر لشکر کشی کی ۔ اچانک اس نے رائے پر حملہ کیا اور اس کے مرکز حکومت میں پہنچ گیا ۔ اسے لوگ ارسودن کہتے تھے ۔ رائے ملک یوزبک کے مقابلے سے ہٹ گیا ۔ اس کے اہل و عیال ، نوکر چاکر ، متوسلین ، ساتھی ، اس کی دولت اور ہاتھی سب مسلمانوں کے قبضے میں آئے ۔

اودھ پر حملہ :

جب یوزبک لکھنوتی واپس ہوا تو مرکز دہلی کی مخالفت شروع کر دی ۔ اس نے اپنے لیے تین چتر تیار کرائے ۔ ایک سرخ ، ایک سفید اور ایک سیاہ ۔ پھر لکھنوتی سے لشکر لے کر اودھ پر بڑھا اور شہر اودھ (اجودھیا) میں پہنچ گیا ۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اپنے لیے سلطان مغیث الدین لقب اختیار کیا ۔ دو ہفتے گزر گئے تو جو بادشاہی لشکر اودھ میں تھا ، اس کے ایک ترک امیر نے اچانک یوزبک پر چڑھائی کردی اور مشہور یہ کیا کہ شاہی لشکر آ پہنچا ہے ۔ [32] ملک یوزبک شکست کھا کر ایک کشتی میں بیٹھا اور لکھنوتی پہنچ گیا ۔ ملک یوزبک کی اس حرکت کو تمام عالموں ، امیروں ، ہندوؤں اور مسلمانوں نے ناپسند کیا کہ اس نے بادشاہ سے بغاوت کی اور مخالفت کے لیے اُٹھا ۔ آخر اس حرکت کی نحوست اس پر نازل ہوئی ۔ وہ بیخ و بُن سے اکھڑ گیا ۔

کامرود پر یورش :

جب وہ اودھ سے لکھنوتی پہنچا تو کامرود کا پختہ ارادہ کر لیا ۔ لشکر دریائے بیگ متی سے گزارا ۔ رائے کامرود میں مقابلے کی طاقت نہ تھی ، شکست کھا کر ایک طرف ہٹ گیا ۔ ملک یوزبک نے شہر کامرود فتح کر لیا ۔ بے شمار مال و خزانہ ہاتھ لگا ۔ اسے تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ۔ راقم الحروف لکھنوتی میں تھا تو اس شخص کی زبان سے سنا تھا ، جس کی

جات لائق اعتماد تھی ، اس نے بتایا کہ گرشاسپ شاہ عجم چین گیا تھا ، وہاں سے کامرود کے راستے ہندوستان آیا ۔ اس وقت سے بارہ سو خزانے سر بہ مہر چلے آتے تھے ۔ اس مال و زر کے کسی حصے پر کسی راجا نے ہاتھ نہیں ڈالا تھا ۔ وہ سب خزانے لشکر اسلام کے قبضے میں آئے ۔ کامرود میں خطبہ اور نماز جمعہ کا اجرا ہوا ۔ اہل اسلام کے نشان نمایاں ہوئے ۔ مگر کیا فائدہ ؟ سب کچھ جنون کے باعث برباد کر دیا گیا ۔

عقل مندوں نے کہا ہے : کام کو انتہا پر پہنچانے کی خواہش کارکن کے لیے کبھی بابرکت ثابت نہیں ہوتی :

دولت آں بہ کہ آفت و خیز بود
(دولت وہی اچھی ہے جو آتی جاتی ہو)

دولت تیز رستخیز بود
(تیز دولت قیامت بن جاتی ہے)

کہتے ہیں جب کامرود فتح ہو گیا تو رائے نے کئی مرتبہ معتمد آدمی یوزبک کے پاس بھیجے اور کہلوایا کہ یہ ملک تو نے فتح کر لیا ۔ پیشتر اہل اسلام میں سے کسی نے اسے فتح نہیں کیا تھا ، اب تو لوٹ جا اور مجھے تخت پر بٹھا دے ۔ میں ہر سال تجھے بے شمار روپیہ اور ہاتھی خراج میں بھیجا کروں گا ۔ خطبہ اور سکہ بہ دستور باقی رہے گا ۔ ملک یوزبک کسی طور بھی اس پر راضی نہ ہوا ۔

فوج کی تباہی :

آخر رائے نے لشکر اور رعایا سب سے کہا کہ یوزبک کے پاس جاؤ اور اس سے عہد لے لو ۔ جس نرخ پر وہ کامرود کا غلہ فروخت کرے سب [33] لے لو تاکہ لشکر اسلام کے پاس خوراک اور چارہ باقی نہ رہے ۔ چنانچہ سارا غلہ گراں نرخ پر خرید لیا گیا اور یوزبک کا خیال یہ تھا کہ پوری ولایت آباد ہے ، لہٰذا غلہ یا چارہ ذخیرہ کر لینے کی کیا ضرورت ہے ۔ فصل ربیع کاٹنے کا وقت آ گیا ۔ رائے نے تمام رعایا کو ساتھ لے کر مخالفت شروع کر دی ۔ پانی کے تمام بند توڑ دیے ۔ ملک یوزبک اور اسلامی لشکری بالکل عاجز رہ گئے ۔ بے سر و سامان ہونے کے باعث ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ۔ سب نے باہم رائے زنی شروع کر دی کہ یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکلنا چاہیے ، ورنہ ہم بھوک سے تباہ ہو جائیں گے ۔ چنانچہ کامرود سے لکھنوتی

کی طرف روانہ ہوئے۔ میدانی اور آبی راستوں پر بھی ہندو قابض تھے ۔ مسلمانوں نے رہبر لیے کہ دامن کوہ کے ساتھ ساتھ کامرود سے باہر پہنچا دیں ۔ چند منزلیں طے کی تھیں کہ تنگ دروں اور گھاٹیوں میں پہنچے ۔ ہندوؤں نے وہاں آگے اور پیچھے دونوں طرف سے محاصرہ کر لیا ۔ ایک تنگ مقام پر سامنے کے دو ہاتھیوں میں لڑائی شروع ہو گئی اور فوج میں افراتفری پھیل گئی ۔ ہندوؤں نے ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا اور دونوں باہم گتھم گتھا ہوگئے ۔ ملک یوزبک ہاتھی پر سوار جا رہا تھا ، اچانک ایک تیر اس کے سینے میں لگا ، گرا اور اسیر ہو گیا ۔ اس کے بیٹے اور ساتھی بھی گرفتار ہوئے ۔ جب اسے راے کے سامنے لے گئے تو درخواست کی کہ میرے بیٹے کو لاؤ ، بیٹے کو لائے تو اپنا منہ اس کے منہ پر رکھا اور جان جان آفریں کے حوالے کر دی ۔[۳۱] (اللہ تعالیٰ ہمارے بادشاہ کو تخت شاہی پر باقی رکھے !)

حواشی

۱- آقائے حبیبی فرماتے ہیں کہ یہ دریائے سون- (صوبہ بہار) کے بائیں کنارے پر واقع ہے -

۲- ۳۵ - ۱۲۳۳ء -

۳- سہتر کے معنی ہیں بڑا ، بزرگ ، جیسے سہتر چترال - فرزند سہتر یعنی فرزند کلاں - ریاض السلاطین میں اس کا نام قرا بیگ نور خاں مرقوم ہے -

۴- ۳۳ - ۱۲۳۲ء -

۵- راورٹی نے لکھا ہے کہ یہ غالباً دھرم کاؤں ہے اور آئین اکبری کے مطابق دھرن کاؤں -

۶- ۱۸- ستمبر ۱۲۳۶ء -

۷- سرآبدار سے مراد ہے آبدار خانے کا منتظم اعلیٰ -

۸- سر چتردار سے بہ ظاہر مراد تمام شاہی چترداروں کا رئیس -

۹- اساڑھ کا مہینہ وسط جون سے وسط جولائی تک رہتا ہے - یعنی اساڑھ درست مانا جائے تو حملہ ذی الحجہ ۶۳۷ھ میں ہوا- آقائے حبیبی نے فرمایا کہ رمضان ۶۳۷ھ میں مئی کا مہینہ تھا - اول رمضان ۶۳۷ھ ۲۶- مارچ سے شروع ہو کر ۴- اپریل ۱۲۴۰ء کو ختم ہو گیا - ثانیاً اپریل مئی میں بیساکھ ہوتا ہے - مئی جون میں جیٹھ اور جون جولائی میں اساڑھ - بہ ہر حال یا یہ لفظ صحیح نہیں پڑھا گیا یا بیان صحیح نہیں -

۱۰- ۱۴- اکتوبر ۱۲۴۰ء -

۱۱- اس مقام کا ٹھیک پتا نہ چل سکا - ممکن ہے یہ ''کنجاہ'' ہو جو گجرات میں ہے اور غنیمت شاعر کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہو چکا ہے اور یہ نندنہ سے زیادہ دور نہیں -

۱۲- ۳۰ جولائی ۱۲۴۰ء -

۱۳- راورٹی کہتا ہے وہ رومیلیا کا تھا -

۱۴- راورٹی ''بہلہ دار'' کا مطلب بتاتا ہے خرچ خاص کا منتظم۔ آقائے حبیبی نے لکھا ہے: بہلہ چمڑے کے اس دستانے کو کہتے ہیں جو شکار میں پہنتے ہیں۔ گویا اس کا تعلق محکمۂ شکار سے تھا۔

۱۵- زرا خانہ، زرہ بنانے کے کارخانے کو کہتے ہیں۔

۱۶- یہاں متن میں نائب امیر حاجب مرقوم ہے جو صحیح نہیں۔ نائب امیر آخر ہونا چاہیے۔

۱۷- اوپر ۶۳۸ھ بتایا ہے اور یہاں ۶۳۶ھ لکھ دیا جو صریح غلط ہے۔

۱۸- ۲۲ ستمبر ۱۲۴۱ء۔

۱۹- راورٹی نے تتلق کی جگہ قیتی لوق لکھا ہے۔

۲۰- راورٹی میں تذیماں ہے۔

۲۱- مارچ اپریل ۱۲۳۸ء۔

۲۲- ۴۳-۱۲۴۲ء۔

۲۳- نومبر ۱۲۴۲ء۔

۲۴- راورٹی نے ترخان کو تیز خان لکھا ہے۔ کرخ ایک مقام کا نام ہے جو ترکستان میں ہے۔ بعض نے کرخی کی جگہ کرجی لکھا ہے۔

۲۵- ۱۲۵۶ء۔

۲۶- دریائے گھاگھرا کے مغرب میں ایک مقام (راورٹی)۔

۲۷- ۱۲۶۰ء۔

۲۸- ۴- فروری ۱۲۴۲ء۔

۲۹- ۹- مئی ۱۲۴۲ء۔

۳۰- راورٹی نے لکھا ہے کہ یہ حملہ جاج نگر پر تھا اور ارمودن جاج نگر کا دارالحکومت تھا۔

۳۱- ریاض السلاطین کا بیان اس سے مختلف ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ طغرل نے جاج نگر (۶۷۸ھ/۸۰-۱۲۷۹ء) میں فتح کیا تھا۔ کامروپ فتح کر لیا۔ یہ بلبن کا زمانہ تھا۔ جب دیکھا کہ بلبن بوڑھا ہو چکا ہے اور اس کے بیٹے شمالی ہند کی جنگ میں مصروف ہیں تو خود مختاری اختیار کرلی۔ مگر بلبن خود اچانک لکھنوتی پہنچا اور سخت تعاقب کے بعد طغرل کا فتنہ ختم کیا۔ اس کا سر کاٹا گیا۔

☆ ☆ ☆

تیسرا باب

شمسی ملوکِ ہند

(۳)

(۹۱) ملک تاج الدین سنجر ارسلان خان خوارزمی

ارسلان خان بڑا مستعد اور بہادر اور فرزانگی اور دلیری میں بہت ممتاز تھا ۔ سلطان سعید نے اسے اختیار الملک ابوبکر حبشی سے خریدا تھا اور اختیارالملک اسے عدن اور مصر کی طرف سے لایا تھا ۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ خوارزمی امرا میں سے کسی کا بیٹا تھا ، شام و مصر جا پہنچا ، [34] وہاں گرفتار ہوا اور اسے غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا ۔ سلطان نے اسے خریدا تو پہلے خاصہ دار بنا دیا ۔ مدت تک یہی خدمت انجام دیتا رہا ۔ جب سلطان شمس الدین کا دور ختم ہو گیا ، رکن‌الدین فیروز شاہ کی حکومت بھی باقی نہ رہی تو سلطان رضیہ کے عہد میں اسے باورچی خانہ کا داروغہ (چاشنی گیر) بنایا گیا ۔ پھر اسے بلا رام کی جاگیر ملی ۔

سلطان سعید نے اپنی زندگی ہی میں اس کی شادی ملک بہاءالدین طغرل والی بیانہ کی بیٹی سے کر دی تھی ۔ بیانہ اور اس کے اطراف کی آباد کاری اسلامی حکومت کے آغاز میں ملک بہاء الدین ہی کی بدولت ہوئی تھی ۔ اس وجہ سے سلطان ناصرالدین کے عہد میں بیانہ ارسلان خان کی جاگیر قرار پایا ۔ کچھ مدت بعد وکیل در کا عہدہ بھی اس کے حوالے ہوا ۔ پھر تبرہندہ شیر خان کے متعلقوں سے آزاد کرا لیا ۔ گویا ارسلان خان کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا ۔ ذی حجہ ۶۵۱ھ[1] میں الغ خان اعظم فرمان سلطانی کے مطابق ناگور چلا گیا تھا ، جب اس نے دوبارہ بارگاہ سلطانی میں آنے کا ارادہ کیا تو ارسلان خان سنجر ، خان اعظم کے ساتھ ہو گیا ۔ بارگاہ میں

پہنچے تو ارسلان کو اعزاز سے سرفراز کیا اور وہ تبرہندہ لوٹ گیا ۔ جب ملک شیر خاں نے ترکستان سے آ کر تبرہندہ پر قابض ہونے کی کوشش کی ، وہ لاہور سے بہت سے سواروں اور پیادوں کے ساتھ تبرہندہ کی طرف بڑھا ، رات کے وقت فصیل کے پاس آیا ۔ شیر خاں کے لشکری شہر میں بکھر گئے ۔ صبح کو سورج نکل آیا تو ارسلان خاں سنجر اپنے خاص ملازموں اور فرزندوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا ۔ شیر خاں کے لشکری بکھرے ہوئے تھے لہٰذا وہ مجبوراً لوٹ گیا ۔

اودھ میں سرکشی :

بعد ازاں شیر خاں بارگاہ اعلیٰ پہنچا اور ارسلان خاں سنجر بھی آیا ۔ مدت تک ٹھہرا رہا ۔ پھر اودھ اس کے حوالے ہوا ۔ قتلغ خاں نے ان امرا کی حمایت کے بل پر جو اس کے ہم نوا تھے چند مرتبہ اودھ اور کڑہ کے لیے پریشانیاں پیدا کیں ۔ ارسلان خاں نے یہ فتنہ مٹا دیا ۔ لشکر لے کر ان پر حملہ آور ہوا اور انہیں منتشر کر ڈالا ۔ پھر اس کے مزاج میں بارگاہ سلطانی کے خلاف خفیف سا تغیر پیدا ہو گیا اور خود سلطان نے اس اندیشے کے انسداد کی غرض سے اودھ اور دامن کوہ کی طرف حرکت کی ۔ جب سلطان کے پرچموں کا سایہ اس ولایت پر پڑا [35] تو ارسلان خاں لشکر شاہی کے سامنے سے ہٹ گیا ۔ اپنے معتمد بھیج کر امان مانگی ۔ شرط یہ پیش کی کہ سلطان واپس چلا جائے ؛ ارسلان خاں ، قتلغ بن ملک جانی کے ہمراہ بارگاہ میں حاضر ہوگا ۔ یہ تجویز منظور کر لی گئی ۔

جب سلطان کی سواری مرکز حکومت میں پہنچ گئی تو کچھ مدت بعد ارسلان خاں بارگاہ میں حاضر ہوا ۔ اسے خاص اعزاز و اکرام سے نوازا گیا ۔ مدت تک دہلی میں ٹھہرا رہا ۔ ۶۵۷ھ[2] میں شہر کڑہ اس کی جاگیر مقرر ہوا ۔ اسی سال کے اوائل میں اس نے کڑہ سے لوٹ مار کے لیے مالوہ اور کالنجر پر فوج کشی کی ۔ چند منزل جا کر لوٹ آیا اور لکھنوتی کی طرف روانہ ہو گیا ۔

لکھنوتی پر یورش :

لکھنوتی کا حاکم مشرق بنگال کی طرف گیا ہوا تھا اور شہر لکھنوتی فوج سے خالی تھا ۔ ارسلان خاں نے اپنے اصل ارادے کے متعلق بیٹوں یا امرا میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی ، نہیں بتایا تھا کہ لکھنوتی پر

قبضے کی غرض سے جا رہا ہوں ۔ بارگاہ سلطانی سے اس کے لیے کوئی اذن یا فرمان بھی موجود نہ تھا ۔ جب ولایت لکھنوتی میں پہنچ گیا اور فرزندوں اور امیروں کو اس کے اصل ارادے سے آگاہی ہوئی تو سب نے موافقت سے انکار کر دیا ۔ لیکن لوٹنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی ، اس لیے مجبوراً موافقت پر آمادہ ہو گئے ۔ جب ارسلان خاں لکھنوتی کے دروازے پر پہنچا تو اہل شہر محصور ہو گئے ۔

راوی کہتے ہیں کہ تین روز جنگ ہوتی رہی ، پھر ارسلان خاں نے شہر فتح کر لیا ۔ اسے لوٹا ، مال ، مویشی اور مسلمان قیدی اس کے لشکریوں کے ہاتھ آئے ۔ تین ہی روز لوٹ مار اور تاراج کا سلسلہ جاری رہا ۔ جب یہ فتنہ سکون پذیر ہوا تو ملک عزالدین بلبن کو اس حادثے کی اطلاع ملی ۔ وہ لکھنوتی کا حاکم تھا ، جہاں تھا ، وہیں سے لوٹا ۔ اس کے اور ارسلان خاں کے درمیان جنگ ہوئی ۔

بادشاہ کی طرف سے عزالدین بلبن کے نام لکھنوتی کی حکومت کا فرمان پہلے صادر ہو چکا تھا ، پھر اس نے دو ہاتھی ، روپیہ اور بہت سی نفیس چیزیں بارگاہ عالی میں بھیجی تھیں ۔ ارسلان خاں کا جتنا اسباب تھا ، عزالدین کے ہاتھ آیا ۔ خود ارسلان خاں اسیر ہو گیا ۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مارا گیا ۔[۳] ان بلاد کے حالات اور ان اطراف کے حادثوں کے متعلق یہی معلومات تھیں جو پیش کر دی گئیں (اللہ تعالیٰ سلطان اسلام کو باقی رکھے !)

(۲۰) ملک عزالدین کشلو خاں سلطانی

[36] ملک عزالدین بلبن قبچاق سے تھا ۔ بڑا مستعد ، بہادر ، نیک سیرت ۔ عالموں ، زاہدوں ، صالحوں اور اہل خیر کا بہت معتقد تھا ۔ سلطان شمس الدین نے اسے ایک تاجر سے خریدا تھا جب مندور کا محاصرہ جاری تھا ۔ پہلے اسے ساقی گری (پیالہ برداری) کی خدمت سونپی ۔ قلعہ گوالیار کا محاصرہ جاری تھا جب اسے مشروبات کا مہتمم بنا دیا ۔ پھر اسے برہموں جاگیر میں عطا ہوا ۔ کچھ مدت بعد برن اس کے حوالے کر دیا گیا ۔ جب سلطان شمس الدین کا عہد ختم ہو گیا تو ترک امرا نے تراین میں رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف ہنگامہ بپا کیا ۔ یہ عہد بھی گزر گیا تو ملک جانی اور ملک کوچی نے شہر دہلی کے دروازے پر سلطان رضیہ کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور جو ترک امرا سلطان شمس الدین کے غلام تھے ، وہ سلطان رضیہ

کی خدمت میں مصروف تھے ۔ ان لڑائیوں میں ملک بلبن مخالفوں کے ہاتھ اسیر ہو گیا ۔ بعد ازاں رہائی پائی اور سلطان کی طرف سے اعزاز و اکرام کا مستحق ٹھہرا ۔

سلطان رضیہ کا عہد بھی گزر گیا اور معزالدین بہرام شاہ بادشاہ بنا تو عزالدین بلبن بہ دستور معزز و مکرم رہا ؛ یہاں تک کہ خواجہ مہذب الدین وزیر نے سلطان معزالدین اور ترک امرا کے درمیان مخالفت کی آگ بھڑکا دی ۔ یہ کیفیت بیان کی جا چکی ہے ۔ اس سے پیشتر تمام امرا و ملوک ۶۳۰ھ میں سلطان معزالدین کو تخت سے اتارنے کے حلیے حلف اٹھا چکے تھے ۔ سب اکٹھے ہو کر دہلی آئے ۔ پانچ مہینے یا اس سے بھی زیادہ مدت تک مقابلہ و ہنگامہ جاری رہا ۔ آخر شہر بڑے سرداروں کے قبضے میں آ گیا ۔ اس پورے ہنگامے کا سرخیل ملک بلبن ہی تھا ۔ وہ خود شاہی محل میں پہنچ گیا اور اپنی فرمانروائی کے لیے شہر میں منادی کرا دی ۔

یہ کیفیت معلوم ہوتے ہی ملک اختیارالدین ایتگین والی کہرام ، تاج الدین سنجر قتلق ، نصرت الدین ایتمر نیز چند اور امیر سلطان شمس الدین التتمش کے روضے پر جمع ہوئے ۔ منادی کی تردید کی اور اس امر اتفاق کیا کہ سلطان کے جو فرزند [37] اور شہزادے قید ہیں انھیں باہر نکالا جائے ۔ ملک بلبن کو یہ حالات معلوم ہوئے تو ان امرا سے جا ملا اور علاءالدین مسعود شاہ کو تخت پر بٹھایا ۔ سلطان نے اسے ایک ہاتھی اور ولایت ناگور کا حاکم بنا دیا ۔ چنانچہ وہ ناگور چلا گیا ۔ جب تاتاریوں کا لشکر اوچہ پہنچا اور سلطان علاء الدین ان کی سرکوبی کی غرض سے لشکر اسلام کے ساتھ دریائے بیاس کی جانب روانہ ہوا تو ملک بلبن بھی لشکر لے کر موقع پر آیا ۔ وہ مہم پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔ تاتاری شکست کھا کر چلے گئے تو بلبن بھی ناگور واپس گیا ۔ پھر ملتان اس کے حوالے ہوا ۔

ناگور کی حوالگی :

بادشاہوں کا بادشاہ ناصر الدنیا و الدین تخت سلطنت پر بیٹھا (خدا اسے ہمیشہ قائم رکھے !) تو ملک بلبن کئی مرتبہ بارگاہ میں حاضر ہوا اور اوچہ و ملتان کے لیے درخواست کی ۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ سوالک و ناگور دوسرے غلاموں کے حوالے کر دیے جائیں جو بارگاہ سلطانی میں ملوک کا درجہ رکھتے ہیں ، تا کہ بادشاہ ان میں سے کسی ایک

کے نام بلبن کے بعد انتظامات سنبھالنے کا فرمان صادر کر دے ۔ جب بلبن نے اوچہ پر قبضہ کر لیا تو ناگور بھی اپنے پاس رکھا ۔ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا ۔ سلطان اعظم نے (خدا اس کا ملک اور سلطان ہمیشہ قائم رکھے !) ملوک اسلام (اللہ انھیں فتح عطا کرے) خصوصاً الغ خان معظم (خدا اس کی دولت کا یاور و ناصر ہو) کے ساتھ دہلی سے ناگور کا مصمم ارادہ کیا ۔ وہاں پہنچے تو عزالدین بلبن خاصی کشا کش اور ردوکد کے بعد اطاعت گزار بنا اور ناگور حوالے کر دیا اور اوچہ چلا گیا ۔

ملتان پر قرلغیوں کا قبضہ :

جب سلطان کی طرف سے اوچہ اور ملتان ملک بلبن کے حوالے ہوئے تو ملک حسن قرلغ بنیان سے لشکر ملتان کے دروازے پر لے آیا تا کہ اس پر قابض ہو جائے ۔ ملک بلبن اوچہ سے نکلا تا کہ قرلغیوں سے ملتان کو نجات دلائے ۔ جب دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا ، ملک بلبن کے ہمراہیوں میں بہادروں اور کاردانوں کی ایک جماعت تھی ، ان میں سے پچاس منتخب سواروں نے حلقہ بنا لیا اور ملک حسن قرلغ پر حملہ کر دیا ۔ وہ قلب پر جا گرے ۔ ملک حسن قرلغ مارا گیا ۔ ان بہادروں میں سے بھی بیشتر جان پر کھیل گئے اور اسی حملے میں ختم ہو گئے ۔ ملک بلبن قلعہ ملتان میں چلا گیا ۔ قرلغیوں کے لشکر نے اپنے سردار کے مارے جانے کی خبر چھپائے رکھی اور ملتان کے دروازے پر لشکر گاہ بنا لی ۔ اب دونوں فریقوں کے درمیان صلح [38] اور ملتان کی حوالگی کے لیے پیغامات آنے جانے لگے ۔ آخر فیصلہ ہو گیا ۔ ملک بلبن نے ملتان قرلغیوں کے حوالے کر دیا اور اوچہ کی طرف چلا گیا ۔ قرلغی ملتان پر قابض ہو گئے ۔ جب ملک بلبن کو معلوم ہوا کہ ملک حسن قرلغ مارا جا چکا ہے تو اسے ملتان حوالے کر دینے پر ندامت ہوئی مگر اس سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا ؟

شیر خاں اور بلبن :

مدت کے بعد ملک شیر خاں نے ملتان کو قرلغیوں کے قبضے سے نکالا اور اپنے قبضے میں لایا اور اپنی طرف سے ملک کریز کو وہاں بٹھا دیا ۔ ملک بلبن ۲ ۔ ربیع الاول ۶۴۸ھ کو منگل کے دن اوچہ سے ملتان پر قبضہ کرنے کے لیے نکلا اور قلعے کے نیچے پہنچ گیا ۔ راقم حروف دہلی

سے اس لیے ملتان آیا تھا کہ غلام خراسان کی طرف روانہ کر دے ۔ اس کے بعد ملک بلبن دو مہینے وہاں ٹھہرا رہا مگر قلعہ ہاتھ نہ آیا ، پھر اوچہ لوٹ گیا ۔ ملک شیر خاں لاہور اور تبرہندہ کی جانب سے لشکر لے کر اوچہ پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ مدت تک وہاں ٹھہرا رہا ۔ ملک بلبن اوچہ سے باہر تھا ۔ پھر اس اعتماد کی بنا پر دونوں کا تعلق ایک گھر اور ایک آستانے سے ہے ، اچانک شیر خاں کی لشکرگاہ میں پہنچ گیا اور اس کے خیمے میں جا بیٹھا ۔ شیر خاں نے بہ ظاہر اس کا اعزاز قائم رکھا ۔ پھر اٹھا اور خیمے کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا ۔ ساتھ ہی حکم دے دیا کہ ملک بلبن کی نگرانی کی جائے اور اسے قطعاً چھوڑا نہ جائے جب تک کہ قلعہ اوچہ حوالے نہ ہو جائے ۔ ملک بلبن نے مجبوراً اہل قلعہ کو حوالگی کا حکم دے دیا ۔

جب قلعہ شیر خاں کے ہاتھ آ گیا تو ملک بلبن کو رہا کر دیا گیا ۔ وہ بارگاہ سلطانی میں پہنچا ۔ شہر بدایوں اور مضافات اس کے حوالے ہوئے ۔ پھر خود سلطان نے شمال کا قصد کیا ۔ تبرہندہ شیر خاں کے قبضے سے نکالا اور ایک لشکر اوچہ و ملتان بھیج دیا گیا ۔ شیر خاں اور سلطانی ملوک کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی ۔ شیر خاں ترکستان چلا گیا ۔ ملتان و اوچہ دوبارہ ملک بلبن کے حوالے ہوئے ۔ جب وہ ان علاقوں پر قابض ہو گیا تو سلطان سے سرتابی اختیار کرلی اور ملک شمس الدین کرت غوری کو [39] وسیلہ بنا کر ہلاو (ہلاکو) تاتاری شاہ ترکستان[5] سے ایک شحنہ کی درخواست کی ، اپنے بیٹے کو بہ طور یرغمال بھیج دیا ۔

دہلی پر ناکام حملہ :

اس وقت الغ خاں معظم بارگاہ سلطانی میں پہنچ گیا تھا اور ملک قتلغ خاں ملک بلبن سے جا ملا تھا ۔ سلطان دہلی واپس آ گیا تھا ۔ ۶۵۵ھ[6] میں ملک بلبن نے ملتان و اوچہ کے لشکروں کے ساتھ دہلی کی جانب پیش قدمی کی ۔ جب اس ارادے کا علم سلطان کو ہوا تو اس گروہ کی سرکوبی کا فرمان صادر کر دیا گیا ۔ الغ خاں اعظم (اس کی دولت ہمیشہ رہے) تمام امرا اور ملوک کے ساتھ مقابلے کے لیے روانہ ہوا ۔ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۶۵۵ھ[7] کو کہرام و سامانہ کے حدود میں سلطانی لشکر بلبن اور اس کے ساتھیوں کے لشکر کے نزدیک پہنچ گیا ۔ اس اثنا میں دہلی سے علما اور امرا کی جماعت

نے خفیہ خفیہ بلبن کو خط بھیجے کہ شہر کی طرف آؤ ، شہر تمھارے حوالے کر دیا جائے گا ۔ بلبن نے فوراً دہلی کا رخ کر لیا اور وہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۶۵۵ھ[8] کو دہلی کے حوالی میں پہنچ گیا ۔ وہ لوگ جس خیال سے آئے تھے ، درست ثابت نہ ہوا ، کیوں کہ جن لوگوں نے اسے خط لکھے تھے ، ان سب کو شاہی فرمان کی بنا پر شہر سے باہر نکال دیا گیا تھا ۔ ملک بلبن باغ جود میں پہنچا ، جو شہر کے حوالی میں تھا ، تو اسے قتلغ خان اور ملکۂ جہان (والدہ سلطان) کو خط لکھنے والوں کے نکالے جانے کا علم ہوا ، ساتھ ہی آگ کا شعلہ نامرادی کے پانی سے بجھ گیا ۔ نماز پیشیں کے بعد وہ لوگ شہر کے دروازے پر آئے اور اردگرد گھومے ، رات وہاں گزاری ، صبح واپسی کی ٹھان لی ۔ اس روز جمعہ کا دن ماہ جمادی الاولیٰ کی ۲۷[9] تاریخ تھی ۔ اوچہ اور ملتان کا لشکر ملک بلبن سے جدا ہو گیا اور جوق در جوق ادھر اُدھر بکھر گیا ۔ اکثر لوگ سلطان کی بارگاہ میں پہنچ گئے ۔ ملک بلبن (اللہ اسے محفوظ رکھے) واپس چلا گیا ۔ تھوڑے سواروں کے ساتھ جو دو سو یا تین سو بھی کم تھے ، اوچہ واپس پہنچا ، پھر خراسان کے سفر کا ارادہ کر لیا [40] اور شہزادۂ ترکستان ہلاؤ (ہلاکو تاتاری) کے پاس عراق عجم چلا گیا ، اس سے ملا ، پھر واپس اپنی جگہ پہنچ گیا ۔ یہ ۶۵۸ھ[10] تک کے حالات ہیں ، جو اس نے اپنے سفیر ممالک سندھ کے شحنہ کے ساتھ جو تاتاری لشکر کے ساتھ تھا ، بارگاہِ سلطانی میں بھیجے ہیں ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ انجام بہ خیر ہوگا ، نتیجہ صلاح و سلامتی کی صورت میں نکلے گا ۔ (اللہ تعالیٰ سلطان اسلام کو بہت سے برسوں تک باقی رکھے)

(۲۱) ملک سیف الدین ارکلی دادبک

ملک سیف‌الدین ارکلی دادبک[11] ایبک شمسی عجمی اصلاً قبچاق سے تھا ۔ وہ بڑا عادل ، منتظم ، دانائی اور فراست سے موصوف اور ہر نوع کی بہادری و شمشیر زنی میں معروف تھا ۔ اسلامی شعار کی پابندی میں مستعد اور دین داری کے اوصاف میں پورا تھا ۔ قول و فعل کا سچا اور عدل و امانت کے راستے پر پکا تھا ۔ اٹھارہ سال سے فریاد رسی کی مسند اور عدل گستری کی گدی پوری شان و شوکت سے زیب و زینت پائے ہوئے ہے ۔ تمام اوقات میں عدل و انصاف کا طریق پیش نظر رہتا ہے اور احکامِ شریعت

کی اطاعت و فرماں برداری کا یہ عالم ہے کہ کتاب و سنت میں جو کچھ آ چکا ہے ، اس پر ایک حرف بھی نہیں بڑھایا گیا ۔

"طبقات" کا راقم ، منہاج سراج (اللہ اسے بچائے رکھے) بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا و الدین (اللہ ان کا اقتدار ہمیشہ قائم رکھے) کے فرمان کے مطابق دو مرتبہ قریباً آٹھ سال تک اس عادل امیر داد کے ساتھ مسند پر بیٹھا اور دہلی کے مقدمات میں اس بزرگ کے تمام افعال اور اشارے عین دین و سنت کے مطابق دیکھے ۔ یہ اسی کی شان تادیب اور شوکت عدل کا نتیجہ ہے کہ اطراف دہلی کے سرکشوں ، فسادیوں اور رہزنوں نے ظلم و جور کا ہاتھ ترک و سکون کی آستین میں [41] کھینچ لیا ہے (یعنی وہ ظلم و جور چھوڑ چکے ہیں) اور خوف و ہراس کے گوشے میں چپ چاپ بیٹھے ہیں ۔ جب سے امیر داد کا نام سلطان شمس الدین التتمش کی درگاہ جہاں پناہ کے غلام دولت میں لکھا گیا ، اس وقت سے وہ برابر معزز و محترم چلا آ رہا ہے ۔ جو بھی خطہ یا جاگیر یا ولایت اس کے حوالے ہوئی ، اس کے عدل و دانش کی بدولت وہاں آبادی ، رونق اور خوشحالی بڑھ گئی ۔ عام رعایا کو آسودگی حاصل ہوئی ۔ لوگ ظلم و جور سے بالکل محفوظ ہو گئے ۔

جب سے اسے مرکز دہلی (یعنی پوری سلطنت) کا امیر داد بنایا گیا ہے ، اس نے عام رسومات میں سے دس گیارہ فی صد حصہ لینے سے انکار کر دیا جو اس سے پہلے کے امیر داد لیتے رہے تھے ۔ اس رقم سے کوئی تعلق نہ رکھا اور اسے وہ جائز بھی نہیں سمجھتا تھا ۔

ابتدائی حالات اور ترقیات :

جب وہ قبچاق قبائل اور وطن سے قید ہو کر نکلا تو پہلے پہل خواجہ منعم شمس الدین عجمی کی خدمت میں پہنچا ، جو عجم ، عراق ، خوارزم اور غزنہ کا ملک التجار تھا ۔ آج تک وہ اسی بزرگ کی نسبت سے مشہور ہے ۔[12] جب وہ سلطان شمس الدین التتمش کی بارگاہ میں پہنچا اور سلطان نے اسے خرید لیا تو اسے رتبہ اور استواری نصیب ہوئی ۔ اس کی پیشانی سے بہادری اور دلاوری کے آثار نمایاں تھے ۔ سلطان نے اسے بڑی بڑی مہموں پر اطراف ملک میں بھیجا ۔ بڑی عمدہ خدمات انجام دیتا رہا ۔ سلطان رضیہ کے عہد میں اسے "سہم الحشم"[13] بنا دیا گیا ۔ سلطان معزالدین بہرام شاہ کے زمانے میں اسے کڑہ کا امیر داد (جج) مقرر کیا گیا ۔ جب سلطان

علاء الدین مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو سیف الدین ارکلی کو ۶۴۰ھ[13] میں سلطنت کا امیرداد (چیف جسٹس) مقرر کر دیا گیا - امیرداد کی جاگیر اور مسند اس کے سپرد ہوئی -

جب بادشاہی سلطان ناصرالدنیا والدین کے حوالے ہوئی تو مسند امیرداد کے ساتھ پلول اور کاسہ کی جاگیر دی گئی - پھر اسے ولایت برن ملی - وہاں کے سرکشوں کی گوشمالی [42] خوب کی گئی - کچھ مدت بعد کرک کی جاگیر مقرر ہوئی - دو سال مزید گزر گئے تو پھر دوبارہ ولایت برن ہی اس کے حوالے ہوئی - اب تک وہ بہ دستور اس کے قبضے میں ہے -

(۲۲) ملک بدر الدین نصرت خان سنقر صوفی

ملک نصرت خان سنقر صوفی اصلاً رومی ہے - وہ بڑی پسندیدہ خصلتوں اور نہایت عمدہ افعال و اوصاف کا حامل ہے - بڑا بہادر اور دلیر ، سیرت بہت اچھی ، مردانگی کی تمام خصوصیتوں سے آراستہ ہے - وہ سلطان شمس الدین التتمش کا غلام تھا - ہر بادشاہ کے عہد میں جس عہدے پر بھی مامور تھا برابر خدمات انجام دیتا رہا - لیکن ۶۴۰ھ میں سلطان علاء الدین مسعود کے خلاف ترک امرا نے شورش برپا کی اور خواجہ نظام الملک مہذب الدین وزیر کو شہید کر دیا گیا تو ملک بدرالدین نصرت خان بھی ان امرا میں سے ایک تھا جو اس شورش کے سرخیل تھے - پھر اسے کول کا امیر بنا دیا گیا - اس ولایت کا انتظام بڑی عمدگی سے کیا - لشکریوں اور رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا طریقہ ملحوظ رکھا - اسی سال راقم الحروف منہاج سراج لکھنوتی کے سفر پر روانہ ہوا - جب میں کول میں پہنچا تو اس نیک دل امیر نے بڑی دلداری اور مہربانی فرمائی - پھر اسے دوسرے علاقے ملتے رہے - بادشاہوں کے بادشاہ سلطان ناصرالدین کے عہد میں ولایت بیانہ اس کے حوالے ہوئی - اس ولایت میں فسادیوں کی خوب گوشمالی کی - جب ملک عزالدین بلبن کشلو خان نے ولایت سندھ سے دہلی پر یورش کی تو ملک سنقر صوفی بہت سا لشکر لے کر بیانہ سے دہلی پہنچ گیا - اس سے دہلی کے اکابر کو بڑا اطمینان ہوا - سلطان اسلام کو اس پر انتہائی اعتماد تھا اور الغ خان اعظم کی حمایت بھی اسے حاصل تھی ، لہٰذا ۶۵۷ھ[15] [43] میں اسے تبرہندہ ، سنام ، جھجھر ، لکھوال ، دریائے بیاس کے گھاٹوں تک تمام سرحدی علاقے اس کی تحویل میں دے دیے گئے اور 'نصرت خان'

کا لقب عطا ہوا ۔ ان علاقوں میں اس نے اچھے آثار چھوڑے ۔ بہت سا لشکر جمع کر لیا ۔ اس کتاب کی ترتیب کے وقت فرمانِ سلطانی کے مطابق انہیں علاقوں پر ماسور ہے ۔ لشکر بھی بہت ہے ، سر و سامان بھی ہے اور تیاری بھی ۔ (اور اللہ بہتر جانتا ہے)

(۲۳) ملک نصرت الدین شیر خاں

ملک شیر خاں بڑا دلاور اور دانشمند ملک تھا ۔ سرداروں کے تمام اوصاف سے موصوف اور پسندیدہ و رئیسانہ اخلاق کا حامل ۔ وہ الغ خان اعظم کا چچیرا بھائی تھا ۔ ان دونوں کے والد ترکستان میں بڑے اونچے پائے کے تھے ۔ البری قبائل میں انہیں خانی کا منصب حاصل تھا ۔ بہت سے متوسلین اور نوکر چاکر تھے ، چنانچہ ان تمام امور کا ذکر ملک الملوک عالم الغ خان اعظم کے حالات میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

شیر خاں سلطان شمس الدین التتمش کا غلام تھا ۔ سلطان نے اسے خریدا تھا ۔ چنانچہ تخت کے سامنے بہت سی خدمات انجام دیتا رہا ۔ اس کی پیشانی سے راستی و ہوشمندی کے آثار نمایاں تھے ۔ جس منصب پر بھی ماسور ہوا خاندان شمسی کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دیتا رہا ۔ جب اس نے خاصا اونچا درجہ حاصل کر لیا تو سلطان علاءالدین نے اسے اس وقت تبرہندہ ، لاہور اور مضافات کی حکومت دے دی ، جب تاتاریوں کے فتنے کو ختم کرنے کی غرض سے سلطان قلعہ اوچہ کے پاس پہنچا ہوا تھا ۔

[44] جب قرلغیوں نے ملتان ملک عزالدین بلبن کشلو خاں سے چھین لیا تو شیر خاں ، تبرہندہ سے لشکر لے کر ملتان پہنچا اور شہر کو قرلغیوں کے قبضے سے نکال لیا اور ملک اختیار الدین کربز کو انتظام کی غرض سے وہاں بٹھا دیا ۔ کچھ مدت بعد شیر خاں اور ملک عزالدین بلبن کے درمیان بعض حادثوں کے باعث دشمنی ہو گئی جو ہمسایگی کا نتیجہ تھے ، چنانچہ یہ سب کچھ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ۔ شیر خاں نے اوچہ کا قلعہ عزالدین بلبن سے چھین لیا اور پورا سندھ بھی شیر خاں ہی کے قبضے میں آ گیا ۔ جب الغ خان اعظم نے ناگور کی جانب لشکرکشی کی تو دریائے سندھ کے حوالی میں ملک شیر خاں سے کشمکش پیدا ہوئی ۔ شیر خاں وہاں سے ترکستان چلا گیا ۔ وہاں تاتاریوں کے لشکر میں منکو خاں سے

ملا اور اعزاز کے ساتھ لوٹا ۔

لاہور کے حوالی میں پہنچا تو ملک جلال الدین مسعود شاہ (بن سلطان شمس الدین التتمش) کے ساتھ ہو گیا ؛ لیکن آخر دونوں میں اختلاف ہوا ۔ ملک جلال الدین کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور اس کے متوسلین شیر خاں کے لشکریوں کے ہاتھ آ گئے ۔ پھر شیر خاں نے تبرہندہ پر دوبارہ قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا ۔ جب ارسلان خاں مقابلے کے لیے قلعہ سے باہر نکلا تو شیر خاں کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا ۔ پھر دہلی سے تیز رفتار قاصد دوڑے ۔ وقت کے بڑوں کے عہد و پیمان ہوئے ۔ آخر شیر خاں بارگاہ سلطانی میں پہنچا ۔ ارسلان خاں بھی حاضر ہوا ۔ ارسلان خاں کو اودھ کی حکومت دے دی گئی ۔ تبرہندہ پوری ولایت اور جاگیروں کے ساتھ جو اسے پہلے حاصل تھیں شیر خاں کے حوالے ہوئے ۔ کچھ مدت اس سرحدی علاقے میں گزاری ۔ اس کے اور ملک بلبن کے درمیان رنجش بدستور قائم تھی ۔ آخر بارگاہ سلطانی سے فرمان صادر ہوا کہ شیر خاں بارگاہ میں حاضر ہو ۔ اور سرحدی کشمکش کو ختم کرنے کی غرض سے تبرہندہ نصرت خاں سنقر روسی کو دے دیا گیا ۔ کول ، بیانہ ، بلا رام ، جلیسر ، مہر ، مہاون اور قلعہ کالیور (گوالیار) جو اسلام کے مشہور قلعوں میں سے ہے ، شیر خاں کو دے دیے گئے ۔ اس تاریخ کی ترتیب کے وقت تک وہ (شیر خاں) وہیں ہے ۔ (اور اللہ ہی کو زمانے کے حالات سے آگاہی حاصل ہے) ۔

(۲۳) ملک کشلی خاں سیف الدین ایبک سلطانی ملک الحجاب

[45] کشلی خاں ایبک الغ خاں معظم کا حقیقی بھائی تھا ۔ دونوں موتی ایک ہی صدف سے تھے ۔ سورج اور چاند کے طلوع کا مقام ایک ہی تھا ۔ دو لعل ایک ہی کان سے تھے ۔ دو ملک ایک ہی دیوان سے ؛ دو پھول خوش نصیبی کے ایک ہی چمن سے تھے ۔ شہسواری کے دو بڑے دلاوروں کی انجمن ایک ہی تھی ۔

دونوں کے بزرگ البری خانوں میں سے تھے ۔ جب تاتاریوں نے ترکستان اور قبائل قبچاق پر تسلط حاصل کر لیا تو اصل باشندوں کو مجبوری کی بنا پر متوسلوں اور نوکروں چاکروں کے ساتھ اپنے مقام سے نکلنا پڑا ۔ ملک کشلی خاں ایبک (امیر حاجب) چھوٹا اور الغ خاں اعظم بڑا بھائی تھا ۔ ملک امیر حاجب (کشلی خاں) اس زمانے میں بہت چھوٹا تھا ؛

جب تاتاریوں کے آگے آگے بھاگنا پڑا تو راستے میں دلدلی زمین آ گئی ، ملک امیر حاجب رات کے وقت گاڑی (چھکڑے) سے گرا اور دلدل میں دھنس گیا ۔ تاتاری تعاقب میں تھے ، کسے مجال تھی کہ گاڑی ٹھہرا کر اسے دلدل سے نکالتا ۔ گاڑیاں آگے نکل گئیں اور امیر حاجب جہاں گرا تھا وہیں رہ گیا ۔ پیچھے سے الغ خاں اعظم آ پہنچا ۔ بھائی کو نکالا ۔ پیچھے سے پھر تاتاری آ گئے اور امیر حاجب ان کے ہاتھ پڑ گیا ۔ تقدیر آسمانی سے اسے تاجروں نے خرید لیا اور اسلامی علاقوں میں لے آئے ۔ اختیار الدینؒ ابوبکر حبش کو دہلی سے سفیر بنا کر مصر و بغداد بھیجا گیا تھا ؛ اس نے ملک امیر حاجب کو تاجروں سے خرید لیا ۔ اس کی پیشانی سے ہونہاری اور ہوشمندی کے آثار درخشاں تھے ۔ اسے دہلی لے آیا ۔

ذاتی اوصاف :

اختیار الدین ابوبکر سے امیر حاجب کو سلطان نے خرید لیا ، کیونکہ اس کی پیشانی سے عقل و دانائی ہویدا تھی ۔ یہ حقیقت کی بنا پر عرض کیا جاتا ہے کہ ترک سرداروں میں سے کوئی بھی امیر حاجب سے زیادہ عقلمند ، زیادہ حیا دار اور زیادہ وفا کیش چشم بینا نے نہیں دیکھا ۔ [46] اللہ تعالیٰ نے اسے دلاوری اور مردانگی کے تمام جوہروں سے آراستہ کر دیا تھا ۔ نیز اس نے پسندیدہ اخلاق اور ہدایت و راستبازی کے اوصاف سے زیب و زینت پائی تھی ۔ عقل و دانش میں تمام پہلے اور پچھلے وزیروں سے آگے نکل گیا تھا ۔ شجاعت اور مردمی میں اس کا درجہ ایران و توران کے تمام پہلوانوں سے بالا تھا ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ جنت کے اعلیٰ حصے میں رحمت و بخشش اور رضا سے مخصوص رکھے اور خاقان معظم (الغ خاں) جو زمانے کا بادشاہ اور وقت کا شاہنشاہ ہے ، شہریاری ، تاجداری اور فرمانروائی پر ہمیشہ قائم و باقی رہے ۔

کمال ادائے فرائض :

اب ہم ملک امیر حاجب کی داستان شروع کرتے ہیں ۔ جب سلطان نے اسے خریدا تو مدت تک درگاہ خاص کی خدمت پر مامور رکھا ۔ سلطان رضیہ کے زمانے میں وہ محافظ فوج کا نائب سالار مقرر ہوا ۔ (معزالدین بہرام شاہ کے عہد میں سالار کے منصب پر پہنچا) ۔ سلطان علاءالدین کے

زمانے میں اسے اصطبل کا داروغہ بنا دیا گیا ۔ اسی منصب پر مامور تھا جب تخت سلطنت نے بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدین والدنیا (اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت اور اقتدار ہمیشہ قائم رکھے) کی شان و شوکت سے زینت پائی اور الغ خان معظم کو (اس کی دولت ہمیشہ قائم رہے) خان کا لقب عطا ہوا تو ملک امیر حاجب کو اصطبل کے داروغہ کی بجائے امیر حاجب بنا دیا گیا ۔ اور جب ناگور ملک عزالدین بلبن سے واپس لے لیا گیا تو وہ کشلی خان امیر حاجب کو دے دیا گیا ۔ اس منصب پر پہنچنے کے بعد اس نے بڑے درجے ، درمیانے درجے اور چھوٹے درجے کے لوگوں کو خوش اور راضی رکھنے کے لیے جو محنت و مشقت اٹھائی ، اسے قلمبند نہیں کیا جا سکتا ۔ ترک سرداروں اور بڑوں ، ممتاز تاجیکوں اور خلجی امیروں پر اتنی مہربانیاں فرمائیں کہ وہ تحریر میں نہیں سما سکتیں ۔ تمام دل اسے چاہنے والے بن گئے اور تمام جسم اس کی مہربانیوں کے ممنون ہو گئے ۔

فتوحات اور انتظامات :

جب الغ خان اعظم دوبارہ دہلی آیا (امیر حاجب بھی ساتھ ہی آ گیا) تو دوسری مرتبہ اسے امیر حاجب کے منصب پر مامور کر دیا گیا ۔ پھر ملک قطب الدین حسن نے وفات پائی تو ربیع الآخر ۶۵۳ھ[16] میں شہر میرٹھ اور علاقہ دامن کوہ بندیاراں[17] تک امیر حاجب کے حوالے ہوا ۔ [47] چند سال میں اس طرف کے تمام خطوں پر امیر حاجب نے قبضہ کر لیا اور کوہ بندیاراں کے اندر رڑکی اور میا پور بٹی اس نے لے لیے ۔ سب سے خراج وصول کیا ۔ راناوں اور آزاد قبیلوں کی خوب گوشمالی کی اور انھیں فرمانبردار بنا لیا ۔ ۶۵۶ھ[18] میں اس کے عزیز جسم اور نازک قالب پر ضعف غالب آ گیا ۔ اس کی آنتیں متورم ہوگئیں ۔ شرم و حیا کے باعث اس بیماری کا ذکر کسی سے نہ کیا ۔ چند مہینے تک تکلیفیں اٹھاتا رہا ۔ مقررہ وقت آ پہنچا تو ۲۰ رجب ۶۵۷ھ[19] کو اتوار کے دن اس کی مبارک روح مغفرت کی آرامگاہ پر لیٹی ہوئی ، سچے ایمان کی رہبری میں خدائے ذوالجلال کے پاس پہنچ گئی ۔ (دعا ہے اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا والدین کو تمام سلاطین و ملوک کی عمروں کا وارث بنائے ۔ (بحق محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اجمعین) ۔

حواشی

۱- جنوری ۱۲۵۴ء -

۲- ۱۲۵۹ء -

۳- راورٹی نے اس کے خلاف لکھا ہے کہ ارسلان خاں کو جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی ۔ ملک عزالدین بلبن اسیر ہوا ، اور ایک بیان یہ ہے کہ مارا گیا ۔ ریاض السلاطین کا بیان ان سب سے الگ ہے یعنی یہ کہ ارسلان خاں فرمان کے مطابق لکھنوتی کا حاکم مقرر ہوا ۔ ہاتھی ، جواہرات اور نفیس پارچے سلطان ناصرالدین محمود کی خدمت میں بھیجے اور جلد فوت ہو گیا ، (ص ۷۴) ۔

۴- ۴- جون ۱۲۵۰ء -

۵- ہلاکو حقیقت میں ایران کا فرمانروا اور ایل خانی خاندان حکومت کا بانی تھا ۔

۶- ۱۲۵۷ء

۷- ۳۱ مئی ۱۲۵۷ء -

۸- ۱۰ جون ۱۲۵۷ء -

۹- ۱۲ جون ۱۲۵۷ء -

۱۰- ۱۲۶۱ء -

۱۱- امیر داد یعنی چیف جسٹس ۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ طبقات ناصری مطبوعہ کلکتہ میں دادبک ۲۲ پر اور بدرالدین سنقر صوفی کو ۲۱ پر رکھا ہے ۔ راورٹی نے اسی کی پیروی کی ہے ۔

۱۲- یعنی ''عجمی'' کہلاتا ہے ۔

۱۳- سہم الحشم سے بہ ظاہر مراد ہے خدم و حشم اور نوکروں چاکروں کی نظامت اعلیٰ ۔

۱۴- ۱۲۴۲-۴۳ء -

۱۵- ۱۲۵۹ء -
۱۶- اپریل ۱۲۵۵ء -
۱۷- اس سے مراد کابوں کی پہاڑیاں ہیں -
۱۸- ۱۲۵۸ء -
۱۹- ۱۳ - جولائی ۱۲۵۹ء -

☆ ☆ ☆

چوتھا باب

خان اعظم الغ خان بلبن

(۱)

ابتدائی حالات

خاقان معظم (بہاء الحق والدین) الغ خان اعظم (بلبن السطانی) نامور البری خانوں کی نسل سے تھا ۔ شیر خان کا باپ اور خان اعظم کا باپ ایک ماں باپ کے بیٹے تھے ۔ ان دونوں کا باپ البری خان تھا جس کے ماتحت دس ہزار کنبے تھے۔ [48] اس کا نسب (البری) ترکستان کے ترک قبیلوں میں مشہور و معروف ہے ۔ اب بھی اس کے چچیرے بھائی ترکستانی قبیلوں میں بڑے مانے جاتے ہیں ۔ یہ بات میں نے کریت خاں سنجر سے سنی ۔ (اس پر اللہ کی رحمت ہو!)

چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ اسلام کے لیے قوت اور دین پناہی کے لیے پائیداری کا سر و سامان مہیا ہو جائے ۔ اس آخری زمانے میں اس کے لیے حمایت کے سایے کا انتظام کر دیا جائے ۔ ہندوستان اس کی عنایت کے دائرے اور حفاظت کے حلقے میں محفوظ رہے ، اس لیے الغ خان اعظم کو عہد جوانی میں ترکستان سے نکالا ۔ تاتاریوں کے غلبے کے باعث اسے نسل ، خاندان ، خویش و اقارب اور قبیلوں سے الگ کیا اور وطن سے بغداد پہنچا دیا ۔ پھر بغداد سے اسے گجرات لے آئے ۔ خواجہ جمال الدین بصری نے — جو پرہیزگاری ، دین داری ، بلند ہمتی اور امانت کے اوصاف کا حامل تھا — اسے خرید لیا اور بیٹوں کی طرح شفقت سے پالا ۔ خان اعظم کی پیشانی سے ہونہاری اور مردانگی کے آثار چمک رہے تھے ، اس لیے خواجہ اسے خاص لطف و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا ۔ ۶۳۰ھ[1] میں خواجہ خان اعظم کو دہلی لایا ۔ اس وقت تخت سلطنت سلطان سعید شمس الدنیا و

الدین کے مبارک پرتو سے آراستہ تھا ۔ خان اعظم کو چند اور ترک غلاموں کے ساتھ سلطان کی بارگاہ میں پیش کیا گیا ۔ جب سلطان سعید کی نظر مبارک خان اعظم پر پڑی تو اس کی شان اور مردانگی کی بدولت تمام ترک خرید لیے اور اسے تخت سلطانی ہی کے تعلق میں ایک عہدہ دے دیا گیا ۔

زندگی کے نشیب و فراز :

چونکہ اس کی پیشانی سے سعادت کا نور اور دولت کا پرتو نمایاں تھا ، اس لیے اسے خاصہ داری[2] کے منصب پر مقرر کر دیا گیا ۔ گویا دولت کا شہباز اس کے ہاتھ پر بٹھا دیا گیا ۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ فرزندان سلطان کے عہد میں خان اعظم دشمنان ملک کو ظلم و دراز دستی سے باز رکھے ، اور یہی ہوا ۔ جب تک شمسی سلطنت تخت کے مشرق سے تاباں و درخشاں رہی خان اعظم اسی خدمت پر مامور رہا ۔ قضائے آسمانی سے اس کا بھائی کشلی خاں امیر حاجب بھی اس سے آ ملا ۔ اس پر خان اعظم نے بڑی خوشیاں منائیں اور اسے مزید قوت حاصل ہوئی ۔

جب سلطان رکن الدین فیروز شاہ [49] کا عہد حکومت آیا تو خان اعظم دہلی سے ترک فوجیوں کے ساتھ ہندوستان کی طرف چلا گیا ۔ جب ترکوں کو واپس لائے تو خان اعظم بھی ان کے ساتھ دہلی آیا ۔ چند روز اسے قید رکھا گیا ۔ اس افتاد سے خان اعظم کے روئے مبارک پر مایوسی چھا گئی ۔ مگر اس واقعے میں بھی خدا کی ایک حکمت ہوگی (اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے) اور وہ یہ کہ اسے مصیبت زدوں کے رنج کا اندازہ ہو جائے تاکہ جب فرمانروائی کے منصب پر پہنچے تو مصیبت زدوں کے ساتھ رحم و مروت سے پیش آئے اور فرمانروائی کی نعمت کا شکر ادا کرے ۔

حکایت :

کہتے ہیں ، ایک بادشاہ تھا ، جس کی دولت بلندی پر اور سلطنت کمال پر پہنچی ہوئی تھی ۔ اس کا ایک بیٹا تھا ، جو بڑا خوبصورت ، دانا ، ہونہار اور پاکیزہ فطرت تھا ۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق جہاں جہاں کوئی دانا ، دوربین ، عالم اور کامل نظر آیا ، لے آئے تاکہ شہزادے کی تعلیم کا انتظام کیا جائے ۔ ان کاملوں میں سے ، جو سب کے سب فضل و علم کی مختلف شاخوں اور عقل و ہنر کے مختلف دائروں میں مہارت رکھتے تھے ، اس

شخص کو بادشاہ نے بیٹے کی تعلیم کے لیے مقرر کیا، جسے سب پر فوقیت و برتری حاصل تھی۔ اسے حکم دیا کہ ضروری ہے کہ تیری تعلیم و تلقین اور تربیت و آموزش سے میرا بیٹا ملت کی حقیقتوں، دولت کی باریکیوں، عقل کی رمزوں، نقل کے خزانوں، ملک داری کی شرطوں، خوش نصیبی کے طریقوں، رعیت پروری کے قاعدوں اور عدل گستری کے ضابطوں میں ماہر ہو جائے۔ غرض کوئی غیر پیچیدہ اور پیچیدہ معاملہ اس کی نگاہ ہوش سے اوجھل نہ رہے۔

اس مرد کامل نے قبول کا چہرہ خدمت گزاری کی زمین پر رکھا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ جب تعلیم کی مدت ختم ہو گئی اور مختلف علوم ذہن نشین کرنے کی فصل پک گئی اور شہزادہ، جو ملک داری کے درخت کا پھل تھا، تمام ضروری امور سے زیب و زینت پا گیا تو بادشاہ کو بیٹے کے کمالات کے بارے میں اطلاع دی گئی۔ فرمایا: کل صبح اس معلم کو درگاہ سلطنت میں حاضر کیا جائے اور شہزادہ بھی حاضر رہے تاکہ اس نے ہنر کے جو گوناگوں اور رنگارنگ موتی تعلیم سے حاصل کیے ہیں، انھیں مظاہرے کی لڑی میں پروئے، تاکہ خاص و عام سب پر میرے بیٹے کی عقل کا کمال، علم کا جمال، دانائی کے احوال اور فراست کے افعال ظاہر و روشن ہو جائیں۔ یہ فرمان صادر ہوا تو استاد نے تین روز کی مہلت مانگی۔

[50] چنانچہ یہ درخواست منظور ہو گئی تو پہلے دن استاد سوار ہوا اور شہزادے کو شہر کے گرد پھرانے کی غرض سے باہر لے گیا۔ جب دونوں آبادی سے دور نکل گئے تو استاد نے شہزادے سے کہا کہ گھوڑے سے اتر آئے اور اسے اپنے گھوڑے کے آگے آگے پیادہ چند فرسنگ دوڑایا، یہاں تک کہ شہزادے کے نازک جسم کا جوڑ جوڑ دوڑنے کی مشقت سے دکھنے لگا۔ پھر استاد شہزادے کو شہر لے آیا۔ دوسرے روز استاد مکتب میں پہنچا تو شہزادے کو حکم دیا کہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ دن بھر اسے کھڑا رکھا۔ اب شہزادے کے جسم کو اور بھی تکلیف ہوئی۔ تیسرے روز استاد مکتب میں پہنچا تو حکم دے دیا کہ تمام لوگ مکتب سے باہر چلے جائیں۔ شہزادہ اکیلا رہ گیا تو استاد نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور بید سے ایک سو شدید ضربیں لگائیں، یہاں تک کہ شہزادے کے تمام اعضاء زخموں سے معمور ہو گئے۔ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر استاد بھاگ گیا اور غائب ہو گیا۔

نوکروں چاکروں کو علم ہوا تو وہ آئے ، شہزادے کے ہاتھوں پاؤں سے بند کھولے ۔ استاد کی تلاش کی ، وہ نہ ملا ۔ بادشاہ کو پورے حالات سنائے ۔ فرمان کے مطابق شہزادے کو بادشاہ کے پاس لائے ۔ جس علم یا امر کے متعلق اس سے سوال کیا جاتا ، ایسے جواب دیتا کہ ان سے بہتر ممکن نہ تھے ۔ گویا وہ تمام امور و علوم میں درجۂ کمال پر پہنچ گیا تھا ۔

بادشاہ نے کہا کہ استاد نے شاگرد کو تعلیم و آموزش کے ذریعہ سے کامل بنانے میں خدا کی توفیق سے کوئی دقیقہ و سعی اُٹھا نہیں رکھی ؛ ضروری تھا کہ معلوم ہو جاتا شہزادے کے زخم کیوں لگائے ، اسے دکھ کیوں دیا اور وہ بھاگ کیوں گیا ؟ ضروری ہے کہ استاد کی تلاش میں انتہائی کوشش کی جائے ۔ طویل مدت کے بعد استاد مل گیا ۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں لائے ۔ بادشاہ نے اس کا بے حد اعزاز و اکرام کیا ۔ پھر پوچھا کہ شہزادے کو پہلے روز پیدل دوڑانے ، دوسرے روز کھڑا رکھنے اور تیسرے روز بید سے مارنے پھر غائب ہو جانے کا سبب کیا تھا ؟

استاد نے خدمت کا چہرہ عرض جواب کی زمین پر رکھا اور کہا بادشاہ کی سلطنت ہمیشہ رہے ، رائے عالی پر روشن ہونا چاہیے کہ جس شخص کے ہاتھ میں ملک داری کی باگ ہو ، اس کے لیے جہاں ان لوگوں کے حالات جاننا ضروری ہے ، جن سے وہ خوش ہے ، وہاں ان لوگوں کے بارے میں بھی سب کچھ معلوم ہونا چاہیے ، جو اس کے غیظ و غضب کا نشانہ بنیں تا کہ جو کچھ وہ [51] فرمائے ، اندازے کی بنا پر فرمائے اور وہ کہے جو مناسب ہے ۔ رضا یا غضب کسی بھی حال میں اعتدال سے قدم آگے نہ بڑھائے ۔ غلام چاہتا تھا کہ شہزادے کو مظلوموں ، اسیروں اور ان لوگوں کا حال معلوم ہو جائے جو اس کے گھوڑے کے آگے دوڑتے ہیں ۔ ان لوگوں کا حال بھی معلوم ہو جائے جو کھڑے رہتے ہیں نیز جنہیں شرعی سزائیں دی جاتی ہیں اور جن کے لیے سخت گیری کے فرمان صادر کرنے پڑتے ہیں ، تاکہ جب وہ شاہی غیظ و غضب سے کام لے تو اسے علم ہو کہ لوگوں کے دلوں اور جسموں پر کیا حالت گزر رہی ہے ۔ ان سختیوں کی برداشت سے اسے رنج کا تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا ہے لہٰذا جب وہ کسی کے ضربیں لگانے یا کسی پر سختی کرنے یا کسی کو دوڑانے اور کھڑا رکھنے کا حکم دے گا تو اس کی طاقت کا اندازہ کر لے گا ۔

میرے بھاگنے اور غائب ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ مجھ سے

شہزادے کے جسم نازک اور اس کی ذات شریف کو رنج پہنچا تھا ! مبادا بادشاہ کی پدرانہ شفقت جوش میں آ جائے اور میری اس حرکت کے بدلے میں مجھ سے ایسی بات فرمائیں کہ میں نے شہزادے کی تعلیم میں جو محنت و مشقت اٹھائی وہ ضایع جائے ۔

یہ حکایت خان اعظم الغ خان کے حالات کے عین مطابق تھی ۔ وہ بھی ترکوں کے ساتھ دہلی پہنچا تو اسے قید سے رنج پہنچا ، مگر اس لیے کہ جب دولت کے منصب اور سلطنت کی نیابت کے عہدے پر پہنچے تو مسکینوں کے حالات سے آگاہ رہے اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچنے سے بےخبر نہ ہونے پائے ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ عدل و احسان کو اس کے تمام کاموں ، کارروائیوں اور اقوال کا رفیق رکھے !

اصل مقصود :

اب ہم تاریخی واقعات پر آتے ہیں ۔ سلطان رضیہ کے عہد حکومت میں بھی خان اعظم خاصہ دار ہی تھا ۔ پھر نصیبے نے یاوری کی اور وہ "امیر شکار" مقرر ہوا ۔ گویا تقدیر کہتی تھی کہ دنیا اس کی دولت کا شکار رہے گی اور عالم اس کے شکاری کمند میں پھنسے گا ۔ اسی لیے سب سے پہلے اسے "امیر شکار" بنایا گیا ۔ ایک مدت تک اسی منصب پر خدمات انجام دیتا رہا ۔ اچانک سلطان رضیہ کی سلطنت زوال میں آ گئی اور سلطان معز الدین بہرام شاہ کی سلطنت کا آفتاب طلوع ہوا ، ساتھ ہی خان اعظم کے اقبال کا آفتاب [52] بلند تر ہونے لگا ۔ خان موصوف نے "امیر شکار" کی حیثیت میں عمدہ خدمات انجام دیں تو اسے داروغہ اصطبل کا منصب دے دیا گیا اور ملک و سلطنت کی تمام سواریاں اس کے تصرف کے لگام میں آ گئیں ۔ ملک بدر الدین سنقر امیر حاجب مقرر ہوا تو اسے خان اعظم کے ساتھ پدرانہ شفقت تھی ۔ اس کی ترقی کے لیے خاص اہتمام کیا اور اسے بلند تر منصب پر پہنچا دیا ۔ ریواڑی کی جاگیر خان اعظم کے سپرد ہوئی ۔ اس نے کوہستانی علاقے کے آزاد قبائل کی گوشمالی قوت و شجاعت سے کی اور ان خطوں کا انتظام درست کر دیا ۔

جب معزی سلطنت رو بہ زوال ہوئی تو تمام بڑے بڑے سردار باہم متفق ہو کر شہر دہلی کے دروازے پر آ گئے اور سب یک رائے ہو گئے ۔ الغ خان اعظم کو ریواڑی کی جاگیر حاصل تھی ، اس نے بڑی مستعدی

دکھائی اور سرداروں کا مقصد پورا کرنے میں مردانگی سے کام لیا۔ ملوک و امرا اور ترک و تاجیک میں سے کسی کی سرگرمیوں کا حصہ (خان اعظم کے مقابلے میں) سو میں سے ایک کے برابر بھی نہ تھا۔ سب نے تسلیم کر لیا کہ خان اعظم کی بہادری اور مستعدی سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ جب شہر فتح ہوا تو خان اعظم کو ہانسی کا علاقہ ملا۔ اس ولایت کا انتظام بڑی عمدگی سے کیا۔ وہاں کی آبادی اور رونق بڑھائی۔ عام لوگ اس کے عدل کے نشانوں اور بخشش و سخاوت کے انوار سے خوشحال ہوگئے۔ غرض الغ خان اعظم کی دولت کا کاروبار اس پیمانے پر پہنچ گیا کہ دوسرے سرداروں کو اس کے اقبال کی شادابی پر رشک آنے لگا اور ہر دل میں حسد کے کانٹے کی خلش پیدا ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالٰی کی مشیت یہی تھی کہ وہ سب سے بزرگ تر اور بلندتر ہو جائے۔ اگرچہ ان لوگوں کے حسد کی آگ زیادہ سے زیادہ بھڑکتی رہی، مگر خان اعظم کے عود کی خوشبو بھی زمانے کی بھٹی میں بڑھ کر زیادہ سے زیادہ پھیلتی گئی۔

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ۔
(سورۃ توبہ)

(یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رہنے والا نہیں)۔

دعا ہے اللہ تعالٰی اسے منصب دولت پر ہمیشہ قائم رکھے اور دولت قاہرہ کے دعا گو منہاج سراج کو جو ان طبقات کا مصنف ہے، خاقان معظم کے زیادہ سے زیادہ انعام و اکرام کا حق شناس بنائے۔ اگر وہ ہزار جزو کاغذ بھی اس خان کے پسندیدہ اوصاف اور اعلٰی اخلاق کے ذکر سے [53] زینت دے دے تو ایک بے کنار سمندر سے محض ایک قطرہ اور گلستان فردوس کی خوشبوؤں میں سے محض ایک لپٹ سننے والوں اور پڑھنے والوں کے دماغ تک پہنچا سکے گا۔ اگر ایسے لاکھ مرقعے بھی تیار کر دیے جائیں تو اس معزز شہریار کے شاہانہ حقوق پرورش ادا نہ ہو سکیں گے۔ اس نے بادشاہان روے زمین کے خداوند کی تخت گاہ کے سامنے اس دعا گو کے لیے منصبوں کی سپردگی، مشغلوں کی پابندی، انعامات کی زیادتی اور اعزازات کی فراوانی کے باب میں جو سفارشیں فرمائیں اور فرما رہا ہے ان احسانوں کے حقوق اس ضعیف، اس کے فرزندوں اور متوسلوں کے ذمے یہ دستور باقی رہیں گے۔ دعا ہے اللہ تعالٰی باشاہان جہاں کے بادشاہ

ناصرالدنیا و الدین کو اس خاقان معظم کی خدمات و فرمانبرداری کے زیوروں اور اطاعت کے شکوہ و شوکت کے ساتھ دور فلک کے امکان کی انتہائی حد تک آراستہ و مزین رکھے - (بمحمد ؐ و آلہ)

علاء الدین مسعود کا عہد :

اب پھر ہم تاریخی واقعات پر آتے ہیں - اس ضعیف کو ۶۴۰ھ میں لکھنوتی کا سفر پیش آ گیا اور دو سال اس سفر میں گزر گئے - متوسلین اور اہل و عیال بھی ساتھ تھے - معتبر آدمیوں نے بیان کیا کہ ۶۴۲ھ میں خاقان معظم الغ خان اعظم کو علاء الدین مسعود شاہ کے ہاں امیر حاجب کا منصب مل گیا - جب شاہی جھنڈوں نے (اللہ انھیں ہمیشہ فتح و ظفر عطا کرے) دہلی سے حرکت کی اور گنگا و جمنا کے دوآبے میں پہنچے تو وہاں خان اعظم نے جرالی اور دتولی کے باغیوں نیز آزاد قبائل کی سخت گوشمالی کی اور عین سنت کے مطابق جہاد کیا - اس کے علاقے کے آس پاس کے راستے سرکشوں سے [54] پاک ہوگئے - راقم حروف لکھنوتی سے علاء الدین مسعود شاہ کے فرمان کے مطابق طغان خان طغرل کے ہمراہ ۶۴۳ھ میں دہلی پہنچا - اہل و عیال اور متوسلین بھی میرے ساتھ آئے -

تاتاریوں کی سرکوبی :

اسی سال ملعون منکوتہ ، جو ترکستان کا ایک ملک اور تاتاریوں کا ایک سالار تھا ، طالقان و قندز کے علاقوں سے لشکر لے کر سندھ پہنچا اور اس نے قلعہ اوچہ کا محاصرہ کر لیا جو سندھ اور سرزمین منصورہ کا مشہور قلعہ ہے - اس قلعے میں ایک خواجہ سرا آق سنقر نام امیر داد تھا ، وہ تاج الدین ابوبکر کبیر خان آقسنقر کے خادموں میں سے تھا اور مخلص الدین کوتوال تھا - جب یہ خبر دہلی پہنچی تو ملک الغ خان کو تاتاریوں کی سرکوبی کے لیے لشکرکشی کا حکم ہوا - امرا اور ملوک میں سے ہر شخص اس سلسلے میں شش و پنج کا شکار تھا - صرف ملک الغ خان کا ارادہ پختہ تھا - جب سلطانی فوج نے منزل مقصود کی جانب کوچ کیا تو خاقان معظم یعنی الغ خان (اس کا ملک ہمیشہ قائم رہے) نے رہبروں کا انتظام کر دیا تا کہ فوج جلد سے جلد منزلیں طے کرے - فوجیوں سے کہا جاتا کہ منزل آٹھ کوس پر ہوگی لیکن حقیقت میں بارہ کوس یا اس سے بھی

زیادہ فاصلہ طے کر لیا جاتا یہاں تک کہ فوج دریاے بیاس پر پہنچ گئی اور اسے عبور کر کے دریاے راوی لاہور تک چلی گئی ۔ خان اعظم اپنے ارادے پر مضبوطی سے قائم تھا اور شیر دلی سے کام لے رہا تھا ۔ بادشاہ اور سرداروں کو برابر اس امر پر آمادہ کرتا رہتا تھا کہ تاتاریوں کو مار کر بھگا دینا چاہیے ۔ آخر ۲۵۔ شعبان ۶۴۳ھ کو پیر کے دن لشکرگاہ عالی میں خبر پہنچی کہ تاتاریوں کا لشکر اوچہ کا محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا ۔

سبب یہ ہوا کہ جب خان اعظم دریاے بیاس کے قریب پہنچا تو قاصد مقرر کر دیے اور حکم دے دیا کہ دربار کی طرف سے قلعہ اوچہ کے محصوروں کو خط لکھے جائیں ۔ [55] بتا دیا جائے کہ سلطانی فوج آ پہنچی ہے جس میں بے شمار ہاتھی ، سوار اور پیادے ہیں اور بڑے دلیر و جانباز سلطان کے ہم رکاب ہیں ۔ فوج کے ایک حصے کو ہراول کے طور پر اوچہ کی جانب روانہ کر دیا ۔

قاصد اوچہ کے حوالی میں پہنچے تو ان میں سے کچھ خطوط تو تاتاری ملعونوں کے ہاتھ لگے ، کچھ محصورین تک پہنچ گئے ۔ قلعے میں خوشی کے نقارے بجے تو اسلامی لشکر کے پہنچنے کی کیفیت ملعون منکوتہ پر آشکارا ہوئی ۔ اس اثنا میں ہراول فوج کے سوار دریاے بیاس کے کنارے سرحد سندھ کے قریب پہنچ گئے ۔ تاتاریوں کے دل و دماغ پر خوف و ہراس حاوی ہو گیا ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل مددگار ہوا ۔

منکوتہ کی سراسیمگی :

ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جب منکوتہ کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر اور شاہی پرچم قریب آ گئے ہیں اور لشکر نے دریائے بیاس کو دامن کوہ میں عبور کیا ، پھر دریا کے کنارے کنارے کوچ شروع کر دیا تو اس ملعون نے اپنے بعض ساتھیوں سے پوچھا کہ اسلامی لشکر دامن کوہ کی طرف کیوں گیا ؟ یہ راستہ تو بہت لمبا تھا ۔ نزدیک کا راستہ تو سرستی اور امروٹ کا تھا ۔ اس کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نزدیک کے راستے میں دریا کے کنارے ایسے تھے ، جن سے بھاری لشکر کا گزرنا مشکل تھا لہٰذا دامن کوہ کی طرف جانا پڑا ۔ منکوتہ نے کہا : اس سے معلوم ہوا کہ لشکر بہت بڑا ہے ۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے ، لہٰذا لوٹ چلنا چاہیے ۔ غرض تاتاریوں پر اتنا خوف طاری

ہو گیا کہ زیادہ ٹھہرنے کی تاب ہی نہ رہی - انھوں نے اپنی فوج کے تین حصے کیے اور بھاگ گئے (مبادا لوٹ جانے کا راستہ ہی کٹ جائے) - [56] بہت سے مسلمان اور ہندو قیدیوں نے ان کے ہاتھ سے رہائی پائی - اس فتح کا اصل سبب خان اعظم کی مستعدی ، بہادری ، لشکرکشی ، شیردلی اور ہیبت کے سوا کچھ نہ تھا - اگر وہ مستعدی ، شیر دلی اور بہادری سے کام نہ لیتا تو ہرگز ایسی فتح میسر نہ آتی - اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت میں رکھے -

جب یہ فتح حاصل ہوئی تو الغ خاں نے سلطان کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے ؛ شاہی پرچم اسی طرح دریائے سوہدرہ (یعنی چناب) تک چلے جائیں تاکہ دشمن کی طبیعت اور دل پر لشکر اسلام کی قوت ، تعداد اور دلیری پوری طرح جاگزیں ہو جائے - چنانچہ اس مشورے کے مطابق دریائے سوہدرہ (چناب) تک گئے - ۲۷- شوال ۶۴۳ھ[6] کو دریائے چناب سے دہلی کی جانب واپسی ہوئی اور ۱۲- ذی حجہ ۶۴۳ھ[7] کو دہلی پہنچے -

ناصرالدین محمود کا عہد :

اس اثنا میں سلطان علاء الدین مسعود شاہ کا مزاج سرداروں سے پھر گیا - وہ فوج کی نگاہوں سے بیشتر غائب رہتا - اس سے یہی واضح ہوتا تھا کہ اس کی طبیعت میں اک گونہ کینہ بیٹھ گیا ہے - چنانچہ تمام سرداروں نے بالاتفاق دہلی سے سلطان معظم ناصرالدنیا و الدین کی بارگاہ میں خفیہ عرضداشتیں بھیجیں اور التماس کی کہ تخت سلطنت سنبھالنے کے ارادے سے آپ کے مبارک پرچم حرکت میں آنے چاہییں -

سلطان ناصرالدین ۲۳- محرم ۶۴۴ھ[8] کو اتوار کے دن دہلی پہنچا اور تخت پر بیٹھ گیا (وہ برسوں تک اس پر قائم رہے) - الغ خاں معظم نے عرضداشت پیش کی کہ اب سلطنت کا خطبہ و سکہ اسم مبارک ناصری سے زیب و زینت پا چکا ہے - گزشتہ سال ملاعنہ (تاتاری) اسلامی لشکر کے مقابلے سے بھاگ کر شمالی جانب چلے گئے تھے ، مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ دوبارہ شمالی جانب حرکت کی جائے - چنانچہ اس درست رائے کے مطابق ارادہ پختہ ہو گیا -

یکم رجب ۶۴۴ھ[9] کو پیر کے دن بادشاہ لشکر کے ساتھ دہلی سے

نکلا ۔ دریائے سوہدرہ (چناب) پر پہنچا تو الغ خان معظم اسلامی امرا اور ملوک کے ساتھ کوہستان جود پر تاخت و تاراج کے لیے گیا تاکہ کوہ جود کے اس رانا سے انتقام لیا جائے جس نے گزشتہ سال تاتاریوں کی رہبری کی تھی ۔ [57] چنانچہ خان اعظم نے کوہستان جود اور اطراف دریائے جہلم پر جابجا حملے کیے ۔ پھر اسلامی لشکر زد و کشت کرتا ہوا دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچ گیا ۔ ان علاقوں میں جہاں جہاں کافروں کے اہل و عیال تھے ، بھاگ گئے ۔ تاتاریوں میں سے جو گروہ دریائے جہلم کے گھاٹوں پر آگئے تھے ، انھوں نے جب اس اسلامی لشکر کی کیفیت دیکھی جو الغ خان اعظم کے ماتحت جہاد میں مصروف تھا ، تو ان کے دل پر ہیبت چھا گئی ۔ لشکر کی صفیں بے شمار ، گھوڑے بے اندازہ ، ساز و سامان کی حد درجہ فراوانی ، پھر اسلامی لشکر کی دلیری ، پے در پے یورشیں ، دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرنا ، بلند پہاڑوں اور تنگ دروں پرحملے کرنا ، مستحکم مقامات کی تسخیر ، جنگلوں کی کٹائی ، ان تمام امور پر تاتاریوں کو حیرت تھی ۔ یہ سب کچھ جو الغ خان معظم کی سرکردگی میں ہوا اسے معرض بیان میں لانا ممکن نہیں ۔ اس جہاد کی شہرت (تاتاریوں کے ذریعے سے) ترکستان تک پہنچ گئی ۔ اس سرزمین میں نہ آبادی تھی اور نہ کھیتی باڑی کا کوئی انتظام تھا ، اس لیے فوج کو مجبوراً واپس آنا پڑا ۔ جب الغ خان معظم فتح و ظفر کے شادیانے بجاتا ہوا تمام لشکریوں اور سرداروں کے ساتھ سلامت بارگاہ سلطانی میں پہنچا تو دہلی کی جانب کوچ شروع ہو گیا ۔ ۲۔ محرم ۶۵۲ھ [10] کو جمعرات کے دن بادشاہ الغ خان اعظم لشکری اور سردار دہلی پہنچے ۔

اطراف ہند پر لشکرکشی :

چونکہ الغ خان معظم کی درست رائے اور پختہ عزم کی بدولت تاتاریوں اور ان کے لشکریوں نے سلطانی لشکرکشی کا رنگ ڈھنگ دیکھ لیا تھا ، اس لیے اس سال یعنی ۶۵۲ھ میں شمالی جانب سے کوئی دشمن سندھ کی طرف نہ آیا ، یہاں تک کہ شعبان ۶۵۲ھ میں الغ خان معظم نے بارگاہ سلطانی میں عرض کیا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے اس سال ہندوستان کے اطراف میں لشکرکشی کی جائے ۔ آزاد قبیلوں اور رانوں پر کئی سال سے توجہ نہیں ہوئی ، ضروری ہے کہ اب ان کی گوشمالی کی جائے ۔ مال غنیمت

اسلامی لشکر کے ہاتھ آئے ۔ روپیہ ملے تاکہ تاتاریوں کے خلاف فتح حاصل کرنے کے لیے تیاری کی جا سکے ۔

اس پختہ رائے کی پیروی کرتے ہوئے سلطان اور فوج نے ہندوستان کی جانب حرکت کی ۔ گنگا اور جمنا کے دوآبے میں پہنچے ۔ قلعۂ تلسندہ کو سخت جہاد کے بعد مسخر کیا ۔ پھر الغ خاں معظم کو سرداروں اور لشکر کے ساتھ [58] دلکی و ملکی کی تسخیر کے لیے مقرر کیا گیا ۔ وہ ایک رانا تھا جس کا علاقہ دریائے جمنا کے قریب کالنجر اور کڑہ کے درمیان تھا ۔ کالنجر اور مالوہ کے اطراف کے جتنے رانے تھے ، انہیں دلکی و ملکی پر برتری حاصل نہیں ہو سکتی تھی ، کیونکہ آخرالذکر کے پاس متوسلوں اور نوکروں چاکروں کی کثرت تھی ۔ مال بہت زیادہ تھا ۔ اس کا مقام بہت مستحکم تھا ۔ پھر اس تک پہنچنے کے لیے تنگ گھاٹیوں ، گھنے جنگلوں اور بلند پہاڑوں میں سے گزرنا پڑتا تھا ۔ وہاں ایسے مقامات تھے ، جہاں اسلامی لشکر پہلے کبھی نہیں پہنچا تھا ۔

جب الغ خاں معظم اس کی قیام گاہ اور جائے سکونت پر پہنچا تو اس نے اپنی اور اہل و عیال کی حفاظت میں ایسی سرگرمی اور مستعدی دکھائی کہ صبح سے نماز شام تک مقابلے پر ڈٹا رہا ۔ رات ہوئی تو بھاگ نکلا اور مزید مستحکم مقامات پر منتقل ہو گیا ۔ صبح ہوئی تو اسلامی لشکر اس کی جائے سکونت میں داخل ہوا ۔ (فرار کی کیفیت معلوم ہوئی تو) اس کا پیچھا کیا گیا ۔ وہ لعین بلند پہاڑوں میں پہنچ گیا تھا اور ایسے مقام پر جا بیٹھا تھا ، جہاں سخت جد و جہد ، رسوں اور سیڑھیوں کے بغیر پہنچنا ممکن نہ تھا کیونکہ راستے میں تنگ گھاٹیاں حائل تھیں ۔ الغ خاں معظم نے اسلامی لشکر کو جہاد کی ترغیب دی ۔ اس کے حکموں کی قوت اور اس کے اشاروں کے زور سے وہ تمام علاقہ قبضے میں آیا ۔ رانا کے اہل و عیال ، نوکر چاکر اور فرزند نیز گھوڑے ، مویشی اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے ۔ لشکر اسلام کو اتنا مال غنیمت ملا ، جسے وہم کے محاسب بھی بیان کرنے سے عاجز آ جائیں ۔۱۱

یکم شوال ۶۴۵ھ ۱۲۴۸ کو خان اعظم بے شمار مال غنیمت کے ساتھ بارگاہ سلطانی میں پہنچا اور عیداضحیٰ کے بعد دہلی کی جانب واپسی ہوئی ۔ اس پورے سفر اور مجاہدات کی کیفیت میں نے ایک جدا گانہ کتاب میں نظم

کر دی ہے ، جس کا نام ناصری نامہ رکھا ہے - ۲۴- محرم ۶۴۶ھ[13] کو دہلی پہنچے -

مختلف یورشیں :

شعبان ۶۴۶ھ[14] میں سلطان نے شمالی جانب حرکت کی اور وہ لشکر کے ساتھ دریائے بیاس تک پہنچا ، پھر دہلی واپس ہوا - الغ خان معظم اور دوسرے سرداروں کو حکم ہوا کہ بھاری لشکر کے ساتھ زیر سرکردگی خان معظم رنتھنبور کی طرف پیش قدمی کریں ، نیز میوات کے کوہستانی علاقے اور باہر دیو کے علاقے پر تاخت و تاراج کی جائے ، [59] جو ہندوستان کا سب سے بڑا راجا تھا - چنانچہ اس پوری ولایت اور اطراف کو لوٹا گیا اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا - ملک بہاء الدین ایبک خواجہ نے ۱۱ ذی حجہ ۶۴۶ھ[15] کو اتوار کے دن قلعہ رنتھنبور کے پاس شہادت پائی - الغ خان معظم قلعے کے دوسری جانب جہاد میں مصروف تھا - اس کے تمام ساتھی لڑائی میں الجھے ہوئے تھے - انھوں نے کافروں کی بڑی تعداد کو جہنم واصل کیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا - یہاں تک کہ مسلمان لشکریوں کے جیب و دامن دولت سے بھر گئے - پھر مرکز کی طرف واپسی عمل میں آئی - ۳ صفر ۶۴۷ھ[16] کو پیر کے دن دہلی پہنچے -

بیٹی کی شادی :

اس سال سلطان کی رائے یہ ہوئی کہ الغ خانی خاندان سے رشتۂ تزویج قائم کیا جائے - خان مذکور ہر سال لشکر کشی اور خدمت گزاری میں انتہائی سعی و کوشش کے پسندیدہ ثبوت فراہم کر چکا تھا اور برابر ان قابل ستائش کوششوں میں سرگرم تھا - یہ معاملہ اس حد پر پہنچ چکا تھا کہ کسی بادشاہ کو ایسا ملازم نہیں ملا تھا ، جو خانی و ملکی کے درجے پر پہنچا اور وہ الغ خان کی بابرکت ذات سے زیادہ زیبا اور نیک ، زیادہ دوراندیش اور مدبر ، زیادہ درست رائے ، فوج کشی میں زیادہ دلیر ، دشمن کو برباد کرنے میں زیادہ فتح مند ہوتا - جس کے ساتھ اعلیٰحضرت ، سلطان اعظم ناصرالدنیا والدین کو (اللہ اس کی سلطنت اور اقتدار ہمیشہ قائم رکھے) یہ رشتہ پیدا کرنے اور اسے شرف بخشنے کا خیال آ سکتا - یہ بھی امید تھی کہ اس رشتے کی پشتیبانی سے ملک کی عظمت و رونق اور اطراف

کے دشمنوں کی تباہی کے لیے جدوجہد میں اضافہ ہو جائے گا ۔

الغ خان معظم نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فرماں بردار کی حیثیت میں سر تسلیم خم کر دیا اور یہ قول دہرا دیا کہ "خود غلام اور اس کی ملکیت میں جو کچھ ہے ، سب آقا کا ہے" - ۲۰ ربیع الآخر۱۷ کو پیر کے دن یہ مبارک پیوند اتمام کو پہنچا ۔ آیت مرج البحرین یلتقیان (اسی نے دونوں دریا چلائے ہیں جو باہم ملتے ہیں) یہ حکم یخرج منہما اللؤلؤ و المرجان (ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں) شہزادوں کے انوار لے کر نمایاں ہوئی ۔ اللہ ان بادشاہ زادوں کو سلطان اعظم کی زندگی اور الغ خان اعظم کی دولت میں شمسی سلطنت کے لیے تمام بادشاہوں کی عمروں کا وارث بنائے ۔ (بمحمدؐ و آلہ الامجاد)

اس مبارک واقعے کے بعد جو یقیناً ستاروں کے نیک اتصال کا نتیجہ تھا ، الغ خان کا رتبہ اور بھی بڑھ گیا ، یعنی اسے ملک اور امیر حاجب سے اٹھا کر منصب خانی کی عزت و [60] سربلندی پر پہنچا دیا گیا ۔ ۳ رجب ۶۴۷ھ۱۸ کو منگل کے دن بارگاہ سلطانی سے فرمان صادر ہوا ، جس کی رو سے سلطنت اور سالاری افواج کی نیابت کا منصب اور الغ خان۱۹ کا خطاب اس بے مثال فرد اور مبارک ہستی کو عطا کیا گیا ۔ اسی وقت خان کے بھائی سیف الحق والدین کشلی خان ایبک سلطانی کو — جو کریم و حلیم ، پاک سیرت اور پاکیزہ اخلاق کا ملک تھا — داروغہ اصطبل کے عہدے سے اٹھا کر امیر حاجب بنا دیا گیا ۔ ملک تاج الدین سنجر خان نائب وزیر حاجب بنا ۔ امیرالحجاب علاءالدین ایاز ریحانی۲۰ کو نائب وکیل در کا منصب دیا گیا ۔ (وہ میرا بیٹا اور میری آنکھوں کا نور ہے ، تمام نیک اوصاف سے آراستہ ہے اور الغ خان کی خدمت کے لیے اخلاص سے زیادہ اچھا اور پائیدار وصف کیا ہو سکتا ہے ؟ (خدا کرے وہ ہمیشہ رو بہ اضافہ رہے) ۔

مزید خدمات و انعامات :

ان مناصب کی تقسیم جمعہ کے دن ۹ ۔ رجب ۶۴۷ھ۲۱ کو ہوئی ۔ اختیارالدین ایبک موئے دراز (لمبے بالوں والا) نائب داروغہ اصطبل سے داروغہ اصطبل بنا ۔ ۹ شعبان ۶۴۷ھ۲۲ کو پیر کے دن جہاد کا ارادہ [61] کر لیا گیا ۔ الغ خان اعظم آزاد قبائل کے خلاف جہاد کی غرض لے کر دہلی سے نکلا اور جمنا کے گھاٹ پر لشکر جا ٹھہرا ۔ اس دعاگو کی ہمشیرہ

کے بارے میں خراسان سے خبریں آئیں ۔ اس کی تنہائی اور علٰحدگی سے دل پر گہرا اثر تھا ۔ میں لشکرگاہ میں الغ خان کے پاس پہنچا اور یہ معاملہ اس کے سامنے رکھا ۔ اس نے اتنی مہربانی اور عنایت فرمائی کہ بیان میں نہیں آ سکتی ۔ اپنے مخلص منہاج سراج کو خلعت عطا کیا ۔ ایک کمیت گھوڑا دیا جس کا زین طلائی اور اس پر زربن جھول پڑی ہوئی تھی اور ایک گاؤں انعام میں دیا ، جس کی آمدنی تیس ہزار جیتل تھی ۔ کتاب کی ترتیب کے وقت تک اس کی آمدنی سال بہ سال مجھے مل رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس انعام کو خان اعظم کے لیے شوکت اور مرتبہ میں اضافے کا موجب بنائے اور اسے دین کے دشمنوں پر فتح مند و کامیاب کرے ۔

مصنف کا سفر ملتان :

پھر خان اعظم نے اس دعاگو کی حالت اور پریشانی خاطر کی کیفیت بارگاہ سلطانی میں عرض کی ۔ ۶ ذی قعدہ ۶۴۷ھ[23] کو اتوار کے دن فرمان صادر ہوا ، چالیس قیدی اور اتنی چیزیں ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجنے کے لیے عطا ہوئیں ، جن کا بوجھ ایک سو گدھے اٹھا سکیں ۔ اللہ تعالیٰ سلطنت ناصری کو اس دنیا کا رشتۂ حیات کٹنے تک باقی رکھے ۔

میں ۲۹ ذی حجہ ۶۴۷ھ[24] کو پیر کے دن ان انعامات کے ساتھ ملتان روانہ ہوا تاکہ انہیں خراسان بھیجنے کا انتظام کر دوں ۔ دورانِ سفر میں جو شہر یا قصبہ یا قلعہ آیا ، خان اعظم کے خادموں اور متوسلوں سے متعلق تھا ، انہوں نے میرا استقبال کیا ۔ اتنا انعام دیا اور اکرام و تعظیم کی کہ عقل کی آنکھ اُن کے قلم بند کرنے سے عاجز ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی نیکیاں قبول فرمائے ۔

۶ ربیع الاول ۶۴۸ھ[25] کو بدھ کے دن میں ملتان پہنچا اور مجھے دریائے جہلم کے کنارے تک جانا پڑا ۔ وہاں سے قیدیوں اور سامان کو بھجوا کر میں لوٹا اور دو مہینے تک قلعۂ ملتان کے پاس ملک بلبن کے لشکر میں ٹھہرا رہا ۔ ہوا بے حد گرم تھی ۔ جب برسات کا موسم آیا [62] اور رحمت کا بادل برسا تو ۲۶ جمادی الاولیٰ[26] کو ملتان سے واپسی ہوئی اور ۲۲ جمادی الاخریٰ[27] کو دہلی پہنچ گیا ۔ اس زمانے میں قاضی القضاۃ جلال الدین کاشانی علیہ الرحمۃ جیسے یگانۂ عصر عالم کی زندگی کے دن ختم ہو گئے ۔ وہ سلطنت ہند کا قاضی تھا ۔ اس پر اللہ کی رحمت ہو ۔ اس

مخلص دعاگو کے لیے الغ خان کی مہربانیوں کی کوئی حد و نہایت ہی نہ تھی ۔ اس کے حسن توجہ سے دعا گوئے دولت (منہاج سراج) کے لیے سلطنت کا منصب قضا خاص کر لیا گیا اور اس کے لیے بارگاہ عالی میں عریضہ پیش کر دیا گیا ۔ چنانچہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۴۹ھ[28] کو اتوار کے دن یہ دعا گو دوسری مرتبہ سلطنت کے عہدۂ قضا پر مامور ہوا ۔ اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا والدین کو تخت سلطنت پر اور الغ خان معظم و خاقان اعظم کو مملکت اور استواری کی بارگاہ میں باقی و پائندہ رکھے ۔

مالوہ اور کالنجر :

۲۵ شعبان ۶۴۹ھ[29] کو منگل کے دن سلطانی لشکر نے ولایت مالوہ اور کالنجر کی طرف پیش قدمی کی ۔ الغ خان معظم اسلامی لشکر کے ساتھ ان اطراف میں پہنچا تو جاہراجاری کو — جو بہت بڑا رانا تھا ، اس کے پاس سوار اور لشکری اور نوکر چاکر بہت تھے ، سروسامان بھی پورا رکھتا تھا — شکست دی ۔ اس کی بیخ کنی کر دی اور اس کی ولایت پامال کر ڈالی ۔ اس کا نام جاہر تھا اور یہ بڑا بہادر اور کاردان رانا تھا ۔

سلطان سعید شمس الدینؒ کے عہد (۶۳۲ھ[30]) میں اسلامی لشکر بیانہ ، سلطان کوٹ ، قنوج ، مہیر ، مہاون اور کالیور (گوالیار) سے لشکر ولایت کالنجر کی تاخت و تاراج کے لیے مقرر ہوئے تھے اور ملک نصرت الدین تایسی معزی ان لشکروں کا سالار اعظم تھا ، جو مردانگی ، صلاحیت ، مستعدی ، کاردانی ، دانائی اور لشکرکشی کے اعتبار سے اپنے عہد کے سرداروں میں ممتاز تھا ۔ کالیور (گوالیار) سے نکل کر اس مہم میں پچاس دن صرف ہوئے ۔ اس مدت میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ سلطان کا حصہ جو کل مال کا پانچواں حصہ تھا بائیس لاکھ بنا ۔[31] کالنجر سے واپسی کے وقت لشکر اسلام کا راستہ رانا اجار ہی کے علاقے سے [63] تھا ۔ اس نے تنگ گھاٹیوں میں آب کرانہ کے کنارے لشکر کا راستہ روک لیا ۔ اس دعا گو نے خود نصرت الدین تایسی کی زبان سے سنا کہ ہندوستان میں کسی دشمن نے میری پیٹھ نہیں دیکھی تھی ۔ اس ہندو رانا نے مجھ پر اس طرح حملہ کیا گویا بھیڑیا تھا جو بکریوں کے ریوڑ میں گھس آیا تھا ۔ ضروری ہو گیا کہ میں اس کے سامنے سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کروں ، چنانچہ میں دوسری طرف سے آیا اور اسے شکست دی ۔

یہ حکایت اس لیے بیان کی گئی کہ خوانندگان کتاب پر روشن ہو جائے ، الغ خان معظم کی جہانگیری اور مردانگی کی کیا کیفیت تھی ۔ ایسے دشمن کو ایک حملے میں مغلوب کر لیا اور شکست دے دی ۔ قلعہ نرول[۳۲] کو جو مشہور و نامور قلعہ ہے ، اس کے قبضے سے نکال لیا ۔ اس مہم اور لشکر کشی میں خان اعظم نے جہاد میں ایسی دانائی اور مردانگی دکھائی جو زمانے کے چہرے پر ہمیشہ یادگار رہے گی ۔ ۲۳ ربیع الاول ۶۵۰ھ[۳۳] کو سلطانی فوج دہلی واپس آ گئی ۔

امراء کا حسد :

چھ مہینے دہلی میں قیام رہا ۔ ۱۲ شوال ۶۵۰ھ[۳۴] کو پیر کے دن شمالی علاقوں یعنی دریائے بیاس کی جانب پیش قدمی ہوئی ۔ اس زمانے میں ملک بلبن بدایوں کا حاکم اور ملک قتلغ خان بیانہ کا حاکم تھا ۔ دونوں فرمان عالی کے مطابق تمام سرداروں کے ساتھ لشکر میں حاضر ہو گئے ۔ جب بادشاہ دریائے بیاس کے پاس پہنچا تو عماد الدین ریحان نے خفیہ خفیہ تمام سرداروں سے ساز باز کر لیا ۔ ان کے دل میں الغ خان کے اقتدار سے حسد پیدا ہو گیا اور وہ پریشانی کا باعث بننے لگے ۔ حاسد اس کے جلال کی رونق دیکھ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے ۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ شکار گاہ یا کسی تنگ گھاٹی سے گزرتے ہوئے یا دریا کو عبور کرتے وقت الغ خان کی ذات مبارک کو گزند پہنچائیں ۔

یریدون ان یطفئوا نوراللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ٥
(وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اس نور کو پورا کر کے رہے گا) ۔

تاہم خدا الغ خان کی دولت کے کاروبار کا خود [64] محافظ تھا ۔ جب دشمنوں کو اس پر دسترس حاصل نہ ہوئی اور جو کچھ اس گروہ کے دل میں تھا ، اسے عمل میں لانے کی کوئی صورت نہ بنی تو سب اکٹھے ہو کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوئے اور عرضداشت پیش کی کہ الغ خان کو حکم دیا جائے کہ وہ جاگیر پر چلا جائے اور اسی کے مطابق فرمان خان اعظم کو پہنچا دیا گیا ۔ چنانچہ خان اعظم سونہدرہ کی منزل سے اپنے لشکر ، نوکروں چاکروں اور متوسلوں کے ہمراہ یکم محرم ۶۵۱ھ[۳۵] کو ہانسی کی طرف روانہ ہوا ۔ جب سلطان دہلی پہنچا تو الغ خان کے حسد کا کانٹا

عماد الدین ریحان کے تاریک دل میں کھٹک رہا تھا ۔ اس نے سلطان سے عرض کیا کہ مناسب یہ ہے کہ الغ کو ناگور کی طرف جانے کے لیے حکم ہو جائے اور ہانسی کی ولایت شہزادوں میں سے (ان کی عمریں طویل ہوں) کسی کے حوالے کر دی جائے ۔ اس فرمان کے ساتھ بادشاہ خود ہانسی کی جانب روانہ ہوا اور الغ خاں کو ناگور کی طرف جانا پڑا ۔ سلطان ہانسی پہنچا تو عماد الدین ریحان وکیل در بن گیا اور اس نے ایوان فرمانروائی کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ اسی حسد اور خبث کی بنا پر سلطنت کا عہدۂ قضا رجب ۶۵۱ھ میں دعا گو منہاج سراج سے لے کر قاضی شمس الدین بہرانچی کے حوالے کر دیا گیا ۔ اسی سال ۷ شوال[36] کو سلطان دہلی آ گیا ۔ ملک سیف الدین کشلی خاں ایبک کو جو الغ خاں اعظم کا بھائی اور امیر حاجب تھا ، دامن کوہ[37] کی جانب مقرر کر دیا گیا اور قتلغ خاں کے داماد ملک عزالدین بلبن کو نائب امیر حاجب کا عہدہ دے دیا گیا ۔ غرض جو بھی شخص الغ خاں کے زیر سرپرستی کسی کام پر مامور تھا ، اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا اور تبدیل کر کے دوسرے کام پر لگا دیا گیا ۔ اس طرح ملک کا پورا انتظام عماد الدین ریحان کی غلط ترتیب کے باعث بگڑ گیا ۔

ناہر دیو پر حملہ :

[65] اس زمانے میں الغ خاں معظم ، خاقان اعظم (اس کی سلطنت ہمیشہ قائم رہے) ناگور کی طرف گیا ہوا تھا اور وہ اسلامی لشکر کو رنتھنبور بھندی (بوندی) اور چترور کی طرف لے گیا ۔ رنتھنبور کا راجا ناہردیو ہندوستان کے بڑے راجاؤں میں سے تھا اور وہ سب سے بڑھ کر بلند مرتبت سردار مانا جاتا تھا ۔ اس نے بھی مقابلے کی تیاری کی تاکہ الغ خاں کو شکست دے ۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ الغ خاں کے نام نیک کو فتح و ظفر اور فیروزمندی کے دفتروں میں دوام حاصل رہے ، اس لیے ناہردیو کے لشکر کا انبوہ ، جو اسلحہ سے پوری طرح لیس تھا اور ان سب کے پاس اعلیٰ درجے کے گھوڑے تھے ، نیز نامور راوت[38] ساتھ تھے ، شکست کھا گیا اور بہت سے مشہور بہادر جہنم واصل ہوئے ۔ مال غنیمت بے حساب ہاتھ آئے ۔ بہت سے گھوڑے اور قیدی پکڑے گئے اور الغ خاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ صحیح سلامت ناگور پہنچ گیا اور خود ناگور الغ خاں کے

وجود کی برکت سے بڑا شہر بن گیا تھا ۔

خان اعظم کے حامیوں پر ظلم :

؛ ۶۵۳ھ[39] شروع ہوا ۔ [66] ان مظلوموں کا حال بڑا پریشان کن تھا ، جو الغ خان کی غیر حاضری میں معزول ہو چکے تھے ۔ ان پر ظلم ہو رہا تھا اور وہ ایک گوشے میں بیٹھ گئے تھے ۔ ان کی کیفیت وہی تھی جو پانی کے بغیر مچھلی کی ہوتی ہے ، یا وہ اس بیمار کی طرح تھے ، جسے نیند نہ آئے ۔ وہ رات دن خدا سے دعائیں مانگتے تھے کہ پھر الغ خان کے اقتدار کا آفتاب دہلی کے مشرق کی پیشانی پر چمکے اور عماد الدین ریحان کے ظلم کا اندھیرا روشنی سے بدل جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے خستہ حالوں کی دعا اور شکستہ دلوں کی فریاد کو شرف قبول بخشا اور الغ خان کے فتح مند جھنڈے ناگور سے دہلی کی جانب حرکت میں آئے ۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ سلطنت کے تمام کارکن اور سردار ترک یا تاجیک اعلیٰ نسل کے تھے ۔ ان کے برعکس عماد الدین ریحان اعضا بریدہ تھا اور اس کا تعلق قبائل ہندوستان سے تھا اور وہ اعلیٰ نسل کے سرداروں پر فرمانروائی کرنے لگا تھا ۔ سب کو اس صورت حال پر سخت رنج ہوا ۔ ان میں یہ ذلت برداشت کرنے کی تاب نہ تھی ۔

اس ضعیف (منہاج سراج) کا یہ حال تھا کہ ظالموں ، فسادیوں اور سرکشوں کے اس جتھے کی دراز دستیوں سے تنگ آ گیا تھا ، جس کا تعلق عمادالدین ریحان سے تھا ۔ چھ مہینے یا اس سے بھی زیادہ مدت تک نہ گھر سے باہر نکلا اور نہ نماز جمعہ کے لیے جانے کی ہمت پڑی ۔ اسی سے دوسروں کے حالات کا اندازہ کر لیجیے ۔ جو بڑے بڑے سردار تھے ، انھوں نے علاقے فتح کیے ، فرمانروائی کی اور دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں ، وہ اس ذلت کے تحت کیوں کر زندگی بسر کر سکتے تھے ۔

خان اعظم کی بحالی :

غرض ہندوستان یعنی کڑہ ، مانکپور ، اودھ اور بدایوں تک کے سرداروں ، ادھر تبرہندہ ، سنام ، کہرام ، سامانہ اور پورے سوالک کے رئیسوں نے الغ خان اعظم سے دہلی واپس آنے کی التماس کی ۔ ارسلان خان تبرہندہ سے لشکر لے کر نکلا ، بت خان سنام اور منصور پور سے باہر آیا ۔

الغ خاں نے [67] ناگور اور سوالک کے اطراف سے لشکر جمع کیا ۔ ملک جلال الدین مسعود شاہ (ابن سلطان شمس الدین التتمش) لاہور سے آ کر ان کے ساتھ مل گیا اور وہ سب دہلی کی طرف چل پڑے ۔ عماد الدین ریحان نے سلطان سے درخواست کی کہ ان کی سرکوبی کے لیے فوج لے کر نکلنا چاہیے ۔ چنانچہ سلطان لشکر کے ساتھ سنام پہنچا ۔ الغ خاں تبرہندہ کے آس پاس تھا اور دوسرے سردار بھی اس کے ساتھ تھے ۔ اس دعا گو نے بھی دہلی سے سلطانی لشکرگاہ کا قصد کیا کیونکہ شہر میں سلطان کے بغیر رہنا ممکن نہ تھا ۔ چنانچہ ۲۶ رمضان ۶۵۲ھ[۳۰] کو منگل کے دن لشکرگاہ میں پہنچا اور قدر کی رات بارگاہ سلطانی میں دعا پڑھی ۔ دوسرے روز یعنی ۲۷ رمضان[۳۱] کو بدھ کے دن فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور (سلطانی لشکر میں) سخت افراتفری پھیل گئی ۔ عید فطر کی نماز سنام میں ادا کی گئی ۔ ۸ شوال[۳۲] کو اتوار کے دن سلطان نے ہانسی کی جانب مراجعت کی ۔ ملک جلال الدین (ابن سلطان) الغ خاں معظم اور دوسرے سردار کیتھل کی طرف بڑھے ۔ دونوں جانب کے سردار اور امیر حالات کی درستی کے لیے زور دیتے تھے ۔ الغ خاں کے ساتھ خاص آدمیوں میں سے سپہ سالار قرہ جاق جوانمردی میں مشہور تھا ، وہ الغ خاں کی لشکر گاہ سے آیا ۔ سلطانی لشکر کی طرف سے سیاہ جھنڈے والے امیر حسام الدین قتلغ شاہ کو مقرر کیا گیا جو فرشتہ خصلت امیر تھا ۔ بڑا مخلص اور نیک سیرت اور وہ عمر میں تمام امیروں سے بڑا تھا ۔ اس نے سپہ سالار قرہ جاق اور ملک اسلام قطب الدین حسن بن علی سے مل کر انتہائی کوشش کی کہ فریقین میں صلح ہو جائے ۔ تمام سرداروں نے سلطان سے درخواست کی ہم سب اعلی حضرت کا ہر حکم ماننے کے لیے ہر وقت آمادہ ہیں لیکن ہمیں عمادالدین ریحان کی عیاری اور مفسدانہ حرکات کے باب میں اطمینان نہیں ۔ اسے دربار سے ہٹا کر [68] کسی علاقے پر بھیج دیا جائے ۔ ہم سب بارگاہ کے فرمانبردار ہیں اور سلطان کے ہر فرمان پر سر جھکانے کے لیے تیار ہیں ۔

جب سلطان ہانسی سے جیند پہنچا تو ۲۲ شوال ۶۵۲ھ[۳۳] کو عماد الدین وکیل در کے عہدے سے ہٹا دیا گیا (اس کے لیے اور اخلاقی نعمتوں کے لیے اللہ کا شکر ہے) ۔ بدایوں کی حکومت اس کے حوالے کر دی گئی ۔ عزالدین بلبن جو نائب امیر حاجب تھا الغ خاں کی لشکرگاہ میں گیا ۔ ۳۰ ذی قعدہ[۳۴] کو منگل کے دن ملک بت خاں ایبک خطائی سلطانی لشکر گاہ میں پہنچا

تاکہ صلح نامہ تکمیل کو پہنچ جائے ۔

عمادالدین ریحان کی ناکام سازش :

یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا ۔ اس دعا گو کو اس کا علم تھا ۔ قصہ یہ ہے کہ عمادالدین ریحان نے ترکوں کے ایک گروہ کو ساتھ ملا کر ، جن کے مزاج میں الغ خان کی تھوڑی سی مخالفت بیٹھی ہوئی تھی ، یہ تدبیر سوچی کہ جب تب خان ایبک خطائی سلطان کی بارگاہ کے دروازے پر پہنچے تو وہیں اسے شہید کر ڈالا جائے تاکہ جب یہ اطلاع الغ خان کی لشکرگاہ میں پہنچے تو وہ لوگ عزالدین بلبن کو قتل کر دیں ۔ یوں صلحنامہ بیچ ہی میں رہ جائے ، تکمیل کو نہ پہنچے اور عمادالدین ریحان جس عہدے پر ہے ، اسی پر قائم رہے ۔ الغ خان کو بارگاہ سلطانی میں پہنچنے کا موقع نہ مل سکے ۔

جب اس ارادے کا علم ملک قطب الدین حسن کو ہوا تو اس نے الغ خان خاص حاجب[۳۵] شرف الملک رشید الدین حنفی کو ملک بت خان ایبک خطائی کے پاس بھیج کر یہ پیغام دیا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے آپ کل صبح اپنی جگہ ٹھہرے رہیں اور سلطانی بارگاہ میں نہ جائیں ۔ اس بنا پر بت خان بارگاہ میں نہ گیا ۔ ملک عمادالدین ریحان اور مخالف ترکوں کی سازش کامیاب نہ ہو سکی ۔ اکابر کو ان حالات کا علم ہوا تو فوراً عمادالدین ریحان کو فرمان اعلیٰ کے مطابق لشکرگاہ سے بدایوں روانہ کر دیا ۔ ۷۔ ذی قعدہ[۳۶] کو منگل کے دن سلطان اور بارگاہ سلطانی کے سرداروں نے دعا گوے دولت منہاج سراج کو حکم دیا کہ فریقین میں مصالحت کرائی جائے اور سب کو عہد و پیمان کا یقین دلادیا جائے ۔ اگلے روز بدھ کو الغ خان معظم اور دوسرے سردار بارگاہ سلطانی میں پہنچے اور سلطان کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ (اس کے لیے اللہ کا شکر ہے)

[69] سلطان سفر سے لوٹ آیا اور الغ خان معظم سلطان کے ہم رکاب ۹۔ ذی حجہ[۳۷] کو بدھ کے دن دوبارہ دہلی آ گیا ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ دیکھیے کہ اس مدت میں آسمان سے بارش نہیں ہوئی تھی ، الغ خان کے قدموں کی برکت سے خدا کی رحمت کا دروازہ کھل گیا اور خوب بارش ہوئی جو نباتات ، نمو پانے والی چیزوں ، انسانوں اور حیوانوں کے لیے زندگی کا سبب تھی ۔ تمام لوگوں نے خان اعظم کی مبارک آمد کو اہل جہان

کے لیے فال نیک قرار دیا اور سواری مبارک کے آ جانے سے سب نے خوشیاں منائیں اور بشارتیں پائیں ۔ اللہ تعالیٰ کا اس بڑی نعمت کا شکر ادا کیا ۔

عہدۂ قضا پر مصنف کی بحالی :

۶۵۳ھ شروع ہوا تو حرم سلطانی میں وہ حادثہ پیش آیا جس کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔[۴۸] ۷ - محرم ۶۵۳ھ[۴۰] کو بدھ کے دن قتلغ خاں اودھ کی حکومت پر مامور ہوا اور ادھر روانہ ہو گیا ۔ اس وقت بہرائچ کا علاقہ عمادالدین ریحان کو دے دیا گیا ۔

الغ خاں معظم کی دولت کے انوار پھر درخشاں ہوئے ۔ رضا کے باغ میں تازگی اور شادابی آئی ۔ اللہ کے فضل کی کلید نے ان لوگوں کے بند دروازے کھول دیے جو گوشوں میں پڑے تھے ۔ ان میں سے ایک سلطان اور الغ خاں کا دولت خواہ منہاج سراج جوزجانی بھی تھا ، جو دشمنوں کے طعنوں اور ناکسوں کی دراز دستیوں کے باعث معزولی اور مصیبت کے گوشے ، تنگی اور بدگوئی کے کونے میں بیٹھا تھا ۔ الغ خاں نے مہربانی اور سرپرستی فرماتے ہوئے سلطان کی خدمت میں عرضداشت پیش کی اور ۷- ربیع الاول ۶۵۳ھ[۵۰] کو اتوار کے دن ، تیسری مرتبہ سلطنت اور مرکز حکومت کا عہدۂ قضا اس مخلص دعا گو اور مداح کے حوالے ہوا ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :

ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد (القصص) ۔

جس خدا نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے ، وہ یقیناً تجھے لوٹ کر آنے کی جگہ واپس لائے گا ۔

اللہ کی یہ عنایت اس ضعیف کے حق میں نمایاں ہوئی ۔ دعا ہے کہ جہان بانی میں ناصرالدین کی سلطنت اور الغ خاں کی استواری دور آسمانی کی آخری حد تک باقی اور پائندہ رہے (بمحمدؐ و آلہ اجمعین)

قتلغ خاں اور ریحان :

جب قتلغ خاں اودھ کی طرف متوجہ ہوا تو ایک مدت کے بعد روزگار کے حادثوں کے باعث [70] اس سے مخالفت ظاہر ہوئی ۔ سلطان کی طرف سے چند مرتبہ فرمان نافذ ہوئے ، قتلغ خاں نے ان کے باب میں سستی سے

کام لیا ۔ عمادالدین ریحان الگ فتنوں کے شعلے بھڑکانے کے لیے سرگرم کوششیں کر رہا تھا تا کہ عیاری اور حیلہ گری سے الغ خاں کی دولت کے آفتاب پر اپنی فاسد تدبیروں کی کہگل چڑھا دے اور اس کی عزت کے چاند کو تلبیس سے داغ دار کر دے ۔ لیکن ازلی عنایت اور ابدی حفاظت اس شرانگیزی کا ازالہ کر ہی تھی ۔ ملک تاج الدین سنجر ماہ پیشانی دام اقبالہ کو دربار سے بہرائچ کی حکومت عطا ہوئی تھی ، وہ وہاں جا رہا تھا کہ ملک قتلغ خاں نے اسے قید کر لیا ۔ لیکن ملک نے مردانگی سے کام لیا ، اودھ کی قید سے رہائی پائی ، ظالموں کے ہاتھ سے مخلصی حاصل کی اور سروندی[۱] کو کشتی کے ذریعے سے عبور کر کے تھوڑے آدمیوں کے ساتھ بہرائچ پہنچ گیا ۔

کائنات کو پیدا کرنے والے کی تقدیر یہی تھی کہ ترکوں کا اقبال فتح و غلبہ کے اوج پر پہنچے اور ہندوؤں کا منصب مغلوبیت کی انتہائی پستی میں پہنچ جائے ۔ عمادالدین ریحان نے شکست کھائی اور اسیر ہوا اور اس کی زندگی کا آفتاب موت میں ڈوب گیا ۔ اس کے مرنے سے قتلغ خاں کے کاروبار میں بھی فتور آ گیا ۔ عمادالدین کا واقعہ بہرائچ میں رجب ۶۵۳ھ[۵۲] میں پیش آیا ۔

اودھ کی جانب اقدام :

ہندوستان میں فتنے قائم رہے ۔ بعض امرا نے سلطان کی اطاعت کا حلقہ گردن سے نکال ڈالا ۔ اس فتنے کی سرکوبی اور سلطنت ناصری کے امن و سکون کے لیے سلطان لشکر کے ساتھ یکم شوال ۶۵۳ھ[۵۳] کو دہلی سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا ۔ بادشاہ تلپت[۵۴] میں خیمہ زن ہوا تو الغ خاں کی جاگیر سے سوالک کا لشکر جنگ کے لیے پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا ۔ خود الغ خاں تلپت سے ہانسی کی طرف گیا ۔ ۱۷ ۔ ذی قعدہ ۶۵۳ھ[۵۵] [71] کو اتوار کے دن ہانسی پہنچا تو اس نے فوری فرمان صادر کیا ۔ سوالک ، ہانسی ، سرستی ، جیند ، بروالہ اور اطراف کے لشکری زیادہ سے زیادہ چودہ دن میں جمع ہو گئے ۔ سب پوری طرح لیس تھے اور بے شمار جنگی آلات ان کے ساتھ تھے ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ لوہے کا ایک پہاڑ ہے جو اپنی جگہ قائم ہے ۔ طوفانی سمندر ہے جو حرکت میں آ گیا ہے ۔ ▪ ۔ ذی حجہ[۵۶] کو الغ خاں دہلی پہنچ گیا ۔ اٹھارہ[۵۷] روز وہاں مزید قیام کیا

تا کہ اور لشکر آ جائے اور میوات کے کوہستانی علاقے سے بھی جنگجو پہنچ جائیں - ۱۹ - ذی حجہ[58] کو لشکر ہتھیاروں سے مسلح ہو کر شاہی لشکر گاہ میں پہنچ گیا - صفیں باقاعدہ مرتب تھیں - محرم ۶۵۳ھ[59] میں سلطان اس زبردست لشکر کے ساتھ اودھ کے حدود میں پہنچ گیا -

قتلغ خان اور جو امرا اس کے ساتھ تھے ، اگرچہ اعلیٰ حضرت کے فرماں بردار تھے ، مگر زمانے کے حادثوں کے باعث ان کے اقبال کے چہروں پر غبار جم گیا تھا - وہ اودھ سے نکلے ، سرجوندی عبور کی اور سلطان کے مقابلے سے ہٹ گئے -

شاہی فرمان کے مطابق الغ خان نے محرم ۶۵۳ھ میں بڑے لشکر کے ساتھ دشمن کا تعاقب کیا - وہ بکھر گئے - وہاں قدم قدم پر مشکلات تھیں - جابجا گہری ندیاں اور بے شمار گھنے جنگل تھے ؛ اس لیے الغ خان تلاش کے باوجود ان فراریوں کو پا نہ سکا - تاہم تعاقب کرتا ہوا ہتھی کور اور سرحد [72] ترہٹ تک پہنچ گیا - وہاں جتنے آزاد قبائل اور رانے ملے ، ان کی بڑی گوشمالی کی اور انہیں لوٹا - اس طرح سے بے شمار مال غنیمت کے ساتھ بارگاہ سلطانی میں پہنچ گیا -

الغ خان نے اودھ سے سرجوندی کو عبور کر کے دشمن کا تعاقب جاری رکھا اور سلطان نے دہلی کی جانب مراجعت کی - الغ خان امرا کے تعاقب سے لوٹا تو سلطان کسمنڈی میں تھا - ۱۶ - ربیع الآخر ۶۵۳ھ[60] کو دریائے گنگا عبور کیا اور ۳ - ربیع الآخر[61] کو دہلی پہنچ گئے -

حواشی

۱- ۳۳ - ۱۲۳۲ء -
۲- خاصہ دار اسے کہتے تھے جو سلطانی اسلحہ کا حامل ہوتا تھا ۔
۳- ۳۵ - ۱۲۳۴ء -
۴- یہاں صرف سال دیا ہے لیکن طغان خاں طغرل کے حالات میں دہلی پہنچنے کی تاریخ ۱۴ صفر ۶۴۳ھ بتائی گئی ہے یعنی ۱۱ جولائی ۱۲۴۵ء -
۵- ۱۵- جنوری ۱۲۴۶ء -
۶- ۱۷- مارچ ۱۲۴۶ء -
۷- ۳۰- اپریل ۱۲۴۶ء -
۸- ۱۰- جون ۱۲۴۶ء -
۹- ۱۲- نومبر ۱۲۴۶ء -
۱۰- دسمبر ۱۲۴۷ء -
۱۱- یہ تمام حالات پہلے بھی سلطان ناصر الدین محمود کے بیان میں لکھے جا چکے ہیں (ملاحظہ فرمائیے حالات سال دوم) ۔
۱۲- ۲۹- جنوری ۱۲۴۸ء -
۱۳- ۱۹- مئی ۱۲۴۸ء -
۱۴- نومبر و دسمبر ۱۲۴۸ء -
۱۵- ۲۷ مارچ ۱۲۴۹ء -
۱۶- ۱۸ مئی ۱۲۴۹ء -
۱۷- ۱۵ جولائی ۱۲۴۹ء -
۱۸- ۱۲ اکتوبر ۱۲۴۹ء -
۱۹- لفظی معنی ''خان اعظم'' ۔
۲۰- راورٹی نے ریحانی کی جگہ زنجانی لکھا ہے ۔ نظر بہ ظاہر یہ مصنف کا بیٹا نہیں ہو سکتا ۔ وہ ۶۲۵ھ میں دربار شمسی سے وابستہ ہوا تھا ۔ اس بائیس سال کی مدت میں کہیں اس نے ذکر نہیں کیا کہ اس کا کوئی بیٹا

دربار سے اتنی گہری وابستگی رکھتا تھا کہ وہ رفتہ رفتہ امیرالحجاب ہوگیا۔ یا تو یہ کسی ایسے فرد کا ذکر ہے جس سے مصنف کے خاص ذاتی تعلقات تھے یا ممکن ہے وہ مصنف کا داماد ہو، وہ بھی الغ خاں ہی کا متوسل تھا۔

۲۱- ۱۵ اکتوبر ۱۲۴۹ء -

۲۲- ۱۷ نومبر ۱۲۴۹ء -

۲۳- ۱۰ فروری ۱۲۵۰ء -

۲۴- ۴ اپریل ۱۲۵۰ء -

۲۵- ۸ جون ۱۲۵۰ء - مصنف نے سفر میں خاصا وقت گزارا - معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مقام پر کئی دن ٹھہرتا رہا - واپسی کا سفر اس سے بہت کم مدت میں تمام ہو گیا -

۲۶- ۲۶ اگست ۱۲۵۰ء -

۲۷- ۲۱ ستمبر ۱۲۵۰ء - آقائے حبیبی کے متن میں ۲ جمادی الاخریٰ ہے جو بداہتہً غلط ہے، اس لیے کہ ملتان سے چھ دن میں دہلی پہنچنا ممکن نہ تھا - راورٹی میں ۲۲ جمادی الاخریٰ ہے -

۲۸- ۹ ستمبر ۱۲۵۱ء -

۲۹- ۱۲ نومبر ۱۲۵۱ء -

۳۰- ۱۲۳۴-۳۵ء -

۳۱- جہاں پہلے اس مہم کا ذکر آیا ہے وہاں سلطان کا پانچواں حصہ پچیس لاکھ بتایا گیا ہے -

۳۲- متن میں نرول ہے مگر آج کل اس مقام کو نرور کہتے ہیں -

۳۳- ۴ جون ۱۲۵۲ء -

۳۴- ۱۶ دسمبر ۱۲۵۲ء -

۳۵- ۳ مارچ ۱۲۵۳ء -

۳۶- ۱۰ دسمبر ۱۲۵۳ء -

۳۷- راورٹی نے لکھا ہے کڑہ کی جانب -

۳۸- یعنی بہادر - یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جو بہادری میں ناموری حاصل کر لیتے تھے -

۳۹- ۱۲۵۴ء -

۴۰- ۹- نومبر ۱۲۵۴ء -

۴۱- ۱۰ نومبر ۱۲۵۴ء -

۴۲- ۲۱ - نومبر ۱۲۵۴ء -

۴۳- ۵ - دسمبر ۱۲۵۴ء -

۴۴- ۱۵ - دسمبر ۱۲۵۴ء -

۴۵- راورٹی نے لکھا ہے سلطان کا سب سے بڑا حاجب تھا -

۴۶- ۲۹ - دسمبر ۱۲۵۴ء - آقائے حبیبی کے متن میں ۷ - ذی قعدہ ہی درج ہے ، جو اس لیے غلط ہے کہ ۳ ذی قعدہ کو منگل تھا - مصنف نے خود لکھا ہے کہ بت خان ایبک خطائی سلطانی لشکرگاہ میں پہنچا تھا تو ۳- ذی قعدہ کو منگل کا دن تھا - پھر ۷- ذی قعدہ کو دوسرا منگل نہیں ہو سکتا - صحیح تاریخ ۱۷- ذی قعدہ ہی ہو سکتی ہے -

۴۷- ۲۰ - جنوری ۱۲۵۵ء -

۴۸- جس حادثے کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے ، وہ یہ تھا کہ سلطان کی والدہ نے ملک قتلغ خان سے نکاح کر لیا تھا - یہ سب کچھ خفیہ خفیہ ہوا اور کسی کو اس کے متعلق اطلاع نہ ہوئی - ساتھ ہی بتایا گیا ہے کہ قتلغ خان کو اودھ کی حکومت دے دی گئی - یہ اس لیے کہ نکاح ثانی کے بعد والدہ کو شاہی محل یا دہلی میں رکھنا سراسر خلاف مصلحت تھا - سلطان نے یہی مناسب سمجھا کہ قتلغ خان کو کسی علاقے کی حکومت دے دی جائے - سراسیمگی بہ ظاہر نکاح ثانی پر نہ تھی بلکہ ان سیاسی پیچیدگیوں پر پیدا ہوئی جو نکاح کے بعد رونما ہو سکتی تھیں -

۴۹- ۱۶ - فروری ۱۲۵۵ء -

۵۰- ۱۷ - اپریل ۱۲۵۵ء -

۵۱- اسے آج کل سرجونڈی کہتے ہیں -

۵۲- اگست ۱۲۵۵ء -

۵۳- ۱۲ - اکتوبر ۱۲۵۵ء - دیکھیے قتلغ خان اودھ کی حکومت پر بھی مطمئن نہ ہوا - والدۂ سلطان اس کی زوجہ تھی ، اس بھروسے پر وہ فتنہ انگیزی میں مصروف ہو گیا جو خاصی دیر تک سلطنت کے لیے پریشانی کا باعث رہی -

۵۴- تلپت یا تلپھت دہلی سے تیرہ میل جنوب مشرق میں ہے -

۵۵- ۱۸ - دسمبر ۱۲۵۵ء -

۵۶- ۳ - جنوری ۱۲۵۶ء -

۵۷- یہاں ''سترہ روز'' ہونا چاہیے نہ کہ اٹھارہ روز۔ راورٹی میں ''سترہ روز'' ہی ہے۔

۵۸- ۱۹۔ جنوری ۱۲۵۶ء۔

۵۹- فروری ۱۲۵۶ء۔

۶۰- ۱۳۔ مئی ۱۲۵۶ء۔

۶۱- ۲۱۔ مئی ۱۲۵۶ء۔

☆ ☆ ☆

پانچواں باب

خانِ اعظم الغ خاں بلبن

(۲)

قتلغ کے فتنے کا پھیلاؤ

قتلغ خاں کو (اللہ اسے محفوظ رکھے) ہندوستان میں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہ مل سکی تو وہ سرمور کی طرف آزاد قبائل میں چلا گیا اور انھی پہاڑی علاقوں میں اس نے پناہ لی ۔ سب اس کی خدمت بجا لاتے تھے ۔ وہ بہت بڑا ملک تھا ۔ دربار کے بہت بڑے افراد اور ترک سرداروں میں سے تھا ۔ سب پر اس کے حقوق ثابت تھے ، اس لیے جہاں جاتا ، اس کے سابقہ حقوق نیز نتائج پر نظر رکھتے ہوئے سب اس کی عزت کرتے ۔ جب ملک نے سنتور (سرمور) کے پہاڑوں میں پناہ لی تو رانا دھن پال[1] نے اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کی ۔ وہ ہندوؤں میں بہت بڑا راجا تھا اور ان لوگوں کا دستور یہ تھا کہ جو بھی ان کے پاس پناہ لینے کے لیے پہنچ جاتا ، اس کی حفاظت کرتے ۔

یہ خبر سلطان کو ملی تو سلطانی لشکر اوائل ربیع الاول ۶۵۵ھ[2] میں ان پہاڑی علاقوں کی طرف روانہ ہو گیا ۔ الغ خاں نے اپنے لشکر اور دربار کے دوسرے سرداروں کے ساتھ ان پہاڑی علاقوں میں بڑی جد و جہد کی ۔ سنت کے مطابق جہاد میں مصروف رہا ۔ اس نے ان تنگ گھاٹیوں ، اونچے اونچے ٹیلوں کو بھی نہ چھوڑا جنھیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی تھی ۔ [73] آخر وہ سرمور کے خطے اور قلعے میں پہنچ گیا جس پر ایک بڑا راجا قابض تھا ۔ ارد گرد کے تمام راجے اس کی عزت کرتے اور خدمت بجا لاتے تھے ۔

وہ راجا الغ خاں کے مقابلے سے بھاگ نکلا ۔ سرمور شہر اور منڈی پر

لشکر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ الغ خان نے اس مقام پر قبضہ کر لیا جہاں کبھی کوئی اسلامی لشکر نہیں پہنچا تھا۔ اللہ کے فضل و مہربانی اور اسی کی حمایت و یاوری سے بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا جو سلطانی لشکر کے ساتھ مبارک پرچموں کے سایے میں ۲۵ ربیع الآخر ۶۵۵ھ[3] کو دہلی پہنچا۔

جب اسلامی لشکر واپس آ گیا تو قتلغ خان کوہستان سنتور (سرمور) سے نکلا۔ ملک بلبن سندھ سے دریائے بیاس کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ یہ دونوں بڑے سردار—قتلغ خان اور کشلو خان بلبن—اکھٹے ہو گئے۔ انھوں نے سامانہ و کہرام کا رخ کر لیا اور ملک پر قبضہ جمانے لگے۔

روک تھام کے لیے پیش قدمی:

جب اس جمعیت اور جسارت کی اطلاع سلطان تک پہنچی تو ملک الغ خان اعظم، ملک کشلو خان (امیر حاجب) اور دربار کے دوسرے سرداروں کو لشکر کے ساتھ اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ اس فتنے کا سر توڑ دیں۔ چنانچہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۶۵۵ھ[3] کو جمعرات کے دن الغ خان معظم دہلی سے تیزی کے ساتھ کیتھل کی جانب روانہ ہوا کیونکہ قتلغ خان اور بلبن انھیں اطراف میں تھے۔ جب وہ ایک دوسرے کے قریب پہنچے تو اس سے زیادہ تعجب انگیز نظارہ کیا ہو سکتا تھا کہ سب بھائی تھے۔ سب ایک دوسرے کے رفیق و یار تھے۔ دونوں لشکروں کا تعلق ایک ہی سلطنت سے تھا۔ دونوں فوجیں ایک ہی بارگاہ کی تھیں۔ دونوں عسکر ایک ہی گھر کے تھے۔ ایک ہی معدے کے دو حصے تھے۔ دونوں کو ایک ہی تھیلی سے تنخواہیں ملتی تھیں۔ دونوں ایک ہی کاسے سے کھاتے تھے۔ شیطان ملعون نے ان کے درمیان تفرقہ ڈال دیا تھا۔ جن لوگوں کی فطرت شیطانی تھی، انھوں نے ذاتی اغراض کی خاطر جھوٹی باتیں کہہ کہہ کر مخالفت کی آگ بھڑکا دی اور اپنے کام کی رونق بڑھانے کی خاطر ایک دل بھائیوں کا معاملہ دگرگوں کر دیا۔

[74] الغ خان اعظم نے اپنی اصابت رائے اور تدبیر کی بنا پر اپنے خاص لشکر اور چچیرے بھائی شیر خان کے لشکر کو سلطان کی فوج قلب سے الگ رکھا۔ ملک کشلی خان میر حاجب نے جو الغ خان کا حقیقی بھائی تھا، بارگاہ سلطانی کے سرداروں، فوج قلب اور ہاتھیوں کو الگ رکھا۔ چنانچہ لشکر کی دو صفیں الگ الگ بڑی عجیب معلوم ہوتی تھیں۔

سامانہ اور کیتھل کے قریب دونوں فریقوں کے لشکر ایک دوسرے کے نزدیک ہوئے اور سب کو امید تھی کہ اب لڑائی ضرور ہوگی۔

بعض علماء دہلی کی سازش :

اس اثناء میں دہلی کے ان علماء نے جن کا پیشہ ہی یہ تھا کہ فضول سازشیں کرتے رہیں ، ملک عزالدین بلبن اور ملک قتلغ خان کو خط بھیجے اور التماس کی کہ شہر کے دروازے ہمارے ہاتھ میں ہیں ، آپ لوگ شہر کی طرف آئیں ، جو لشکر سے خالی ہے ۔ آپ بھی اعلیٰ حضرت سلطان کے فرمان بردار ہیں ۔ بیگانگی کا کوئی سوال ہی نہیں ۔ شہر کی جانب آئیں تو بادشاہ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے ۔ الغ خان لشکر کے ساتھ ہی رہے گا ۔ تمام کام خواہش کے مطابق پورے ہو جائیں گے ۔ جو کچھ آپ بادشاہ سے کہنا چاہتے ہیں ، وہ بھی کہہ سکیں گے اور اس کی منظوری حاصل کر لی جائے گی ۔

بادشاہ کے مخلصوں اور الغ خان کے ہواخواہوں کو اس ساز باز کا علم ہوا تو انہوں نے بے توقف خان اعظم کی خدمت میں خطوط بھیجے اور عرض کی کہ فوراً دہلی آئیں اور مخالفوں کو شہر سے نکال دیں اور یہ پوری داستان سلطان ناصرالدین محمود شاہ کے ذکر میں بیان کی جا چکی ہے ۔ جن لوگوں نے یہ خط لکھے تھے ان کے نام کیا لکھے جائیں ، بس اللہ انہیں معاف کرے اور نفاق سے توبہ کرنے کی توفیق بخشے ۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے نزدیک پہنچے ہوئے تھے تو یک شخص ، جو فلاں[5] کا بیٹا کہلاتا تھا ، ملک کشلو خان بلبن کی طرف سے جاسوسی کے لیے آیا اور ظاہر یہ کیا کہ میں الغ خان اعظم کی خدمت میں آیا ہوں ۔ ان ملوک و امرا کا بھی نام لیا جو کشلو خان بلبن کے ساتھ رہنے پر راضی نہ تھے اور الغ خان کے پاس آنا چاہتے تھے ، البتہ انہیں خط امان مل جانا چاہیے [75] اور پختہ عہد ہو جانا ضروری ہے ۔ میرے لیے روٹی اور جاگیر کا انتظام ہو جائے تو میں ملک بلبن کے تمام ساتھی ملوک اور امرا کو لے آؤں گا اور دوسرے خدمت گزاران دربار میں شامل کردوں گا ۔

خان اعظم کی تدبیریں :

الغ خان کو خفیہ خفیہ اس شخص کی حقیقی حیثیت معلوم ہو چکی

تھی ، اس نے حکم دے دیا کہ پورا لشکر سارے ساز و سامان اور ہاتھیوں کے ساتھ اس کے سامنے سے گزرے تاکہ اس کی تعداد ، ہتھیاروں ، تیاری ہاتھیوں اور سرو سامان کا اسے اندازہ ہو جائے ۔ پھر حکم دیا کہ خفیہ ایک خط ان ملوک و امرا کو لکھا جائے جو ملک بلبن کے ساتھ تھے مضمون یہ ہو کہ تم لوگوں کے خطوط پڑھے گئے ، جو کچھ تمھارا مقصود تھا اس سے آگاہی حاصل ہوئی ۔ قطعاً شبہ نہیں کہ اگر تم وفادارانہ طریق پر یہاں آ جاؤ گے تو سب کے لیے اس کی حالت کے مطابق جاگیر اور گزارے کا انتظام کر دیا جائے گا بلکہ کچھ زیادہ ہی دیا جائے گا ۔ اگر اس کے خلاف عمل پیرا ہو گے تو ان دو دنوں میں دنیا پر روشن و آشکارا ہو جائے گا کہ درخشاں تلواروں اور آگ برسانے والے نیزوں کے زخم سے ہر ایک کا معاملہ کہاں پہنچے گا اور عقل و ہوش گم ہو جانے کے بعد ہر ایک کو کس طرح قوت کی کمند میں باندھ کر سلطانی علموں کے پاس کس طرح لایا جائے گا ۔[6]

جب یہ خط ، جن میں شہد اور زہر ، نیش اور نوش ، مہربانی اور سختی کو ملا دیا گیا تھا ، لکھے گئے تو وہ شخص لوٹ گیا ۔ ملک بلبن (اللہ اسے محفوظ رکھے) کو تمام حالات سنا دیے ۔ جو کچھ دیکھا اور سنا تھا وہ سب بتا دیا ۔ عقل مندوں پر واضح ہو رہا تھا کہ ملوک و امرا کی مخالفت نے معاملہ کہاں پہنچا دیا ہے ۔

اس اثناء میں دہلی سے خط آ گئے تھے ۔ ملک بلبن اور ملک قتلغ خاں نے دہلی کا قصد کر لیا ۔ وہاں سے ناکام و بے مراد لوٹے ۔ دو روز بعد ان کے ارادے کا حال الغ خاں معظم پر واضح ہوا تو اسے تشویش ہوئی کہ خدا جانے دہلی میں کیا ہو رہا ہے اور سلطان کی کیفیت کیا ہے ۔ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد الغ خاں کی خدمت میں دہلی سے عجیب خط پہنچا اور وہ اللہ کی حفاظت میں بالکل محفوظ دہلی پہنچ گیا ۔ پیر کا دن تھا ، جمادی الاخری ۶۵۵ھ کی دسویں [76] تاریخ تھی ۔

تاتاریوں کے خلاف اقدام :

سات مہینے تک شہر ہی میں قیام رہا ۔ اوائل ذی حجہ ۶۵۵ھ[8] میں کافر تاتاری سرزمین سندھ کی طرف آئے ۔ ساری نوئین ان ملاعنہ کا سالار اعظم تھا ۔ ملک کشلو خاں بلبن ان کا شحنہ لایا تھا ، اس لیے اسے

بہ ہرحال ان کے پاس جانا پڑا۔ تاتاری لشکروں نے ملتان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا ۔[9] یہ خبر دہلی پہنچی تو الغ خان اعظم نے سلطان کی خدمت میں عرض داشت پیش کی کہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے سلطان خود اس مہم پر ساتھ چلیں ۔ نیا سال شروع ہو چکا تھا ۔ ۲ محرم ۶۵۶ھ[10] کو نیک ساعت میں شہر سے کوچ کیا اور سلطانی خیمہ شہر سے باہر نصب ہو گیا ۔ اس اثنا میں الغ خاں کے مشورے کے مطابق تمام بڑے بڑے سرداروں ، ولایتوں کے والیوں اور سرحدی خانوں کے نام فرمان جاری ہوئے کہ پوری تیاری کے ساتھ بارگاہ سلطانی میں پہنچ جائیں ۔ ۱۰ محرم کو سلطانی خیمے میں ـــ وہ ہمیشہ فتح و نصرت سے انصب ہوتا رہے اور اس کی دولت کی طنابیں ثبات کی میخوں سے بندھی رہیں ـــ حسب فرمان (اللہ اس کا نفاذ زیادہ کرے) اس دعا گو (منہاج سراج) نے وعظ کیا ، جس میں لوگوں کو جہاد کے لیے ابھارا اور مقدس لڑائیوں کے ثواب سے انہیں آگاہ کیا ۔

الغ خاں معظم بھی سلطان کی پیروی میں بہت سے لشکر کے ساتھ ، جو سامان جنگ سے پوری طرح لیس تھا ، شہر سے باہر نکلا ۔ تمام سردار ساتھ تھے ۔ لشکر جمع ہو گئے ۔ یہ اطلاع ملعون تاتاریوں کی لشکر گاہ میں پہنچی ، تو جن سرحدوں پر انہوں نے حملہ کیا تھا ، ان سے آگے نہ بڑھے اور جرأت نہ کی ۔

بایں ہمہ مصلحت یہی سمجھی گئی کہ تمام لشکر چار مہینے یا اس سے بھی زیادہ مدت تک شہر دہلی کے باہر جمع رہیں ۔ سوار روزانہ اطراف میں جاتے [77] اور آزاد قبیلوں پر چھاپے مارتے ۔

ارسلان خاں اور قلیج خاں :

جب تاتاری ملعونوں کی واپسی کی اطلاع پہنچی اور دل اس فتنے سے بالکل فارغ ہو گئے ، تو خبر رسانوں نے الغ خاں تک یہ اطلاع پہنچائی کہ تاج الدین ارسلان خاں سنجر اور قتلغ قلیج خاں مسعود خانی (ابن ملک علاءالدین جانی) نے سلطانی لشکرگاہ تک پہنچنے میں تاخیر کی ، اس سبب سے ڈرے ہوئے ہیں اور ان کی طبیعتوں میں سرکشی کا خیال چکر لگا رہا ہے ۔ الغ خاں نے فوراً بارگہ سلطانی میں عرض کیا کہ ان لوگوں کے پر و بال نکالنے اور خوف کے باعث سرکشی کی ہوا میں اڑنے سے پیشتر ہی ان کا انتظام کرلینا چاہیے ، موقع نہ دینا چاہیے بلکہ اس آگ کو جلد سے جلد بجھا

دینا مناسب ہے ۔

الغ خان کی یہ رائے درست تھی ۔ اگرچہ گرمی کا موسم تھا اور لشکر تاتاریوں کی آمد کے باعث سرحدوں کی حفاظت میں زحمتیں اٹھا چکا تھا لیکن مصلحت یہی تھی کہ فوراً کوچ کیا جاتا ۔ چنانچہ سلطانی لشکر ۶ جمادی الاخری ۶۵۶ھ[11] کو منگل کے دن دہلی سے نکلا اور کوچ پر کوچ کرتا ہوا کڑہ اور مانک پور کی سرحد پر پہنچ گیا ۔ الغ خان اعظم نے مفسد ہندوؤں اور سرکش رانوں کی گوشمالی اس پیمانے پر کی کہ وہ تصور میں نہیں آ سکتی ۔ جب خان اس سرزمین میں پہنچا تو ارسلان خان اور قلیج خان الگ الگ ہو گئے ۔ انھوں نے اہل و عیال اور متوسلوں کو آزاد قبائل میں بھیج دیا ۔ الغ خان کی خدمت میں اپنے معتمد بھیجے کہ سلطان کی خدمت میں ان کے علیحدہ ہو جانے کی کیفیت پیش کر دی جائے اور التماس کی جائے کہ سلطانی لشکر کو واپسی کا حکم مل جائے ۔ جب لشکر دہلی پہنچ جائے گا ، ارسلان خان اور قلیج خان دونوں بارگاہ عالی میں حاضر ہو جائیں گے جو جہان کی پناہ گاہ ہے ۔

الغ خان نے یہ عرض داشت سلطان کی خدمت میں پیش کر دی ۔ چنانچہ سلطانی لشکر [78] واپس ہوگیا اور ۲ رمضان ۶۵۶ھ[12] کو پیر کے دن دہلی پہنچ گیا ۔ ۲۷ شوال ۶۵۶ھ[13] کو ارسلان خان اور قلیج خان بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوئے ۔ اگرچہ ان کی طرف سے سخت مخالفت کا مظاہرہ ہوا ، مختلف ولایتوں کے انتظام پر برا اثر پڑا تھا ، لیکن الغ خان نے انتہائی لطف و نوازش اور بردباری ، سرداروں کی سی سرپرستی اور بادشاہوں کی سی عنایت سے کام لیتے ہوئے ان کے سلسلے میں اتنی مہربانی ، پرورش ، پاس عہد اور اصلاح حال ملحوظ رکھی کہ تحریر سے قلم اور بیان سے زبان عاجز ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت میں رکھے (بمحمدؐ و آلہ) ۔ دو ماہ بعد الغ خان معظم کی حمایت کی بدولت ولایت لکھنوتی قلیج خان کو اور ولایت کڑہ ارسلان خان کو دے دی گئی ۔

نیا سال :

نئے سال کا آغاز ہوا ۔ ۱۳ محرم ۶۵۷ھ[14] کو سلطان نے کوچ کا ارادہ فرمایا اور خیمۂ سلطانی دہلی کے باہر نصب ہوا ۔ الغ خان اعظم (اس کی دولت ہمیشہ رہے !) اپنے چچیرے بھائی شیر خان کی پرورش لازم سمجھتا تھا

چنانچہ سلطان سے عرض کر کے شیر خاں کو ولایت بیانہ ، کول ، جلیسر اور کالپور (گوالیار) دلا دیے ۔ یہ ۲۱ صفر ۶۵۷ھ[15] کا واقعہ ہے ۔ چونکہ اس سال اللہ کے فضل سے کسی طرح کی تشویش نہ تھی ، اس لیے سلطانی لشکر کو زیادہ نقل و حرکت کی ضرورت پیش نہ آئی ۔

۴ جمادی الاخریٰ ۶۵۷ھ[16] کو لکھنوتی سے خزانہ ، مال ، بہت سی نادر چیزیں اور دو ہاتھی دہلی پہنچے ۔ الغ خاں معظم نے اس حسن اہتمام کے پیش نظر لکھنوتی کے جاگیردار عزالدین بلبن یوزبکی[17] کو ، جس نے مال اور ہاتھی بھیجے تھے ، سلطان سے جاگیر کا فرمان دلایا ، لکھنوتی پر اس کی حکومت مستقل کر دی اور اس کے لیے خلعت ارسال کیا ۔[18]

مفسدوں کی دیدہ دلیری :

جب ۶۵۸ھ شروع ہو گیا اور صفر کا مہینہ آ گیا ، الغ خاں معظم نے دہلی کے اطراف میں کوہستانی علاقے پر تاخت و تاراج [79] کا مصمم ارادہ کر لیا ۔ اس علاقے میں مفسدوں کا ایک گروہ تھا ، جو ہمیشہ ڈاکے ڈالتا ، مسلمانوں کا مال لوٹتا ، ذمی رعایا کو پریشان کرتا ، حوالی ہریانہ ، سوالک اور بیانہ کے دیہات کو لوٹتا ۔ تین سال پیشتر یہ فسادی گروہ الغ خاں کے نوکروں چاکروں کے اونٹ ولایت ہانسی کے آس پاس سے پکڑ کر لے گیا تھا ۔ اس گروہ کا سرخیل ملکا نام ایک سرکش ہندو تھا ، جو دیو کی طرح سرکش اور عفریت کی طرح نافرمان تھا ۔ یہ لوگ اونٹوں کے گلوں اور آدمیوں کو لے گئے تھے اور انہیں میوات کے کوہستانی علاقے سے رنتھنبور تک ہندوؤں میں جابجا تقسیم کر دیا تھا ۔ جس زمانے میں یہ اونٹ لوٹ کر لے گئے ، لشکرکشی کا وقت تھا اور الغ خاں کے بہادروں کو لشکر کا سامان اٹھوانے کے لیے باربردار جانوروں کی سخت ضرورت تھی ۔ فسادیوں کی اس حرکت پر الغ خاں معظم کو تمام سرداروں اور امیروں کو سخت رنج تھا ۔ لیکن اس وقت اس فتنے کا تدارک ممکن نہ تھا ، کیوں کہ تاتاری کافروں کا لشکر آیا ہوا تھا اور وہ ولایت سندھ ، ولایت لاہور اور دریائے بیاس کی طرف حملے کر رہے تھے ۔

جس زمانے کا ذکر کیا جا رہا ہے ، اس وقت خراسانی ایلچی ، جو تولی بن چنگیز خاں کے بیٹے ہلاؤ (ہلاکو) نے عراق عجم سے بھیجے تھے ، دہلی کے نزدیک پہنچے ہوئے تھے ۔ حکم صادر ہوا کہ ایلچیوں کو منزل

ہاروت[19] میں روک لیا جائے ۔ الغ خان معظم نے دوسرے سرداروں اور سلطانی لشکر کے ساتھ اچانک کوہستانی علاقے کا عزم کر لیا ۔

کامیاب یورش :

[80] ۴ صفر ۶۵۸ھ[20] کو پیر کے دن فتح مند لشکر اس علاقے کی طرف گیا ۔ پہلے ہی ہلّے میں قریباً پچاس کوس پر پڑاؤ ڈالا اور سرکشوں پر آناً فاناً حملہ کر دیا ۔ جو لوگ بلند چوٹیوں پر ، پہاڑوں یا تنگ دروں اور گھاٹیوں میں پناہ لیے بیٹھے تھے ، ان سب پر قابو پا لیا اور اہلِ اسلام کی تلوار خوب زور شور سے چلی ۔ بیس روز تک اس علاقے میں ہر طرف یورشیں ہوئیں ۔ ان پہاڑی لوگوں کے رہنے کے مکان بلند پہاڑوں پر تھے اور عمارتیں نہایت اونچی اونچی چوٹیوں پر تھیں ۔ گویا وہ ستاروں کی بلندی کے ہمسر اور آسمان کے ہم عنان بنے ہوئے تھے ۔ الغ خان معظم نے اس تمام علاقے کو جو استحکام میں سد سکندری کی حیثیت رکھتا تھا ، اور جس کے استحکام کے قصے مشہور تھے ۔ بری طرح تاخت و تاراج کیا اور اس کی پوری آبادی کو جو چوروں اور رہزنوں پر مشتمل تھی اور وہ سب کے سب ہندو تھے تہ تیغ کر ڈالا ۔ الغ خان نے حکم دے دیا تھا (اس کا حکم ہمیشہ جاری رہے) کہ لشکریوں میں سے جو شخص ایک سر لائے ، اسے ایک روپہلی تنکہ دیا جائے ۔ جو زندہ آدمی پکڑ کر لائے اسے دو روپہلی تنکے انعام ملے ۔

حق کے یاوروں اور ناصروں نے الغ خان کے فرمان کے مطابق تمام بلند چوٹیاں ، تنگ گھاٹیاں اور گہری ندیاں چھان ڈالیں ، جگہ جگہ سے سر اور قیدی لائے ۔ خصوصاً افغانوں نے کمال کر دیا ۔ ان میں سے ہر ایک کی حیثیت ایک ہاتھی کی تھی ، جس نے دو غژگاؤ اپنے کاندھے پر بٹھا رکھے تھے ، یا وہ ایک برج تھا جس کے اوپر ہیبت کی غرض سے ایک جھنڈا نصب کر دیا گیا تھا ۔ ان میں سے تین ہزار صرف الغ خان کی فوج میں سوار اور پیادے موجود تھے ۔ ان میں سے ایکہ ایک سو سو ہندوؤں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں صرف ہاتھ سے پکڑ لاتا ۔ اندھیری رات میں دیو بھی ان کے سامنے بے بس رہ جاتا ۔

غرض ترک و تاجیک سرداروں اور امیروں کی جماعت نے بڑی مردانگی دکھائی جس کا ذکر زمانے کے دفتر میں ہمیشہ باقی رہے گا ۔

جب سے اسلامی جھنڈا ہندوستان میں بلند ہوا تھا ، لشکر اسلام کبھی اس مقام تک نہ پہنچا تھا اور نہ اسے لوٹا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے الغ خاں معظم کو سلطان ناصرالدین کے عہد سلطنت [81] میں یہاں پہنچایا ۔

وہ سرکش ہندو جو آدمی اور اونٹ پکڑ کر لے گیا تھا ، بیٹوں اور اہل و عیال کے ساتھ گرفتار ہو کر آیا ۔ ان کے علاوہ تمام سرکش اور فسادی زنجیروں میں بندھے آئے ۔ ان میں صرف ممتاز آدمیوں کی تعداد اڑھائی سو سے کم نہ تھی ۔ ایک سو بیالیس گھوڑے اصطبل شاہی میں پہنچے ۔ ساٹھ بدرے مال پہاڑی رانوں اور رایوں سے وصول کیا گیا ۔ بدرے کی رقم تیس ہزار ٹنکے تھی ۔[۲۱] یہ مال سلطانی خزانے میں داخل ہوا ۔ صرف بیس روز کی مدت میں یہ زبردست کارنامے الغ خاں کی دانش مندی اور قوت کی بدولت انجام پائے (اللہ اسے ہمیشہ سربلند رکھے !) ۔ م۔ ربیع الاول ۶۵۸ھ[۲۲] کو الغ خاں (اس کی دولت ہمیشہ رہے) دہلی واپس آ گیا ۔

شان دار استقبال :

سلطان کا چتر مبارک حوض رانی پر پہنچ گیا ۔ جہان کے بادشاہ کو بادشاہوں میں آفتاب سمجھنا چاہیے ۔ اس کے زیر سایہ دہلی کے تمام بڑے بڑے سردار ، امیر ، صدر صاحبان ، اکابر ، ممتاز اصحاب اور اہل شہر بھی وہیں حاضر ہو گئے ۔ باغ جود سے حوض رانی تک لوگ الغ خانی پرچموں کے استقبال و اعزاز کی غرض سے صفیں باندھے کھڑے تھے ۔ سب اخلاص کے قدموں سے دوڑتے ہوئے آئے تھے ۔ بادشاہوں کے بادشاہ نے (اللہ اس کا اقتدار ہمیشہ قائم رکھے) حوض رانی پر تخت نشین ہو کر دربار کیا ۔ الغ خان معظم ، لشکر کے سردار اور امیر الغ خانی خلعت پہن کر آئے تھے اور سلطان کے روبرو زمین بوسی کا شرف حاصل کیا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رنگ رنگ کی اطلس ، سیاہ دیبا ، البروز[۲۳] ششتری دیبا[۲۴] زرتار اور باولی پرچموں چرخ[۲۵] اور بغلتاق[۲۶] سے [82] صحرا اتنا خوش نما ہو گیا تھا ، گویا ہزار گلستان کھل گئے تھے ۔ تمام اکابر ، ملوک و امرا ، پہلوان ، لشکر کے بہادر ایک روز پیشتر الغ خاں کے خزانۂ عالیہ سے (مال اور غنیمت سے اس کی بھرپوری میں کبھی کمی نہ آئے) یہ خلعت لے چکے تھے ۔ سب فتح و نصرت حاصل کر کے آئے تھے اور محفوظ و مالدار بن کر بارگاہ سلطانی میں پہنچے تھے ۔ چھوٹوں بڑوں سب کو سلطان کا ہاتھ چومنے کی

سعادت نصیب ہوئی ۔ ان پر ہزاروں نوازشیں اور مہربانیاں ہوئیں ۔ ان سے وعدے کیے گئے ۔ سب نے اس فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ۔

مجرموں کو عبرت ناک سزائیں :

دو روز بعد سواری مبارک جہاد کا ارادہ کر کے حوض رانی کی طرف نکلی ۔ فرمان صادر ہوا کہ کوہ پیکر ہاتھیوں کو کافروں کی سزا دہی کے لیے لایا جائے ۔ ہاتھی کیا تھے ، ان کی پیٹھیں بلندی کے باعث آسمان سے چھوتی تھیں ۔ دیکھنے میں دیو معلوم ہوتے تھے ۔ رفتار ہوا کی طرح تیز تھی ۔ وہ موت کے نمائندے اور فرشتہ موت کے ہم ذات نظر آتے تھے ۔ ساتھ ہی خونخوار ترک تھے جن کی سیرتیں جنگجوئی میں مریخ کی سی تھیں ۔ ان کے ہاتھوں میں درخشاں تلواریں تھیں ، جن سے شعلے برستے تھے ۔ یہ تلواریں اقتدار کے نیام سے کھنچی ہوئی تھیں ۔ پھر فرمان صادر ہوا کہ اب سزا کا سلسلہ شروع کر دیا جائے ۔ چنانچہ بعض مفسدوں کو ہاتھیوں کے پاؤں میں ڈال دیا گیا ۔ ان کے سر کوہ پیکر ہاتھیوں کے پاؤں میں اس طرح پس گئے جیسے دانہ اجل کے خراس میں پس جاتا ہے ۔ خونریز ترکوں اور جان لینے والے جلادوں کی تلواروں نے ہر دو دو مفسدوں کو چار چار کر ڈالا ۔ پھر چمڑا اتارنے والے چار آئے ، جن کی چھریوں کے زخموں سے دیو پر بھی ہیبت طاری ہوتی تھی ۔ سو سے زیادہ مفسدوں کی کھال کھینچی گئی اور انھوں نے کھال کھینچنے والوں کے ہاتھ سے اپنے سر کے کاسے میں موت کا شربت پیا ۔[۲۷]

پھر حکم ہوا کہ ان پوستوں میں گھاس پھوس بھر کر شہر کے ہر دروازے پر لٹکا دیا جائے ۔ غرض ایسی سزا دی گئی کہ حوض رانی کے صحن یا دہلی کے دروازے سے باہر کے میدان کو ایسی کوئی سزا یاد نہ تھی اور کسی سننے والے کے کان نے ایسی حکایت قطعاً نہیں سنی تھی ۔ ایسا جہاد [83]، ایسی فتح ، اتنا مال غنیمت ، اس قسم کی سعی و کوشش صرف الغ خان کی قوت ، ہیبت اور اقبال سے رونما ہوئی ۔ (اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا والدین کو تخت سلطنت پر باقی رکھے اور الغ خاں کی مسند عالی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آراستہ رہے) ۔

تاتاری سفیروں کے لیے دربار آرائی :

یہ کارنامہ انجام پا چکا تو الغ خاں معظم نے عرضداشت پیش کی کہ اب خراسان کے ایلچیوں کو باریابی سے مشرف فرمانا مناسب ہے ۔ فرمان صادر ہوا کہ انہیں بارگاہ عالی میں لایا جائے تاکہ بادشاہ کی دست بوسی کا شرف حاصل کریں ۔ چنانچہ ۸ ربیع الاول ۶۵۸ھ[28] کو بدھ کے دن سواری مبارک کوشک سبز (سبز محل) کی طرف روانہ ہوئی ۔ الغ خاں معظم کے حکم سے محکمۂ عرض ممالک کے رئیس اعلیٰ نے (جو فوج کے تمام معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے) دہلی اور آس پاس کے تمام اسلحہ بندوں کو مرکز میں پہنچ جانے کا حکم دے دیا ۔ چنانچہ دو لاکھ مسلح پیادے اور پچاس ہزار سوار جو ہر قسم کے ساز و سامان جنگ سے لیس تھے ، حاضر ہو گئے ۔ پھر شہر کے لوگ ، جن میں ممتاز اصحاب بھی تھے ، درمیانے اور نچلے طبقے بھی شامل تھے ، اس کثرت سے آئے کہ کیلو کھڑی کے نئے شہر سے دہلی کے اندر قصر مملکت تک بیس صفیں اس طرح آگے پیچھے کھڑی تھیں ، جس طرح باغ کی روشوں پر درختوں کی شاخیں باہم جکڑی ہوئی ہوں ۔ یہ سب لوگ شانہ بشانہ اور قطار در قطار تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت کا دن آ گیا ہے اور نیکی بدی کے حساب کا ہنگامہ شروع ہو گیا ہے ۔ صفوں کی درستی ، سرداروں ، امیروں ، صدروں اور اکابر کے لیے اپنے اپنے متوسلوں کے ساتھ جگہ کا تعین ، جھنڈوں اور پرچموں کی فراہمی ، ہتھیاروں کی سجاوٹ ہر ایک کے لیے مرتبے کے مطابق قیام کا انتظام ، یہ سب کچھ الغ خاں (اس کی دولت ہمیشہ رہے) کی نیابت اور نظم مملکت میں دانائی اور کاردانی کا کرشمہ تھا ۔ جو حکم کسی کو ملا تھا ، اسی کے مطابق وہ صفوں میں کھڑا ہوا ۔ جو مقام اس کے لیے مقرر ہوا تھا ، وہیں پہنچا ۔ اس جمعیت نے ہیبت کا ایک عجیب منظر پیدا کیا ۔ نقارے اور دمامے کی آواز ، ہاتھیوں کی چنگھاڑ ، دوڑنے والے گھوڑوں کی بانگ اور خلق خدا کے شور و غل سے [84] آسمان کے کان بہرے ہو گئے اور حاسدوں کی بدخواہ آنکھ کی بینائی جاتی رہی ۔

جب ترکستانی سفیر نئے شہر (کیلوکھڑی) سے سوار ہوئے (تاکہ

قصر مملکت میں پہنچیں) اور ان کی نظریں جمعیت پر پڑیں تو اس کی کثرت تعداد اور ہیبت کے باعث اندیشہ پیدا ہوا کہ ان کی روحوں کے پرندے قالب چھوڑ کر اڑ جائیں گے ۔ غالب ظن بلکہ یقین یہ ہے کہ جب ہاتھیوں کا ہجوم دیکھا تو بعض ڈر کے مارے گھوڑوں سے زمین پر گر پڑے ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس مملکت و سلطنت ، لشکر اور ملوک دولت سے چشم بد دور رکھے ۔ (بمحمدؐ و آلہ)

جب ایلچی شہر کے دروازے پر پہنچے تو سرداروں نے الغ خان کے مشورے اور سلطان کے فرمان کے مطابق استقبال کی رسمیں ادا کیں ۔ ان کی عزت و اکرام میں کوئی دقیقہ بھی اٹھا نہ رکھا ۔ چنانچہ انہیں بڑے اعزاز کے ساتھ قصر سبز میں سلطانی تخت کے سامنے لے گئے ۔ اس روز قصر سلطنت کو گوناگوں قالینوں ، فرشوں اور گدیوں سے آراستہ کر رکھا تھا ۔ بادشاہی شان و شکوہ کا سنہری اور روپہلی سامان ہر طرف قرینے سے سجا ہوا تھا ۔ تخت کے اطراف میں دو چتر کھلے ہوئے تھے : ایک سرخ ، دوسرا سیاہ ۔ دونوں چتر قیمتی جواہرات سے مزین تھے ۔ سنہری تخت کی آرائش شاہنشاہی انداز میں کی گئی تھی ۔ باعزت سردار ، بڑے بڑے امیر ، صدر اور نامور اکابر صفیں باندھیں کھڑے تھے ۔ خوبصورت ترک غلاموں نے زریں پٹکے کمروں میں باندھ رکھے تھے ۔ پہلوان شان و شوکت میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ مجلس خانے مرصع تھے اور طبقوں پر سونا بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔ پورا منظر خلد بریں اور آٹھویں فردوس کا نمونہ پیش کر رہا تھا ۔

منہاج سراج کے اشعار :

ذیل کی نظم اس حالت کا صحیح نقشہ پیش کر رہی تھی ، جو اس دعا گو نے مرتب کی اور اس کے ایک فرزند نے تخت کے روبرو پڑھی ۔ اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے :

قد صدف الرضوان ایام الوری
من روح ھذا البزم للسلطان
لا زال یبقی فی جلالۃ ملکہ
و مزید امکان ورفعۃ شان

بیت

زہے جشنے کزو اطراف چوں خلدِ بریں گشتہ
(کیا عمدہ جشن ہے جس سے اطراف خلدِ بریں
بن گئے

[85] خہے بزمے کزو اکناف عدنِ راستیں گشتہ
کیا اچھی بزم آراستہ ہوئی ہے جس کے
اردگرد نے عدن کی شکل اختیار کر لی)

ز ترتیب و نہاد و رسم و آئینِ بساطِ او
(اس کی ترتیب ، اس کے انداز ، بساط آرائی کے
طور طریقوں سے

تو گوئی عرصۂ دہلی بہشتِ ہشتمیں گشتہ
ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے گویا دہلی کی
سرزمین آٹھویں بہشت بن گئی ہے)

ز فرِّ ناصر الدین شاہ محمود ابن التتمش
(ناصر الدین محمود شاہ بن التتمش کے اقبال
اور دبدبے کا یہ عالم ہے

ملک نزدش دعا خوانده فلک پیشش زمیں گشتہ
کہ فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور
آسمان اس کے سامنے زمین بن گیا ہے)

شہنشاہے کہ در عالم ز فیضِ فضلِ ربانی
(وہ شاہنشاہ جو دنیا میں فضل الٰہی کے
فیض سے

سزائے چترِ شاہی ، لائقِ تخت و نگین گشتہ
چتر شاہی اور تخت و نگین کے لائق قرار پایا)

چو خاقانانِ کیں آور ، چو سلطانانِ دیں پرور
(خاقانوں کی طرح دشمنوں سے بدلہ لینے والا ،
سلطانوں کی طرح دین کا مربی و سرپرست

بہ دل ماحیِ کفر است و بہ جان حامیِ دیں گشتہ
تہ دل سے کفر کو مٹا دینے کا آرزومند اور
پورے خلوص سے دین کی حمایت کرنے والا)

مبارک باد بر اسلام این بزم شہ عالم
(اسلام کے لیے بادشاہ عالم کی یہ بزم باہرکت
ثابت ہو

کزیں تزئین ہندوستان بسے خوشتر زچیں گشتہ
ایسی آرائش کی گئی ہے کہ ہندوستان چین
سے بڑھ گیا ہے)

سہیں از جملہ شاہاں باد ہر بندہ ز درگاہش
(اس بارگاہ کا ہر غلام رتبے میں تمام بادشاہوں
پر فوقیت لے جائے

چو منہاج سراج ازجاں دعا گوے کمیں گشتہ
(منہاج سراج جو ادنٰی دعا گو ہے ، دل و
جان سے یہی دعا کرتا ہے)

جشن کا ایک عموسی منظر :

سچ یہ ہے کہ جشن ایک آسمان تھا جو سیاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک فلک تھا جس میں سیارے ہی سیارے نظر آتے تھے۔ بادشاہ جہاں تخت پر بیٹھا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب چوتھے آسمان پر درخشاں ہے۔ الغ خان بادشاہ کی خدمت میں ادب سے بیٹھا ہوا روشن چاند معلوم ہوتا تھا۔ سردار صفیں باندھے دور و سیر کرنے والے ستارے معلوم ہوتے تھے۔ جن ترکوں نے مرصع کمربند باندھ رکھے تھے ، انھیں بے شمار ستارے سمجھ لینا چاہیے۔ غرض پوری ترتیب درستی اور سارا کاروبار الغ خان معظم کی پختہ رائے اور روشن ضمیر کے حسن و خوبی کا کرشمہ تھا۔ اگرچہ بادشاہوں کا بادشاہ حدیث نبوی ؐ کی پیروی میں الغ خان کو باپ کے برابر سمجھتا تھا ، لیکن خود خان اپنے آپ کو ہزار نو خریدہ غلاموں سے بڑھ کر مطیع و فرمانبردار قرار دیتا تھا۔

سفیروں کی آمد کا قصہ :

ایلچیوں کو باریابی کے بعد ایک متعینہ مزین مقام پر بٹھا دیا گیا۔ ان پر قسم قسم کی مہربانیاں [86] اور عنایتیں ہوئیں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ خراسان اور ہلاؤ (ہلاکو) تاتاری کی طرف سے یہ ایلچی کس لیے

آئے تھے اور کہاں سے آئے تھے ؟ دراصل ملک ناصرالدین محمد حسن قرلغ (اللہ اسے سلامت رکھے) کے دماغ میں یہ خیال سما گیا تھا کہ اپنے خاندان کے صدف سے کوئی موتی ، الغ خاں کے بیٹے ''شاہ۳۹'' کی سلک ازدواج میں پروئے تا کہ اس رشتے کی بدولت وہ زمانے کے بادشاہوں اور فرماں رواؤں پر فخر کر سکے اور یہ رشتہ اس کے لیے قوت و طاقت کا سبب بنے - اس مقصد کے بارے میں قرلغ نے الغ خاں معظم کی بارگاہ کے ایک خادم کو خفیہ خفیہ خط لکھا اور پوچھا کہ آیا اس رشتے کا کوئی امکان ہے ؟ خود بھی اس پردے میں الغ خاں کے پاس خلوص و نیازمندی سے اس معاملے کا ذکر کیا - ملک ناصرالدین (ابن محمد حسن) قرلغ اپنے عہد کے نامور سرداروں میں سے تھا - الغ خاں کے لیے لازم ہو گیا کہ اس کا جواب دے اور تعلق کو قبول کر لے - چنانچہ اپنے کارکنوں میں سے متوسط درجے کے ایک آدمی کو جواب دے کر بھیجا - یہ ایک خلجی تھا جسے حاجب اجل جمال الدین علی کہتے تھے -

راز فاش ہو گیا :

یہ حاجب اس خدمت کے لیے مقرر ہو گیا تو اس نے اپنی ضروریات ، خرچ راہ اور طے منازل کے لیے دیوان اعلیٰ سے چند قیدیوں کا پروانہ حاصل کر لیا - جب اس نے سفر شروع کیا تو راستے کی مختلف منزلوں کے پاسبان اس سے مقررہ محاصل کا مطالبہ کرنے لگے - حاجب ان سب کو جواب دیتا رہا کہ میں ایلچی ہوں - (یعنی مجھ سے کوئی محصول قانوناً وصول نہیں کیا جا سکتا) وہ منزلیں طے کرتا ہوا ولایت سندھ کی طرف جا رہا تھا تو اس کے ایلچی ہونے کی افواہ عام ہو چکی تھی - جب وہ ملتان و اوچہ پہنچا تو ملک عزالدین کشلو خاں بلبن (اللہ اسے محفوظ رکھے) نے حکم دے دیا کہ ایلچی کو بلاؤ اور اس سے پوچھو کہ کہاں جا رہا ہے ؟ چنانچہ حاجب علی سے مطالبہ کیا گیا کہ جو خط تمھارے پاس ہیں انہیں حوالے کر دو تا کہ معلوم ہو تمھارا مقصد و مدعا کیا ہے ؟ حاجب علی نے وہاں ایلچی ہونے سے انکار کر دیا - جب اس پر سختی کی گئی تو [87] اس نے تاتاری شحنوں کی موجودگی میں اقرار کیا کہ میں واقعی ایلچی ہوں اور شمالی جانب جا رہا ہوں - چونکہ اس نے ایک جماعت کے روبرو ایلچی ہونے کا اقرار کیا تھا ، اس لیے ملک عزالدین کشلو خاں بلبن کو

مجبوراً خطوط کے مطالعے سے باز رہنا پڑا۔ اس نے فرمایا کہ چل تجھے منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے۔ حاجب نے کہا، مجھے حکم یہ ہے کہ پہلے سلطان ناصرالدین قرلغ کے پاس جاؤں۔ مجبوراً اسے ناصرالدین کی جانب روانہ کر دیا گیا۔ جب وہ خطہ بنیان میں پہنچا تو دہلی کی طرف سے اس کے ایلچی ہونے کا معاملہ تاتاریوں کے شحنوں اور اس کے عام و خاص میں پھیل چکا تھا۔

ناصرالدین قرلغ کا فیصلہ :

اب ملک ناصرالدین قرلغ کو بھی مناسب معلوم ہوا کہ اسے عراق عجم اور آذربائیجان کی طرف ہلاؤ (ہلاکو) تاتاری کے پاس بھیجے۔ اس نے اجازت لیے بغیر خود ہی الغ خان کی جانب سے خط لکھے اور کچھ تحفے بھی ساتھ کر دیے۔ اپنے معتمدوں کو حاجب کے ساتھ بھیج دیا۔ یہ لوگ عراق عجم میں پہنچے۔ ہلاؤ (ہلاکو) سے تبریز (آذربائیجان) میں ملے۔ ہلاؤ (ہلاکو) نے ان کی بہت عزت کی اور ان پر مہربانی فرمائی۔ اس کے لیے مرسلہ خطوط کا ترجمہ فارسی سے تاتاری زبان میں کرنا لازم تھا۔ الغ خان معظم کے نام کے ساتھ خطوط میں ''ملک'' لکھا گیا تھا۔ ترکستان میں دستور یہ ہے کہ فرمانروا صرف ایک ہوتا ہے جسے ''خان'' کہتے ہیں باقی سب ''ملک'' کہلاتے ہیں۔ جب خطوط ہلاکو کے سامنے پڑھے گئے تو وہ بولا الغ خان کا نام کیوں بدل دیا۔ چاہیے کہ اس کے لیے ''خان'' کا لفظ قائم رہے۔ گویا الغ خان معظم کے حق میں اس نے اتنا اعزاز و اکرام ملحوظ رکھا۔

الغ خان کا اعزاز :

سندھ و ہند کے خانوں میں سے جو بھی تاتاری خانوں اور فرمانرواؤں کے پاس پہنچا، اس کا نام بدل دیا اور اسے ملک ہی کہتے رہے۔ لیکن الغ خان معظم کا نام اصل حالت پر برقرار رکھا گیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کا ایک کرشمہ تھا کہ دوست، دشمن، مومن اور کافر اس کا نام یکساں بڑائی سے [88] زبان پر لاتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذوالفضل العظیم (یہ اللہ کا فضل ہے، جسے وہ چاہے عطا کر دے اور وہ بڑا ہی صاحب فضل ہے)۔

جب حاجب علی واپس ہوا ، خطہ بنیان کا شحنہ—جو امیر یغرش کا بیٹا اور ایک مشہور معزز مسلمان تھا—حاجب علی کے ساتھ مقرر کر دیا گیا اور ہلاو (ہلاکو) نے تاتاری فوجوں کو جو ساری نوئین کے تابع تھیں ، حکم دے دیا کہ اگر تمھارے گھوڑوں میں سے کسی کا ایک سم بھی بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا والدین (اللہ اس کا ملک و اقتدار ہمیشہ قائم رکھے) کے کسی علاقے میں پڑا تو اس گھوڑے کے چاروں پاؤں کاٹ دیے جائیں ۔

اللہ تعالی نے الغ خاں کی صائب رائے کی بدولت ممالک ہند کے لیے ایسے امن کا انتظام غیب سے کر دیا ۔ جب ہلاو (ہلاکو) کے ایلچی آئے تو بادشاہ اسلام نے اس اعزاز کے بدلے میں جس سے ہلاو (ہلاکو) تاتاری نے حاجب علی کو نوازا تھا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا بھی کچھ ہے) کے بموجب خاص مہربانی فرمائی ۔ خراسان اور تاتاری لشکر کی طرف سے ایلچی آنے کا واقعہ یہ تھا ۔ دعا ہے اللہ تعالی بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا والدین کو تخت جہانداری پر ہمیشہ قائم رکھے اور الغ خان اعظم و خاقان معظم کا اقبال برابر بڑھتا اور دگنا ہوتا جائے (بمحمدؐ و آلہ) ۔

میواتی کوہستان پر ایک اور یورش :

اب ہم پھر تاریخی بیان پر آتے ہیں ۔ آخری واقعہ یہ ہے کہ جب الغ خان معظم (اس کی دولت ہمیشہ رہے) میوات کے کوہستانی علاقے میں جہاد کر چکا اور مجرموں کو سزائیں دی جا چکیں تو مفسدوں کے رشتہ دار اور دوسرے جو لوگ باقی رہ گئے تھے ، وہ لشکر اسلام اور انصار (اللہ ان کا یاور ہو) کے پہنچنے سے پیشتر کوہستانی علاقے سے اطراف میں بھاگ گئے تھے ۔ مختلف حیلوں بہانوں سے انھوں نے اپنی منحوس جانیں فرار اختیار کر کے بچا لی تھیں ۔ دولت الغ خانی کے کارکنوں کی تلواروں اور تیروں سے وہ بچ گئے تھے ۔ انھوں نے دوبارہ فساد کی ابتدا کی اور راستوں کے لوٹنے اور مسلمانوں کے خون بہانے کا طریقہ اختیار کیا ۔ جب یہ معاملہ الغ خان معظم کے کانوں تک پہنچایا گیا تو خان موصوف نے فوراً خبریں دینے والے ، اطلاعات بہم پہنچانے والے اور جاسوس بھیج دیے تاکہ [89] وہ باقی مفسدوں کے مقامات کی بھی خوب دیکھ بھال کر لیں اور ان اوباشوں کی بود و باش کے بارے میں چھان بین کی سعی میں کوئی

دقیقہ اٹھا نہ رکھیں ۔

۲۴ رجب ۶۵۸ھ[30] کو پیر کے دن الغ خان معظم دہلی سے اپنے خاص لشکر نیز لشکر قلب ، دوسرے سرداروں اور بہادروں کی فوج کے ساتھ سوار ہوا اور میوات کے کوہستانی علاقے کا رخ کر لیا ۔ ایک ہی کوچ میں پچاس کوس سے بھی زیادہ کی منزل طے کر گیا ۔ اچانک مفسدوں کے سر پر پہنچ گیا ۔ ان پر قابو پایا اور ان کے بارہ ہزار افراد کو جن میں مرد بھی تھے ، عورتیں بھی اور بچے بھی ، بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتار دیا ۔ تمام دروں ، گھاٹیوں اور چوٹیوں کو ان کے وجود سے پاک کر دیا ۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا ۔ اسلام کی اس فتح اور اہلِ اسلام کی اس برتری پر اللہ کا شکر واجب ہے ۔

اس خاندان کی فرمانروائی کے متعلق جو کچھ مصنف نے دیکھا ، اسے اخلاص سے قلمبند کر دیا ۔ طبقات پڑھنے اور دیکھنے والوں سے دعا کی آرزو ہے اور ارباب دولت سے اعزاز و عطا کا امیدوار ہوں ۔ ہر امید اللہ سے ہے جو کریم ہے اور ہر سوال پروردگار سے ہے جو رحیم ہے ۔

یہ تحریر شوال ۶۵۸ھ[31] میں پوری ہوئی ۔ حمد و ثنا زیبا ہے اللہ کے لیے ۔ درود و سلام ہو رسول ؐاللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیز آپ کی آل اور تمام پاک اصحاب پر زیادہ سے زیادہ ۔[32]

حواشی

۱- متن میں دیپال ہے ، مگر معلوم ہوتا ہے صحیح دھن پال ہے -

۲- مارچ و اپریل ۱۲۵۷ء -

۳- ۱۲ مئی ۱۲۵۷ء -

۴- ۳۱ مئی ۱۲۵۷ء -

۵- مصنف نے اصل شخص اور اس کے باپ کا نام نہیں لکھا - اس میں کوئی خاص مصلحت ہوگی -

۶- اگر ان خطوں کا مقصد یہ تھا کہ یہ اچانک کشلو خان بلبن اور قتلغ خان کو ملیں تو اس شخص کے ذریعے سے نہیں جانے چاہئیں تھے ، جو جاسوسی کے لیے آیا تھا - اس کے ہاتھ خطوط بھیجنے سے بظاہر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا - آقائے حبیبی کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اسی جاسوس کے حوالے کیے گئے تھے - راورٹی کے متن سے واضح ہوتا ہے کہ خط اسے نہیں دیے گئے تھے - میں نے یہاں راورٹی کا متن پیش نظر رکھا ہے جو زیادہ معقول اور قرین قیاس تھا - تاہم دوسری صورت بالکل غیر اغلب نہیں - ممکن ہے جاسوس کو خطوط اس غرض سے دے دیے گئے ہوں کہ مخالفوں پر الغ خان کا عزم مقابلہ آشکارا ہو جائے - زیادہ قرین قیاس پہلی صورت ہی ہے -

۷- ۲۵ جون ۱۲۵۷ء -

۸- وسط دسمبر ۱۲۵۷ء -

۹- راورٹی نے یہاں لکھا ہے کہ قلعہ ملتان کے تمام استحکامات برباد کر ڈالے -

۱۰- ۹ جنوری ۱۲۵۸ء -

۱۱- ۱۰ جون ۱۲۵۸ء -

۱۲- ۲ ستمبر ۱۲۵۸ء -

۱۳- ۲۷ اکتوبر ۱۲۵۸ء -

۱۴- ۱۰ جنوری ۱۲۵۹ء -

۱۵- ۱۷ فروری ۱۲۵۹ء -

۱۶- ۲۹ مئی ۱۲۵۹ء -

۱۷- یہ عزالدین کشلو خاں بلبن نہیں بلکہ عزالدین بلبن یوزبک تھا -

۱۸- تعجب انگیز امر یہ ہے کہ ۶۵۷ھ کے اواخر میں لکھنوتی قلیج خاں کو دیا گیا اور اب چند ماہ بعد یہ ولایت مستقل طور پر یوزبکی کے حوالے کر دی گئی -

۱۹- باروتہ کے باب میں اختلاف ہے - راورٹی نے لکھا ہے کہ "مرورتہ" نام ایک مقام بروالہ کے پرگنے میں ہے ، جو اوچہ سے دہلی کے راستے پر واقع ہے - لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ یہ مقام بروٹہ ہے جسے عموماً سرائے بروٹہ کہتے ہیں - یہ دہلی اور سونی پت کی سڑک پر ہے اور دہلی سے کوئی بیس میل پر شمال و مغرب میں ہوگا -

۲۰- ۲۰ جنوری ۱۲۶۰ء -

۲۱- ایشوری پرشاد کی تاریخ میں پینتیس ہزار تنکہ ہے - (ملاحظہ ہو ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ صفحہ ۱۷۶) -

۲۲- ۱۸ فروری ۱۲۶۱ء - راورٹی نے لکھا ہے کہ الغ خاں

۲۳- ربیع الاول کو دہلی پہنچا تھا - یعنی ۱۲ مارچ ۱۲۶۰ء کو -

۲۳- اعلیٰ درجے کا کپڑا تھا - اس کی پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکی - راورٹی نے اس کا ترجمہ زربفت کیا ہے -

۲۴- شستر ایران کا مشہور شہر ہے - وہاں نہایت سستی مخمل بنتی تھی ، اسے شستری کہتے تھے -

۲۵- لغت میں اس کا ترجمہ اطلس چرمی کیا گیا ہے - گویا کسی جانور کا نہایت ملائم اور نفیس چمڑا ہوتا تھا جو اطلس سے مشابہ تھا -

۲۶- بہ ظاہر یہ ایک پوشاک تھی -

۲۷- یقیناً مفسدوں کو سخت سزائیں دی گئیں ، کیونکہ انھوں نے عرصہ دراز سے مرکز حکومت کے آس پاس نہایت خوف ناک صورت حالات پیدا کر رکھی تھی - قزاقی ، رہزنی اور چوری ان کا پیشہ تھا - جب سلطنت کے لیے کوئی نازک صورت پیش آتی ، وہ فتنہ انگیزی شروع کر دیتے - خود الغ خاں کو ان کی فساد آرائی کا تجربہ بارہا ہوا اور ایک موقع پر تو خود اس کے اونٹوں کے گلے لوٹ لیے گئے - ظاہر ہے کہ جس مرکز کے گرد و پیش

بدامنی کی یہ حالت تھی وہ دور افتادہ علاقوں کا انتظام کیا کر سکتا تھا ؟ یہی صورت تھی جس کے پیش نظر الغ خاں نے ہلاکو کے ایلچیوں کو کچھ مدت کے لیے ایک مقام پر روک لیا اور پہلے ان مفسدوں کا انسداد کیا ۔ حالات کا تقاضا یہی تھا کہ انھیں عبرت ناک سزائیں دی جاتیں ۔ لیکن ہمارے مصنف نے جوش عبارت آرائی میں اس سزا کو بدرجہا زیادہ مہیب اور ہراس انگیز بنا دیا ہے ۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ مفسدوں کو ہاتھیوں کے پاؤں میں بھی ڈالا گیا ، قتل بھی کیا گیا اور بعض کی کھال میں بھس بھروا کر شہر کے دروازوں پر بھی لٹکایا گیا تاکہ سب کو عبرت حاصل ہو ۔

۲۸- ۲۲ فروری ۱۲۶۰ء ۔ لیکن یہ تاریخ محل نظر ہے ۔ اس کے مختلف وجوہ ہیں ۔ مثلاً اول ۸ ربیع الاول ۶۵۸ھ کو بدھ نہیں اتوار پڑتا ہے ۔ دوم ۳ ربیع الاول ۶۵۸ھ کو الغ خاں مفسدوں کی سرکوبی سے فارغ ہو کر دہلی آیا تھا پھر استقبال کے لیے دربار سجایا گیا ۔ بعد ازاں دو دن گزر گئے تو مفسدوں میں سے جو لوگ قید ہو کر آئے تھے ، انھیں سزائیں دی گئیں ۔ یہ سب کچھ ہو چکا تو الغ خاں نے عرضداشت پیش کی کہ تاتاریوں کی طرف سے جو سفیر آئے ہیں ، انھیں بارگاہ میں لانے کا فرمان صادر ہو ۔ وہ دہلی میں نہیں تھے ، بلکہ سرائے بروٹہ میں ٹھہرے ہوئے تھے ، اور یہ مقام دہلی سے بیس میل کے فاصلے پر تھا ۔ سفیر دہلی پہنچ گئے ہوں گے تو تاریخ مقرر کرکے آرائش اور لشکروں کی فراہمی بغرض نمائش کا اہتمام کیا گیا ہوگا ۔ یہ تمام امور تین چار دن میں طے نہیں ہو سکتے تھے ۔ سوم خود آقائے حبیبی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ اصل متن میں ربیع الآخر مرقوم تھا مگر ایک نسخے کے حوالے سے حاشیے میں ربیع الاول لکھا تھا ۔ چنانچہ موصوف نے ربیع الآخر کو رد کرکے ربیع الاول کو اختیار کر لیا ۔ حالانکہ انھیں زیادہ چھان بین کر لینی چاہیے تھی ۔ چہارم راورٹی نے "۸ ربیع الآخر" ہی لکھا ہے ۔ (ترجمہ راورٹی صفحہ ۸۵۸) ۔ پنجم ۸ ربیع الآخر کو یقیناً بدھ کا دن تھا ، لہٰذا صحیح ۸ ربیع الآخر ای ہے یعنی ۲۳ فروری ۱۲۶۰ء ۔

۲۹- الغ خاں کے اس بیٹے کا نام نہیں بتایا گیا ۔ ہمیں اس کے صرف دو بیٹوں کے نام معلوم ہیں : ایک سلطان محمد عرف خان شہید اور دوسرا بغرا خاں ۔

۳۰- ۳- جولائی ۱۲۶۰ء ۔

۳۱- ۱- ستمبر ۱۲۶۰ء ۔

۳۲- یہاں پہنچ کر طبقات کی تسوید ختم ہو گئی - بیان کی تکمیل کے لیے اتنا بتا دینا چاہیے کہ سلطان ناصرالدین محمود نے ۱۱ جمادی الاولی ۶۶۴ھ (۱۸ فروری ۱۲۶۶ء) کو وفات پائی - اس کے ہاں الغ خان کی بیٹی سے کئی بیٹے ہوئے مگر سب بچپن ہی میں وفات پا گئے - پھر امرا کے اتفاق سے الغ خان اعظم بادشاہ بن گیا اور اس نے غیاث الدین بلبن لقب اختیار کیا - بیس سال اور چند ماہ کی حکومت کے بعد ۱۲۸۶ء میں وفات پائی - بڑا اور لائق بیٹا پہلے شہید ہو چکا تھا ، دوسرے بیٹے کو بنگال کی حکمرانی پسند تھی - بلبن نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے پوتے (خان شہید کے بیٹے) کیخسرو کو تخت پر بٹھایا جائے - لیکن ذی اقتدار امرا نے بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو بادشاہ بنایا جس نے تھوڑی ہی مدت میں سلطنت برباد کر ڈالی - جون ۱۲۹۰ء میں وہ مارا گیا - بلبن کے خاندان کی حکمرانی ختم ہو گئی اور خلجی برسرِ اقتدار آ گئے - یقین ہے کہ طبقات کا مصنف بلبن کی تخت نشینی سے پیشتر مر چکا تھا ، ورنہ وہ اپنے ممدوح و سرپرست خاص کی بادشاہی کا ذکر ضرور کرتا -

☆ ☆ ☆

تیئیسواں طبقہ

تاتاریوں کا خروج

پہلا باب

تاتاری کافروں کا خروج

(اللہ ان کو برباد کرے)

تمہید

[90] تمام حمد و ثنا اسی خدا کے لیے زیبا ہے جس کا قہر دشمنوں پر نازل ہوتا ہے اور وہ گنہگاروں کو معاف کر دیتا ہے۔ صلوٰۃ و سلام ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر ، جو معجزوں اور روشن نشانیوں کے حامل ہیں نیز آپ کی پاک آل اور پاک اصحاب پر زیادہ سے زیادہ سلام۔

اما بعد اس طبقے میں واقعات کے اسباب ، فتنوں کے ظہور ، کافروں کے خروج نیز مسلمان مردوں اور عورتوں پر تاتاریوں کے غلبے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں تباہ کرے اور اہل اسلام کو اس سے نجات ارزانی فرمائے۔

تمام مسلمانوں اور اسلام کا دعا گو منہاج سراج جوزجانی (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے حالات درست کرے!) کہتا ہے کہ نبیوں ، خلیفوں ، اسلام کے بادشاہوں اور سلطانوں ، نیز بڑے بڑے جابر کافروں کے حالات اور نسب نامے لکھے گئے ، جو ہر زمانے اور ہر ملک میں اس دنیا کے مختلف گوشوں پر قابض ہوئے۔ ان میں سے ایک ایک چیز اپنے اپنے مقام پر معرض تحریر میں آ گئی۔ آسمانی تقدیروں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی بنا پر ایران و توران کے بادشاہوں کے بعد فرمانروائی کا موقع چنگیز خاں تاتاری اور اس کے فرزندوں کو حاصل ہو گیا۔ توران و مشرق کی پوری زمین پر سے تاتاری کافروں کے غلبے کی بدولت دارالاسلام کا حکم اٹھ گیا اور اسے دارالکفر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

صرف ہندوستان کے علاقے فضل ایزدی کے فیض اور آسمانی نوازش کی برکت سے آل شمسی کی حمایت کے سایے اور خاندان التتمش کی عنایت کے گوشے میں اہل اسلام کی پناہ گاہ اور اصحاب ایمان کا مرکز بن گئے - یہ اللہ کا فضل ہے ، جسے چاہے ، عطا فرمادے اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے -

اسلامی مملکتوں کا خاتمہ :

اسلامی ممالک مشرق جانب چین و ترکستان کی آخری حد سے شروع ہو کر ماوراءالنہر ، طخارستان [91] ، زابل ، کابل ، غور ، غزنہ ، خراسان ، طبرستان ، پارس ، خوزستان ، دیاربکر اور موصل ، شام و روم کی سرحد تک کافر تاتاریوں کے قبضے میں چلے گئے - دین محمدی کے بادشاہوں اور اسلام کے سلطانوں میں سے (اللہ تعالیٰ گزرے ہوؤں پر رحم کرے ، ناصر الدین محمود کی سلطنت اور شمسی مملکت ہمیشہ قائم رکھے !) ان تمام ملکوں میں کوئی نشان باقی نہ رہا - میں نے چاہا کہ اس گروہ کے ظہور ، غلبے اور اس کے ابتدائے خروج سے ۶۵۸ھ تک (جس میں کتاب طبقات مکمل ہوئی) تمام واقعات و حوادث ، جو کچھ مشاہدے میں آئے یا سچے خبررسانوں کے ذریعے سے معلوم ہوئے ، لکھ دیے جائیں تا کہ اسلامی سلطانوں کے سلطان (اللہ اس کا ملک ہمیشہ قائم رکھے) کی سلطنت میں سوچنے سمجھنے والوں پر اسلامی سرزمینوں کے حالات اور تاتاریوں کی فرمانروائی کے کوائف الگ الگ واضح ہو جائیں اور ان طبقات کے مصنف منہاج سراج کی طرف سے یہ یادگار باقی رہ جائے - پختہ اُمید ہے کہ بادشاہ اہل ایمان کی رائے جہاں آرا اور دوسرے پڑھنے والوں کے نزدیک یہ عاجز زندگی میں دعائے ایمان اور وفات کے بعد دعائے بخشش سے فراموش نہ ہوگا اور اللہ ہی کے ہاتھ میں اس اُمید کے پورا کرنے کی توفیق ہے -

اس طبقے کے بروئے کار آنے کے وقت اور کیفیت سے پیشتر وہ حدیثیں بیان کی جاتی ہیں ، جو اس گروہ کے خروج سے متعلق موجود ہیں - اس سلسلے میں صرف اللہ تعالیٰ کی تائید درکار ہے -[1]

خروج تاتار کی روایتیں :

[92] جاننا چاہیے کہ حدیث کی کتابوں میں معتبر راویوں نے قیامت کی

نشانیوں اور اس کی شرطوں کے متعلق روایتیں بیان کی ہیں ۔ چنانچہ ابوداؤد سجستانی کی کتاب ''صحیح سنن'' میں ، نیز مقدسی کی کتاب ''بدو تاریخ'' ، ابن ہیصم نابی کی تاریخ (اللہ ان سب پر رحم کرے!) اور کتاب ''احداث الزمان'' ان سب کتابوں میں اس گروہ کے خروج کا ذکر آیا ہے ۔

ابوداؤد سجستانی کی ''سنن'' میں ہے :

عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم انہ قال لا تقوم الساعة حتی تقاتلوا اقواماً وجوھھم کالمجان المطرقة یلبسون من الشعر و اقواماً نعالھم الشعر صغارالاعین ذلف الانوف و فی روایة حمرالوجوہ و فطس الانوف صغارالعین کحدق الجراد . . . وجوھھم کالمجان المتطرقة ۔۲

[93] صاحب مقدسی کی روایت ہے : عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال انہ لاتقوم الساعة حتٰی تقاتل المسلمین الترک قوم وجوھھم کالمجان المطرقة صغار العین اخنس الانوف یلبسون الشعر (ویمسون فی الشعر) ۔

ابوالحسن الہیصم بن محمد النابی کی روایت ہے یقول : روی عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم انہ قال ان مقدمة الخروج یاجوج و ماجوج الترک و فسادھم ۔

''احداث الزمان'' ابی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابی اللیث الشیبانی کی تصنیف ہے ، اس کی روایت ہے : عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ (انہ قال) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : و الذی نفسی بیدہ لاتقوم الساعة حتی تقاتل الترک ، صغار العین حمرالوجوہ ، ذلف الانوف وجوھھم کالمجان المطرقہ و عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ : کانی بالترک قداتیکم علی براذین مخرقة الا اذن (حتی یطاھا بشط الفرات قیل مخرقة الاذن) یعنی ان کے گھوڑوں کے کان پھٹے ہوئے ہوں گے ۔

ان معتبر کتابوں کی روایتیں یہی ہیں ، جو لکھ دی گئیں ۔ ان تمام حدیثوں کا ترجمہ یہ ہے کہ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے فرمایا : ''قیامت اس وقت تک بپا نہیں ہوگی ، جب تک تمہیں ، جو میری امت ہو ، اس قوم سے جنگ پیش نہیں آئے گی جو مشرق سے باہر نکلے گی ۔ وہ لوگ دن کو اونی لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور راتیں بالوں کے خیموں میں گزاریں گے ۔ ان کے چہرے سرخ ہوں گے ، آنکھیں چھوٹی ، ناکیں چپٹی ، منہ سرخ ہوں گے ۔ ان کے چہرے ایسے معلوم ہوں گے جیسے

چوڑی ڈھالیں اور ان کے گھوڑوں کے کان پھٹے ہوئے ہوں گے ۔

ابوالحسن نابی مصنف قصص و تواریخ نے چوتھی جلد میں یہ قصہ لکھا ہے اور ان خبروں کے باب میں مرقوم ہے ، جس میں قیامت کی علامتیں بیان کی ہیں [94] ساتھ ہی فرمایا کہ سلطان محمود بن سبکتگین غازی (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے عہد میں ترکمانوں کی ایک جماعت نے باورد[3] اور خراسان کے حدود میں سرکشی اختیار کر لی اور سلطان کی فرمانبرداری کا حلقہ گردن سے اتار دیا ۔ سلطانی کارکنوں اور کارفرماؤں نے اس حادثے کی خبر بارگاہ سلطنت میں پہنچائی ۔ اُس عادل بادشاہ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ میں سمجھتا ہوں ، ترکمانوں کی اس جماعت کی فتنہ انگیزی اور سرکشی بلاد اسلامی میں ترکوں کے خروج کا مقدمہ ہے ۔ چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قیامت کی نشانیوں میں سے اس کی بھی خبر دی ہے ۔ حضور (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے ارشادات اس سلسلے میں بیان کیے جا چکے ، اب کافروں کی سلطنت کا حال لکھا جائے گا ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

(۱) قرہ خطائی

معتبر لوگ روایت کرتے ہیں کہ پہلا خروج مغلوں کا یہ تھا کہ قبائل قرہ خطا چین اور مشرق کے شہروں سے نکل کر حدود قیالق و بلاساغون میں آئے ، اور بادشاہ طمغاج سے برگشتہ ہو گئے ، اور اسلام کی سرحدوں اور ان کی چراگاہوں کو اپنا ٹھکانا بنایا ۔ افراسیابی بادشاہوں نے ، جو افراسیاب کی اولاد سے تھے ، اور سلجوقیوں کے مطیع و فرمانبردار تھے ، جو ایلک گزشتہ کی اولاد سے تھے (اللہ کی ان پر رحمت ہو) ان صحراؤں اور چراگاہوں کو خراج لینا منظور کر لیا تھا ، اور مدت تک جب تک کہ وہ کم تھے ، بغیر فتنہ و فساد کے ان سے یہ خراج وصول کرتے رہے ۔ لیکن جب امن و فراغت کا زمانہ ختم ہو گیا [95] اور ان کی نسلیں بڑھیں تو انھوں نے سرکشی اختیار کی ۔ یہ زمانہ ملک سنجری کی حکومت کا آخری زمانہ تھا ، جب کہ انھوں نے سرکشی اختیار کی ۔ چنانچہ سلطان سنجری واپس آیا ، اس کے اور کافروں کی جماعت کے درمیان لڑائی ہوئی ، اس لڑائی میں لشکر اسلام کو شکست ہوئی ۔ ترکان خاتون جو بادشاہ کی حرم تھی قید ہوئی ۔

جب سلطان لوٹا تو انھوں نے صلح کرنا چاہا ، اور ترکان خاتون کو واپس کر دیا ، اور امان پائی ۔ جب فتنہ غزختلاں کا ظہور ہوا ، اور ملک سنجر کو زوال ہوا ، جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے ، تو اس زمانے میں قرہ خطا نے پوری قوت حاصل کرلی ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ترکستان کے ملوک تاتاریوں سے مدد حاصل کر کے ایک دوسرے کو ذبح کر رہے تھے ۔ یہ ملوک ترکستان اپنی امداد کی توقع پر ان تاتاریوں کو تحائف اور روپے بھیجتے رہتے تھے ، اور ایک دوسرے کے قلع قمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرہ خطا ان تمام پر حکمرانروا ہو گئے ، اور تقریباً اسی اور کچھ سال تک ان ملوک اور ممالک پر تسلط حاصل کیے رہے ۔ ابتدا میں ان تاتاریوں میں سے جو حاکم ہوئے ، وہ ان میں سے بزرگتر تھے جو ایک دوسرے کے بعد حاکم ہوتے رہے ، ان میں سے جو ہمارے زمانے سے نزدیک تھے ، یا جن کے متعلق معتبر راویوں سے سنا گیا ہے ، وہ ایما ، سنکم ، اربز ، توما اور تاینگو تھے ، اور ان پر بادشاہ ایک عورت تھی ۔ [96]

آخر کار اس عورت کے بعد ایک مرد بادشاہ ہوا ، جس کا نام گور خان تھا ۔ اُسے خان خانان کہتے تھے ۔ بعضوں نے بیان کیا کہ وہ خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا تھا ۔ اللہ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے ۔ لیکن بالاتفاق (راویوں کا بیان ہے) کہ ان کے سب پہلے حاکم منصف تھے ، انصاف اور بہادری سے آراستہ تھے ، مسلمانوں کی بے حد تعظیم کرتے تھے ، علماء کا احترام کرتے تھے ، اور مخلوق میں کسی پر ظلم و زیادتی کو جائز نہیں جانتے تھے ۔ چند مرتبہ اُن کے لشکر نے دریائے جیحون کو عبور کر کے اطرافِ خراسان کو لوٹا تھا ۔ خراسان کے بالائی شہروں کو دریائے جیحون سے حدودِ بلخ و ترمذ و آمو ، طالقان ، گرزوان ، غرستان سرحد غور تک تاخت و تاراج کیا تھا ، اور تمام ماوراء النہر ، فرغانہ ، خوارزم اور خراسان کے بعض حصوں سے تمام مال لوٹ کر (اپنے بادشاہوں کو) بھجواتے تھے ۔ ان مقامات سے کئی مرتبہ مسلمانوں کو قید کر کے لے گئے تھے ۔ سوائے سلاطین غور اور بامیان کہ انھوں نے تاتاریوں کی اطاعت قبول نہ کی تھی ، باقی تمام سرحد کے ملوک اُن کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے ۔ ایک دو مرتبہ شاہان غور کے لشکر نے جس کے سپہ سالار خرجم اور محمد خرنک تھے ، اللہ کی ان دونوں پر رحمتیں ہوں ! ان دونوں نے لشکر

خطا کو شکست دی تھی۔ سپہ سالار خرجم نے اسی لڑائی میں شہادت پائی۔ تاتاریوں کا آخری لشکر جو دریائے جیحون کو عبور کر کے خراسان کی طرف گزرا وہ تھا جس نے سلطان غازی معزالدین سام طاب مرقدہ سے جنگ کی تھی۔ جب سلطان غازی محمد سام کا زمانہ گزر گیا، سلطان محمد خوارزم شاہ [97] نے ممالک ترکستان پر غلبہ حاصل کیا تو تاینکو طراز نے اس کے ساتھ جنگ کی، اور گرفتار ہوا، اور سلطان محمد خوارزم شاہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔

معتبر لوگ روایت کرتے ہیں کہ تاینکو طراز نے پینتالیس لڑائیاں ایسی لڑی تھیں کہ جن میں فتح مند رہا، اور کوئی اس کو شکست نہ دے سکا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ نے تیسری مرتبہ خطا پر حملہ کیا، اور تمام تاتاریوں کو گرفتار کر لیا۔ کشلو خان سنقر تتار نے گور خان کے ساتھ جنگ کی، اور گور خان کو گرفتار کر لیا۔ اس طرح خطائیوں کی سلطنت ختم ہو گئی (دوام صرف اللہ کے لیے ہے)

حواشی

۱- آقائے حبیبی فرماتے ہیں کہ یہاں پہنچا تو ''طبقات'' کا ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی دیکھا ، جس پر چھاپے کی کوئی تاریخ درج نہیں - اس نسخے کو غلطی اور جہالت سے ''سیاسۃ الابصار فی تجربۃ الاعصار'' بتایا گیا ہے اور اسے قاضی القضاۃ منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی کی تصنیف قرار دیا گیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ نہ یہ کتاب (سیاسۃ الابصار) منہاج سراج کی تصنیف ہے اور نہ آل چنگیز کا طبقہ کوئی جداگانہ اور مستقل کتاب ہے - منہاج سراج نے جو کچھ لکھا ، وہ طبقات ناصری کا تیئیسواں طبقہ ہے - بمبئی کی مطبوعہ کتاب میں خواہ مخواہ اسے ایک مستقل کتاب بتایا گیا ، جو میرزا محمد ملک الکتاب کی سعی و اہتمام سے چھپی -

۲- یہ روایت سنن ابی داؤد کے علاوہ صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بھی موجود ہے - اس کے نسخوں میں جو اختلاف اور اضافے ہیں ، وہ صحیح نہیں -

۳- یہ وہی مقام ہے ، جو مختلف کتابوں اور نقشوں میں ابی ورد مرقوم ہے - ''ابی ورد'' مرو اور نسا کے درمیان ایک مشہور مقام ہے ، جو دشت خوارزم کے جنوب میں واقع ہے - اسی کو بعض اوقات ''باورد'' بھی کہا گیا ہے - بعض اصحاب کے نزدیک ایک شہر کا نام ''ابی ورد'' اور علاقے کا نام ''باورد'' ہے -

☆ ☆ ☆

دوسرا باب

(۲) چنگیز خاں تاتاری

(اللہ کی اس پر لعنت ہو)

فتنوں کے انسداد کا آخری بند

[97] معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : حضورؐ ! آگاہ فرمائیے ، قیامت کب آئے گی ؟ فرمایا : چھ سو سے کچھ اوپر سال بعد (شش صد اند سال)۔ اہل ایران کی زبان میں ''اند'' جو لفظ ہے ، اس کے لیے عربی زبان میں دو لفظ موجود ہیں : ایک ''نیف'' ، دوسرا ''بضع''۔ ''بضع'' قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے ۔ اول حضرت یوسف علیہ السلام کے بیان میں :

فلبث فی السجن بضع سنین

(پس یوسفؑ کئی برس تک قید خانے میں رہا) ۔

یہ قید سات سال رہی (گویا ''بضع'' کا لفظ سات کے لیے استعمال ہوا)

پھر یہ لفظ سورۃ روم میں آیا ہے :

و ہم من بعد غلبہم سیغلبون فی بضع سنین

(وہ (رومی) اپنے مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آئیں گے ، چند سال کے اندر اندر) ۔

مغلوبیت کے بعد غلبہ حاصل کرنے کی یہ مدت بھی سات ہی سال تھی ۔

غرض ''بضع'' اور ''نیف'' عربی میں اور ''اند'' فارسی میں دو عشروں کی درمیانی مدت کے لیے استعمال ہوتے ہیں ، جیسے ''دہ و اند'' (دس اور کچھ اوپر) ''بیست و اند'' (بیس اور کچھ اوپر) ''سی و اند'' (تیس اور کچھ اوپر) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ارشاد

ہوا "ستمائۃ و نیف" (چھ سو سال اور کچھ اوپر) ، لہٰذا ضروری ہوا کہ ظہور قیامت کی علامتیں چھ سو دس سال کے درمیان نمایاں ہوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل درست فرمایا ۔[1]

سلطان غازی محمد سام کی شہادت ۶۰۲ھ[2] میں ہوئی ۔ وہ ایسا بادشاہ تھا ، جو عادل بادشاہوں میں سے آخری اور بادشاہوں کا خاتم ہوا ۔ اس کی سلطنت ایک مستحکم بند تھی ، جس نے آخری دور کے فتنوں اور قیامت آنے کے نشانوں کو روک رکھا تھا ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس سال [93] بادشاہ غازی (معزالدین محمد سام) نے شہادت پائی اسی سال حادثوں اور فتنوں کے بند کا دروازہ کھل گیا اور اسی سال چنگیز خان تاتاری نے (ان سب پر اللہ کی لعنت ہو) خروج کیا ۔ چین و طمغاج اور ان کے آس پاس شر و فساد اور سرکشی کی ابتدا کی ۔ تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ترکوں کا خروج ہے ۔

چنگیز کے ابتدائی حالات :

معتبر اور قول کے سچے آدمیوں کا بیان ہے کہ چنگیز خان کا باپ تمرچی تاتاری تھا اور وہ منگولوں کے قبیلوں کا رئیس تھا ۔ اپنی قوم اور قبائل کے درمیان اسے فرمانروائی کا درجہ حاصل تھا ۔ ایک موقع پر وہ شکار کھیل رہا تھا ، "طغرل" نام ایک پرندہ اس کے ہاتھ لگا اور اس کا لقب "طغرل تگین" مشہور ہوا ۔ دنیا بھر میں کسی کو اس پرندے کا نشان نہیں ملا تھا اور نہ وہ کسی بادشاہ کے ہاتھ آیا تھا ۔ اس سبب سے لوگ تمرچی یا طغرل تگین کی بہت عزت کرتے تھے ۔ منگول قبیلوں کے درمیان ایک اور ترک بھی تھا ، جو بزرگ ، فرمانروا ، سردار اور صاحبِ عزت مانا جاتا تھا ۔ تمام منگول قبیلے دو آدمیوں کے زیر فرمان تھے ۔ وہ سب لوگ خاندان التون خان طمغاج کے فرماں بردار اور اطاعت گزار تھے اور اسی کے خاندان کو خراج دیتے تھے ۔

لیکن ان منگولوں میں فساد ، چوری اور زنا بہت پھیل گیا تھا ۔ ان کے قول و فعل پر کسی کو بھروسا نہ تھا کیوں کہ جھوٹ ، فساد ، چوری اور زنا کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا ۔ اطراف کے قبیلے ان کے فتنہ و فساد کے باعث بہت تنگ آئے ہوئے تھے ۔ ان اسباب اور اعمال کے باعث التون خان کے دربار میں منگولوں کی بہت ذلت ہوئی ۔ ان سے خراج میں بہت

زیادہ مال و زر اور گھوڑے [99] لیے جاتے تھے۔

دور مصائب اور سرداری:

چنگیز خاں کا باپ جہنم رسید ہوا اور سرداری کا منصب چنگیز خاں[3] کو ملا تو اس نے التون خاں کے خلاف سرکشی اور بغاوت کا آغاز کردیا۔ التون خاں نے ایک فوج مقرر کر دی تاکہ منگولوں کو خوب لوٹے اور برباد کرے۔ چنانچہ اس فوج نے بہت سے منگولوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ رہے، اور ان کی تعداد تھوڑی تھی، وہ اکٹھے ہوئے، اپنا علاقہ چھوڑ دیا اور شمالی ترکستان میں ایک مستحکم مقام پر پناہ گزیں ہوئے۔ اس مقام تک ایک درے کے سوا کسی طرف سے کوئی راستہ نہ تھا۔ ہر طرف سے بلند پہاڑی دیواروں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اس مقام اور چراگاہ کو ''کاران'' کہتے تھے۔ اس مرغزار میں ایک بہت بڑا چشمہ تھا، جس کا نام ''بلیق چاق[4]'' تھا۔ وہیں ان لوگوں نے رہنے کے لیے مکانات بنا لیے۔ مدت تک وہاں ٹھہرے رہے۔ ان کی نسل بڑھی اور بہت سے مرد بلوغ کی منزل پر پہنچ گئے۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا اور سوچا کہ ہماری افتادگی، لوٹ مار، تاراج، اسیری اور قتل کا سبب کیا تھا؟ سب اس نتیجے پر متفق ہو گئے کہ ہمیں جو حادثے اور جو مصیبتیں پیش آئیں، اس کا سبب ہماری اپنی بدکرداری کے سوا کچھ نہ تھا جو بہت بڑھ گئی تھی، ضروری ہے کہ اب ہم اس سے باز رہیں تاکہ خدائے بزرگ ہمارا یاور و مددگار ہو اور ہم التون خاں کے لشکر سے اپنا بدلہ لے سکیں۔ اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے بھی ایک ایسے فرمانروا کی ضرورت ہے، جو ہم پر ضبط و نظم قائم رکھے اور سخت گیری سے کام لے۔ دست درازی کو روکے، مفسدوں کے ظلم کا انسداد کرے۔ اسی طرح دشمنوں سے انتقام اور التون خاں سے بدلے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ چنگیز خاں ان لوگوں کے درمیان مردانگی، مستعدی، دلیری اور جنگجوئی میں مشہور ہو چکا تھا اور اسے ناموری حاصل ہو گئی تھی۔ اسی کی سرداری پر سب متفق ہو گئے۔ سب نے مان لیا کہ اس کے سوا کوئی ان امور کی ذمے داری نہیں اٹھا سکتا، کسی کے ہاتھ سے یہ کام ہو نہیں سکتا اور کوئی اس باب میں کامیابی کا کفیل نہیں بن سکتا۔[5]

تیاری کا دور :

چنگیز خان نے تمام قبائل سے عہد و پیمان لے لیے کہ جو حکم وہ دے گا اسے مانا جائے گا اور جو کہے گا اس کی تعمیل کی جائے گی ۔ تاتاریوں میں جو طور طریقے رائج تھے ، ان کے مطابق تمام امور کی پختگی کا انتظام اس نے کر لیا ۔ اس نے کہا میرے حکموں کے ماننے کا اقرار کرتے ہو تو [100] چاہیے کہ اگر میں بیٹوں کو باپوں کے قتل اور باپوں کو بیٹوں کے قتل کا فرمان دے دوں تو اس کی بھی تعمیل کی جائے ۔ سب نے اس کا بھی عہد کر لیا ۔ پھر اس نے سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ اس امیر بزرگتر (جس کا نام بیشو تھا) کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے ، جو چنگیز کے باپ کے ساتھ حکمرانی میں شریک تھا ۔ یوں تمام قبیلوں کو یہ اپنے زیر فرمان لے آیا ۔ جنگ کی تیاری شروع کر دی ۔ اسلحہ ، جنگجو ور جنگی سامان فراہم کر لینے میں مشغول ہو گیا ۔ جب اس کے پاس شکریوں کی تعداد خاصی ہو گئی اور اس کے عزم کا معاملہ التون خان کے ان تک پہنچا تو اس نے تیس ہزار سوار مقرر کر دیے تا کہ وہ ان منگولوں کے راستے کی حفاظت کریں اور اس درے پر نظر رکھیں ، جس سے وہ باہر کل سکتے تھے ۔ چنگیز خان کے پاس ایک مسلمان بھی تھا ، جس کا نام عفر تھا ۔ اسے سفیر بنا کر التون خان کے پاس بھیج دیا تا کہ معلوم کرے ۔ تون کو صلح منظور ہے یا جنگ ؟ التون خان نے حکم دے دیا کہ سفیر کو قید کرلیا جائے ، چنانچہ وہ ایک مدت تک قید رہا ۔[٦] پھر وہ کسی نہ کسی تدبیر سے کام لے کر بھاگ نکلا اور خفیہ راستے سے چنگیز خان کے اس پہنچ گیا ۔ آتے ہی پورے حالات چنگیز خان کو سنا دیے ۔ جس خفیہ استے سے وہ آیا تھا اس کے متعلق بھی اطلاع دے دی ۔

عائیں :

اب چنگیز خان نے التون کے خلاف اقدام کا پختہ ارادہ کر لیا ۔ پوری یاری کر لی تو حکم دے دیا کہ تمام منگول قبائل ایک ٹیلے کے دامن یں جمع ہو جائیں ۔ مرد عورتوں سے اور بچے ماؤں سے علیحدگی اختیار کر لیں ۔ سب تین دن اور تین راتیں ننگے سر رہے ۔ اس مدت میں کسی نے کھانا نہ کھایا ۔ کسی جانور کو بھی موقع نہ دیا کہ وہ اپنے بچے کو ودھ پلائے ۔ خود چنگیز ایک خرگاہ (نمدے کا خیمہ) میں چلا گیا ۔ خیمے

کی طناب گردن میں ڈال لی ۔ سب لوگ ”تنگری ، تنگری“ پکارتے رہے
تین دن اور تین راتیں گزر گئیں ۔ چوتھے دن صبح صادق طلوع ہوتی
چنگیز خیمے سے نکلا اور پکار کر کہا کہ ”تنگری“ نے مجھے فتح د
دی ہے ؛ اب ہمیں التون خان سے بدلہ لینے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے
مزید تین روز تک اسی مقام پر جشن منایا گیا ۔ پھر چنگیز فوج لے
روانہ ہوا اور اسی خفیہ راستے سے جو پہاڑوں میں سے گزرتا تھا (اور اس
اطلاع جعفر نے دی تھی) باہر نکلا اور [101] ولایت طمغاج پر ح
کر دیا ۔ ہر طرف زد و کشت کا ہنگامہ بپا ہوگیا ۔ خلقِ خدا کی ایک ت
تہ تیغ کر ڈالی ۔

التون خان کی بے چارگی :

چنگیز خان کے اس حملے کی خبر پھیلی اور التون خان کو بھی
ہوا تو اس نے سمجھا کہ جو تیس ہزار سوار راستے کی حفاظت کے لیے
کیے گئے تھے ، وہ شاید شکست کھا گئے اور موت کے گھاٹ اتر گ
ساتھ ہی اہلِ طمغاج اور التون خان کے دل ٹوٹ گئے ۔ وہ لوگ بکھر گئے
پھر یا تو مارے گئے یا گرفتار ہو گئے ۔[8] چنگیز خان نے ولایت تنغ
تبت اور طمغاج پر قبضہ کر لیا ۔ چنانچہ وہ شہر طمغاج کے دروازے پر
گیا جو التون خان کا مرکز حکومت تھا اور اس کا محاصرہ کر لیا جو
سال تک جاری رہا ۔ اہلِ شہر نے منجنیقیں نصب کر لیں اور اینٹ
چنگیزی لشکر پر پھینکنے لگے ۔ اینٹ پتھر کم ہو گئے تو لوہا ، تا
پیتل ، سیسہ ، ٹین وغیرہ جو کچھ ہاتھ لگا پھینکا ۔ یہ چیزیں بھی
ہو گئیں تو پتھروں کی جگہ سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے اور چا
پھینکنے لگے ۔

شہر پر قبضہ :

معتبر آدمیوں کی روایت ہے کہ چنگیز خان نے اس اثنا میں
دے رکھا تھا ، منگولوں میں سے کوئی شخص چاندی سونے کے ٹکڑوں
بالکل توجہ نہ کرے ۔ جہاں وہ ٹکڑے گریں ، وہاں سے کوئی انہیں
اٹھائے ۔ چار سال کے بعد شہر فتح ہوا ۔[10] التون خان بھاگ گیا ۔ اس کا
اور وزیر چنگیز خان کے ہاتھ گرفتار ہوگئے ۔ اس نے حکم دے دیا

خزانہ دار اور محاسبوں کے دفتر کے مطابق سونے چاندی کی مقدار کا حساب لیا جائے۔ چنانچہ حساب سامنے آ گیا اور چنگیز نے اس کے مطابق سونے چاندی کی مقدار حاصل کر لی - [102] ایک ٹکڑا بھی ادھر اُدھر نہ ہوا -

محمد خوارزم شاہ کا عزم :

دعا گوے دولت منہاج سراج نے ، جو ان طبقات کی گردآوری کا ذمہ دار ہے ، سید اجل بہاء الدین رازی (اس پر اللہ کی رحمت ہو) سے—جو شریف ذات سید تھے اور جن کا نسب سب پر آشکارا تھا— سنا کہ سلطان محمد خوارزم شاہ (اس پر رحمت اور بخشش ہو) نے سید موصوف کو سفیر کے طور پر چنگیز خان کے پاس بھیجا - سبب یہ تھا کہ جب سلطان نے چنگیز خان کے ظہور اور انتہائے مشرق سے طمغاج ، تغر ، تبت اور چین پر تسلط کے حالات سنے تو وہ چاہتا تھا کہ ان تمام حالات کی تحقیق اپنے معتمدوں کے ذریعے سے کرائے - ۶۲۷ھ[۱۱] میں منگولوں یعنی تاتاریوں کا لشکر پہلی مرتبہ دریائے جیحوں کو عبور کر کے خراسان میں داخل ہوا تھا - اس وقت راقم حروف منہاج سراج قلعۂ تولک میں تھا ، میں نے عمادالملک تاج‌الدین جامی سے سنا جو خوارزم شاہ کا دبیر اور رکن حکومت تھا کہ سلطان (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے دماغ میں چین پر قبضے کا سودا جاگزین ہو گیا تھا - وہ برابر اس مملکت کے حالات کی جستجو میں رہتا تھا - چین اور ترکستان کے دور افتادہ حصوں سے جو لوگ آتے ، ان سے سب کچھ پوچھتا رہتا تھا - ہم خدمت گزار بار بار عرضداشتیں پیش کرتے رہتے تھے کہ کسی طرح یہ ارادہ سلطان کے دل سے نکل جائے ، لیکن کسی بھی صورت میں یہ آرزو پوری نہیں ہوتی تھی - سید اجل بہاؤالدین کو بھی سلطان نے اسی غرض سے بھیجا تھا -

سید بہاؤالدین کا بیان :

سید بہاؤالدین نے بیان کیا کہ جب ہم ولایت طمغاج کے حدود میں پہنچے اور التون خان کا مرکز حکومت نزدیک آ گیا تو دور سے ایک سفید پشتہ نظر آیا ، جو ہمارے مقام سے دو تین منزل بلکہ اس سے بھی زیادہ دور ہوگا - ہم لوگوں کو ، جنھیں خوارزم شاہ نے بھیجا تھا ، خیال ہوا کہ شاید یہ سفید پشتہ برف کا ٹیلا ہے - ہم نے رہبروں اور اس سرزمین کے باشندوں سے

پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ان لوگوں کی ہڈیوں کا انبار ہے جو قتل کیے گئے ۔[۱۲]

[103] جب ہم ایک منزل اور آگے بڑھے تو مقتولوں کے جسموں کی چربی پگھل پگھل کر بہنے کے باعث زمین چکنی اور سیاہ ہو گئی تھی ۔ ہم نے آئندہ تین منزلیں ایسی ہی زمین میں طے کیں ۔ پھر خشک زمین میں پہنچے ۔ چکنی اور سیاہ زمین سے جو بدبو اٹھ رہی تھی اس کے باعث ہمارے بعض لوگ بیمار ہو گئے اور بعض مر گئے ۔ جب ہم شہر طمغاج کے دروازے پر پہنچے تو ایک مقام پر فصیل کے ایک برج کے پاس بہت سے انسانوں کی ہڈیاں جمع تھیں ۔ ان کے بارے میں پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ جس روز شہر فتح ہوا اس روز ساٹھ ہزار کنواری لڑکیوں نے اپنے آپ کو برج پر سے نیچے گرا دیا اور وہ وہیں ہلاک ہو گئیں ۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں تاتاریوں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں ۔ یہ ہڈیاں انھی لڑکیوں کی ہیں ۔[۱۳]

چنگیز کی آرزو :

(سید بہاء الدین فرماتے ہیں) جب ہم نے چنگیز خاں سے ملاقات کی تو اس نے حکم دیا کہ التون خاں کے بیٹے اور وزیر کو جو قید میں تھے ، ہمارے سامنے لایا جائے ۔ جب ہم واپس ہونے تو بہت سے تحفے اور ہدیے چنگیز نے سلطان محمد خوارزم شاہ کے لیے بھیجے اور کہا : محمد خوارزم شاہ سے کہنا ؛ میں اس سرزمین کا بادشاہ ہوں ؛ جدھر سے سورج نکلتا ہے ، اور تو اس سرزمین کا فرماں روا ہے ؛ جدھر سورج غروب ہوتا ہے ۔ ہم دونوں کے درمیان محبت ؛ دوستی اور صلح کا عہد پختہ رہنا چاہیے ۔ فریقین کی طرف سے تاجر اور قافلے بے تکلف آئیں جائیں ۔ جو قیمتی اور نادر چیزیں یا سامان تجارت میرے ملک میں ہے ، وہ تمہارے ملک میں پہنچے اور جو کچھ تیرے ملک میں ہے ؛ وہ میرے ملک میں آئے ۔[۱۴]

چنگیز کا قافلۂ تجارت :

سلطان محمد خوارزم شاہ کے لیے چنگیز نے جو تحفے اور ہدیے بھیجے ؛ ان میں سونے کا ایک بہت بڑا ڈلا بھی تھا ، جو اونٹ کی گردن کے برابر ہوگا ۔ یہ کوہ طمغاج و چین سے چنگیز کے پاس آیا تھا ۔ ہمیں اس ڈلے کو لانے کے لیے گاڑی کا انتظام کرنا پڑا ۔ ہمارے ساتھ چنگیز نے پانسو اونٹ بھیجے

جن پر سونے چاندی کے علاوہ ، ریشم ، قزخطائی[15] ، ترغو[16] ، قندز[17] ، سمور ، خام ریشم ، چین و طمغاج کی نفیس و نادر چیزیں لدی ہوئی تھیں اور تاجر بھی ساتھ تھے ۔ زیادہ تر اونٹوں پر چاندی سونا تھا ۔

والیِ اترار کی بدکرداری :

یہ قافلہ اترار پہنچا تو قدر خان[18] والی اترار نے (سلطان کے ساتھ) غداری و بدخواہی سے کام لیا ۔ محمد خوارزم شاہ سے اجازت مانگی اور سونے چاندی کے لالچ میں [104] ان تاجروں اور چنگیز کے سفیروں کو قتل کرا دیا ۔ چنانچہ ایک ساربان کے سوا ان میں سے کوئی نہ بچا ۔ وہ ساربان بھی اس لیے بچ گیا کہ (ساتھیوں کے قتل کے وقت) حمام میں تھا ۔ وہ بھٹی کے راستے باہر نکلا ۔ اپنی حفاظت کے لیے تمام مناسب تدبیریں اختیار کیں ، صحرائی راستے سے چین و طمغاج پہنچا اور غداری کی پوری کیفیت چنگیز کے گوش گزار کر دی ۔[19]

اسلامی دنیا کی بربادی :

اللہ کی مشیت یہی تھی کہ یہ غداری اور بدخواہی دنیائے اسلام کے ممالک کی خرابی اور بربادی کا سبب بن جائے ۔ و کان امر اللہ قدراً مقدوراً (اور اللہ کا حکم ایک اندازہ ہے ، جو ہو چکا[20]) ۔ جو کچھ مقدر ہو چکا تھا ، اس کے پورا ہونے کے اسباب مہیا ہو گئے ۔ اللہ کے غضب سے ہم پناہ مانگتے ہیں !

دعا گوے دولت منہاج سراج نے ملک رکن الدین کے بیٹے سے ، جو خیسار واقع غور کا باشندہ تھا ، سنا ۔ اسے شاہ سیستان[21] سے جو نیمروز کے حکمرانوں میں سے تھا ، معلوم ہوا ۔ اس بادشاہ نے قسم کھا کر کہا کہ چنگیز خانی تاجروں کے سونے چاندی سے جس خزانے میں ایک دانگ[22] بھی داخل ہوئی ، چنگیز خان اور تاتاری لشکری وہاں پہنچے ، وہ پورا خزانہ ، ملک اور ولایت چنگیز خان اور تاتاریوں کے قبضے میں آ گئے ۔

اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے بادشاہ سلطان ناصر الدنیا و الدین کو اس قسم کے حادثوں سے اپنی حفاظت میں بچائے رکھے) بمحمد ﷺ و آلہ الامجاد) ۔

حواشی

۱- یہاں تفصیلی بحث غیر ضروری ہے ، صرف اتنا عرض کر دینا چاہیے کہ جو روایتیں زیادہ سے زیادہ مستند مانی جاتی ہیں ، ان میں قیامت کے لیے کسی وقت کا تعین موجود نہیں بلکہ جو کچھ ہے ، اس کے خلاف ہے ۔ مثلاً وہ مشہور حدیث ، جسے عرف عام میں ''حدیث جبریل'' کہا جاتا ہے ۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور حضور کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا ۔ پھر پے درپے ''اسلام'' ''ایمان'' اور ''احسان'' کے بارے میں سوال کیے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جو جواب دیتے تھے ، اعرابی اس کی تصدیق بھی کرتا جاتا تھا ۔ جب وہ چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : یہ جبرئیل تھے جو تمھیں دین سکھانے آئے تھے ۔ اس وجہ سے یہ حدیث ''حدیث جبریل'' کہلاتی ہے ۔ اس میں آخری سوال قیامت کے متعلق تھا ، یعنی قیامت کب آئے گی ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اس بارے میں پوچھنے والے سے وہ بہتر نہیں جانتا جس سے پوچھا گیا ہے ۔ پھر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر قیامت کا ذکر آیا ہے ۔ ان میں ایک خصوصیت یہ بھی قابل توجہ ہے کہ قیامت اچانک اور آناً فاناً آئے گی ، مثلاً :

یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰہا قل انما علمہا عند ربی ، لایجلیہا لوقتہا الا ھو ثقلت فی السمٰوات والارض ، لاتاتیکم الا بغتة (اعراف - ۱۸۷)

(اے پیغمبر) لوگ تم سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب قرار پائے گا ؟ کہہ دو ، اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے ۔ وہی ہے جو اس بات کو اس کے وقت پر نمایاں کرنے والا ہے ۔ وہ بڑا بھاری حادثہ ہے ، جو آسمانوں اور زمین میں واقع ہوگا ۔ وہ تم پر نہیں آئے گا ، مگر اچانک ۔

اسی لیے اہلِ علم کا فیصلہ یہ ہے کہ قیامت کے آثار و مقدمات کے بارے میں جتنی باتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ، ان کا بڑا حصہ بے اصل ہے ، کیوں کہ اگر ایک واقعے سے بہت پہلے اس کی علامتیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والی ہوں اور ان کی خبر بھی دے دی گئی ہو تو اس کا وقوع بغتۃً یعنی ناگہانی اور اچانک نہیں ہو سکتا حالانکہ قرآن قطعی طور پر کہتا ہے ، لوگ بے خبر ہوں گے اور قیامت اچانک نمودار ہو جائے گی ۔

تاہم شبہ نہیں کہ اس وقت کی اسلامی دنیا کے بڑے حصے کے لیے چنگیزی تاتاریوں کا خروج قیامت سے کم نہ تھا ۔ لطف یہ کہ ان میں سے بھی کسی کو اس قیامت صغریٰ کے بپا ہونے کی خبر تک نہ تھی ، یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے اترنے والے تندرو سیل کی طرح پہلے ترکستان و خراسان پر ، پھر ایران ، عراق عجم ، عراق عرب اور شام تک جا پہنچی ۔ مصریوں نے اس سیل کو عین جالوت میں روکا ۔

یہ ''قیامت'' برپا ہو چکی اور اس کے آثار ہر جگہ آشکارا ہو گئے تو لوگوں نے اس کی نشانیاں جمع کرنی شروع کیں ۔

۲- ۱۲۰۶ء ۔

۳- مصنف نے چنگیز خاں کے ابتدائی حالات ٹھیک نہیں لکھے ۔ التون خاں سے جنگ تک ان حالات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے : اس کا نام ''تمرچی'' یا تمرچین یا تموجین تھا ۔ ۲۰ ذی قعدہ ۵۴۹ھ (۲۶ جنوری ۱۱۵۴ء) کو پیدا ہوا ۔ تیرہ سال کا تھا جب اس کا باپ مرا ، جس کا نام ''یسوکا'' تھا ۔ منگولوں کے ان فرمانروا یا سردار اعلیٰ کے ساتھ ایک مشیر بھی ہوتا تھا جس کی بڑی عزت کی جاتی تھی ۔ اتفاق یہ کہ مشیر کا بھی انتقال ہو گیا ، جس کی سرپرستی میں چنگیز خاں بہت کچھ سیکھ سکتا تھا ۔ اس مشیر کا بیٹا ''نویان قرہ چار'' بالکل نوجوان تھا ۔ یہی نویان قرہ چار امیر تیمور کا جد اعلیٰ تھا ۔ غرض نوجوان سردار اور نوجوان مشیر کے برسرِ اقتدار آ جانے سے قبائل میں اضطراب پیدا ہوا اور کم و بیش دو تہائی قبیلے اسے چھوڑ کر چلے گئے ۔ صرف ایک تہائی اس کے ساتھ رہ گئے ۔ ۱۱۸۳ء میں چنگیز ایک قبیلے کے سردار کے ہاتھ گرفتار ہوا ، مگر بڑی مصیبتیں اٹھا کر بچ نکلا ۔ پھر مختلف قبیلے اس کے خلاف اکٹھے ہو گئے

تو اس نے اونگ خاں کے پاس پناہ لی جو قراقیوں کا رئیس تھا۔ کم و بیش تو سال اس کے پاس گزارے۔ یہی اونگ خاں تھا جسے طغرل تگین کا لقب حاصل تھا اور ہمارے مصنف نے اسے چنگیز کا باپ قرار دیا ہے۔ اونگ خاں کے لیے چنگیز نے بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن خان کے اقربا چنگیز کے خلاف ہو گئے اور اونگ خاں کو بھی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔ آخر چنگیز نے بڑی مصیبتیں اٹھانے کے بعد اونگ خاں کو شکست دی۔ رفتہ رفتہ سب مخالفتیں چنگیز کی بہادری، مردانگی اور حسنِ تدبیر کے باعث ختم ہو گئیں۔ اس کے اپنے قبیلے بھی لوٹ آئے۔ باقی بھی اس کی تابعیت پر مجبور ہوئے۔ گویا اس نے خاصی لمبی مدت منگولوں کی قبائلی جنگوں میں گزاری۔ پھر انہیں اکٹھا کر کے ایسی قوت پیدا کر لی، جس کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔

۴۔ راورٹی نے لکھا ہے کہ ترکی میں "بلیق" یا "بلیغ" یا "بلاق" چشمے کو کہتے ہیں۔ "چاق" کا مطلب ہے تیز رو، گویا "بلیق چاق" کا مطلب ہوا تیز و تند رو چشمہ۔ اس ندی کا نام تیز روی کے باعث بلیق چاق پڑ گیا۔ "چاق" وہی لفظ ہے، جو ہماری زبان میں بھی چست و چالاک کے معنی دیتا ہے اور اسی سے "چاق و چوبند" بنا۔

۵۔ مصنف مرحوم نے تاتاریوں کی توبہ و انابت کے حالات ایسے انداز میں لکھے ہیں، گویا وہ نیک نہاد مسلمان تھے۔ اغلب ہے چنگیز نے ہم قوموں کو سختی سے خاص قواعد کا پابند بنا لیا ہو، لیکن وہ لوگ اپنے حریفوں اور خصوصیت سے اسلامی سرزمینوں پر لمبی مدت تک ظلم و جور کی جو بجلیاں گراتے رہے، ان کے پیشِ نظر توبہ و انابت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ لوٹ مار، قتل و غارت، خونریزی و خونباری کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا۔ وہ نہایت سنگ دل، بے درد اور بے رحم تھے۔

۶۔ یقین ہے کہ اسے جاسوس سمجھ کر قید کیا گیا ہو۔ چنگیز نے اسے بھیجا ہی جاسوسی کی غرض سے تھا۔

۷۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تین روز عاجزی سے دعائیں مانگی جاتی رہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اپنے لوگوں کے عزمِ خونریزی کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کر دینے کی یہ ایک نہایت عمدہ تدبیر تھی۔ تنگری تاتاریوں کے ہاں خدا کا نام تھا۔

۸۔ دوسرے مصنفین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ التون خاں سے لڑائیاں بھی ہوئیں ۔ ایک مرتبہ اس نے تنگ آ کر صلح کر لی تھی اور اپنی بیٹی چنگیز سے بیاہ دی تھی ، پھر لڑائی شروع ہو گئی ۔

۹۔ اس مقام کا صحیح نام اور پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکی ۔ راورٹی نے لکھا ہے کہ صحیح نام "صفر" یا "صقر" ہے ۔

۱۰۔ عام بیان یہ ہے کہ چنگیز خاں نے طمغاج ۱۲۱۲ء میں فتح کیا تھا ۔

۱۱۔ ۱۲۳۰ء ۔

۱۲۔ بلاشبہ تاتاری بڑے ہی ظالم ، سنگدل اور بے درد تھے ۔ بایں ہمہ یہ بیانات خاصے مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہیں ۔ کتنے ہی قتل ہوئے ہوں ، مگر انسانی ہڈیوں کا اتنا بڑا انبار جمع ہو جانا جو تین منزل سے صاف نظر آئے واقعی تعجب انگیز ہے ۔

۱۳۔ جس شہر میں ساٹھ ہزار کنواری لڑکیاں صرف ایک برج سے نیچے گر کر ہلاک ہو گئیں اس کی آبادی یقیناً لاکھوں پر مشتمل ہونی چاہیے ۔ بہ ظاہر یہ بیان بھی حد درجہ مبالغہ آمیز ہے ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ افراتفری میں گننے والا کون تھا جس نے ساٹھ ہزار کی تعداد ٹھیک ٹھیک معلوم کر لی ۔ نیز ایک برج سے ساٹھ ہزار کنواری لڑکیاں کیوں کر گر سکتی ہیں ۔ پھر اگر وہ دس دس بیس بیس کی تعداد میں گرتی گئیں تو برج کے آس پاس کی محدود جگہ میں آٹھ دس ہزار کے گر چکنے کے بعد لاشوں کا انبار برج کی بلندی کے قریب پہنچ گیا ہوگا ۔ باقی کہاں گریں اور کیوں کر ہلاک ہوئیں ؟ غرض صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی حقائق بیان کرنے کے بجائے زیادہ تر افسانہ طرازی اور داستان سرائی سے کام لیا گیا ہے اور مصنف مرحوم کی روش عموماً یہی دیکھی گئی کہ جب کوئی دردناک بیان سنا تو بے تکلف بیان فرما دیتے ہیں ۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ایسا واقعہ امکان میں بھی تھا یا نہیں ۔

۱۴۔ بعض دوسرے بیانات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ چنگیز خوارزم شاہ کی سلطنت پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ اس کی خواہش صرف یہ تھی کہ خوارزمشاہی سلطنت کے ساتھ تجارت شروع ہو جائے ۔ لیکن سوءاتفاق کی بنا پر حالات نے دوسری صورت اختیار کر لی ۔

۱۵- خطا کا بنا ہوا ایک ریشمی پارچہ -

۱۶- سرخ رنگ کا ریشمی پارچہ -

۱۷- ایک برفستانی جانور کا چمڑا جو بہت ملائم اور گرم ہوتا ہے -

۱۸- راورٹی نے لکھا ہے کہ اس کا اصل نام اینال جوف اور لقب غائر خاں تھا اور وہ سلطان محمد کی والدہ کا رشتہ دار تھا -

۱۹- قطعاً شبہ نہیں کہ والی اترار نے ایسی حرکت کی جو عام سفارتی و تجارتی تعلقات کے بھی منافی تھی اور سلطان کے ساتھ بھی اسے خیر خواہی قرار نہیں دیا جا سکتا - ممکن ہے وہ دل سے سلطان کا بدخواہ ہو اور اس نے دانستہ خوارزمیوں کو تاتاریوں سے لڑا دینے کے لیے یہ نالائقی کی ہو - یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے دل میں مال و زر کی حرص ہو اور اسے پورا کرنے کے لیے سلطان کے روبرو صورت حال کا غلط نقشہ پیش کر کے تاجروں کے قتل کی اجازت لے لی ہو - مثلاً کہا ہو کہ یہ لوگ جاسوسی کی غرض سے آئے ہیں اور ان کا واپس جانا ہرگز قرین مصلحت نہیں - سلطان سے بھی تعجب ہے کہ اس نے سوچے سمجھے بغیر ایسا حکم دے دیا ، جس کے نتائج نہایت خطرناک ہو سکتے تھے - سلطان محمد خوارزم کی بہادری اور سلطنت گیری میں کلام نہیں - اس نے خوارزم شاہی سلطنت کو ایشیا کی سب سے بڑی مملکت بنا دیا تھا اور اس سلسلے میں دشمن بھی بےشمار بنا لیے تھے - ان میں سب سے بڑھ کر خلیفہ ناصر لدین اللہ تھا جس نے سلطان پر حملے کے لیے چنگیز کو اکسایا اور یہ نہ سوچا کہ حملہ ہوا تو اس کا انجام کیا ہوگا - سلطان محمد خوارزم تو مسلسل فتوحات کے باعث ہر دشمن سے بے پروا سا ہو گیا تھا لیکن خلیفہ کے پاس تو کوئی قوت بھی نہ تھی - معلوم ہوتا ہے ، جو کچھ پیش آنے والا تھا ، قدرت نے اس کے اسباب مہیا کرنے کے لیے عقلمندوں کی قوت فہم و دانش معطل کر دی تھی - راورٹی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تاجر ساڑھے چار سو کے قریب تھے اور سب مسلمان تھے - چنگیز نے ان کے ساتھ اپنے تین کارندے بھیج دیے تھے (صفحہ ۲۷۱ حاشیہ) - گویا غائر خاں نے قتل و خونریزی کا عمل مسلمانوں پر بے دریغ جاری کیا -

۲۰- مطلب یہ کہ اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا ۔

۲۱- راوری نے اس کا نام عثمان لکھا ہے اور یہ حاشیہ نہیں بلکہ متن ہے -

۲ - درم کا چوتھا حصہ ۔ مطلب یہ کہ جس خزانے میں لوٹ کے اس مال سے ایک حصہ بھی پہنچا ، اس پر ضرور آفت آئی -

☆ ☆ ☆

تیسرا باب

اسلامی دنیا کے لیے مصائب کا ہولناک طوفان

چنگیز کی یورش :

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ جب اترار سے بھاگا ہوا شخص چنگیز کے پاس پہنچا ، تاجروں اور سفیروں کے حادثے کی تفصیل سنائی تو چنگیز نے حکم دے دیا کہ ترکستان ، چین اور طمغاج کے لشکر جمع کیے جائیں۔ چنانچہ آٹھ سو[1] علم باہر نکلے اور ہر علم کے نیچے ایک ہزار سوار تھے۔ تین لاکھ[2] گھوڑے "بہادروں" کے لیے مقرر کر دیے گئے۔ تاتاریوں کی اصطلاح میں "جنگ جو" کو "بہادر" کہتے ہیں۔ دس سواروں کے ہر گروہ کے حوالے چھ چھ مہینے کی تین تین بھیڑیں [105] کر دی گئیں کہ ان کا گوشت سکھا لیں۔ لوہے کی ایک ایک دیگ نیز پانی کی ایک ایک مشک اور قمیز[3] ساتھ لے لیں۔ یہی راشن لے کر وہ نکل پڑے۔

اترار میں قتل عام :

چنگیزی مملکت کی سرحد سے اترار تک تین مہینے کی مسافت تھی اور پورا راستہ صحرائی تھا۔ چنگیز نے حکم دے دیا تھا کہ تین مہینے کا راستہ اسی زاد راہ[4] سے طے کریں۔ اس کے علاوہ قمیز ، گھوڑیوں کے دودھ اور پانی پر گزارا کیا جائے۔ انہوں نے گھوڑوں کے جو گلے ساتھ لیے ، ان کی گنتی نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح وہ اسلامی دنیا کی طرف بڑھے۔ ۶۱۶ھ[5] کے اواخر میں اترار کی سرحد میں داخل ہوئے جہاں سے فتنہ پیدا ہوا تھا۔ اگرچہ طویل مسافت کے باعث تھکے ہوئے تھے اور سامان بھی پاس نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے چنگیز خاں اور تاتاری لشکریوں

کو جو مستعدی ، دلیری اور جوانمردی عطا کر دی تھی ، اس سے کام لیتے ہوئے وہ جلد ہی اترار پر قابض ہو گئے۔ چھوٹوں بڑوں سب کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ مخلوق میں سے ایک بھی زندہ نہ چھوڑا ۔ سب شہید کر ڈالے گئے ۔[6]

ایک عجیب حکایت :

اس سلسلے میں ایک عجیب حکایت سنی گئی ۔ ایک تاجر ، جسے خواجہ احمد وخشی[7] کہتے تھے ، قول کا سچا تھا ۔ (اللہ اس کا محافظ ہو) وہ کہتا تھا : میں نے معتبر آدمیوں سے سنا ہے کہ چنگیز خاں ولایت طمغاج پر قابض ہو گیا اور چار سال تک وہاں سخت خونریزی کی تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بہت لمبی دستار ہے جسے سر پر باندھنے کی کوشش کر رہا ہے ، لیکن دستار بہت لمبی ہے اور باندھنے کی مشقت نے اسے تھکا دیا ہے ۔ جب سر پر باندھ لیتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے بہت بڑا کھلیان [106] سر پر اٹھا رکھا ہے ۔ وہ نیند سے بیدار ہوا تو اپنے عقلمند مقربوں میں سے ہر ایک کو یہ خواب سنایا ۔ کوئی اس کی تعبیر نہ بتا سکا ، جس سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ۔ آخر ایک مقرب نے کہا کہ دستار ان تاجروں کے لباس کا حصہ ہے ، جو مغرب[8] کی جانب سے آتے ہیں ۔ انہیں یہاں بلانا چاہیے تا کہ اس خواب کی تعبیر معلوم ہو جائے ۔

اس مشورے کے مطابق دستار بند تاجر تعبیر کی غرض سے بلائے گئے ۔ ان میں سے عرب دستار بند بہت کم تعداد میں ملے ۔ انہیں بلایا گیا ۔ اس گروہ میں ایک زیادہ عقل مند اور سب سے بڑا تاجر تھا ۔ اس کے بعد چنگیز خاں نے خواب بیان کیا ۔ اس عرب تاجر نے کہا کہ دستار عربوں کا تاج ہے ۔ مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم دستار باندھا کرتے تھے ۔ اسلامی خلفاء بھی دستار بند ہی ہیں ۔ تیرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اسلامی ممالک تیرے قبضے میں آئیں گے اور تو ان ممالک پر مسلط ہوگا ۔

یہ تعبیر چنگیز کی رائے کے مطابق تھی ، اس وجہ سے اس نے اسلامی ممالک پر قبضے کا پختہ ارادہ کر لیا ۔

بخارا کی بربادی :

اب پھر میں تاریخی واقعات پر آتا ہوں ۔ جب اترار پر تاتاریوں نے قبضہ کر لیا اور مخلوق کو شہید کر ڈالا تو چنگیز بخارا کی طرف بڑھا ۔ یکم ذی حجہ ۶۱۶ھ[9] کو بخارا کا دروازہ تاتاریوں کی لشکر گاہ بن گیا ۔ سلطان محمد خوارزم شاہ کی طرف سے کشلو خاں داروغہ اصطبل سلطانی بارہ ہزار سواروں کے ساتھ شہر کی حفاظت کے لیے موجود تھا ۔ تاتاریوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ ذی حجہ کی دسویں تاریخ کو عید قربان کے دن تاتاری شہر اور قلعہ بخارا پر قابض ہو گئے ۔ تمام لوگوں کو ، جن میں خواص بھی تھے اور عوام بھی ، علماء بھی تھے اور اشراف بھی ، مرد بھی تھے اور عورتیں بھی ، شہر سے باہر لے گئے اور شہید کر ڈالا ۔ شہر اور کتب خانے جلا دیے ۔ عمارتیں برباد کر ڈالیں ۔ صرف تھوڑے سے لوگ بچے ، جنہیں قید کر لیا ۔[10] وہاں سے سمرقند کی جانب پیش قدمی شروع کر دی ۔

سمرقند کی داستان غم :

جس ہراول تاتاری فوج نے صحرا کو طے کرکے اترار پر [107] قبضہ کیا تھا ، پھر وہ بخارا کی جانب بڑھی تھی اور اس پر بھی قبضہ کر لیا تھا ، اس کا سالار ایک ترک تھا ، جسے تمرچی ''چربی'' کہتے تھے ۔ وہ بڑا بہادر اور مستعد تھا ۔ تاتاری زبان میں ''چربی''[11] حاجب کو کہتے ہیں ۔ جب تاتاری لشکر سمرقند کی طرف بڑھا تھا تو اسلامی فوج نے گھات کا انتظام کیا تھا ۔ پھر باہر نکل کر جنگ کا فیصلہ کر لیا اور گھات میں بیٹھنے کا خیال چھوڑ دیا ۔ لشکر اسلام اور اہل سمرقند نے شکست کھائی[12] اور کوئی پچاس ہزار مسلمان شہید ہوئے ۔ اس کے بعد تاتاری دس یا زیادہ دنوں تک شہر کے اطراف میں ٹھہرے رہے ۔ سمرقند میں سلطان محمد خوارزم شاہ کے ساتھ ہزار سوار موجود تھے ، جن میں ترک بھی تھے اور تاجیک بھی ، خلج بھی تھے اور قرلغ بھی ، غور کے بھی تمام سردار وہیں تھے ، مثلاً خرزور ملکی ، زنگی و حرحم اور دوسرے ملوک غور سب کے سب وہاں موجود تھے ۔ محرم ۶۱۷ھ کی دسویں تاریخ[13] کو عاشورہ کے دن تاتاری سمرقند پر قابض ہوئے ۔ شہر کو برباد کیا اور جلایا ۔ بعض کو قید کیا ۔[14]

اطراف کی تسخیر :

پھر چنگیز نے بلاساغون تک اطراف ماوراءالنہر اور فرغانہ کے لیے لشکر مقرر کر دیے ۔ تمام شہر برباد کر ڈالے گئے اور خلق خدا کو خون شہادت میں غسل دیا گیا ۔ خوارزم شاہی سلطنت کے اطراف پر قبضے کی غرض سے تاتاری فوجیں بھیج دی گئیں ۔ قبائل تاتار کے شہزادے کشلو خاں تاتار کا پیچھا کرنے کے لیے شمالی ترکستان سے فوجیں مقرر کر دی گئیں ۔ اس شہزادے نے قرہ خطا کے فرمانروا گور خان کو گرفتار کر لیا تھا ۔ چنانچہ تاتاری فوجیں کشلو خاں کے پیچھے [108] جاب اور قصبہ کیکرب[۱۵] تک گئیں ، جو سمرقند کا کوہستانی علاقہ ہے ۔ اسے پکڑا اور قتل کر دیا ۔

سلطان کا تعاقب :

سلطان محمد خوارزم شاہ بلخ میں تھا ، جب اسے یہ خبر ملی کہ تاتاریوں نے سمرقند لے لیا ہے ۔ لشکر اسلام کے علاوہ مخلوق یا تو شہید ہوئی یا اسیر ہو گئی (اور یہ ذکر آ چکا ہے) تو وہ بلخ سے ہٹ کر نیشاپور کی طرف چلا گیا ۔[۱۶] جب چنگیز کو پتا چلا کہ سلطان حوالی بلخ سے روانہ ہو چکا ہے اور اس کا لشکر بکھر گیا ہے تو دو بڑے تاتاری سالاروں ـــ سودہ بہادر[۱۷] اور یمہ نویین ـــ کو ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ سلطان محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا ۔ یہ فوج ربیع الاول ۶۱۷ھ[۱۸] میں جیحون سے گزری ۔ چنگیز کے فرمان کے مطابق خراسان کے کسی شہر کو کوئی نقصان نہ پہنچایا اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھا ۔[۱۹] صرف ولایت ہرات کے مقام پوشنج (فوشنج) کو مستثنٰی کیا جا سکتا ہے ۔ کہتے ہیں کہ وہاں حملے کے دوران میں تاتاری لشکر کا ایک بڑا آدمی مارا گیا تھا ؛ چنانچہ تاتاریوں نے پوشنج کے چھوٹے سے قلعے کو جنگ سے مسخر کیا اور وہاں جتنے مسلمان پائے ، انھیں شہید کر ڈالا ۔

جزیرے میں پناہ :

وہاں سے تاتاری نیشاپور کی طرف نکل گئے ۔ اس مقام پر جنگ ہوئی ، جس میں چنگیز کا داماد مارا گیا ۔[۲۰] انھوں نے اس کا بھی بدلہ لینے کی فکر لہ کی اور سلطان محمد خوارزم شاہ کی تلاش میں طبرستان و مازندران کی طرف روانہ ہو گئے ۔ [169] سلطان محمد خوارزم شاہ کی لشکرگاہ درۂ تمیشہ میں

تھی جو مازلدران کے راستے پر واقع ہے ۔ تاتاریوں کی غرض صرف یہ تھی کہ سلطان ہاتھ آ جائے ۔ جب تاتاری لشکر قریب پہنچ گیا تو سلطان نے اتسز حاجب کو، سلطانی چتر کے ساتھ قلب لشکر میں چھوڑا اور حکم دے دیا کہ وہ لشکر کو دامغان و عراق کی جانب لے جائے ۔ وہ خود بھی مازندران کے پہاڑوں میں چلا گیا اور آخر (بحیرۂ قزوین کے) ایک جزیرے میں پہنچ گیا، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔

آخری اطلاعات :

اب تاتاری فوج دو حصوں میں بٹ گئی ۔ بڑا حصہ تو سلطانی لشکر کے تعاقب میں عراق کی طرف چلا گیا، دوسرے حصے نے جس کی تعداد کم تھی، درۂ تمیشہ کے اندر پیش قدمی شروع کر دی ۔ ان دونوں فوجوں کے متعلق کوئی ایسی اطلاع نہ ملی جو یقینی اور حقیقت پر مبنی ہوتی ۔ بعض کہتے ہیں کہ سلطان محمد خوارزم شاہ، مازندران و عراق میں نہ ملا تو تاتاریوں نے سلطان کے فرزند رکن الدین غوری شانستی پر حملہ کر دیا ۔ اسے اور لشکر عراق کو شہید کر ڈالا ۔ پھر آذر بائیجان کے راستے قفچاق کی طرف چلے گئے ۔[۲۱]

حواشی

۱- مصنف خود سلطان محمد خوارزم شاہ کے بیان میں ''سات سو علم'' لکھ چکا ہے - (ملاحظہ ہو طبقۂ خوارزم شاہیہ) راورٹی نے وہاں بھی چھ سو علم ہی لکھا تھا اور یہاں بھی چھ سو ہی لکھا -

۲- راورٹی نے چھ لاکھ گھوڑے لکھے ہیں -

۳- اپنے کی ایک چیز جو گھوڑی کے دودھ سے بناتے تھے - نہایت مقوی اور گرم ہوتی تھی -

۴- یعنی دس سواروں کا ہر گروہ صرف ان تین بھیڑوں کے سوکھے ہوئے گوشت پر گزارا کرے -

۵- ۲۰ - ۱۲۱۹ء -

۶- واضح رہے کہ چنگیز خاں خود اترار نہیں گیا تھا - اسے حدود اترار میں پہنچتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنی فوج مختلف حصوں میں بانٹ کر بڑے بڑے شہروں کی حفاظت کے لیے بھیج دی ہے اور کسی ایک مقام پر زبردست جنگ کا کوئی امکان نہیں - لہٰذا اس نے ایک فوج اترار کی طرف بھیج دی اور خود بخارا کی جانب بڑھا -

اترار میں سخت مقابلہ ہوا - سلطان نے امداد کے لیے فوج ، خاص حاجب کی سرکردگی میں بھیج دی تھی - جب خاص حاجب نے دیکھا کہ مقابلہ ممکن نہیں تو تجویز پیش کی کہ شہر حوالے کر دینا چاہیے - غائر خاں (اندر خان) نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی - آخر خاص حاجب دروازۂ صوفی خانہ سے خفیہ خفیہ باہر نکل گیا - اسی دروازے سے تاتاری اترار میں داخل ہوئے اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا -

۷- وخشی سے مراد ہے ، باشندۂ وخش - ترکستان کا ایک علاقہ جو دریائے جیحون سے اوپر بدخشا اور ختل کے شمال میں اور دریائے وخشاب کے کنارے واقع ہے — اس دریا کو آج کل سرخاب کہتے ہیں -

۸- راورٹی میں ہے : دستار ان تاجروں کا لباس ہے جو ''عرب'' —

ہیں ۔ عرب بہ ہر حال تاتاریوں کے مغرب میں تھا ۔ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی رہتے ہیں ۔

۹- ۶ فروری ۱۲۲۰ء ۔

۱۰- بخارا کی بربادی کا واقعہ بڑا دردناک ہے ۔ چنگیز خود شہر میں داخل ہوا اور سیدھا جامع مسجد میں پہنچا ۔ اس کی شان و شوکت دیکھ کر پوچھا : آیا یہ شاہی محل ہے ! جب بتایا گیا کہ عبادت گاہ ہے تو اس نے اہل شہر سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا نے تمھیں اور تمھارے سلطان کو بدکرداریوں کی سزا دینے کے لیے مجھے بھیجا ہے ۔ پھر کہا کہ سلطان کے جتنے حامی ہیں ، وہ سب شہر سے نکل جائیں ۔ اہل بخارا نے مختلف لشکریوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر غضب ناک ہو کر چنگیز نے قتل عام کا حکم صادر کر دیا ۔ شہر کی اکثر عمارتیں لکڑی کی تھیں ، انھیں جلا ڈالا گیا ۔ کم و بیش تیس ہزار افراد بخارا میں شہید ہوئے ۔

۱۱- راورٹی نے اسے ''جزبی'' لکھا ہے ، لیکن آقائے حبیبی کے نزدیک ''چربی'' ہی صحیح ہے جس کے معنی ہیں ''حاجب'' ۔

۱۲- مصنف کا بیان الجھا ہوا سا ہے ۔ بہ ظاہر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے شہر میں بیٹھ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا ۔ اسی کو مصنف نے کھات میں بیٹھنے سے تعبیر کیا ہے ۔ پھر مختلف لوگوں نے اس امر پر زور دیا کہ بہادروں اور جواں مردوں کی طرح لڑنا چاہیے ۔ اس وجہ سے شکست کھائی ۔

۱۳- ۱۷ مارچ ۱۲۲۰ء ۔

۱۴- سمرقند کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ چنگیز اواخر ذی حجہ ۶۱۶ھ (اواخر فروری ۱۲۲۰ء) میں اچانک سمرقند پہنچا تھا ۔ شہر اور قلعے کی فوج نے ، جس کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی ، ساٹھ ہزار ترک اور پچاس ہزار تاجیک ، شہر سے باہر نکل کر تاتاریوں سے خوفناک جنگ کی ، جس میں بہت زیادہ تاتاری مارے گئے ۔ لیکن اسلامی فوج کا نقصان بھی خاصا تھا ۔ پھر شہر بند ہو کر مقابلے کے سوا چارہ نہ رہا ۔ لیکن اسی اثنا میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ مقابلہ چھوڑ دینا چاہیے ۔ اس گروہ میں قاضی شہر اور علما شامل تھے ۔ دوسرا گروہ ہر حال میں مقابلے پر قائم رہنا چاہتا تھا ۔ اس میں زیادہ تر اہل فوج تھے ۔

محاصرے کے پانچویں دن قاضی شہر اور دوسرے علما یکایک شہر سے باہر نکل کر چنگیز کے پاس پہنچ گئے حالانکہ لڑائی جاری تھی۔ چنگیز نے ان سے اچھا برتاؤ کیا۔ وہ واپس آ گئے۔ قرارداد کے مطابق ان اصحاب نے عید گاہ کا دروازہ کھول دیا اور تاتاری شہر میں داخل ہو گئے۔ پچاس ہزار اہل شہر کو شہید کیا۔ ان میں فوجی بھی ہوں گے۔

جو فوجی قلعے میں محصور تھے، وہ مقابلہ کرتے رہے۔ ان میں سے صرف ایک یعنی قرہ الب ارسلان خان نے مردانگی سے کام لیا۔ اپنے ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ نکلا، بجلی کی طرح تاتاریوں پر جا پڑا۔ ان کی صفوں کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ سے جا ملا اور سمرقند کے المیے کی خبر سب سے پہلے اسی نے پہنچائی۔ باقی سب مارے گئے جن کی تعداد تیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ شہر کے باقی ماندہ افراد میں سے تینتیس ہزار کاریگر اور فن کار چن کر چنگیز نے اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیے اور جو بچے ان سے دو لاکھ دینار تاوان وصول کیا گیا۔

غرض سمرقند کی بربادی بھی اسی اختلاف رائے کی بنا پر ہوئی جس اختلاف رائے نے اترار کو برباد کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے، سمرقند کے علما کہتے تھے ہم خلیفہ الناصرلدین اللہ کی ہم‌نوائی پر مجبور ہیں اور خلیفہ سلطان محمد خوارزم شاہ کا دشمن تھا۔

۱۵- راورٹی نے کیکراب لکھا ہے۔

۱۶- سلطان محمد خوارزم شاہ بڑا بہادر اور جنگجو تھا لیکن اچانک اس کے دل پر تاتاریوں کی ایسی ہیبت مسلط ہو گئی کہ کہیں بھی مقابلے کے لیے ٹھہر نہ سکا اور بڑی بری حالت میں وفات پائی۔ خاندان تباہ ہو گیا اور دنیائے اسلام کا بھی بڑا حصہ صرف اسی کے انتقام میں برباد ہوا۔

۱۷- راورٹی نے سہودہ بہادر لکھا ہے۔

۱۸- مئی ۱۲۲۰ء۔

۱۹- مطلب یہ ہے کہ ساٹھ ہزار کی اس فوج کو صرف سلطان محمد خوارزم شاہ کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اگر یہ فوج شہروں کی تسخیر میں مصروف ہو جاتی تو اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ چنگیز جانتا تھا

کہ خوارزم شاہی سلطنت کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے ۔ اگر سلطان پکڑا یا مارا گیا تو سلطنت خود بخود ہاتھ آ جائے گی ۔ اگر جنگ بھی کرنی پڑتی تو بعد میں بہ اطمینان کی جا سکتی تھی ۔ لیکن جب تک سلطان آزاد تھا ، مدید خطرے سے کاملاً نجات نہیں مل سکتی تھی ۔

۲۰- راورٹی نے لکھا ہے کہ یہ بیان صحیح نہیں ۔ نیشاپور میں چنگیز کا داماد اس مرتبہ نہیں بعد ازاں مارا گیا تھا ۔

۲۱- راورٹی نے ان لشکروں کے آئندہ اقدامات کی جو تفصیل بیان کی ہے ، اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ خوانندگان کرام کو حالات کا کسی قدر اندازہ ہو جائے ۔ یہ داستان بڑی عبرت ناک ہے ۔ سلطان محمد خوارزم شاہ مازندران کے پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا جزیرہ آب سکون میں چلا گیا جو بحیرۂ خزر کے اندر آمل و استر آباد کے درمیان تھا ۔ اس کی والدہ ترکان خاتون اور خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچے جس مقام سے پکڑے گئے ، اس سے تاتاریوں کو جو مال غنیمت ملا ، اس میں ایک کروڑ مثقال خالص سونا ، ایک ہزار خروار قیمتی کپڑے تھے ۔ سونا ساڑھے چار ماشے فی مثقال کے حساب سے کم و بیش ایک سو پندرہ من بنتا ہے ۔ اور جو قیمتی پارچے ایک ہزار گدھوں پر لادے گئے ، ان کی قیمت کا اندازہ خوانندگان کرام خود کر سکتے ہیں ۔ وزیر نصیرالدین بھی اسیروں میں تھا ، اُسے فوراً قتل کر دیا گیا ۔ ترکان خاتون کو شاہی خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ چنگیز خاں کے پاس بھیج دیا گیا ۔

پھر تاتاریوں نے رے ، ہمدان ، مراشہ ، قم اور دوسرے شہر فتح کیے ۔ گرجستانیوں سے لڑائیاں کیں ۔ سب کی تفصیل بتانا مشکل ہے ، لیکن رے اور قم کی تسخیر واقعی عبرت کا مرقع ہے ۔ رے میں دو بڑے مذہبی فرقے تھے : اول حنفی اور دوم شافعی ۔ حنفیوں نے تاتاریوں کی یورش سے کچھ دیر پہلے شافعیوں کی مسجد جلا دی تھی ۔ شافعی انتقام کی فکر میں تھے ۔ تاتاری پہنچے تو شافعیوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ حنفیوں کو تباہ کرنے کا اقرار کر لیا جائے تو ہم شہر حوالے کرنے پر آمادہ ہیں ۔ تاتاریوں نے یہ شرط قبول کر لی ۔ شہر رے پر قبضہ کرتے ہی پہلے حنفیوں کا صفایا کیا ، پھر شافعیوں کی صفائی کا بھی بہانہ پیدا کر لیا اور دونوں کے خون سے عبرت کا ایک نہایت درد ناک مرقع تیار ہو گیا ۔

قم میں بھی دو گروہ تھے : یعنی سنی اور شیعہ ۔ یہاں شیعوں نے اسی شرط پر شہر کی حوالگی پر آمادگی ظاہر کی کہ سنیوں کو ختم کر دیا جائے ۔ مگر فتح کے بعد سنی اور شیعہ دونوں ایک ہی چکی میں غلے کی طرح پیس ڈالے گئے ۔ رے بڑا ہی عالی شان شہر تھا ، اس کا نشان عض برائے نام باقی رہ گیا ۔ اب وہ تہران کا ایک حصہ ہے ۔ معصومہ کے مزار کے باعث قم پھر بڑا شہر بن گیا ۔

☆ ☆ ☆

چوتھا باب

چنگیزی فوجیں خراسان میں

حفاظت کے انتظامات :

[110] سودہ بہادر اور یمہ نوبین ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ خراسان سے گزرتے ہوئے عراق کی طرف نکل گئے۔ خراسان میں افراتفری پھیل گئی اور فتنہ رونما ہو گیا۔ ہر سردار سلطان محمد خوارزم شاہ کے فرمان کے مطابق کسی نہ کسی حصے کو سنبھالے بیٹھا تھا۔ قلعہ بندیوں کی مرمت کروالی گئی۔ شہروں کے گرد خندقیں تیار ہو گئیں۔ قلعوں کی حفاظت کا انتظام بھی جس تک ممکن تھا، مکمل ہو گیا اور جنگ کی تیاری میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ سلطان نے ہر سمت کے لیے ایک ایک سردار مقرر کر دیا تھا۔ مثلاً ترمذ کا قلعہ سیستانی لشکر کے حوالے کیا جس کا سالار اعظم امیرزنگی ابی حفص تھا۔ امیر سرہنگ[1] سام اور پہلوانوں کو حصار والخ[2] اور طخارستان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ اس قلعے کا طول و عرض چار فرسنگ کے قریب ہے۔ بامیان کا قلعہ امیر عمر کرباوردی[3] کے سپرد کر دیا گیا۔ ملک اختیارالدین علی خر پوست (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے نام فرمان صادر ہوا کہ پشاور سے غزنہ پہنچ جائے اور اس ولایت کی حفاظت کرے۔ ملک حسام الدین حسن عبدالملک سرزراد[4] کو، جو غور کے قلعے اور شہر سنگہ میں تھا، نیز ملک قطب الدین [111] حسن بن علی ابن ابی علی کو حکم دیا گیا کہ وہ غور کے قلعوں میں فوج اور رسد کا پورا انتظام کر لیں اور اس ولایت کی حفاظت میں سعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ ملک الکتاب (سردبیر یا چیف سکرٹری) اختیارالملک دولت یار طغرائی کو قلعہ کالیون میں بھیج دیا۔ خراسان کے دو بڑے پہلوان جنھیں یوزبک کے بیٹے کہتے تھے، اسی قلعے میں تھے۔ ملک شمس الدین محمد جوزجانی کو شہر ہرات کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ قلعہ

فیوار پہلوان اصیل الدین نیشاپوری کو سونپا جو مبارک پہلوان کا داماد تھا ۔ نصر کوہ طالقان کا قلعہ ملک شمس الدین اتسز حسن حاجب کے معتمدوں کو دے دیا ۔ رنگ گرزوان کے قلعے میں الغ خاں ابی محمد [112] کے خادم متعین ہوئے ۔ غرجستان کے قلعے عمید ابی پہلوان شروان کو دیے گئے؛[5] اسی طرح غور کے قلعے سرداران غور کے سپرد ہوئے ۔ شہر فیروز کوہ ملک مبارز الدین شیرازی کو ، تولک کے قلعے امیر حبشی نیزہ ور کو سونپے ۔ غرض ہر قلعے اور شہر میں کسی ممتاز ترکی ، غوری یا تاجیک سردار کو بٹھا دیا ۔

ترمذ کا انجام :

جب سلطان محمد خوارزم شاہ شکست کھا کر مازندران کی طرف چلا گیا تو اسلامی لشکر بکھر گئے ۔ اس اثناء میں چنگیز ولایت سمرقند کے انتظامات سے فارغ ہو چکا تھا اور اس نے سلطان محمد کے تعاقب میں سوار بھیج دیے تھے ۔ اب اس نے دوسرے لشکر خراسان کی مختلف سمتوں کے لیے مقرر کر دیے ۔ ارسلان خاں قیالق کو ، جو مسلمان تھا ، چھ ہزار سوار مسلمان اس کے ساتھ تھے اور وہ سب عجمی تھے ؛ اسے تولان چربی اور تاتاری لشکر کے ساتھ ولخ و طخارستان بھیج دیا اور خود (چنگیز) لشکر قلب کے ساتھ سمرقند سے ترمذ پہنچ گیا ۔ مسلمانوں نے بڑی مردانگی سے جنگ کی ۔ بہت سے تاتاری مارے گئے اور مسلمان بھی خاصی تعداد میں شہید ہوئے ۔ آخر ترمذ کے محصورین منجنیقوں کی سنگ باری سے عاجز آ گئے ۔ چنانچہ قلعہ ترمذ پر تاتاری قابض ہوگئے اور تمام مسلمانوں کو شہید کر ڈالا ۔[6]

چنگیز نے وہاں سے تاتاری لشکر غور و غزنہ کی طرف بھیجے ۔ جو لشکر خراسان بھیجا جاتا تھا ، اسے طالقان کے نصر کوہ پر سے گزرنا پڑتا تھا ۔ [113] قلعہ نصر کوہ[7] کی فوج کے لوگ پہاڑ سے اتر کر تاتاری فوج پر چھاپے مارتے ۔ گھوڑے اور مویشی پکڑ کر لے جاتے ، تاتاریوں کو جہنم رسید کرتے ۔

جب چنگیز خاں طالقان کی تسخیر سے فارغ ہوا تو اس نے بہت سے تاتاری قلعہ نصرکوہ کی تسخیر کے لیے مقرر کر دیے ۔ چنانچہ نصرکوہ کا محاصرہ ہو گیا اور جنگ چھڑ گئی ۔ اقلان چربی اور سعدی چربی چنگیز خاں

کے داماد فیقونوین نامی ملعون کے ساتھ وہاں بھیجے گئے تھے اور ان کے ساتھ پینتالیس ہزار سوار تھے تاکہ وہ خراسان ، غور اور گرمسیر کے شہروں ، قصبوں اور دیہات پر چھاپے مارتے رہیں ۔ ان چھاپوں میں بہت سے مویشی تاتاریوں کے ہاتھ آئے ۔ طخارستان اور گرمسیر کے علاوہ غزنہ کے دروازے تک کا علاقہ بری طرح تاخت و تاراج کا ہدف بنا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد شہادت پا گئی ۔ بعض اسیر ہو گئے ۔ اسی سال یعنی ۶۱۷ھ میں آٹھ مہینے تک تاتاریوں کے حملے اطراف پر جاری رہے ۔ اس زمانے میں طبقات کا مصنف منہاج سراج قلعہ تولک میں اور اس کا بھائی شہر فیروز کوہ میں تھا ۔

تاج الدین حبشی کی شہادت :

اسی سال تاتاریوں کی ایک فوج غور کے قلعہ آستیہ غور جا پہنچی اور پندرہ روز تک سخت جنگ ہوئی ۔ اس قلعے کا امیر اور والی سپہ سالار تاج الدین حبشی عبدالملک سرزراد تھا ۔ وہ بہت بڑا سردار تھا اور اس نے خوب تیاری کر رکھی تھی ۔ لیکن قضائے آسمانی کی بنا پر اس نے تاتاریوں سے صلح کر لی ۔ اسے چنگیز خاں کے پاس لے گئے ۔ چنگیز خان نے اسے ”خسرو غور“ کا لقب دیا اور بہت عزت کی ۔ پھر واپس بھیج دیا تاکہ دوسرے قلعے بھی حوالے کرا دینے کا انتظام کرے ۔ جب چنگیز نے جلال الدین منکبرنی خوارزم شاہ کو دریائے سندھ کے کنارے شکست دی تو تاج الدین عبدالملک حبشی نے تاتاریوں سے روگردانی کی اور ان سے لڑائی شروع کر دی ۔ اس طرح شہادت کا ثواب حاصل کیا ۔

اسی سال تاتاریوں کا لشکر [114] اقلان چربی کے زیر سرکردگی شہر فیروز کوہ میں پہنچا ۔ بیس روز تک سخت جنگ جاری رہی ، لیکن تاتاری شہر پر قابض نہ ہو سکے اور نامراد لوٹ گئے ۔

غازیان تولک کی بہادری :

جب سردی کا موسم آ گیا ، غور کے پہاڑوں پر برف گرنے لگی تو چنگیز خاں تاتاری کے لشکر نے خراسان سے ماوراء النہر کا رخ کر لیا ۔ جو تاتاری فوج غور میں تھی (اس میں تاتاریوں کے علاوہ وہ لوگ بھی شامل تھے ، جو مسلمان تھے مگر تاتاریوں سے مل گئے تھے) ۔ اس میں قریباً بیس ہزار سوار تھے اور ان کا راستہ قلعہ تولک کے پاس سے تھا ۔ ان کی فوج کا

ایک حصہ آٹھ مہینے اور کچھ دنوں تک قلعہ کی دیواروں تک حملے کرتا رہا ۔ قلعۂ تولک کے غازی تاتاری کافروں سے جہاد کرتے رہے اور یہ دعا گو یعنی منہاج سراج بھی غازیوں کے ساتھ تھا ۔ چنانچہ تاتاریوں کو قلعہ اور فصیل سے قریب تر ہونے کے لیے کوئی مقام نہ مل سکا ۔ (اللہ گزرے ہوؤں پر رحم کرے !) اس زمانے میں آٹھ روز ایسے آئے کہ تاتاری سارا سارا دن قلعے کے پاس گزار دیتے ۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ تاتاری کافروں کے ہاتھ اتنے مسلمان اسیر ہوئے تھے کہ ان میں سے بارہ ہزار دوشیزہ لڑکیاں چن کر خاص چنگیز خاں کے لیے رکھی گئیں اور چنگیز انھیں ساتھ لے گیا ۔ اللہ ان لڑکیوں کو تاتاریوں کے ہاتھ سے نجات دلائے اور ان کافروں کو اپنے قہر اور قدرت سے تباہ کرے ۔

چنگیز خاں کے دریائے جیحوں عبور کرنے کے واقعات

قلعۂ نصر کوہ پر یورش :

ربیع الاول ۶۱۸ھ میں تاتاری لشکر دوسری مرتبہ خراسان ، غور اور غرجستان کی تسخیر کے لیے مقرر ہوئے ۔ ان لشکروں کو طالقان کے قلعہ نصر کوہ کے پاس سے گزرنا تھا ؛ وہاں کے غازیوں نے بڑی مردانگی اور جان نثاری دکھائی ۔ جب چنگیز نے سنا کہ جو بھی لشکر نصر کوہ پر حملہ آور ہوا وہ قلعے پر قابض نہ ہو سکا اور اس کی فتح کا امکان نظر نہیں آتا ۔ چنانچہ وہ خود اس قلعے کی تسخیر کے لیے دریائے جیحوں کو عبور کر کے آ گیا ۔ [115] پشتۂ نعمان اور بیابان کعب میں خیمہ زن ہوا جو بلخ اور طالقان کے درمیان ہے ۔

اہلِ قلعہ کا عزم :

جب اہلِ قلعہ کو حالات نازک نظر آئے تو انھوں نے شہادت حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ قلعے کے مسخر ہونے اور غازیوں کے شہادت پانے سے تین مہینے پیشتر ہی سب نے متفق ہو کر نیلے لباس پہن لیے تھے ۔ وہ ہر روز مسجد جامع میں حاضر ہوتے ۔ قرآن مجید ختم کرتے ۔ ایک دوسرے کی تعزیت کرتے ۔ تعزیت اور ختمِ قرآن کے بعد ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ۔ ہتھیار پہنتے اور جہاد میں مصروف

ہو جاتے ۔ انھوں نے بہت سے تاتاریوں کو جہنم رسید کیا۔ خود ان میں سے بھی بعض نے شہادت پائی ۔

جب ان غازیوں کے سخت مقابلے کی خبر چنگیز کو ملی تو وہ پشتہ نعمان سے اٹھ کر قلعے کے پاس آیا اور جنگ شروع کی ۔ قلعے کے ایک طرف جدھر شمالی دروازہ تھا ، وہاں چٹان کاٹ کر خندق تیار کر لی گئی تھی ۔ تاتاریوں نے منجنیقیں لگا کر سنگ باری سے سامنے کا برج توڑ دیا تھا ، اس کے پتھروں سے خندق بھر گئی تھی اور دیوار میں سو گز کے قریب شگاف پڑ گیا تھا ۔ بایں ہمہ تاتاریوں کو قلعہ لے لینے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ چنگیز نے غصے میں قسم کھا لی کہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ فتح کروں گا ۔

حیرت انگیز مردانگی :

مزید پندرہ روز جنگ جاری رہی ۔ پھر ایک ہموار راستہ ہو گیا اور قلعہ تاتاریوں کے قبضے میں آ گیا ۔ جب تاتاری سوار قلعے میں داخل ہوئے تو قریباً پانسو غازی جو قلعے کی حفاظت میں لڑ چکے تھے اور بڑے آزمودہ کار جنگجو تھے ، ایک جیش کی شکل میں مرتب ہو کر اس دروازے سے باہر نکلے ، جس کا نام دروازہ کوہ جنیہ طالقان تھا ۔[۱۰] انھوں نے تاتاریوں پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور غازی باہر نکل گئے ۔ پاس ہی درے اور گہری وادیاں تھیں ، ان میں چلے گئے ۔ بعض نے شہادت پائی اور اکثر بچ کر نکل گئے ۔

چنگیز نے قلعہ منہدم کرا دیا اور جتنے بھی لوگ ملے ان سب کو خونِ شہادت میں غسل دیا ۔[116] اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو ، وہ اللہ سے راضی ہوئے ۔ خدا کرے ہمارے بادشاہ کی مسند ہمیشہ قائم رہے !

حواشی

۱- سرہنگ علمدار کو کہتے تھے - یہ نام صرف راورٹی میں ہے -

۲- اسے بلخ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ایک الگ مقام ہے -

۳- آقائے حبیبی کے متن میں کرباوردی ہے - باوردی سے مراد بہ ظاہر ساکن ابی ورد ہے -

۴- زراد یعنی زرہ ساز -

۵- راورٹی میں ہے : غرجستان کے قلعے شیران کے حوالے کیے گئے جو قبیلہ ابوسہلان کا عمید یعنی رئیس تھا -

۶- راورٹی نے لکھا ہے کہ چنگیز نے ۶۱۷ھ کا سرما سمرقند میں گزارا اور وہ ذی حجہ میں وہاں سے چلا - (یہ عرض کر دینا چاہیے کہ ذی حجہ ۶۱۷ھ ۲۷ - جنوری ۱۲۲۱ء سے شروع ہوا جو شدید سرما کا دور تھا) اس سے پیشتر چنگیز اپنے دو بیٹوں (چغتائی اور جوجی) کو خوارزم بھیج چکا تھا - پھر اس نے اپنے بیٹے تولی کو خراسان کے شہروں اور قلعوں کی تسخیر کے لیے مقرر کر دیا - ترمذ کے قریب پہنچ کر شہر کی حوالگی کا مطالبہ کیا - لیکن اہل ترمذ کو فصیل کی مضبوطی اور دریائے جیحوں کی نزدیکی پر بھروسا تھا - وہ دریا کے پانی سے خندق بھر سکتے تھے لیکن پندرہ روز میں ترمذ کا بھی فیصلہ ہو گیا اور پوری آبادی شہر سے باہر نکال کر تہہ تیغ کر دی گئی - یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا - ایک بوڑھیا کو قتل کرنے لگے تو اس نے کہا : "مجھے نہ مارو میں تمھیں بہت قیمتی موتی دوں گی" - اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا موتی اس نے نگل لیا ہے - چنانچہ اس کا پیٹ چاک کر کے موتی نکال لیا گیا اور آئندہ قیدیوں کے پیٹ چاک کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا -

۷- راورٹی نے نصیر کوہ لکھا ہے - چنگیز نے ترمذ ہی کے گھاٹ

سے دریائے جیحون کو عبور کیا۔

۸- ۲۱ - ۱۲۲۰ء۔

۹- مئی ۱۲۲۱ء

۱۰- دروازہ کوہ جنیہ کو بعض نسخوں میں کرہ جنیہ یا کوہ جنینہ لکھا ہے۔

☆ ☆ ☆

پانچواں باب

جلال الدین منکبرنی غزنہ میں

اختیارالدین خرپوست

جب سلطان محمد خوارزم شاہ نے ملک اختیار الدین محمد بن علی خرپوست غوری کے نام فرمان بھیج دیا تھا کہ پشاور سے غزنہ پہنچ کر وہاں کا انتظام سنبھال لو ۔ وہ بڑا کاردان ، دلاور ، جنگجو اور منتظم آدمی تھا اور دس سال تک قلعہ نصر کوہ طالقان کو خوارزم شاہی حملوں سے محفوظ رکھ چکا تھا ۔ خراسان و غور میں اسے عام شہرت حاصل تھی اور وہ غور کے بڑے بادشاہوں کی نسل سے تھا ۔

جب وہ غزنہ پہنچا تو اطراف سے اسلامی لشکر اس کے پاس آنے لگے ۔ چنانچہ مرکز غزنہ میں بہت زیادہ لشکری جمع ہو گئے ، جن کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بتائی جاتی ہے ۔ وہ سب جری سوار اور اسلحہ سے پوری طرح لیس تھے ۔ ارادہ یہ تھا کہ لشکر مرتب کر کے اچانک چنگیز پر حملہ کر دیا جائے ، جس کی لشکرگاہ پشتہ' نعمان میں تھی ، اور اسے شکست دے دی جائے ۔ ملک اختیارالدین ہر لحظہ لشکر کی ترتیب اور تیاری میں مصروف رہتا تھا ۔ خوارزم کے بڑے اور ممتاز آدمیوں سے جو سلطان محمد سے الگ ہوئے تھے ، وہ سب بھی ملک اختیارالدین ہی کے پاس پہنچ گئے ۔ شہاب الدین الب سلطان محمد کی جانب سے غور و غزنہ کا وزیر تھا ، وہ بھی غزنہ چلا گیا ۔

وزیر اور کوتوال کی غداری :

غزنہ میں ایک کوتوال تھا ، جسے صلاح الدین کہتے تھے ۔ وہ کردکان کا رہنے والا تھا ۔ ملک اختیار الدین نے سلطان محمد کے فرمان کے مطابق بہت سا لشکر جمع کر لیا تھا ۔ ملک خاں ہرات سے بھاگ کر سیستان کی طرف چلا گیا تھا ، جب موسم گرم ہوا تو وہ بھی غزنہ پہنچ گیا ۔ پھر خراسان سے

خبر ملی کہ سلطان جلال الدین منکبرنی بھی غزنہ آ رہا ہے ۔

شہاب الدین الب [117] وزیر اور صلاح الدین کوتوال نے مل کر خفیہ خفیہ غداری کا ایک منصوبہ تیار کیا ۔ ایک دعوت کا انتظام کر کے ملک اختیار الدین خرپوست کو بلایا اور صلاح الدین کوتوال نے چھری سے اس غازی سردار کو شہید کر ڈالا ۔[1] اس مرحوم نے جو لشکر جمع کیا تھا وہ سب ادھر اُدھر بکھر گیا ۔

جلال الدین کی کامیاب یورش :

۶۱۷ھ[2] میں ملک خان جو تاتاریوں کے سامنے سے ہٹ کر غزنہ پہنچا تھا ، وہاں سے دوبارہ گرم سیر کی طرف نکل گیا ۔ اس کا قصد سیستان کا تھا ۔ راستے سے اس نے رضی الملک کو ولایتِ پشاور دے دی ۔ جب رضی الملک اس غرض سے غزنہ آیا کہ وہ پشاور جائے تو اہلِ غزنہ نے اُسے جانے نہ دیا ۔ پھر وہ پشاور گیا مگر وہاں جو عراقی لشکر تھا ، اس نے رضی الملک کو واپس کر دیا ۔ جب رضی الملک پشاور سے لوٹا تو اعظم سپہ سالار نے ، جو عماد الدین بلخ کا بیٹا اور ننگرہار کا امیر تھا ، رضی الملک کو گرفتار کر لیا اور زیرِ نگرانی رکھا ۔

اچانک سلطان جلال الدین منکبرنی اور ملک خان (ہرات) غزنہ پہنچ گئے ۔ ان کے پاس ترکوں ، غور و تاجیک کے امیروں ، خلجیوں اور غزوں کی بے شمار فوج جمع ہو گئی ۔ چنانچہ سلطان جلال الدین نے اس فوج کے ساتھ طخارستان کی طرف پیش قدمی کی ۔ اس وقت تاتاری فوج قلعہ والیان[3] کے پاس تھی ، اسے شکست دی ۔ پھر فوج کے ساتھ واپس آ گیا ۔

[118] سلطان جلال الدین اور ملک خان (ہرات) کی آمد اور اسلامی لشکر کی فراہمی کا علم چنگیز کو ہوا تو اس نے اپنے داماد فیقو نوین کو ہرات و خراسان سے غزنہ کی طرف بھیج دیا ۔ جب تاتاری پروان[4] کے حدود میں پہنچے تو سلطان جلال الدین ان کے مقابلے کے لیے دوسری مرتبہ جا پہنچا اور ان سے جنگ کی ، شکست دی اور بے شمار کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا ۔ تاتاری مزید چند مرتبہ آئے ، مگر ہر مرتبہ شکست کھائی ۔

ایک اور تفرقہ :

سلطان کے لشکر میں اغراق[5] قبیلے کے آدمی زیادہ تھے ، [119] بڑے مرد میدان اور خونریز جنگوں میں پیش پیش رہتے تھے - انھیں مالِ غنیمت کے متعلق عجمیوں اور عراقیوں سے عداوت ہو گئی - چنانچہ وہ سلطان کے لشکر سے الگ ہو گئے اور دوسری طرف چلے گئے -[6] سلطان کے ساتھ صرف ترک رہ گئے -

شکست :

جب فیقو نوین شکست کھا کر چنگیز کے پاس چلا گیا تو چنگیز کے پاس جتنی فوج تھی اسے لے کر پشتہ٭ نعمان سے غزنہ کی طرف روانہ ہو گیا - سلطان جلال الدین منکبرنی نے ملک خان (ہرات) اور دوسرے خوارزمی سرداروں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے چنگیز سے جنگ کی - سلطان اور لشکر اسلام نے شکست کھائی - شکست خوردہ مسلمان دریائے سندھ میں کود پڑے ؛ بعض غرق ہو گئے ، بعض نے شہادت پائی اور بعض کو قید کر لیا گیا - تھوڑے ہی سے دریائے سندھ سے سلامت نکلے -

قلعہ٭ ولخ ، طخارستان اور بامیان کے شہروں کے قلعوں کی تسخیر :

جب چنگیز خان کے فرمان کے مطابق ارسلان خان قیالق مسلمان اپنے لشکر نیز طولان چربی اور تاتاری سپاہ کے ساتھ ولخ گیا تو آٹھ مہینے قلعے کا محاصرہ کیے بیٹھا رہا - اس قلعے کی کسی جانب راستہ نہ تھا - ارسلان خان نے تاتاریوں کو حکم دے دیا کہ اردگرد کے پہاڑوں سے درخت اور شاخیں کاٹ کاٹ کر قلعے کے آس پاس ڈالتے جائیں - [120] ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ تاتاری درے کو بھر دینے کا ارادہ کیے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ ایک سو سال میں بھی بھر نہیں سکتا تھا کیوں کہ بہت گہرا تھا -

رئیس کے بیٹے کی غداری :

اچانک آسمان سے بلا اور اللہ کی طرف سے قضا نازل ہوئی - رئیس ولخ کا بیٹا تاتاریوں کے پاس پہنچ گیا - اس نے ایسا راستہ انھیں دکھا دیا ، جس سے ایک تیز رفتار پیادہ گزر سکتا تھا - ان پہاڑوں میں جابجا طاق سے بنے ہوئے ہیں ؛ تین روز تک تاتاریوں کو اس راستے سے لے جا کر طاقوں میں چھپایا جاتا رہا ، جب خاصی تعداد جمع ہو گئی تو چوتھے روز صبح کو

یہ تاتاری نعرے لگاتے ہوئے قلعے پر جا پڑے ۔ جو لوگ دروازے کی حفاظت کر رہے تھے ، انہیں قتل کر دیا ۔ تمام دروازے محافظوں سے خالی کر دیے گئے ۔ تاتاری قلعے کے اندر پہنچ گئے اور تمام مسلمانوں نے شہادت پائی ۔

تاتاری فوج ولخ سے فرمان کے مطابق فیوار قادس کے قلعے پر پہنچ گئی اور اس کا محاصرہ کر لیا ۔ دعا ہے اللہ مسلمانوں کو فتح دے اور کافروں کو برباد کرے ۔

حواشی

۱- کتنی بدنصیبی تھی مسلمانوں کی ، غدار ہر جگہ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے دفاعی مقاصد کو برابر نقصان پہنچا رہے تھے -

۲- ۲۱-۱۲۲۰ھ -

۳- آقائے حبیبی نے لکھا ہے کہ یہ وہی قلعہ ہے جس کا ذکر پہلے ولخ کے نام سے آ چکا ہے ۔

۴- آقائے حبیبی فرماتے ہیں کہ پروان مشہور مقام ہے اور یہ نام اب تک باقی ہے - یہ سمت شمالی کابل میں ایک سرسبز و شاداب کوہسار کے اندر واقع ہے - کابل میں باد شمالی کو "باد پرواں" کہتے ہیں ، کیوں کہ اسی کی جانب سے آتی ہے -

۵- اغراق خلجیوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے ۔

۶- بھلا سوچیے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم پر ناراض ہو کر ایسے نازک وقت میں سلطان سے علیحدگی کس بنا پر مناسب تھی ؟

☆ ☆ ☆

چھٹا باب

خراسان و اطراف کی تسخیر

(۱)

تولی کے اقدامات خراسان میں

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ چنگیز کے چار بیٹے تھے ۔ بڑے کا نام توشی[1] تھا ، اس سے چھوٹے کا چغتائی ، تیسرے کا اوکتائی ، چوتھے اور سب سے چھوٹے کا نام تولی تھا ۔ جب چنگیز نے ماوراءالنہر سے خراسان کا عزم کیا تو توشی اور چغتائی کو خوارزم ، قبچاق اور ترکستان بھیج دیا تھا اور بڑی فوج ان کے ساتھ کر دی تھی ۔ تولی کو حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ بھاری فوج کے ساتھ خراسان کے شہروں پر بڑھے ، اوکتائی کو چنگیز نے اپنے ساتھ رکھا ۔

مرو اور نیشاپور :

۶۱۷ھ میں تولی پشتہ نعمان سے نکل کر سیدھا مرو کی طرف بڑھا ، شہر پر قبضہ کیا اور مخلوق کو شہید کر ڈالا ۔ وہاں سے وہ نیشاپور کی طرف گیا ، خاصی جنگ کے بعد شہر فتح کیا ۔ چونکہ [121] نیشاپور میں چنگیز کا داماد مارا گیا تھا ، اس لیے آبادی میں سے ایک ایک کو مارا ، شہر کو برباد کر دیا ، دیواریں اور عمارتیں ڈھا دیں ۔ پھر بیل لے کر شہر بھر کی زمین میں ہل پھروا دیے ۔ چنانچہ وہاں عمارت کا کوئی نشان باقی نہ رہا ۔

ہرات :

جب نیشاپور اور اس کے اطراف و حوالی سے فراغت حاصل ہو گئی تو

تولی نے ہرات کا رخ کیا اور شہر کے دروازے پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ ہر طرف منجنیقیں لگا دی گئیں۔ ملک شمس الدین محمد جوزجانی، ملک تاج الدین قزوینی اور دوسرے امیر جو شہر میں تھے، وہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ شہر سے جو پتھر منجنیقوں کے ذریعے سے تاتاریوں کی لشکرگاہ پر پھینکے جاتے تھے، وہ بھی ہوا میں پہنچتے تو شہر ہی پر گر جاتے۔ جس شہر کو سلطان محمد خوارزم شاہ نے گیارہ مہینے کی جنگ کے بعد مسخر کیا تھا، تاتاریوں کے لشکر نے صرف آٹھ روز وہاں قیام کیا اور فتح کر لیا حالانکہ مضبوطی میں اسے سدِ سکندر سمجھا جاتا تھا۔ خلقِ خدا کو شہید کر ڈالا۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ شہر کے چوتھائی حصے کے مقتولین کی گنتی کی گئی تو چھ لاکھ نکلے۔ اس حساب سے پورے شہر کے مقتولین چوبیس لاکھ ہوتے ہیں۔ (اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) جب تولی نے ہرات سے واپسی کا ارادہ کیا تو قیدیوں میں سے بعض کو آزاد کر دیا اور ان کے لیے ایک شحنہ مقرر ہو گیا۔ پھر وہ چلا گیا اور حکم دے دیا کہ شہر کو از سرِ نو آباد کیا جائے۔[۲] (اللہ تعالیٰ سلطان اسلام کو زندہ رکھے)

حکایت

[122] اس وقت کے حالات کے سلسلے میں یہاں ایک کہانی بیان کے قابل ہے۔ ۶۲۲ھ[۳] میں مصنف طبقات منہاج سراج کو ایک سفر غور سے بہ سلسلۂ سفارت پیش آیا۔ یہ سفر ملک سعید رکن الدین محمد عثمان مرغنی کے اشارے سے [123] قہستان[۴] کی طرف ہوا تھا۔ مقصود تھا کہ تجارتی قافلوں کے راستے درست ہو جائیں اور شہر ان کی دولت سے مالا مال ہوں۔ جب میں قائن پہنچا تو وہاں ایک امام کی زیارت ہوئی، جو خراسان کے اکابر میں سے تھا۔ اسے قاضی وحیدالدین فوشنجی کہتے تھے۔ (اس پر اللہ کی رحمت ہو) اس امام نے فرمایا کہ میں ہرات کے حادثے میں شہر کے اندر موجود تھا۔ ہر روز ہتھیار پہن کر غازیوں کے ساتھ فصیل پر جاتا اور تاتاری سواروں کی کثرت کا نظارہ کرتا۔ ایک روز میں جنگ کے ہنگامے میں فصیل پر موجود تھا۔ تمام ہتھیار نیز خود و جوشن وغیرہ پہن رکھے تھے۔ اچانک فصیل پر

سے میرا پاؤں پھسلا اور میں خندق کی جانب گر پڑا۔ نیچے مٹی کا ایک تودہ تھا اور میں پتھر یا گولے کی طرح لڑھکا۔ تقریباً پچاس ہزار تاتاری اور ان کے ساتھی مسلمان تیر کمان اور پتھر سنبھالے کھڑے تھے۔ میں لڑھکتے لڑھکتے ان کے پاس پہنچ گیا۔ جو لوگ خندق سے گزر کر فصیل کے نیچے یا تودے پر کھڑے لڑ رہے تھے ، ان کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔

تولی سے ملاقات :

یہ حادثہ اس مقام پر پیش آیا ، جس کے سامنے خندق کے کنارے چنگیز خاں کے بیٹے تولی نے خیمہ نصب کر رکھا تھا۔ تاتاری اس کے سامنے لڑ رہے تھے۔ میں فصیل سے کوئی بیس گز نیچے تودے پر گرا اور وہاں سے مزید چالیس گز خندق میں لڑھکتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے بچا لیا۔ میرے جسم پر کوئی زخم نہ لگا اور نہ میرا کوئی جوڑ زخمی ہوا یا ٹوٹا۔ جب میں زمین پر پہنچا تو تولی نے جلدی سے لوگ میری طرف دوڑائے کہ اسے زندہ ہمارے پاس لایا جائے اور کوئی آزار نہ پہنچایا جائے۔

اس حکم کے مطابق مجھے تولی کے پاس لے گئے۔ اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور کہا دیکھو اسے کوئی زخم تو نہیں لگا۔ ایک تاتاری نے آ کر خوب دیکھ بھال کی اور تولی سے کہا کہ کسی زخم کا نشان نہیں ملتا ، اور واقعی میرے جسم پرکوئی زخم نہ تھا۔ پھر وہ بولا : تو کون ہے ؟ آدمی ہے یا پری ہے یا دیو یا فرشتے کی جنس سے ہے یا تیرے پاس "الغ تنکری" کا کوئی تعویذ ہے ، سچ سچ بتا کہ حقیقت کیا ہے ؟ میں نے پیشانی زمین پر رکھی اور کہا : میں ایک بے کس سا آدمی ہوں۔ البتہ پڑھا لکھا اور دعا گو ہوں۔ میرے پاس ایک چیز تھی ، [124] پوچھا : کیا چیز تھی میں نے پھر ادب سے کہا : تیرے جیسے بادشاہ کی نظر مجھ پر تھی ، اس سعادت کی برکت سے محفوظ رہا۔

تولی کو میری یہ بات پسند آئی۔ اس نے رضا کی نظر سے مجھے دیکھا اور کہا : یہ شخص عقلمند اور دانا ہے ، اور چنگیز خاں کی خدمت میں بھیجے جانے کے لائق ہے۔ اس کی خاطرداری کرو تا کہ اسے چنگیز خاں کے پاس لے جائیں۔ یہ کہہ کر مجھے ایک معزز تاتاری کے سپرد کر دیا۔

چنگیز سے گفتگوئیں :

جب تولی خراسان کی فتح سے فارغ ہوا تو خود مجھے چنگیز خاں کے پاس لے گیا اور میری پوری داستان اسے سنائی ۔ چنگیز کے پاس مجھے تقرب کا درجہ حاصل ہو گیا ۔ میں ہمیشہ اس کے پاس رہتا اور وہ مجھ سے انبیائے کرام ، عجمی بادشاہوں اور گزرے ہوئے فرمانرواؤں کے حالات سنتا ۔ وہ پوچھا کرتا تھا کہ کیا پیغمبر محمد علیہ السلام نے میرے ظہور اور جہانگیری کے بارے میں بھی کوئی خبر دی ہے ؟ میں وہ حدیثیں بیان کرتا جو ترکوں کے خروج کے متعلق بیان کی گئی ہیں ۔ وہ کہتا : میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تو سچ کہتا ہے ۔ ایک روز اس نے باتیں کرتے ہوئے کہا : محمد اغری یعنی سلطان محمد خوارزم شاہ سے بدلہ لینے کے باعث میرا نام باقی رہے گا ۔ اغری ، ترکی میں چور اور رہزن کو کہتے ہیں ۔ اس نے بارہا کہا : خوارزم شاہ بادشاہ نہ تھا ، چور تھا ۔ اگر وہ بادشاہ ہوتا تو میرے سفیروں اور تاجروں کو قتل نہ کرواتا جو اترار آئے تھے ، کیونکہ بادشاہ رسولوں اور تاجروں کو نہیں مارا کرتے ۔[۵]

جب اس نے مجھ سے پوچھا : آیا میرا نام عظمت کے ساتھ باقی رہے گا ؟ میں نے ادب سے کہا اگر مجھے جان کی امان دی جائے تو ایک بات عرض کروں ؟ بولا : تجھے امان ہے ۔ میں نے کہا : نام وہاں باقی رہتا ہے جہاں مخلوق موجود ہو ۔ جب خان کے کارندے ہر جگہ مخلوق کو [125] موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں تو نام کیوں کر باقی رہے گا ؟

میری زبان سے یہ کلمہ نکلا تو چنگیز نے تیرکمان ہاتھ سے پھینک دیے ۔ حد درجہ غصے میں آ گیا ۔ منہ پھیر کر میری طرف پیٹھ کر لی ۔ میں نے اس کی نامبارک پیشانی پر غصے کے آثار دیکھے تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ۔ زندگی کی امید ختم ہو گئی ۔ میں نے دل میں کہا اور مجھے یقین ہو گیا کہ دنیا سے کوچ کا وقت آ گیا اور اس ملعون کی تلوار کا زخم کھا کر یہاں سے جانا ہوگا ۔ تھوڑا وقت گزر گیا تو پھر میری طرف پلٹا اور بولا : میں تجھے عقلمند اور ہوشیار آدمی سمجھتا تھا ۔ تیری اس بات سے معلوم ہو گیا کہ تو عقل میں کامل نہیں اور تیرا تصور محدود ہے ۔ دنیا میں بہت سے بادشاہ ہیں ۔ میری خونریزی اور بربادی صرف ان مقامات تک محدود رہی جہاں محمد اغری (خوارزم شاہ) کے گھوڑے کا پاؤں آ چکا تھا ۔ دنیا کے باقی اطراف ممالک کے بادشاہ میری داستان بیان کیا کریں گے ۔

غرض اس واقعے کے بعد مجھے اس کا قرب حاصل نہ رہا ۔ میں اس کی نظروں سے گر گیا ۔ موقع پا کر اس کے لشکر سے بھاگ نکلا۔ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ اس سے نجات پائی ۔ حمد و ثنا ہے اس ذات پاک کے لیے ، جس نے ہم سے غم دور کیا اور ہمارا رب بڑا ہی بخشنے والا ہے، اس کا شکر ادا ہونا چاہیے ۔

خراسان پر دوسری مرتبہ آفت اور اس کے واقعات

سلطان جلال‌الدین منکبرنی خوارزم شاہ نے تاتاریوں کو پروان میں شکست دی ، جو بامیان اور غزنہ کے درمیان ہے ، تو چنگیز کی توجہ سلطان جلال‌الدین کی طرف پھر گئی اور وہ دریائے سندھ کی طرف آیا ۔ فتح پروان کی خبر خراسان کے تمام شہروں میں پہنچ گئی ۔ یہ سنتے ہی جس جس شہر میں تاتاریوں کی طرف سے نگران کار (شحنہ) مقرر تھے ، وہاں کے لوگوں نے انہیں قتل کر دیا ۔ ہر مقام پر کوئی نہ کوئی اقتدار حاصل کر لینے میں [126] مصروف ہو گیا ۔

چنگیز سلطان جلال الدین کو دریائے سندھ کے کنارے شکست دے چکا تو اس نے ساور بہادر اور (اپنے بیٹے) اوکتائی کو اس غرض سے غزنہ بھیج دیا کہ شہر کو برباد کر دیا جائے اور لوگوں کو باہر نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے ۔ یہی ہوا۔ کچھ لوگ قید بھی ہوئے۔ خود چنگیز دریائے سندھ سے اغراق قبیلے کے تعاقب میں روانہ ہوا کیونکہ اس قبیلے کے آدمی بے شمار تھے اور ان کا لشکر بہت بڑا تھا ۔ چنانچہ کیری[6] کی طرف گیا ۔ کیری اور کوہ پایہ کے قلعے فتح کر لیے اور مسلمانوں کو شہید کر ڈالا ۔ وہ تین مہینے کیری میں ٹھہرا رہا ۔ وہیں سے سلطان سعید شمس الدنیا و الدین کے پاس سفیر بھیجے ۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ فوج ہندوستان جائے، پھر قراجل[7] اور کامرود کے راستے چین چلا جائے ۔ اگرچہ وہ (اپنے طریقے کے مطابق فال لینے کی غرض سے) بکریوں کے شانے کی ہڈیاں جلاتا تھا ، مگر جانے کی اجازت نہ ملتی تھی کہ ہندوستان [127] میں داخل ہو ۔[8]

طمغاج و تنکت میں بغاوت :

پھر طمغاج و تنکت کی طرف سے تیز رفتار قاصد آ گئے اور بتایا کہ طمغاج اور تنکت کے خان بغاوت اختیار کر چکے ہیں اور وہ مملکت اس کے

قبضے سے نکل جانے کے قریب پہنچی ہوئی ہے - اس لیے مجبوراً وہ کوہ پایہ کیری سے لوٹا - پہاڑوں پر برف پڑ چکی تھی - حکم دے دیا کہ برف صاف کی جائے - اس طرح وہ غزنہ و کابل کے علاقوں میں سے ہوتا ہوا ترکستان و کاشغر چلا گیا -

اوکتائی کی سرگرمیاں :

اوکتائی کو عین سردیوں میں تاتاری لشکر کے ساتھ کیری سے غور و خراسان بھیج دیا - اوکتائی غور و غزنہ کے درمیان اس مقام پر پہنچا جسے "پل آہنگراں" کہتے ہیں اور فیروز کوہ کے نزدیک لشکر گاہ قائم کی - سعدی چربی ، منکدہ چربی اور چند دوسرے نوینوں کو بھاری لشکر کے ساتھ سیستان بھیج دیا - ایکہ نوین کو جو چنگیز خاں کا خاص منجنیق چلانے والا تھا ، اور دس ہزار آدمی اس کے تابع تھے جو منجنیقیں چلانے میں مشاق تھے ، اشیار اور غرجستان کے قلعوں کی جانب روانہ کر دیا - الجی نوین کو غور و ہرات کے لینے پر مقرر کر دیا - غرض غور ، خراسان اور سیستان کی ہر سمت کے لیے لشکر اور نگران نامزد ہو گئے - ان سردیوں [128] میں تاتاریوں نے ہر سمت ہنگامۂ کشت و خون بپا رکھا - جب چنگیز تک یہ خبر پہنچی کہ جو نگران جا بجا مقرر کیے تھے وہ مارے گئے تو اسے سخت حیرت ہوئی - اس نے کہا : میں نے تو لوگوں کو مار دیا تھا ، اب وہ دوبارہ کہاں سے زندہ ہو گئے - اب میرا حکم یہ ہے کہ جسے مار دیا جائے ، اس کا سر بدن سے الگ کیا جائے ، تاکہ وہ زندہ نہ ہو سکیں -

سیستانیوں کی بہادری :

یوں خراسان کے تمام شہروں پر دوبارہ بربادی کی مصیبت نازل ہوئی - جو لشکر سیستان بھیجا گیا تھا ، اس نے جنگ سے ہر شہر فتح کیا - اہلِ سیستان اس بہادری سے لڑے کہ تاتاریوں کو ہر شہر کے ایک ایک کوچے اور ایک ایک گھر میں جنگ کرنی پڑی - سیستان کے مسلمانوں میں چھوٹے بڑے ، مرد عورت ہر ایک نے جنگ کی - تلواروں اور چھریوں سے یکساں کام لیا گیا اور سب مارے گئے - عورتیں بھی شہادت پا گئیں -

پھر ہرات پر حملہ :

ایک لشکر ہرات بھی بھیجا گیا تھا ۔ ہرات میں ایک خواجہ تھا جسے خواجہ فخرالدین عبدالرحمان عبرانی صراف کہتے تھے ۔ وہ بڑا دولت مند اور معزز شخص تھا ۔ اس مرتبہ اس خواجہ نے شہر ہرات کی حفاظت چند روز کی ۔ ملک مبارزالدین سبزواری فیروز کوہ کے قلعے سے شکست کھا کر ہرات پہنچ گیا تھا ، اسے سالار لشکر بنا دیا گیا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب تاتاریوں نے دوسری مرتبہ ہرات فتح کیا تو ملک مبارزالدین جو بوڑھا ہو چکا تھا اور خوبصورت آدمی تھا ، گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں نکلا ۔ تمام ہتھیار پہن رکھے تھے ، نیزہ ہاتھ میں تھا اور جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی ۔ حقیقت حالات کا بہترین علم صرف اللہ کو ہے ۔[۹]

قلعہ کالیون :

[129] جب تاتاری ہرات سے فارغ ہو گئے اور شہر کو برباد کر چکے تھے تو ان کی فوج دو حصوں میں بٹ گئی ۔ ایک حصہ سیستان چلا گیا ۔ سعدی چربی اور دوسرے بڑے بڑے نوین اس کے ساتھ تھے ۔ دوسرا حصہ قلعہ کالیون کی طرف روانہ ہوا اور اس قلعے کو لشکر گاہ بنا لیا گیا ۔ یہ قلعہ بہت مستحکم ہے ۔ دنیا میں کوئی مقام بلندی اور استحکام کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ دنیا کے بڑے بڑے عالموں نے راستوں اور ملکوں کے بارے میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں "کالیون" کا ذکر بالاتفاق یوں کیا ہے : ''دنیا کا سب سے زیادہ مستحکم اور سب سے زیادہ خوبصورت قلعہ ۔''

کالیون ایسا قلعہ ہے کہ اگر کوئی شخص شہر ہرات سے کالیون جانا چاہے تو اسے بیس فرسنگ تک برابر چڑھائی میں چلنا ہوگا ، پھر وہ اس قلعے کے استحکامات پر پہنچے گا ۔ وہاں سے ایک فرسنگ اور بلندی پر جانا ہوگا ، پھر قلعہ آئے گا ۔ چٹانیں ہی اس قلعے کی بیرونی دیواریں ہیں اور یہ چٹانیں ایک ہزار ہاتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ اونچی ہوں گی ۔ کوئی جانور بھی اڑ کر وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ۔ صرف حشرات الارض جا سکتے ہیں ۔ عین اوپر جا کر قلعہ کی سطح چار تیر پرتاب یا اس سے بھی زیادہ ہوگی ۔ اس میں سات حوض ہیں جو سنگ خارا کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر بنائے گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک میں اتنا پانی جمع رہتا ہے کہ جتنا بھی خرچ کیا جائے

کمی نہیں آتی ۔ قلعے کے وسط میں بھی ایک وسیع میدان ہے ۔

قلعے کے امیر :

سلطان محمد خوارزم شاہ کے دو نامور پہلوان اس قلعے کی حفاظت کے لیے مقرر تھے ۔ وہ دونوں (سگے بھائی) ابوبکر کے بیٹے تھے ۔ دونوں کی حیثیت میدانِ جنگ میں دو مست ہاتھیوں کی تھی ۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ دونوں بھائی مردانگی اور کاردانی میں مشہور تھے ۔ وہی قلعے کے امیر تھے ۔ دونوں اتنے بلند قامت تھے کہ جب سلطان محمد خوارزم شاہ کے گھوڑے کی رکاب دونوں جانب سے پکڑے ہوئے جلوس میں نکلتے تو دونوں بھائیوں کے سر سلطان کے سر سے اونچے رہتے ۔ اختیارالملک دولت یار طغرائی بھی ، جو سلطنت خوارزم شاہی کے والیوں میں سے تھا ، اس [130] ہنگامہ زار میں کالیون پہنچ گیا تھا ۔

جب تاتاری (کافر سوار) کالیون پہنچے تو وہاں غازی اور اسلحہ بہت تھے ۔ محمد خوارزم شاہ نے کالیون اور فیوار کو جو کالیون کے مقابل ہے ، دس گیارہ سال کے محاصرے اور جنگ کے بعد فتح کیا تھا پھر وہاں بہت سے آدمی اور ہتھیار جمع کر دیے تھے ۔

تاتاریوں کی پریشان حالی :

تاتاریوں نے حملے شروع کیے تو غازیوں اور آزمودہ کار بہادروں نے قلعے سے نیچے اتر کر جہاد شروع کیا اور بہت سے تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتار کر جہنم واصل کیا گیا ۔ رات دن زد و کشت کا سلسلہ جاری رہتا ۔ اہلِ قلعہ کی دلیری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ ان کے خوف سے تاتاریوں کو نیند بھی نہیں آتی تھی ۔

چنانچہ انھوں نے قلعے کے اردگرد ایک دیوار بنا لی اور اس میں صرف دو دروازے رکھے جو قلعے کی طرف کھلتے تھے ۔ ان دروازوں پر پہریدار مقرر کر دیے ۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ ایک لومڑی اس چٹان میں رہتی تھی ، جس پر قلعہ کالیون تعمیر ہوا تھا ۔ وہ تاتاریوں کے بنائے ہوئے احاطے میں پہنچ گئی ۔ سات مہینے تک اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ مل سکا ۔ گویا تاتاریوں نے اپنی حفاظت کے لیے حد درجہ پختہ انتظامات کر رکھے تھے ۔

محاصرے پر ایک سال کی مدت گزر گئی تو سعدی چربی تاتاری لشکر کے ساتھ سیستان سے خراسان آیا اور قلعہ کالیون کے نیچے پہنچ کر تاتاریوں سے مل گیا۔

بیماری نے عاجز کر دیا:

آخر بیماری نے اہلِ قلعہ کو عاجز کر دیا۔ بہت سے لوگ وفات پا گئے۔ کیونکہ قلعے میں خوراک کے جو ذخیرے تھے، ان میں سے صرف سکھایا ہوا گوشت، پستہ زیادہ مقدار میں باقی رہ گئے تھے۔ خراسان کا تمام پستہ کالیون ہی کے حوالی میں ہوتا ہے۔ سوکھا گوشت، پستہ اور گوی کھاتے کھاتے سب بیمار ہو گئے۔ خرابی معدہ کے باعث پاؤں اور سر سوجتے اور انتقال ہو جاتا۔

ایک ایک نے جان دی:

جب محاصرے پر سولہ مہینے گزر گئے تو قلعے میں صرف پچاس آدمی رہ گئے تھے۔ ان میں سے بیس بیمار تھے یعنی ان کے پاؤں اور سر سوجے ہوئے تھے۔ صرف تیس تندرست تھے۔ ان میں سے ایک باہر نکلا اور تاتاریوں کے پاس پہنچ گیا۔ قلعے کی حقیقی کیفیت انھیں سنا دی۔ تاتاریوں کو یہ کیفیت معلوم ہو گئی تو سب نے مسلح ہوکر ایک دم حملہ کر دیا۔ اہلِ قلعہ شہادت کا ارادہ کیے بیٹھے تھے اور خوش تھے۔ [131] سونے چاندی یا قیمتی پارچوں یا دوسری قیمتی چیزوں میں سے جو کچھ قلعے کے اندر تھا، وہ کنوؤں میں ڈال دیا گیا اور بھاری پتھر ڈال ڈال کر کنوؤں کو بھر دیا گیا۔ جو کچھ باقی بچا، اسے آگ لگا دی۔ قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ تلواریں سنبھال لیں اور تاتاریوں پر جا گرے۔ سب شہادت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

قلعہ فیوار:

جب قلعہ کالیون فتح ہو گیا اور جو تاتاری لشکر طولان چربی اور ارسلان خاں قیالق کی سرکردگی میں قلعہ ولخ (طخارستان) کی تسخیر کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ بھی فارغ ہو کر آ گیا تو چنگیز خاں کے فرمان کے مطابق انھیں فیوار (قادس) کے قلعے کی تسخیر کے لیے بھیج دیا گیا۔

یہ قلعہ مضبوطی ، پختگی اور استحکام میں کالیون سے بھی بڑھا ہوا ہے ۔ اس کی مضبوطی کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ صرف دس آدمی بھی اس قلعے کی حفاظت کر سکتے ہیں ۔ فیوار اور کالیون کے درمیان دس فرسنگ کا فاصلہ ہے ۔ دونوں قلعے ایک دوسرے سے نظر آتے تھے ۔ اگر کوئی اجنبی دن کے وقت کالیون کے قلعے کے پاس پہنچ جاتا اور اہل قلعہ دن کو دھوئیں اور رات کو آگ کا انتظام کر دیتے تو فیوار والوں کو خبر ہو جاتی ۔ فیوار کے پاس کوئی اجنبی آ جاتا تو وہاں کے اہل قلعہ بھی ایسی ہی تدبیریں اختیار کر کے اہل کالیون کو آگاہ کر دیتے ۔

طولان چربی اور ارسلان خان قیالق دو مہینے تک قلعہ فیوار کے پاس بیٹھے رہے ۔ انہیں دانے چارے کی سخت تنگی پیش آئی ۔ آخر کالیون کے قلعے سے کچھ ذخیرے لائے[10] تاکہ محاصرہ مزید چند روز جاری رکھ سکیں ۔ اس اثنا میں قلعے سے ایک آدمی نکل کر طولان چربی کے لشکر میں پہنچا اور بتایا کہ قلعے میں جتنے آدمی تھے ، ان میں سے اکثر مر گئے ہیں ، صرف سات باقی بچے ہیں اور ان میں سے بھی چار یا پانچ بیمار ہیں ۔ یہ سنتے ہی تاتاریوں نے ہتھیار پہنے اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اور جو سات آدمی زندہ تھے ، انہیں شہید کر ڈالا (اللہ ان سے راضی ہو ، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) ۔

یہ حادثے ۶۱۹ھ[11] کے اواخر میں پیش آئے ۔ غور و خراسان میں ان دو قلعوں (کالیون اور فیوار) سے زیادہ مضبوط کوئی قلعہ نہ تھا ۔ انہیں وہ حالات پیش آئے جو بیان کیے جا چکے ہیں (دعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمان بادشاہوں کے بادشاہ کو سلطنت کی گدی پر اس وقت تک باقی رکھے ، جب تک دنیا کا رشتۂ حیات منقطع نہ ہو) ۔

حواشی

۱- توشی کو جوجی بھی لکھتے ہیں۔

۲- مصنف نے مرو، نیشاپور اور ہرات کے حالات بہت ہی اختصار سے لکھے ہیں - پوری تفصیل تو ممکن نہیں، لیکن اجمالاً کچھ نہ کچھ بیان کر دینا مناسب ہے۔ تولی مرو کی طرف بڑھا تو جو شہر اور علاقے لڑائی کے بغیر حوالگی پر آمادہ ہو چکے تھے، ان سے امدادی فوج طلب کرلی گئی، جس کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ مرو میں مجیرالملک نے مقابلے کی ٹھانی، مگر اس کے پاس تھوڑی سی فوج تھی۔ آخر دو لاکھ دینار سرخ، تیس ہزار خروار غلہ اور ایک لاکھ گھوڑے دینے کا اقرار کیا۔ پھر وہ آخری فیصلے کے لیے تولی کے پاس پہنچا تو مزید شرطیں پیش کردی گئیں۔ آخر مجیرالملک کے اعضا کاٹنے کے بعد اسے قتل کیا گیا اور کم و بیش ستر ہزار آدمی شہید ہوئے۔ پھر خاصی بڑی تعداد ماری گئی۔

نیشاپور کو تو داماد چنگیز کے انتقام میں خاص سزا دی گئی جو آج تک غالباً کسی شہر کو نہیں ملی۔ سالہا سال تک اس شہر کا مقام مٹا رہا۔ وہاں جو کاشت کر کے تاتاریوں کے گھوڑوں کو کھلائے جاتے تھے۔ لیکن نیشاپور میں سترہ لاکھ یا تیرہ لاکھ اور ہرات میں چوبیس لاکھ کے مارے جانے کا معاملہ محل نظر ہے۔ اس زمانے میں شہروں کی آبادی اتنی تھی ہی کہاں؟ اگر مان لیا جائے کہ آس پاس سے بھی لوگ پناہ کے لیے وہاں چلے گئے تھے تو اس حالت میں بھی شہر کے اندر اتنی بڑی آبادی کا تصور مشکل ہے۔ اس میں شبہ نہیں مقتولین کا معاملہ ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک ضرور پہنچ گیا ہوگا، خصوصاً نیشاپور میں، لیکن بیان کردہ اعداد درست معلوم نہیں ہوتے۔

ہرات میں شمس الدین محمد جوزجانی مقابلہ کرتا ہوا شہید ہوا تو اس کے بعد شہر میں تفرقہ پڑ گیا اور علما سب سے پہلے شہر کی حوالگی پر آمادہ ہو گئے۔ جو لوگ مارے گئے، ان کا حساب پیش کرنا مشکل ہے لیکن

سلطان جلال الدین کے ساتھی اور لشکریوں میں سے بارہ ہزار چن کر موت کے گھاٹ اتارے گئے - پھر طوس ، سبزوار ، جاجرم ، نساء ، ابی ورد ، سرخس ، خواف وغیرہ بھی اسی سیل میں برباد ہوئے - کسی شاعر نے کہا تھا :

به سه ماه تولی گیتی ستان
(تین مہینے میں دنیا فتح کر لینے
والے تولی نے

گرفت این ہمہ تا در سیستان
تمام شہر سیستان کے دروازے
تک فتح کر لیے)

بکند و بہ کشت ، برفت ، ببرد
(اس نے شہروں کو برباد کیا ،
آدمیوں کو مارا ، جھاڑو پھیری

نہ ماندہ کسے ، نے بزرگ و نہ خرد
اسیر پکڑ لیے ، کوئی بھی باقی
نہ رہا ، نہ بڑا اور نہ چھوٹا)

۳- ۱۲۲۵ء -

۴- قہستان ایک علاقے کا نام تھا ، جو نیشاپور کے جنوب اور ہرات و بادغیس کے مغرب میں تھا - زاوہ ، باخرز ، خواف ، قائن ، بیرجند اور تون اس کے مشہور شہر تھے -

۵- بے شک بادشاہ تاجروں اور سفیروں کو مارا نہیں کرتے لیکن کیا بے گناہ مخلوق کی خونریزی سے زمین کو لالہ زار بنانا بادشاہوں یا سرداروں کا کام ہے ؟ اس کی حد و نہایت کیا ہے ؟ اترار سے شام تک کون سا شہر یا قصبہ ایسا تھا ، جہاں بے دردی سے خون نہ بہایا گیا - یقیناً سلطان محمد خوارزم شاہ نے سخت غلطی کی لیکن چنگیز اور اس کی اولاد کی تو پوری زندگیاں اس سے بدرجہا زیادہ خوفناک غلطیوں کے ارتکاب میں گزر گئیں ، پھر وہ کیوں ''اغری'' نہ ہوئے ؟

۶- مختلف نسخوں میں اس مقام کے مختلف نام آئے ہیں ، مثلاً کیری گیری ، کبری ، کیبری ، گیری - آقائے حبیبی نے لکھا ہے بہ ظاہر اس سے مراد گڑھی ہے یعنی چھوٹا قلعہ ، لیکن کون سی گڑھی اس

بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

۷- قراجل سے مراد وہ پہاڑ ہیں، جن میں گلگت، چیلاس وغیرہ واقع ہیں۔ یہ ترکستان کی جانب نزدیک ترین راستہ ہے۔

۸- تاتاریوں میں دستور تھا کہ فال کے لیے بکریوں کے شانے کی ہڈیاں جلاتے اور خاص نشانات دیکھتے۔

۹- ہرات پر دوبارہ قبضہ کے لیے الجی نوین کو بھیجا گیا تھا۔ اس کے پاس تاتاری فوج بھی بہ کثرت تھی اور اس نے آس پاس کے علاقوں سے پچاس ہزار کے قریب سوار اور پیادے بھی جمع کر لیے تھے۔ ہرات پہنچتے ہی الجی نوین نے فوج کے چار حصے کیے۔ ہر حصے میں قریباً تیس تیس ہزار آدمی تھے چاروں حصوں کو شہر کے چاروں طرفوں پر مقرر کر دیا اور ہر طرف شہر کا ایک دروازہ تھا۔ چھ مہینے اور سترہ دن محاصرہ جاری رہا۔ ملک مبارزالدین نے بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا۔ اہل شہر سے اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ دیکھو، پہلی مرتبہ کی طرح مشکلات سے گھبرا نہ جانا۔ سب کو جانیں دے دینے کا عزم کر لینا چاہیے۔ حوالگی کا خیال دل سے بالکل نکال دینا چاہیے۔ تاتاریوں نے منجنیقوں سے اس شدت کے ساتھ سنگ باری کی تھی کہ فصیل کی دیواریں چھلنی ہو گئی تھیں۔ تاتاریوں نے پے در پے بڑے بڑے گروہوں میں حملے کیے، مگر ایک ایک حملے میں ان کے پانچ پانچ ہزار آدمی مارے گئے۔ ایک روز فصیل ایک جگہ سے تقریباً پچاس گز کھل گئی۔ چار سو کے قریب تاتاری ملبے میں دب کر مر گئے۔ ان میں نامی سردار بھی تھے۔ جمادی الاولیٰ ۶۱۹ھ (جون ۱۲۲۲ء) میں شہر فتح ہوا۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ آخری دور میں اہل شہر کے درمیان تفرقہ پیدا ہو گیا تھا یعنی ایک گروہ حوالگی کا خواہاں تھا، دوسرا ہر حال میں لڑنا چاہتا تھا۔ ملک مبارز الدین کی شہادت کا ذکر خود مصنف نے کر دیا ہے۔ یہی موقع ہے، جس پر عام روایت کے مطابق سولہ لاکھ آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ کہتے ہیں کہ اطراف سے بے شمار لوگ ہرات پہنچ گئے تھے، بایں ہمہ یہ تعداد میرے نزدیک محل نظر ہے۔

۱۰۔ راورٹی نے اس پر تعریض کی ہے کہ مصنف خود کالیون کے سلسلے میں بتا چکا ہے کہ وہاں پستے اور سوکھے گوشت کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن موصوف نے یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ تو دوران محاصرہ کی کیفیت تھی۔ قلعہ فتح ہو جانے کے بعد تاتاریوں نے یقیناً وہاں دانے چارے کے ذخیرے فراہم کر لیے ہوں گے۔

۱۱۔ نومبر دسمبر ۱۲۲۲ء میں۔

☆ ☆ ☆

ساتواں باب

خراسان و اطراف کی تسخیر

(۲)

واقعاتِ غور ، غرستان و فیروز کوہ

فیروز کوہ :

[132] فیروز کوہ بادشاہان غور کا مرکز حکومت تھا ۔ اقلان چربی تاتاری لشکر کے ساتھ ۶۱۷ھ[1] میں وہاں پہنچا ۔ بیس سے کچھ دن اوپر تک سخت جنگ جاری رکھی اور عامراد لوٹ گیا ۔ فیروز کوہ کے شہریوں نے ملک مبارز الدین سبزواری کی سرکردگی میں تاتاریوں کا مقابلہ کیا ۔ آخر مبارزالدین مجبور ہو کر بالائی قلعے میں چلا گیا ۔ یہ قلعہ شہر کے شمالی و مشرقی حصے میں ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا ۔ غوری بادشاہوں کے زمانے میں وہاں صرف ایک بڑا محل تھا اور کچھ نہ تھا ۔ لدے ہوئے جانور تو وہاں جا ہی نہیں سکتے تھے ۔

ملک مبارز الدین سبزواری نے وہ قلعہ نئے سرے سے آباد کر لیا تھا ۔ اس پہاڑ پر ایک فصیل کھینچ لی گئی تھی اور ایسا راستہ بنا لیا تھا کہ لدے ہوئے اونٹ قلعے کے اندر پہنچتے تھے اور ایک ہزار آدمی وہاں رہ سکتے تھے ۔

پھر جب اہل فیروز کوہ اور ملک مبارز الدین سبزواری کے درمیان مخالفت شروع ہو گئی ، مبارزالدین بالائی قلعے میں جا بیٹھا ۔ اہل فیروزکوہ نے ملک قطب الدین حسن کو خط لکھ کر بلایا ۔ ملک قطب الدین لشکر غور کے ساتھ فیروزکوہ پہنچا اور اپنے چچیرے بھائی عمادالدین زنگی بعلی کو فیروزکوہ میں مقرر کر دیا ۔ یہ ۶۱۸ھ[2] کے حالات ہیں ۔

جب کفار کا لشکر غزنہ سے اوکتائی کے ساتھ غور کی طرف آیا تو ایک فوج اچانک فیروز کوہ پہنچ گئی ۔ ملک عمادالدین زنگی کو ۶۱۳ھ میں شہید کیا گیا اور شہر فیروز کوہ کے باشندے بھی موت کے گھاٹ اتارے گئے ۔ مبارز الدین [133] قلعے سے باہر نکلا اور ہرات چلا گیا ۔ اس نے وہاں شہادت پائی ۔ شہر فیروز کوہ برباد ہو گیا ۔

قلعۂ تولک :

قلعۂ تولک کا حال یہ تھا کہ ملک مبارزالدین حبشی نیزہ ور سلطان محمد خوارزم شاہ کی طرف سے تولک کا رئیس تھا ۔ قلعۂ تولک ایک ایسے ٹیلے پر بنایا گیا تھا ، جسے کسی دوسرے ٹیلے سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس کی بنیاد منوچہر کے وقت میں رکھی گئی تھی ۔ ارش تیر انداز اس کا والی تھا ۔ قلعے کے بالائی حصے میں چھوٹے چھوٹے گھر چٹانیں کاٹ کاٹ کر بنا لیے گئے ۔ انہیں ''ارشی'' کہتے ہیں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امیر نصر تولکی نے قلعے کے اوپر ایک کنواں کھدوایا اور اسے پانی تک پہنچا دیا ۔ اس کا دور قریباً بیس گز ہوگا ۔ کتنا ہی پانی اس سے نکالا جائے کم نہیں ہوتا اور یہ اتنا گہرا ہے کہ اسے پایاب کبھی نہ دیکھا گیا ۔ یہ قلعہ غور و خراسان کے قلعوں میں بہت مضبوط ہے ۔

جب سلطان محمد خوارزم شاہ بلخ پہنچا تھا تو حبشی نیزہ ور بھی تولک کی فوج کے ساتھ بلخ گیا تھا ۔ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اسے حکم ملا کہ تولک واپس جاؤ ، قلعے کی درستی کے انتظامات کر لو اور تاتاریوں کے خلاف جنگ کے لیے تیاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو ۔ چنانچہ وہ لوٹ آیا ۔

اول ۶۱۷ھ میں تاتاری سوار چند مرتبہ قلعے کے پاس پہنچے اور انہوں نے آس پاس چھاپے مارے ۔ ۶۱۸ھ میں چنگیز کا داماد فیقو نوین چالیس ہزار سواروں کے ساتھ تولک پہنچ گیا ۔ اس کے ساتھ تاتاری بھی تھے اور دوسری فوجیں بھی تھیں ۔ حبشی نیزہ ور نے خراج دینا منظور کر لیا اور قلعہ سے اترا ۔ فیقو کو سلام کیا اور واپس قلعے میں چلا گیا ۔ اس نے جو خراج منظور کیا تھا ، وہ اہل تولک پر تقسیم کر دیا اور ہر ایک سے رقم سختی کے ساتھ وصول کی ۔

بے تدبیری اور بے صبری :

یہ حبشی جوانی میں (جب سلطان محمد خوارزم شاہ کا ابتدائی دور تھا) ایک معمولی آدمی تھا اور نیشاپور میں موزے بنایا کرتا تھا ۔ لیکن خراسان و خوارزم میں کوئی شخص اس جیسا نیزہ نہیں چلاتا تھا ۔ بارہا اس کی زبان سے سنا کہ اگر میں زمین پر لیٹ جاؤں اور ایک ڈنڈا ہاتھ میں لے لوں تو چار نیزہ داروں کا مقابلہ کر لوں گا ۔ غرض وہ بہت نیک آدمی تھا ۔ اس کے صدقات و خیرات کا حساب مشکل ہے ۔ مگر اس مرتبہ اس نے تولک کے باشندوں سے خراج کی رقم وصول کی تو وہ مخالف ہو گئے خصوصاً اس لیے کہ اس نے رقم وصول کرنے میں سختی کی تھی ۔ ایک [134] فاضلِ وقت نے دو شعر کہے جو بڑے پُر لطف ہیں ، اس لیے یہاں نقل کیے جاتے ہیں کہ بادشاہ اسلام کی نظر سے گزریں اور علاقہ تولک کے باشندوں کی دعا میں یاد رکھا جائے ۔ شعر خواجہ امام جمال الدین خازنچی کے ہیں وہ کہتا ہے : (اس پر اللہ کی رحمت ہو)

گفتم حبشی نیزہ ور این خسران چیست ؟
(میں نے کہا ، اے حبشی نیزہ ور
کھانے کی کیا صورت پیش آئی ؟

با تولکیاں شکنجہ و زنداں چیست
تولکیوں کو اس شکنجے اور قید میں
کیوں ڈالا گیا ؟

گفتا کہ منم کفش گر و فیقو سگ
(اس نے جواب دیا کہ میں جوتے
بناتا ہوں اور فیقو کتا ہے

سگ داند و کفش گر کہ در انباں چیست
کتا اور کفش گر دونوں جانتے ہیں کہ
تھیلے میں کیا کچھ ہے)

اللہ گزرے ہوؤں پر رحم کرے اور سلطان کی سلطنت ہمیشہ رہے ۔ تولک کے لشکری اور عام باشندے حبشی نیزہ ور کے ہاتھ سے دکھ اٹھا چکے تھے ، اس لیے انھوں نے بغاوت کر دی ۔ حبشی نیزہ ور کو گرفتار کر کے ملک قطب الدین کے حوالے کر دیا ۔ وہ قلعے میں آیا اور اپنے بیٹے

ملک تاج الدین محمد کو وہاں مقرر کر گیا۔ راقم حروف منہاج سراج کا ماموں قاضی جلال الدین عبدالملک احمد عثمان (نساوی۳) حاکم نیشاپور اور خواجہ (جمال الدین خازنچی ؟) ناظم امور تھا۔

جب حبشی نیزہ ور ملک قطب الدین کے حوالے ہوا تو اسے ایک مدت تک قیدی رکھا گیا؛ پھر اجازت دے دی کہ قلعہ نیوار میں چلا جائے۔ اس قلعے کا والی ملک اصیل الدین نیشاپوری تھا، اس نے حبشی نیزہ ور کو پکڑ کر شہید کر ڈالا۔

جب قلعہ کالیون کافروں (تاتاریوں) کے قبضے میں آ گیا تو جو لوگ قلعہ تولک کے محافظ تھے، وہ خواجہ جمال الدین کے قرابت دار تھے۔ پندرہ خاندانوں کے اکابر نے جو آپس میں بھی قرابت دار تھے باہم عہد و پیمان کیا۔ انھوں نے خواجہ کو شہید کر دیا۔۵ ملک قطب الدین کے بیٹے کو باپ کی خدمت میں بھیج دیا اور چار سال تک کافروں (تاتاریوں) سے جہاد کرتے رہے۔ چار سال کی اس مدت میں راقم حروف منہاج سراج بھی اہل تولک کے ساتھ شریک [135] رہا۔ وہ سب میرے بھائی بند اور نزدیکی رشتہ دار تھے۔ آخر تاتاریوں کے ہاتھ سے سلامت بچ کر آ گیا۔

جب اہل تولک نے ملک قطب الدین سے بغاوت کی تو ملک قطب الدین ہندوستان چلا آیا۔ ۶۲۰ھ۶ میں قلعہ تولک سلامت تھا۔ پھر راقم حروف کو دو مرتبہ بسلسلہ سفارت قہستان کا سفر پیش آیا۔ ایک مرتبہ ۶۲۱ھ۷ میں، دوسری مرتبہ ۶۲۲ھ۸ میں۔ ۶۲۳ھ۹ میں ملک رکن الدین خیسار کی طرف سے ملک تاج الدین ینالتگین کے پاس گیا اور اسی سال تاج الدین (ینالتگین) کی جانب سے بادشاہ قہستان کے پاس نیہ اور سیستان جانا پڑا۔ پھر ہندوستان آ گیا۔ تاج الدین ینالتگین تولک پہنچا۔ اہل قلعہ نے اس کی خدمت کی۔ وہ ان سب کو سیستان لے گیا۔ سیستان کے واقعے میں سب شہادت پا گئے اور وہ قوم وہیں رہ گئی۔ تولک کا امیر ہزبرالدین محمد بن مبارک تھا، وہ کیک خاں کے پاس چلا گیا۔ آج تک قلعہ تولک ہزبرالدین کے فرزندوں کے پاس ہے۔۱۰

واقعات قلعہ سیفرود

غور کا قلعہ سیفرود پہاڑی قلعوں میں سب سے زیادہ مستحکم ہے۔ اس کی بنیاد سلطان بہاءالدین محمد سام بن حسین نے رکھی تھی، جو سلطان

غیاث الدین اور سلطان معزالدین کا باپ تھا ۔ جب سلطان محمد خوارزم شاہ بلخ سے مازندران کی طرف جا رہا تھا تو اس نے حکم دے دیا تھا کہ ملک قطب الدین اس قلعے میں ضروری تعمیرات کا انتظام کر لے ۔ فرصت بہت کم تھی ۔ قلعے کے بالائی حصے میں ایک حوض کے سوا کوئی چیز تعمیر نہ کرائی جا سکی ۔ بعد ازاں خدا کے حکم کے مطابق دو مہینے کے اندر اندر تاتاری لشکر وہاں پہنچ گیا اور کوئی اور عمارت بنوانے کی گنجائش ہی نہ رہی ۔

پانی کی قلت :

حوض میں اہل قلعہ کے لیے اتنا پانی جمع کر لیا گیا تھا جو چالیس روز تک کفایت کرتا ۔ تاتاریوں نے اطراف غور پر چھاپے مارے اور غوریوں کے تمام مویشی [136] کافروں کے قبضے میں چلے گئے ۔ اہل غور فی دام ایک دانگ۱۱ کے حساب سے مارے گئے ۔ ملک قطب الدین لشکر کے ساتھ اس قلعے میں جا بیٹھا ۔ منکوتہ نوین ، قراچہ نوین اور البرنوین بھاری لشکر کے ساتھ قلعے کے نیچے پہنچ گئے ۔ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ قلعے میں پانی کم ہے تو انہوں نے قلعے کے سامنے لشکر گاہ قائم کر لی اور جنگ شروع کر دی ۔ پچاس روز تک یہ جنگ جاری رہی ۔ مسلمان بھی بڑی تعداد میں شہید ہوئے اور کافر بھی بے شمار مارے گئے ۔ قلعے میں مویشی بھی بہت تھے ۔ جتنے مویشی کا گوشت خشک کیا جا سکتا تھا ، وہ ذبح کر لیے گئے ۔ باقی چوبیس ہزار چار سو پانی نہ ملنے کے باعث مر گئے ۔ ان سب کو قلعے کی بیرونی دیواروں سے باہر پھینک دیا گیا ۔ قلعے کے اردگرد چالیس چالیس گز تک صرف مویشی ہی کی لاشیں پڑی تھیں ۔ اور اس حصے میں ایک گز بھی پہاڑ نظر نہیں آتا تھا ۔

پانی اور غلے کا راشن :

آخر اہل قلعہ کو حکم دیا گیا کہ ہر روز کے لیے دانہ پانی مقرر ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ نصف ''من۱۲'' پانی اور ایک سیر غلہ فی کس مقرر ہو گیا ۔ ملک کے لیے ایک من پانی مقرر ہوا ۔ نصف ''من'' پینے کے لیے اور نصف ''من'' وضو کے لیے ۔ قلعے میں کوئی گھوڑا باقی نہ رہا ۔ صرف ایک گھوڑا ملک کا تھا جسے وضو کا پانی پلایا جاتا تھا ۔ ملک وضو کرتا تو پانی

طشت میں جمع رکھا جاتا اور وہ اس گھوڑے کے کام آتا۔ جب پچاس دن ہو چکے تھے تو جو لوگ پانی کے حوض کی نگہبانی پر مقرر تھے ، انھوں نے اطلاع دے دی کہ اب صرف ایک دن کا پانی رہ گیا ہے۔ ایک شخص قلعے سے باہر نکلا اور اس نے تاتاریوں کو اس واقعے کی اطلاع دے دی۔

جان بازی کا عزم :

[137] ملک قطب الدین نے یہ صورت حال دیکھی تو قلعے کے تمام مردوں کو نماز عصر کے لیے جمع کیا۔ قرار پایا کہ صبح ہوتے ہی تمام عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کردیا جائے، پھر تمام مرد ننگی تلواریں لے کر قلعے کے مختلف حصوں میں چھپ جائیں ، دروازے کھول دیے جائیں۔ جب تاتاری قلعے میں داخل ہوں تو تمام مسلمان یک دل ہو کر ان پر جا پڑیں۔ تلواریں ماریں اور کھائیں تاکہ سب شہادت کی موت سے سرفراز ہوں۔ اسی عہد پر سب پکے ہو گئے اور شہادت حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے سے رخصت ہونے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔۱۳

اللہ کی رحمت :

یہاں تک کہ نماز مغرب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اس نے بادل بھیج دیے۔ آدھی رات تک قلعے ، اطراف اور آس پاس کے پہاڑوں پر بارش اور برف باری جاری رہی۔ چنانچہ تاتاریوں کے لشکریوں اور اہل قلعہ نے باری تعالیٰ کے فضل و نوازش پر ہزار تعجب کا اظہار کیا۔ اہل قلعہ جانوں سے بے پروا ہو چکے تھے اور زندگی کی امید سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ وہ پچاس روز تک تشنگی کی تکلیفیں اٹھا چکے تھے ، جی بھر کر پانی نہیں پیا تھا۔ اب خیموں ، سائبانوں ، گھروں اور باورچی خانوں کی چھتوں سے اتنی برف کھائی کہ ایک ہفتے تک سب دہان کے ساتھ دھواں ان کے حلقوں سے باہر آتا رہا۔

تاتاریوں نے یہ آسمانی مدد دیکھی اور اللہ تعالیٰ کا فضل مشاہدہ کیا تو سمجھ گئے کہ اہل قلعہ کے لیے مزید ایک مہینے یا دو مہینے کے لیے پانی کا ذخیرہ مہیا ہو گیا ہے۔ تیر کا مہینا۱۴ ختم ہو رہا ہے اور سرما میں بہرحال برف برابر پڑتی رہے گی۱۵ ، چنانچہ وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔

دوسرا حملہ :

۶۱۸ھ[16] شروع ہوا تو پھر تاتاری خراسان، غزنہ اور سیستان سے غور کے پہاڑوں میں پہنچ گئے۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے حادثے[17] کے بعد تاتاریوں کا ایک بڑا لشکر، جس میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی، امیروں کے ساتھ قلعہ سیفرود کے نیچے پہنچ گیا اور لشکر گاہ بنا کر جنگ شروع کر دی۔ ملک قطب الدین نے فرصت سے فائدہ اٹھا کر مزید حوض بھی [138] بنوالیے تھے اور غلہ بھی بہ کثرت جمع کر لیا۔ انھوں نے تاتاریوں سے سخت جنگ کی اور کوششوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

صلح کی گفتگو :

تاتاریوں نے بہت سر مارا لیکن قلعے کا کاروبار محکم تر ہوتا گیا اور غازیوں میں پہلے سے بھی زیادہ دلیری آ گئی۔ اس مرتبہ دو مہینے جنگ جاری رہی اور محاصرہ قائم رکھا گیا، مگر محاصرین کے لیے قلعے پر قابو پا لینے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ پھر انھوں نے مکاری اور عیاری سے کام لینا چاہا، یعنی صلح کی بات چیت شروع کر دی اور دوستی کے کلمے زبان پر لانے لگے۔ چونکہ اہل قلعہ مدت سے محاصرے کی سختیاں برداشت کر چکے تھے لہٰذا وہ روپے، کپڑے اور مویشی کے لالچ میں آ گئے اور صلح پر راضی ہو گئے۔ ملک قطب الدین تاتاریوں کے ساتھ صلح سے بہت روکتے رہے، لیکن لوگ بہت تنگ آئے ہوئے تھے اور بعض کی موت کا وقت آ پہنچا تھا، اس لیے ملک کے روکنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر صلح ہو گئی۔

شرائط صلح :

قرار پایا کہ اہل قلعہ تین روز کے لیے تاتاریوں کی لشکر گاہ میں آ جائیں۔ جو کچھ ان کے پاس ہے ساتھ لیتے آئیں، اسے فروخت کریں، روپیہ پیسہ لے لیں۔ جن اونی کپڑوں یا مویشی کی انھیں ضرورت ہو خرید لیں۔ (یا جو وہ بیچنا چاہیں بیچ لیں) تین روز کے بعد تاتاری فوج قلعے کے سامنے سے روانہ ہو جائے گی۔

تاتاریوں کی بد عہدی :

جب صلح کی توثیق ہو گئی تو اہل قلعہ کے پاس جو سامان تھا،

وہ ملعونوں کی لشکر گاہ میں پہنچا دیا ۔ دو روز تک خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا ۔ کسی تاتاری نے اہل قلعہ میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ دی ، کوئی آزار نہ پہنچایا ۔ جب تیسری رات آئی تو تاتاریوں نے بہت سے مسلح آدمی چٹانوں ، کپڑے کے انباروں ، جانوروں کے پالانوں ، آس پاس کی کھائیوں اور ندیوں کے پاٹوں میں چھپا دیے ۔ دن طلوع ہوا اور اہل قلعہ معمول کے مطابق نیچے اتر کر تاتاریوں میں مل جل گئے تو ایک دم نقارہ بجا اور نعرہ لگا ۔ مغل کافر اور مرتدین جو مسلمانوں کے ساتھ خرید و فروخت کر رہے تھے ، انھوں نے اسی جگہ ان مسلمانوں کو پکڑا اور شہید کر ڈالا ۔ صرف وہی بچے ، جنھیں اللہ تعالیٰ کو بچانا منظور تھا ۔ جو لوگ مسلح ہو کر آئے تھے پہلے ان کے ہتھیار لے لیے گئے پھر انھیں قتل کیا گیا ۔۱۸

فخرالدین کا واقعہ :

یہاں ایک نصیحت یاد آئی ۔ ایک کہانی کتاب پڑھنے والوں اور دیکھنے والوں کو سناتا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ ایک سپہ سالار تھا جو نیشاپور کا رہنے والا تھا ۔ وہ مرد کامل ، بہادر [139] اور مستعد تھا ۔ اسے فخرالدین محمد ارزیر[۱۹] کہتے تھے ۔ وہ بھی حبشی نیزہ ور کے ساتھیوں میں تھا اور ملک قطب الدین کے پاس قلعہ سیفرود میں آ گیا تھا ۔ دوسروں کی طرح وہ بھی تاتاریوں کی لشکر گاہ میں گیا تھا اور خرید و فروخت کرتا رہا تھا ۔ اس نے اپنے موزے کے اندر پنڈلی کے ساتھ چھری چھپا رکھی تھی ۔ جس تاتاری کے ساتھ وہ سودا کر رہا تھا ، اس نے چاہا کہ فخرالدین کو پکڑ لے ؛ فخرالدین نے فوراً ہاتھ چھری پر ڈالا اور اسے موزے سے نکال لیا ۔ یہ دیکھتے ہی تاتاری نے فخرالدین کو چھوڑ دیا اس نے پاؤں پہاڑ پر رکھا اور سلامت قلعے میں پہنچ گیا ۔

اس میں نصیحت کا پہلو یہ ہے کہ انسان کو کسی بھی حال میں اپنی حفاظت کے انتظامات سے غافل نہ رہنا چاہیے ۔ خصوصاً ایسے مقام پر جہاں مخالف سے بات چیت ہو رہی ہو اور دشمن کے پہلو میں بیٹھنا پڑے احتیاط مد نظر رکھنی چاہیے اور ایسے اسلحہ ضرور پاس ہونے چاہییں جن سے ضرورت کے وقت کام لیا جا سکے ۔ باقی حقیقی حفاظت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ۔ وہ جسے چاہے بچا لے ۔

تاتاریوں کی سنگ دلی :

معتبر راویوں کا بیان ہے کہ دو سو اسی آدمی اس بدعہدی میں تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے - وہ بڑے ممتاز اور مشہور جنگجو تھے - غفلت کے باعث مسلمانوں کو ایسے حادثے سے سابقہ پڑا - کوئی گھر نہ تھا ، جس میں صف ماتم نہ بچھی ہو - اس کے بعد تاتاری نوینوں نے قاصد بھیجے کہ چاہو تو اپنے آدمی فدیہ دے کر چھڑا لو - ملک قطب الدین نے اس پر توجہ نہ کی - [20] جب تاتاریوں پر واضح ہو گیا کہ اب مکاری کی کوئی تدبیر اہل قلعہ پر کام نہ دے گی تو انہوں نے تمام مسلمان قیدیوں کو دس دس پندرہ پندرہ کی ٹولیوں میں باندھ باندھ کر تلواروں ، پتھروں اور چھریوں سے قتل کر ڈالا - وہ سب شہید ہو گئے - اللہ ان سے راضی ہو -

ملک قطب الدین کی تدبیر :

پھر دوسرے دن جنگ کی تیاری شروع کر دی - ملک قطب الدین نے ایک رات پیشتر حکم دے دیا تھا کہ جو بڑے بڑے پتھر پہاڑی پر ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے[*] ، وہ سب جمع کر کے اس طرح رکھ دیے جائیں کہ ایک بچہ بھی انہیں دھکیلے تو لڑھکنے لگیں - سو سے زیادہ بڑے بڑے پتھر جو چکی اور خراس کے پاٹوں کی طرح تھے ، اکٹھے کرا لیے - ہر پتھر کو ایک بھاری لکڑی کے سر پر باندھ دیا گیا اور رسوں کے ساتھ ان لکڑیوں کو قلعے کے کنگروں سے وابستہ کر دیا گیا -

قلعے میں جتنے آدمی تھے ، ان کے دو حصے کر لیے - ایک حصے سے کہا کہ وہ قلعے کے کنگروں کے پیچھے چھپ جائیں - دوسرے حصے کے لوگوں سے کہا کہ وہ قلعے کے باہر نکل کر بیرونی دیوار کے پاس چٹانوں اور پتھروں کی اوٹ میں ہو جائیں اور جب تک قلعے کا نقارہ نہ بجے [140] کوئی شخص کمین گاہ سے نہ نکلے - یہ سب انتظامات کر لیے گئے -

تاتاریوں کا قتل :

دوسرے روز صبح کے وقت تاتاریوں نے مسلح ہو کر قلعے کا رخ کر لیا - ان میں تاتاری کافر بھی تھے اور ان کے ساتھی مسلمان (مرتد) بھی -

بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی۔ دس ہزار سے زیادہ ایسے لوگ تھے، جنھوں نے بڑی بڑی ڈھالیں سنبھال رکھی تھیں۔ مسلمانوں نے انھیں آگے آنے کا موقع دے دیا۔ وہ دو تیر پرتاب سے بھی زیادہ، فاصلہ طے کر آئے۔ مسلمانوں میں سے کوئی کمین گاہ سے باہر نہ نکلا۔ جب مسلمانوں اور تاتاریوں کے درمیان صرف سو گز کا فاصلہ رہ گیا تو قلعے پر سے نقارہ بجا، ساتھ ہی غازیوں، بہادروں، سپاہیوں اور پہرے داروں نے نعرہ لگایا، پتھر لڑھکائے۔ چکی اور خراس کے برابر جو پتھر کنگروں سے وابستہ تھے، ان کے رسے کاٹ دیے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ دشمنوں میں سے ایک بھی سلامت نہ رہے؛ چنانچہ وہ سب مارے گئے یا زخمی ہو گئے۔ قلعے کے اوپر سے نیچے تک تاتاری کافر اور مرتد دم بخود موت کی نیند سوئے پڑے تھے۔ نوینوں اور بہادروں میں سے بھی ایک تعداد ماری گئی، جو باقی رہے وہ اٹھے اور قلعے کے پاس سے چلے گئے۔

یہ فتح اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئی اور اس وعدۂ الٰہی کے مطابق کہ "مومنوں کی مدد ہم پر حق تھی"۔ سال ۶۲۰ھ تھا اور جمعرات کا دن تھا۔[21]

پھر قلعۂ تولک:

اتوار کے دن مذکورہ مہینے کی بارھویں تاریخ[22] کو تاتاریوں نے قلعۂ تولک پر اچانک حملہ کر دیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اس روز قلعے کے نیچے بہت سے تاتاری مارے گئے اور وہ لوٹ گئے۔ جب تاتاری خراسان سے لوٹ گئے تھے اور غور و خراسان کے پہاڑ ان سے خالی ہو گئے تھے تو ملک قطب الدین نے دوسرے غوری سرداروں کے ساتھ ہندوستان آنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ملک سراج الدین عمر خروش نے ولایت حار[23] سے [141] اور ملک سیف الدین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ وہ اپنے متوسلین کو لے کر روانہ ہو گئے۔ قضائے آسمانی سے اس سال کافر تاتاریوں کا جو لشکر خراسان پر حملے کے لیے مقرر ہوا تھا، اس کا سالار ایک بڑا تاتاری تھا جس کا نام قزل منجق تھا۔ یہ لشکر ہرات و اسفزار کی طرف سے قلعۂ تولک کے پاس پہنچا اور جو مسلمان قلعے میں ملا، اسے شہید کر ڈالا۔

قطب الدین اور دوسرے سردار :

جب ان لوگوں کو ملک قطب الدین اور دوسرے غوری سرداروں نیز ان کے متوسلوں اور لشکریوں کے ہندوستان جانے کا علم ہوا تو وہ تعاقب میں روانہ ہوئے اور دریائے ارغند کے کنارے غور کے لشکر سے آ ملے - غوری سردار دریا پر پل بنانے میں مصروف تھے تاکہ فوج ، اہل و عیال ، متوسلوں اور سامان کو گزار سکیں - اچانک تاتاری آ پہنچے - ملک سیف الدین اپنے لشکر کو لے کر دامن کوہ میں پہنچ گیا ؛ یوں سلامت رہا اور غور کی طرف واپس چلا گیا - ملک سراج الدین نے اپنے مقام پر جم کر جنگ کی اور شہادت پائی - ملک قطب الدین نے بڑی تدبیر سے کام لے کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور تھوڑے آدمیوں کے ساتھ بچ نکلا - غور کے باقی تمام امیر ، سالار ، بہادر ، عورتیں وغیرہ سب شہادت سے سرفراز ہوئے - ان میں ملک قطب الدین کی بہنیں اور بھانجیاں بھی تھیں - تاتاریوں کا لشکر وہاں سے لوٹ کر غور و خراسان کی طرف چلا گیا -

واقعات حادثہ اشیار و غرجستان اور دوسرے قلعہ جات :

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ جب چنگیز خان نے پشتہ نعمان (طالقان) غزنہ کا قصد کیا تو بھاری سامان اور خزانہ وہیں چھوڑ دیا - اور یہ سب کچھ گاڑیوں پر لاد کر غرجستان کے دروں اور گہرائیوں میں سے لے جانا ممکن بھی نہ تھا - [142] پہاڑ بھی بہت اونچے تھے ، درے بھی بہت تنگ اور دشوار گزار تھے - تاتاری لشکر غزنہ گیا تو بھاری سامان اور گاڑیوں کی حفاظت کے لیے تھوڑے سے سوار چھوڑے گئے تھے - اس مقام سے غرجستان اور خراسان کے قلعے نزدیک تھے - مثلاً رنگ ، بندار ، بلرواں ، لاغری ، ستاخانہ ، سنگہ اور اشیار - ان میں سے بیشتر قلعے ایسے تھے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر طاق سے بنا لیے گئے تھے - چنانچہ اہل قلعہ پر بارش ہوتی تو ان طاقوں کے سامنے سے پانی بہتا -

محمد مرغزی کی بہادری :

قلعہ اشیار کا امیر ایک غرجستانی تھا - بڑا کاردان اور مستعد - اسے امیر محمد مرغزی ۲۳ کہتے تھے - تاتاریوں کی لشکر گاہ میں مال بہت زیادہ تھا ،

قیدیوں اور گھوڑوں کی بھی کمی نہ تھی - محمد مرغزی بہت سے سپاہی ساتھ لے کر قلعۂ اشیار سے نکلا اور لشکر گاہ میں پہنچ کر جتنی گاڑیاں مال و زر سے لدی ہوئی ساتھ لے سکتا تھا ، لے گیا - بہت سے قیدی چھڑائے اور گھوڑے بھی خاصے [143] لے لیے - پہلی مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ بھی ایسی ہی دلیری اور کاردانی دکھائی -

نازک حالت :

چنگیز خاں ولایت گیری سے ترکستان روانہ ہوا تو اپنے بیٹے اوکتائی کو اس نے غور کی طرف بھیج دیا - اوکتائی نے جاڑے کا موسم غزنہ اور فیروز کوہ کے درمیان بسر کیا - ہر طرف لشکر بھیجے ؛ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے - ایک نوین کو جو دس ہزار منجنیقوں کا امیر تھا ، قلعۂ اشیار کے لیے مقرر کیا - چنانچہ وہ قلعے کے پاس پہنچا ، زبردست لڑائیاں کیں - جب معلوم ہو گیا کہ قلعہ بہت مضبوط ہے ، اس کی محافظ فوج بہت دلیر ہے ، اس لیے فتح کرنا ممکن نہیں تو وہ پندرہ مہینے تک محاصرہ کیے بیٹھا رہا - آخر اہل قلعہ خوراک کی قلت کے باعث تنگ آ گئے - گوشت اور غلہ ختم ہو گیا - نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو آدمی مارا جاتا یا مر جاتا اس کا گوشت کھا لیتے - پھر ہر شخص اپنے مقتول یا مردے کو کھانے یا سکھا کر رکھنے لگا -

بعض بیان کرتے ہیں (اور ذمہ داری راوی کی ہے) قلعۂ اشیار میں ایک گانے والی عورت تھی - اس کی ایک ماں اور ایک لونڈی تھی - ماں کا انتقال ہوا تو اس کے مردے کو سکھا کر رکھ لیا تا کہ گوشت زیادہ دیر تک استعمال کر سکے - لونڈی مری تو اس سے بھی یہی سلوک کیا - دونوں کا گوشت وہ عورت فروخت بھی کرتی رہی اور اسے فروخت سے اڑھائی سو دینار وصول ہوئے - آخر وہ بھی مر گئی -

حسرت ناک انجام :

جب پندرہ مہینے گزر گئے تو قلعے میں صرف تیس آدمی رہ گئے - انھوں نے محمد مرغزی کو پکڑ کر شہید کیا اور اس کا سر تاتاری لشکر گاہ میں بھیج دیا ؛ اس امید پر کہ انھیں نجات مل جائے گی - تاتاریوں نے یہ صورت دیکھی تو ایک دم حملہ کر کے قلعہ لے لیا اور سب کو شہید

کر ڈالا ۔ اس اثنا میں غرجستان کے باقی قلعے بھی مسخر ہوگئے اور تاتاریوں کو جنگ کی ضرورت نہ رہی ۔ ۶۱۹ھ[25] میں غرجستان کے تمام قلعوں کی طرف سے فراغت حاصل ہوگئی ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سلطان ناصرالدنیا والدین ابوالمظفر محمد[26] بن سلطان پر فتح و ظفر کے دروازے کھلے رکھے ۔ (بمحمدؐ و آلہ)

حواشی

۱- ۱۲۲۰ء -
۲- ۱۲۲۱ء -
۳- ۱۲۲۲ء -
۴- راورٹی نے لکھا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک جگہ اپنے ماموں کا نام مجد الدین تولکی لکھا ہے ۔ اب معلوم ہوا کہ اس کا پورا نام قاضی مجدالدین تولکی تھا ۔ مجدالدین اس کا لقب تھا اور احمد نام اور وہ عثمان تولکی کا بیٹا تھا جس کا خاندان نساء سے آیا تھا ۔ قاضی جلال الدین اس قاضی مجدالدین کا بیٹا تھا ۔ اس کا بھائی جس کا نام محمد اور لقب ضیاء الدین تھا سلطان معزالدین غور کی طرف سے تبربندہ کا والی مقرر ہوا تھا ۔
۵- خواجہ کو یقیناً اس لیے شہید کر دیا گیا کہ وہ تاتاریوں کے مقابلے کے لیے تیار نہ تھا ۔
۶- ۱۲۲۳ - ۲۴ء -
۷- ۱۲۲۴ء -
۸- ۱۲۲۵ء -
۹- ۱۲۲۶ء -
۱۰- اب سے مراد ہے طبقات کی ترتیب کے وقت ۔
۱۱- مطلب یہ کہ مویشی کی حفاظت میں ایک چوتھائی اہل غور مارے گئے ۔
۱۲- یہاں من سے مراد سیر ہے ۔
۱۳- اس سے واضح ہے کہ اس وقت بھی مسلمانوں میں جانبازوں کی کمی نہ تھی لیکن ان میں وحدت نہ تھی ۔ سلطان محمد خوارزم شاہ عزم سے کام لیتا تو تاتاریوں کا سیل پلٹا جا سکتا تھا ۔ اس کی بے عزمی نے سارا سلسلہ درہم برہم کر ڈالا ۔ حیرت اس امر پر ہے کہ وہ غیر معمولی دلیری اور مردانگی کا حامل تھا ، پھر یکایک اس پر ایسا ہراس طاری ہو گیا

کہ کچھ بھی نہ کر سکا۔

۱۴- ایک شمسی مہینا۔ حساب کیا جائے تو ہندی مہینوں کے مطابق ساون بنتا ہے۔

۱۵- مطلب یہ ہے کہ برف کو پگھلا کر ضرورت کے مطابق پانی مہیا کر لینا مشکل نہ ہوگا۔

۱۶- فروری ۱۲۲۱ء۔

۱۷- خوارزم شاہ کی شکست دریائے سندھ کے کنارے ہر جس کا ذکر کئی مرتبہ آ چکا ہے۔

۱۸- آپ پڑھ چکے ہیں کہ چنگیز نے سلطان محمد خوارزم شاہ کو اس لیے "چور" قرار دیا کہ اس نے تاجروں اور ایلچیوں کو قتل کر دیا۔ لیکن خود چنگیز اپنی قوم کے اس فعل کو کیا سمجھتا تھا؟ یا اس کے بارے میں کیا سمجھنا چاہیے؟

ہر کسے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود دیدہ کم اندر جہاں

۱۹- ارزیرگر اسے کہتے ہیں جو ٹین کا کام کرے۔ اس کا آبائی پیشہ یہی ہوگا۔

۲۰- شاید کسی دل میں وسوسہ پیدا ہو کہ ملک قطب الدین نے بہادر ساتھیوں سے بے پروائی اختیار کی۔ حاشا و کلا، اس کی رائے کے خلاف اہل قلعہ نے صلح کی اور تاتاریوں کی بد عہدی کا تلخ تجربہ کر لیا۔ اب صلح کی نئی پیش کش سے کون دھوکا کھا سکتا تھا؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن ایک بل سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ آگے خود مصنف نے بیان کیا ہے کہ یہ پیش کش بھی فریب پر مبنی تھی۔

۲۱- سال یقیناً ۱۲۲۳ء تھا، مگر مہینہ مذکور نہیں۔ محض دن بتا دینے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

۲۲- یہاں بھی مہینہ مذکور نہیں۔ میرا خیال ہے کہ پہلے ہی مصنف نے مہینہ بتا دیا ہوگا مگر وہ متن سے حذف ہو گیا، ورنہ اس جگہ ماہ مذکور لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے ۶۲۰ھ کے تمام مہینوں کی چھان بین کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ صرف دو مہینے ایسے تھے، جن میں بارھویں تاریخ کو اتوار تھا۔ ایک ربیع الآخر، دوسرا شعبان۔ اغلب ہے یہ واقعہ ربیع الآخر کا ہو۔ گویا قلعۂ تولک پر حملہ ۱۲ ربیع الآخر ۶۲۱ھ

کو اتوار کے دن ہوا (۱۵ مئی ۱۲۲۳ء) ۔ سیفرود کا واقعہ اس سے پیشتر کا ہے اور اسی مہینے کا ہے ۔ ۱۲ ربیع الآخر سے پیشتر جمعرات یا تو ۳ کو تھی یا ۱۰ کو، یعنی ٦ مئی یا ۱۳ مئی کو ۔ واللہ اعلم ۔

۲۳- اس سے مراد ہے گرمسیر ۔

۲۴- راورٹی نے مرغنی لکھا ہے ۔

۲۵- ۱۲۲۲ء ۔

۲٦- متن یہی ہے، لیکن محمود ہونا چاہیے نہ کہ محمد ۔

☆ ☆ ☆

آٹھواں باب

چنگیز کی ترکستان کی طرف مراجعت اور وفات

چنگیز کی شخصیت

[144] معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ چنگیز خان خراسان آیا تو اس کی عمر پچپن سال[1] کی تھی ۔ اس کا قد لمبا ، جسم مضبوط اور جثہ قوی تھا ۔ چہرے پر بال کم تھے اور ان پر سفیدی آ گئی تھی ۔ بلی کی طرح آنکھیں نیلی تھیں ۔ بڑا دلیر و مستعد اور دانا و دوراندیش تھا ۔ چہرے سے ہیبت برستی تھی ۔ کشت و خون کا خوگر ، منتظم ، دشمنوں کو گرانے والا ، بہادر ، خونریز اور خونخوار تھا ۔ یہ حقیقت دنیا بھر پر روشن ہے کہ اس میں بعض عجیب باتیں تھیں ۔ اول وہ مکر (جادو) اور استدراج[2] جانتا تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ شیاطین اس کے دوست تھے ۔ چند روز کے بعد اس پر بےہوشی سی طاری ہو جاتی تھی ۔ اس حالت میں جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا پورا ہو جاتا ۔ بےہوشی کی حالت ویسی ہی ہوتی جیسی اسے اپنے عروج کے آغاز میں پیش آئی تھی اور شیطان نے اسے فتوحات کی خبر دے دی تھی ۔[3] جو لباس اور چغہ اس نے پہلے دن پہنا تھا ، اسے صندوق میں رکھ کر اوپر مہر لگا دی تھی اور ساتھ ساتھ لیے پھرتا تھا ۔ جب اس پر بےہوشی کی حالت طاری ہوتی ، ہر حالت ، ہر فتح ، ہر عزم ، دشمنوں کے ظہور ، ان کی شکست اور ولایتوں پر قبضے غرض ہر پیش آنے والے معاملے کے متعلق سب کچھ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ۔ ایک شخص اس کی باتیں لکھتا رہتا اور ایک تھیلے میں ڈال دیتا اور اس پر بھی مہر لگا دی جاتی ۔

جب چنگیز ہوش میں آ جاتا تو سب کچھ ایک ایک کر کے اسے سنا دیا جاتا ۔ اسی کے مطابق کام کرتا اور اغلب یا سب کا سب اسی طرح پیش

آتا - نیز اسے بکری کے شانے کی ہڈی کے علم میں کمال حاصل تھا - وہ ہر موقع پر شانے کی ہڈی جلاتا اور اس سے فال لیتا - ہم اس باب میں جو کچھ جانتے اور کرتے ہیں ، چنگیز کا طریقہ اس سے مختلف تھا -

پھر چنگیز خان کا عدل ایسا تھا کہ لشکر گاہ میں کسی کے لیے ممکن نہ تھا کہ گرا ہوا تازیانہ راستے سے اٹھا لے - صرف تازیانے کا مالک ہی اسے اٹھا سکتا تھا - جھوٹ اور چوری سے اس کا لشکر بالکل پاک تھا - جس عورت کو [145] انھوں نے خراسان یا عجم سے پکڑا ، اگر شوہر موجود تھا تو اس سے قطعاً تعلق پیدا نہ کیا ، اور اگر کسی کافر کی نظر کسی خاتون پر تھی تو اس کافر نے پہلے عورت کے شوہر کو مارا ، پھر عورت سے تعلق پیدا کیا -[۳]

حکایت :

کوئی تاتاری جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تھا - یہ حقیقت اس حکایت سے واضح ہو سکتی ہے -

طبقات کا مصنف منہاج سراج ۶۱۸ھ میں تمران سے غور گیا تھا - قلعہ سنگہ میں ، جسے ''خول مانی[۵]'' بھی کہتے ہیں ، ملک حسام الدین حسن بن عبدالملک سے ملاقات ہوئی - اس کا بھائی ملک تاج الدین حبشی بن عبدالملک بھی وہاں موجود تھا ، جسے تاتاریوں نے ''خسرو غور'' کا لقب دیا تھا اور یہ ذکر پہلے آ چکا ہے - وہ چنگیز خان سے اجازت لے کر طالقان سے غور آیا تھا - اس سے یہ حکایت سنی گئی -

کہتا تھا : میں چنگیز خان سے مل کر باہر نکلا اور ایک خیمے میں بیٹھ گیا - اتلان چربی جس کے ساتھ میں آیا تھا نیز دوسرے نوین بھی وہاں موجود تھے - ان سب میں بڑا اتلان چربی تھا - بعض لوگ دو تاتاریوں کو لائے ، جو گذشتہ شب لشکر کے گرد پہرہ دیتے دیتے سو گئے تھے - اتلان چربی نے پوچھا : انھیں کون لے کر آیا ؟ جو شخص لایا تھا ، وہ بولا میں لایا ہوں - پوچھا : ان کا گناہ کیا تھا ؟ وہ بولا : یہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے - میں گھوم پھر کر پہریداروں کی دیکھ بھال کر رہا تھا - ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ دونوں سوئے ہوئے تھے - میں نے ان کے گھوڑوں پر تازیانہ لگایا تا کہ انھیں معلوم ہو جائے - وہ سو جانے کے باعث مجرم قرار پائے - اس وقت انھیں چھوڑ دیا اور اب لے آیا ہوں -

اقلان نے ان تاتاریوں سے پوچھا : کیا تم واقعی سوئے ہوئے تھے ؟ دونوں نے اقبال کر لیا ۔ اقلان چربی نے حکم دے دیا کہ ایک کا سر کاٹ کر دوسرے کے بالوں سے باندھ دو اور لشکر میں پھراؤ ۔ پھر اسے بھی قتل کر دو ۔ سب نے سر جھکایا اور حکم کی تعمیل کی گئی ۔

میں بے حد حیران ہوا اور اقلان چربی سے کہا : ان دونوں تاتاریوں کے خلاف نہ کوئی گواہ پیش ہوا نہ کوئی ثبوت طلب کیا گیا ۔ [146] وہ جانتے تھے کہ اس جرم کی سزا قتل ہے ، پھر انہوں نے اقرار کیوں کر لیا؟ اگر انکار کر دیتے تو سزائے موت سے بچ جاتے ۔ اقلان چربی بولا : تم حیران کیوں ہوتے ہو؟ تم لوگ تاجیک ہو ، ایسی باتیں کرتے ہو ، جھوٹ بولتے ہو ، اور تمھارا کام ہی جھوٹ بولنا ہے ۔ تاتاریوں کے سر میں ہزار جانیں ہوں ، مرنا قبول کر لے گا مگر جھوٹ نہ بولے گا ۔ ایسی ہی خرابیوں کے باعث اللہ نے ہمیں بلا بنا کر تمھارے لیے بھیجا ہے ۔

چنگیز کی روانگی :

اب پھر ہم تاریخ پر آتے ہیں ۔ جب چنگیز خاں سلطان جلال الدین منکبرنی کو شکست دے کر اغراقیوں کے تعاقب میں کیری پہنچا تو ان پہاڑوں میں تین مہینے مقیم رہا ۔ اس اثنا میں وہ کبھی شکار کھیلتا ، کبھی ہندوستان آنے کے لیے بکری کی ہڈی کا شانہ جلاتا ، مگر اجازت نہ پاتا اور فتح کا کوئی نشان نہ دیکھتا ۔ ہندوستان آنے کا ارادہ اس لیے کیے بیٹھا تھا کہ وہ لکھنوتی اور کامرود کے راستے چین چلا جائے ۔ جب شانے کی ہڈی کے نشانوں سے اجازت نہ پاتا تو رک جاتا ۔

اچانک طمغاج و تنکت کی جانب سے تیز رفتار قاصد آئے اور اطلاع دی چین ، طمغاج اور تنکت کے علاقے بغاوت پر آمادہ ہیں اور ممکن ہے یہ علاقے دور افتادہ ہونے کے باعث تاتاری عاملوں کے ہاتھ سے نکل جائیں ۔ یہ خبر سن کر چنگیز خاں کو واقعی تشویش ہوئی ۔ چنانچہ وہ لوب اور بلادپشت[6] کے راستے واپس چلا گیا ۔

تنگری خاں :

[147] جب چنگیز خاں تنکت پہنچا ، وہاں کا خان بڑا مستعد اور دلیر تھا ۔ اس کے پاس لشکر اور سامان جنگ بھی بہ کثرت تھا ۔ لشکر اور

نوکروں چاکروں کی فراوانی ، ملک کی وسعت اور مال و خزانہ کی بہتات کے باعث اس نے اپنے لیے تنگری خان کا لقب اختیار کر لیا تھا ۔ تاتاریوں نے اس کے ملک پر کئی مرتبہ یورشیں کی تھیں ، مگر وہ اسے مسخر نہ کر سکے اور خود تنگری خان نے چنگیز کو لڑائیوں میں کئی مرتبہ شکستیں دی تھیں ۔

جب چنگیز خان سرزمین عجم اور اسلامی ملکوں سے لوٹا تو تنگری خان نے اپنے سرداروں اور امیروں سے مشورہ کیا کہ چنگیز خان آ گیا ہے - پہلے ہم اسے کئی مرتبہ لڑائیوں میں شکستیں دے چکے ہیں ، اب وہ پھر آیا ہے ، اس کے پاس لشکر بہت زیادہ ہے اور وہ التون خان طمغاج کی طرف جا رہا ہے ۔ ہمارے لیے صحیح راہ عمل یہ ہے کہ اس سے صلح کر لیں ، اس کا ساتھ دیں ، اس کے ہمراہ ولایت خطا میں جائیں اور التون خان کا تختہ الٹیں ۔

تنگری کا قتل :

غرض تنگری خان اور اس کے سرداروں کی رائے ایک ہو گئی ۔ چنگیز خان سے صلح کر لی گئی ، عہد و پیمان ہو گئے ۔ یوں اطمینان کر لینے کے بعد تنگری خان چنگیز کے پاس آیا ۔ اس کا لشکر بھی چنگیز کے لشکر سے آ ملا ۔ اب دونوں لشکروں نے چین و خطا کا قصد کر لیا ۔ راستے میں ایک دریا آیا ، جسے قراقرم کہتے تھے ۔ اسے عبور کر لیا ۔ قصد یہ تھا کہ ولایت خطا کو تاخت و تاراج کا تختۂ مشق بنائیں ۔ اس اثنا میں نوینوں اور تاتاریوں نے چنگیز خان سے کہا کہ لشکر خطا کی طرف [148] جا رہا ہے ؛ اگر ہمیں شکست ہوئی تو تنگری خان بھی ہمارا دشمن ہے اور اس کا ملک ہماری پشت پر ہے - ہم میں سے ایک بھی اپنے ملک تک سلامت نہ پہنچ سکے گا ۔ بہتر یہ ہے کہ تنگری خان ہمارے درمیان ہے ، ابھی اسے قتل کر دیں تاکہ اس کی طرف سے دل مطمئن ہو جائے ۔ پیچھے سے کسی دشمن کے حملے کا خوف نہ رہے اور ہر اندیشے سے فارغ ہو کر ہم خطا پر پیش قدمی کریں ۔ چنگیز خان نے بھی یہ رائے مان لی ۔ چنانچہ تنگری خان کو پکڑ لیا گیا اور حکم دے دیا گیا کہ اسے قتل کر دیا جائے ۔

ایک عجیب پیشگوئی :

جب تنگری خاں کو یقین ہو گیا کہ اسے ضرور قتل کیا جائے گا تو اس نے آس پاس کے لوگوں سے کہا کہ میری ایک بات چنگیز خاں تک پہنچا دو۔ اس سے کہو کہ میں نے تیرے ساتھ کبھی بد عہدی نہ کی۔ تیرے عہد و پیمان کی بناء پر میں تیرے پاس آیا اور تو نے غداری کی۔ اپنے عہد کا پاس نہ کیا بلکہ اس کے خلاف عمل پیرا ہوا۔ اب کان کھول کر سن لے ؛ اگر میرے مارے جانے کے بعد میرے بدن سے دودھ کی طرح سفید خون نکلے ؛ تو یقین کر لینا کہ تو بھی میرے بعد تین روز کے اندر اندر مر جائے گا۔

یہ بات چنگیز خاں تک پہنچائی گئی تو وہ بے اختیار ہنس پڑا اور بولا : یہ شخص تو پاگل ہو گیا ہے۔ کسی کو مارا جائے تو اس کے بدن سے کبھی دودھ کی طرح سفید خون نہیں نکلتا ، بلکہ سفید خون آج تک دیکھا ہی نہیں گیا۔ اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دو۔

چنگیز کی وفات :

جلاد نے تنگری خاں کو تلوار ماری تو زخم سے دودھ کی مانند سفید خون نکلا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ عجیب خبر چنگیز خاں ملعون تک پہنچائی گئی تو وہ فوراً اٹھا ، موقع پر پہنچا اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا تو دل پر چوٹ لگی۔ اس کی قوت زائل ہو گئی۔ تیسرے روز اس کا دل پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔[7] مرنے سے پیشتر اس نے وصیت کر دی تھی کہ تنگری خاں کی ولایت کے تمام مردوں ، عورتوں ، اور چھوٹوں بڑوں کو قتل کر دیا جائے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔[8]

چنگیز نے مرتے وقت اپنی بادشاہی اوکتائی کے حوالے کی تھی۔ اوکتائی نے تنگری خاں کے ملک کے تمام لوگوں کو قتل کرا دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی بادشاہوں کے بادشاہ کو شاہنشاہی کے تخت پر حد امکان تک باقی رکھے ، آمین یا رب العالمین۔

(۳) توشی بن چنگیز خاں

[149] توشی چنگیز کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔[9] بڑا مستعد ، دلیر ، بہادر اور جنگجو۔ اس کی عظمت اس حد پر پہنچی ہوئی تھی کہ باپ بھی اس سے ڈرتا تھا۔

۶۱۵ھ میں سلطان محمد خوارزم شاہ قدر خاں — بن ثقتقان یمک — کے ترکستانی قبائل پر تاخت کے لیے گیا تھا تو توشی بھی طمغاج سے ایک فوج کے ساتھ اس طرف آیا ہوا تھا ۔ ایک رات دن اس نے سلطان خوارزم شاہ سے جنگ کی تھی ، جیسا کہ سلطان کے ذکر میں پہلے بیان ہو چکا ہے ۔

اب سلطان خوارزم شاہ جیحون کے کنارے اور حوالی بلخ سے پیچھے ہٹ گیا تو چنگیز خاں نے توشی اور چغتائی کو بھاری لشکر کے ساتھ خوارزم بھیج دیا ۔ توشی خوارزم کے (مرکز حکومت کے) دروازے پر جا پہنچا اور لڑائی شروع کر دی ۔ چار مہینے تک اہل خوارزم تاتاریوں کا مقابلہ کرتے رہے ۔ آخر شہر تاتاریوں کے قبضے میں آ گیا ۔ تمام لوگوں کو شہید کر دیا گیا ۔ تمام عمارتیں برباد کر ڈالی گئیں ۔ صرف دو مقام بربادی سے محفوظ رہے : ایک کوشک اخجک ۔ دوسرا سلطان تکش کا مقبرہ ۔

خوفناک ظلم :

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب تاتاری خوارزم کے مرکز حکومت پر قابض ہو گئے تو انھوں نے تمام باشندوں کو شہر سے باہر میدان میں نکال لیا اور حکم دے دیا کہ عورتیں مردوں سے الگ ہوجائیں ۔ عورتوں میں سے جو انھیں پسند آئیں ، انھیں الگ کر لیا ، باقی سب کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ۔ سب کے کپڑے اتروا دیے اور ان کے گرد فوجی مقرر کر دیے جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں ۔ عورتوں کے دونوں گروہوں سے کہا کہ تمھیں مکے مارنے میں مہارت حاصل ہے ، ضروری ہے کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مکے مارنے کا مقابلہ کریں ۔ چنانچہ مسلمان عورتوں سے رسوائی کا یہ کام تاتاریوں نے جبراً کرایا ۔ کچھ مدت تک [150] مکے مارنے اور مکے کھانے کا یہ سلسلہ جاری رہا ۔ آخر انھیں تلواروں سے شہید کر دیا گیا ۔ اللہ ان سے راضی ہو ۔

جب توشی اور چغتائی خوارزم کی جنگ سے فارغ ہو گئے تو وہ قفچاق اور ترکستان کی طرف چلے گئے ۔[10] قفچاق کے قبیلوں اور لشکروں کو الگ الگ مغلوب کر کے اسیر کیا ، تمام قبیلے ان کے قبضے میں آ گئے ۔ توشی نے — جو چنگیز خاں کا فرزند کلاں تھا — قفچاق کی آب و ہوا اور زمین دیکھی تو سمجھ لیا کہ دنیا بھر میں اس سے زیادہ

پاکیزہ و صاف زمین ، اس سے زیادہ اچھی ہوا ، اس سے زیادہ لطیف پانی اور اس سے زیادہ وسیع مرغ زار اور چراگاہیں کہیں نہ ہوں گی ۔ اس کے دل میں باپ کے خلاف خیالات پیدا ہونے لگے ۔ اپنے خاص رفیقوں اور رازداروں سے اس نے کہا کہ چنگیز خاں دیوانہ ہو گیا ہے ۔ اتنے بندگان خدا کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے اور اتارتا چلا جا رہا ہے ۔ اتنی مملکتوں کے تختے اس نے الٹ دیے ہیں ۔ میرے نزدیک صحیح راہ عمل یہ ہے کہ باپ کو شکارگاہ میں ہلاک کردوں ۔ سلطان محمد خوارزم شاہ سے رشتہ پیدا کروں اور اس مملکت کو نئے سرے سے آباد کروں اور مسلمانوں کو سہارا دوں ۔

اس کے بھائی چغتائی کو ان خیالات کا علم ہوا تو بھائی کے ان خیالات اور ارادوں سے باپ کو اطلاع دی ۔ چنگیز کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اپنے معتمدوں کو بھیج کر توشی کو زہر دلوا کر مروا دیا ۔[11] اس کے چار بیٹے تھے[12] : سب سے بڑا باتو ، دوسرا چغتائی ، تیسرا شیبان اور چوتھا برکا ۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ برکا اسلامی علاقوں کی فتح کے وقت پیدا ہوا تھا ۔ جب وہ عالم وجود میں آیا تو اس کے باپ توشی نے کہا کہ اسے مسلمان انا کے حوالے کرو ۔ وہی اس کی نال کاٹے ، وہی اسے دودھ پلائے تاکہ وہ مسلمان بنے ۔ کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو مسلمان بنا دیا ۔ اگر یہ بیان درست ہے تو اس نیت کی برکت سے اللہ اس پر سے عذاب گھٹائے ۔ جب برکا بڑا ہوا تو پکا مسلمان رہا ۔ [151] کتاب طبقات کی ترتیب (یعنی ۶۵۸ھ) تک توشی کے فرزندوں میں سے وہی بادشاہ باقی ہے ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ بادشاہ اسلام کے شاہی درجات کی بلندی بے انتہا برسوں تک باقی رکھے ۔ آمین ۔

حواشی

۱۔ یہ صحیح نہیں ۔ چنگیز مستند روایات کے مطابق ۲۰ ذی قعدہ ۵۴۹ھ (۲۶ جنوری ۱۱۵۴ء) کو پیدا ہوا تھا ۔ ۶۱۶ھ میں وہ اترار پہنچا اور اسلامی دنیا کے لیے نادیدہ آفتوں کا آغاز ہوا ۔ اس حساب سے اس کی عمر خراسان پہنچنے کے وقت سڑسٹھ سال کی تھی ۔ راورٹی نے پچپن کی جگہ پینسٹھ کا عدد لکھا ہے جو صحت سے قریب تر ہے ۔ گویا آقائے حبیبی کا متن یہاں ٹھیک نہیں ۔ راورٹی نے جس متن کی پیروی کی وہ اس معاملے میں زیادہ قرین صحت ہے ۔

۲۔ استدراج ان معجز نما واقعات کو کہتے ہیں جو کسی غیر مومن سے سرزد ہوں ۔

۳۔ یہ تمام بیانات محض خوش فہمی اور خوش خیالی کے کرشمے ہیں ۔

۴۔ جھوٹ اور چوری سے نفرت اور کسی حسین عورت کے لیے اس کے شوہر کو قتل کر دینا بالکل جائز ۔ تاتاریوں کے دوسرے معاملات کی طرح ان کا اخلاق نامہ بھی عجائب کا مرقع تھا ۔

۵۔ ''خول مانی'' پشتو نام ہے ۔ خول بہ معنی خود یا وہ آہنی ٹوپی جو جنگ کے وقت سر پر بغرض حفاظت رکھ لیتے تھے ۔ مانی بہ معنی قصر ۔ خول مانی کے معنی ہوئے وہ قصر جس کی شکل خود کی سی ہو یا وہ قصر جس میں تاج شاہی رکھا جاتا تھا ۔

۶۔ چنگیز کی واپسی کا راستہ یقینی طور پر معلوم نہیں ۔ راورٹی نے لوب اور تبت لکھا ہے ۔ لیکن یہ امر بھی بحث طلب ہے کہ تبت کے کون سے حصے سے وہ گزرا ۔ آقائے حبیبی کی رائے ہے کہ وہ کابل و غزنہ کے پہاڑی دروں میں سے گزرا اور کاشغر چلا گیا ۔ لوب سے مراد لوب نادر ہے جو پامیر کے جنوبی سلسلہ کوہ میں واقع ہے ۔

۷۔ عجیب بات ہے کہ کم و بیش اسی لاکھ انسانوں کو بے دردانہ موت کے گھاٹ اتار کر تو اس کا دل نہ پھٹا اور ایک تنگری خان کی موت

سے پھٹ گیا۔ نیز سفید خون کا قصہ بالکل مہمل ہے۔

۸۔ مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ تاریخ یقیناً نہیں۔ اس سلسلے میں اختصاراً چند ضروری باتیں بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قطعاً شبہ نہیں تنکت اور طمغاج کی خبریں تشویشناک تھیں۔ چنگیز کو آئے ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا اور خانہ بدوش قبائل کو تابع رکھنے کے لیے موقع پر موجود رہنا ضروری تھا۔ خصوصاً اس دور میں جب خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے میں بہت وقت صرف ہوتا تھا اور نقل و حرکت بھی آسان نہ تھی۔ افواہیں بھی اڑتی ہی رہتی ہوں گی۔ چنگیز خود ہی نہیں آیا تھا، چاروں بیٹوں کو بھی ساتھ لے آیا تھا لہٰذا اسے ضرور اضطراب ہوگا، مگر ادھر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا وجود چنگیز کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ خود سلطان کی بہادری کے کرشمے دیکھ چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ اگر میں واپس چلا گیا اور سلطان نے پھر علم جہاد اٹھا لیا تو بے پناہ کشت و خون سے جو سلطنت پیدا کی گئی ہے وہ ایک دم درہم برہم ہو جائے گی۔ لہٰذا اس نے دو فوجیں صرف سلطان کے لیے نامزد کیں۔ ایک کا سالار اپنے بیٹے چغتائی کو بنایا، دوسرے کا اوکتائی کو۔ دونوں کو حکم دیا کہ جہاں جہاں جاؤ ملک کو ویران کرو اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ اس بربادی کی غرض و غایت بھی محض یہ تھی کہ سلطان اٹھے بھی تو اسے کوئی ساتھی نہ مل سکے۔ ملک کی ویرانی کے باعث وہ کہیں فوج جمع کر کے ٹھہر نہ سکے۔

یہ سب کچھ ہو چکا تو چنگیز خاں لوٹا۔ بیٹے بھی مختلف راستوں سے اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ بڑے بیٹے توشی (جوجی) نے دشت قفچاق میں وفات پائی۔ تنکت پہنچ کر چنگیز خاں نے تنکری خاں کو نہایت خوفناک شکست دی۔ اس کا ملک تاخت و تاراج کا ہدف بنا اور اس کا سارا زور ٹوٹ گیا۔

وہ خاصا کمزور ہو چکا تھا اور اس کی عمر بہتر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے خواب بھی دیکھا تھا جس میں موت کے قریب ہونے کا اشارہ کیا گیا تھا۔ غرض اس نے سب کو جمع کیا، بیٹوں کو بھی بلا لیا، پھر مجمع سے کہا کہ میں اپنے بیٹوں سے ضروری باتیں علیحدگی میں کرنا چاہتا ہوں۔ علیحدگی ہو گئی تو بیٹوں سے کہا کہ میں نے اتنی بڑی سلطنت پیدا کر دی ہے، جس کی ایک سمت سے دوسری سمت تک جاتے ہوئے ایک سال

کی مدت صرف ہو جائے ۔ اب تم بتاؤ کہ تم کسے میرے بعد جانشین بناؤ گے ؟ سب نے بالاتفاق کہا کہ آپ مالک ہیں ، جو فرمان دیں گے ہم اسے مانیں گے ۔ آخر اس نے اوکتائی کو جانشین بنایا ۔

مزید کہا : میں مر جاؤں تو نالہ و بکا بالکل نہ کیا جائے اور یہ خبر چھپائی جائے ۔ اس اثنا میں تنگری خان نے سفیر صلح کے لیے بھیج دیے تھے ۔ چنگیز نے صلح قبول کرلی اور تنگری خان کو اپنے پاس بلایا ۔ وہ آیا مگر اس سے پیشتر چنگیز مر چکا تھا ۔ بیٹوں اور مشیروں نے یہ خبر آشکارا نہیں ہونے دی تھی ۔ چنگیز کی وصیت بھی یہ تھی کہ تنگری خان آئے تو اسے مار دیا جائے ۔ تنگری خان آیا تو اس کا استقبال ہوا ۔ وہ چنگیز کے روبرو پیش ہونے کے لیے آیا تھا لیکن اسے قتل کر دیا گیا ۔ پھر چنگیز کی لاش کو وطن لے گئے اور وہاں ایک درخت کے نیچے دفن کر دیا ۔ اس کے بیٹے تولی نے چند سال بعد وفات پائی تو اسے بھی چنگیز خان کے پاس دفن کیا گیا ۔ مگر تھوڑی ہی مدت بعد قبریں ناپید ہو گئیں ۔ چنگیز کی قبر کو مخفی رکھنے کی غالباً ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ کوئی اس کی لاش اکھاڑ کر نہ لے جائے ۔ مستند روایت کے مطابق چنگیز کا انتقال ۴ ۔ رمضان ۶۲۴ھ (۱۸ ۔ اگست ۱۲۲۷ء) کو ہوا ۔ گویا قمری حساب سے اس کی عمر چوہتر سال نو مہینے اور تیرہ دن کی ہوئی ۔

چنگیز کی واپسی کا ایک نہایت دردناک اور دل ہلا دینے والا واقعہ یہ ہے کہ اس سنگ دل نے سلطان محمد خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون کو حکم دیا کہ وہ اپنے خاندان کی تمام مستورات کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پاؤں لشکر کے آگے آگے چلے اور ساتھ ساتھ تمام خواتین اپنی سلطنت کے تباہ ہونے اور سلطانوں کے مرنے کا ماتم کرتی جائیں ۔ اس مجمع میں سلطان محمد خوارزم کی بیگمیں اور بیٹیاں نیز سلطان جلال الدین کی بیویاں بھی تھیں ۔ تاتاریوں کے مرکز میں پہنچ کر ترکان خاتون ۶۳۰ھ (۳۳-۱۲۳۲ء) تک زندہ رہی ۔ باقی خواتین کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا ۔ آسمان نے نہایت خوفناک ظلم دیکھے ہیں لیکن تاتاریوں نے خوارزم شاہی خواتین پر جور و ستم کے جو پہاڑ توڑے ، ان کی مثال مشکل ہی سے ملے گی ۔

۹- اس کے متعلق ایک خفیف سا تکدر چنگیز کے دل میں موجود تھا ۔ اونگ خان سے لڑائی میں ایک مرتبہ چنگیز نے شکست کھائی تھی تو اس کی بیوی (توشی کی ماں) فاتح دشمن کے ہاتھ قید ہو گئی تھی ۔ وہ حاملہ

تھی - کچھ مدت اونگ خاں کے پاس قید رہی - اونگ خاں نے اسے عزت سے رکھا اور چنگیز کی درخواست پر اسے واپس کر دیا - وہ چنگیز کے معتمدوں کے ساتھ آ رہی تھی کہ راستے میں توشی پیدا ہوا - توشی کے لغوی معنی تاتاری میں "غیر متوقع آمد" کے ہیں - چونکہ بچہ غیر متوقع طریق پر ملا تھا ، اس لیے توشی نام رکھا گیا - دوسرے بھائی اس بارے میں اس کا مذاق بھی اڑاتے تھے -

۱۰- یہ بیان صحیح نہیں - توشی واقعی قفچاق چلا گیا تھا لیکن چغتائی اور اوکتائی ہزار اسپ کے راستے باپ سے جا ملے تھے اور باپ نے ان دونوں کو سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے پیچھے بھیج دیا تھا -

۱۱- یقیناً توشی بلند حوصلگی اور فراخ دلی میں باپ سے بالکل مختلف تھا ، اس لیے ممکن ہے چنگیز کو اس کی یہ روش پسند نہ ہو - اس نے توشی کو خوارزم ، قفچاق وغیرہ دے دینے کے علاوہ یہ حکم بھی دیا تھا کہ ان علاقوں کی جانب پیش قدمی کرے جو بعد میں روس کے اجزاء کہلائے - یہ قدم توشی نہ اٹھا سکا - دراصل بیماری نے اس پر غلبہ پا لیا تھا - باپ نے سمجھا کہ بیٹے نے حکم نہیں مانا اور وہ عیش و عشرت میں پڑ گیا - اسے بلایا گیا مگر اس نے بیماری کا عذر پیش کیا - آخر ایک آدمی کو بھیجا گیا کہ دیکھے حقیقت حال کیا ہے - اس نے دیکھا کہ توشی شکار کے لیے نکلا اور خود شکار کا پیچھا نہ کر سکا بلکہ ایک جگہ بیٹھ گیا - دوسرے لوگ شکار کے پیچھے گئے - معتمد نے جا کر چنگیز سے کہہ دیا کہ وہ بڑے مزے سے شکار کھیل رہا تھا - اس پر چنگیز کو اور بھی غصہ آیا - مگر چند روز بعد توشی کے مرنے کی خبر مل گئی - پھر اس معتمد کی تلاش ہوئی مگر وہ بھاگ گیا تھا - بہ ہر حال توشی نے تیس سال کی عمر میں باپ سے پہلے وفات پائی - اس پر باپ کو بہت رنج ہوا - زہر دلوانے کا واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا -

۱۲- راورٹی نے متن میں چودہ ، حاشیے میں پندرہ بیٹے لکھے ہیں ، مگر نام صرف چار ہی کے دیے ہیں -

☆ ☆ ☆

ڈواں باب

(۲) اوکتائی بن چنگیز خاں

(۱)

اوکتائی کا عہد حکومت

چنگیز کی وفات کے بعد وصیت کے مطابق اوکتائی بادشاہ بن گیا ۔ اگرچہ چغتائی ، اوکتائی سے بڑا تھا ، مگر وہ بڑا ظالم اور خونریز تھا (اس لیے اسے بادشاہ نہ بنایا گیا) ۔ اوکتائی نے تخت نشین ہوتے ہی چنگیز کی تمام وصیتیں پوری کیں ۔ مثلاً تنکت کے تمام زن و مرد کو قتل کرا دیا ۔ پھر ترکستان کی طرف متوجہ ہوا اور تمام علاقوں پر قبضہ مستحکم کر لیا ۔ خراسان و عراق اور غور و غزنہ کی طرف فوجیں مقرر کیں ۔ تاہم اس نے سلطنت کے تمام کاموں کی ابتدا عدل ، فوج کی نگہداشت اور رعیت کی پرورش سے کی ۔ وہ بہ ذات خود بڑا صاحب کرم ، نیک اخلاق اور مسلمانوں کا دوست تھا ۔ اہل اسلام کی تعظیم اور فارغ البالی کے بارے میں اس نے انتہائی کوششیں کی ۔ جو مسلمان اس کی سلطنت میں تھے ، وہ اس کے عہد میں بہت خوش حال اور عزت مند رہے اور اس نے اپنی بادشاہی کے زمانے میں تمام شہروں تنکت ، طمغاج ، تبت اور دوسرے شہروں میں مساجد بنوائیں ۔ اس نے مشرق حصوں کے تمام قلعے اور مستحکم مقامات انتظام کی غرض سے مسلمان امیروں کے حوالے کر دیے تھے ۔ جن امیروں کو تاتاری ایران و توران سے (اسیر کر کے) لے گئے تھے ، اوکتائی نے ان سب کو ترکستان بالا کے شہروں اور طمغاج و تنکت کے علاقوں میں آباد کیا اور حکم صادر کر دیا کہ مسلمانوں کو دوست اور بھائی کہہ کر پکارا جائے ۔ تاتاریوں سے کہہ دیا کہ اپنی لڑکیاں مسلمانوں کے نکاح میں دیں اور اگر کوئی مسلمان تاتاری لڑکیوں سے نکاح کا خواہش مند ہو تو انکار نہ کریں ۔

تمام مشرقی شہروں میں نماز جمعہ قائم ہو گئی اور مسلمان ان شہروں میں رہنے لگے اور انھوں نے اپنے شہر اور قصبات [151] آباد کیے اور اپنے (سابقہ) شہروں کی وضع پر عمارتیں تعمیر کیں ۔

چنگیز کی تعزیرات :

[152] مسلمانوں سے اوکتائی کی دوستی کے متعلق ایک حکایت سنی ہے ، جسے یہاں بیان کیا جاتا ہے ۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ چغتائی مسلمانوں کا دشمن تھا اور دل میں ہمیشہ یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کا خون بہائے اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے ۔ چنگیز خاں نے احکام وضع کیے تھے ، جن کے مطابق بعض جرموں کی سزا موت تھی ۔ مثلاً چوری ، زنا ، جھوٹ اور بددیانتی کی سزا موت ہی دی جاتی تھی ۔ اگر کوئی کسی کے ہاتھ سے لقمہ چھین لیتا تو اسے بھی مار دیا جاتا ۔ اگر کوئی چھوٹا یا بڑا (ندی یا تالاب کے) پانی میں چلا جاتا تو قتل کیا جاتا ۔ اگر کوئی شخص پانی کے کنارے بیٹھ کر منہ دھوتا اور استعمال کیا ہوا پانی صاف پانی میں شامل ہو جاتا تو اسے بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ۔ ان سے کمتر درجے کے جرموں کے لیے ڈنڈے سے تین یا پانچ یا دس ضربیں لگائی جاتیں ، لیکن مجرم کو کاملاً برہنہ کر لینا ضروری تھا اور ضربیں پورے زور سے لگائی جاتیں ۔ ان احکام کو اصطلاح میں ''یسہ'' کہتے تھے ، جو تاتاری زبان میں حکم اور فرمان کے ہم معنی ہے ۔

ایک مسلمان کا واقعہ :

ایک روز اوکتائی اور چغتائی دونوں کھلے میدان میں چلے جا رہے تھے ۔ اوکتائی آگے اور چغتائی پیچھے تھا ۔ دونوں میں قریباً ایک چوتھائی فرسنگ کا فاصلہ ہوگا ۔ اوکتائی ایک حوض کے کنارے پہنچا اور دیکھا کہ اس میں ایک مسلمان سر اور جسم دھو رہا ہے ۔ جب اوکتائی نے اس مسلمان کو دیکھا تو اپنے ایک مصاحب سے مخاطب ہوا کہ افسوس ، یہ مسکین مسلمان ابھی میرے بھائی چغتائی کے ہاتھ سے مارا جائے گا ۔ اس کے بچاؤ کی تدبیر کیا ہو سکتی ہے ؟ پھر خود ہی بولا : آیا کسی کے پاس اس وقت چاندی کا کوئی ٹکڑا موجود ہے ؟ اگر ہے تو اس مسلمان کو دے دو [153] اور کہو کہ ٹکڑا حوض میں ڈال دے ۔ جب میرا بھائی چغتائی اس مقام پر

پہنچے ، اسے دیکھے اور پوچھ گچھ کرے تو مسلمان جواب دے کہ میرے ہاتھ سے چاندی کا ٹکڑا پانی میں گر پڑا ہے ، اسے تلاش کر رہا ہوں ۔ اس طرح وہ موت کی سزا سے بچ رہے گا ۔

ایک مصاحب نے چاندی کا ٹکڑا اس مسلمان کے حوالے کر دیا ، جسے اس نے (ہدایت کے مطابق) پانی میں ڈال دیا ۔ چنانچہ جب چغتائی اس جگہ پہنچا اور مسلمان کو پانی میں دیکھا تو حکم کے مطابق اسے گرفتار کر لیا گیا ۔ پوچھا گیا کہ جب خان کا قانون یہ ہے کہ کوئی فرد پانی کے اندر نہ جائے تو تو نے اس قانون کی خلاف ورزی کیوں کی ؟ تیرے لیے موت کی سزا لازم ہو گئی ۔ مسلمان نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ سے چاندی کا ٹکڑا پانی میں گر پڑا تھا ، اسے ڈھونڈنے اور نکالنے کی غرض سے پانی میں داخل ہوئے بغیر چارہ نہ رہا ۔

چغتائی نے حکم دے دیا کہ تاتاری پانی میں وہ ٹکڑا تلاش کریں ۔ وہ مل گیا اور چغتائی نے اپنا راستہ لیا ۔ گویا مسلمان کی جان اس عادل و کریم بادشاہ یعنی اوکتائی کی مہربانی اور حسن تدبیر سے بچ گئی ۔ (اللہ اوکتائی پر ــــ عذاب کو کم کرے) غرض اوکتائی کی کوشش سے بہت ــــ مسلمانوں کی جانیں ظالم اور ملعون چغتائی کے ہاتھ سے محفوظ رہیں ۔

خوش گوار اثرات :

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ چین ، ترکستان ، تنکت اور طمغاج کی تاریخ ماضی میں کسی ایسے بادشاہ نے پاؤں رکاب میں نہیں رکھا ، جو اوکتائی سے زیادہ صاحب کرم ، زیادہ بااخلاق اور زیادہ نیک تھا ۔ جب باپ کی سلطنت اسے ملی تو اس کے بھائیوں اور ترکستان کے خانوں نے خدمت کے لیے کمریں باندھ لیں ۔ لشکر تیار کر کے اطراف ممالک میں بھیجے گئے ۶۲۶ھ (۱۲۲۹ء) میں جرماغون نوین کو عراق کی جانب روانہ کیا گیا ۔ منکوتہ نوین غزنہ کی طرف متعین ہوا ۔ اسی زمانے میں طخارستان ، قندز اور طالقان اس کے حوالے ہوئے ۔ خراسان ، غور ، کرمان اور فارس کے جو قلعے فتح نہیں ہوئے تھے ، ان کے امیر اور سردار سب اوکتائی کی خدمت میں قراقرم پہنچ گئے اور درخواست کی کہ ہمارے ہاں نگہبان اور محافظ مقرر کر دیے جائیں ۔ خراسان کے اطراف میں آبادی کی رونق اور چہل پہل شروع ہو گئی ۔

ایک تاتاری درویش کی شرارت :

مسلمانوں پر اوکتائی کی مہربانی کی ایک اور حکایت بھی بیان کیے جانے کے لائق ہے -

[154] معتبر آدمی کہتے ہیں کہ ملعون چغتائی ہمیشہ مسلمانوں کو آزار پہنچانے کی کوشش میں رہتا تھا - ہمیشہ ایسے اسباب پیدا کرتا رہتا تھا کہ مسلمانوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہو - انہیں کسی نہ کسی آفت سے سابقہ پڑا رہے - غرض وہ فتنہ پھیلانے کی کوشش میں سرگرم رہتا تھا - تاتاریوں ، نوینوں اور بہادروں کے ذریعے مسلمانوں کی طرف سے ایسی باتیں اور ایسے کلام اوکتائی تک پہنچاتا رہتا تھا ، جو اہل اسلام کے لیے زحمت اور مضرت کا باعث ہو سکتے تھے یا ان کی بربادی اور ہلاکت کا موجب بن سکتے تھے -

ایک موقع پر اس نے ایک بت پرست تاتاری درویش کو (ایسے لوگوں کو تاتاریوں کی زبان میں توین کہتے ہیں) اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اوکتائی کے پاس جائے اور کہے کہ میں نے چنگیز خاں کو خواب میں دیکھا ہے - اس نے جو حکم دیا ہے وہ تجھ تک پہنچاتا ہوں - تو اوکتائی ہے اور باپ نے تجھے بادشاہی کے تخت پر بٹھایا - وہ حکم کسی بھی سبب سے بے تعمیل نہ رہنا چاہیے - اس "یسہ" سے روگردانی مناسب نہیں ورنہ چنگیز خاں ناراض ہو جائے گا -

اب فرمان سن ، چنگیز نے کہا ہے کہ مسلمان تعداد میں بہت بڑھ گئے ہیں - آخر تاتاریوں کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے برباد ہوگی - اب چاہیے کہ [155] تمام مسلمانوں کو جو ہماری سلطنت میں چین ، طمغاج ، تنکت اور ترکستان سے سرزمین ایران تک پھیلے ہوئے ہیں ، موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور ان کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا جائے -

میں نے چنگیز خاں کا فرمان پہنچا دیا - میری گردن ایک اہم ذمہ داری سے آزاد ہو گئی - تجھے چاہیے کہ اس کی تعمیل ، فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرے - مسلمانوں کو زندگی کی مہلت نہ دے تا کہ سلطنت زوال سے محفوظ ہو جائے -

اوکتائی کی دانشمندی :

جب توین نے فرمان پہنچا دیا ؛ بادشاہ نے جو عادل ، دانشمند ،

دوراندیش ، ہوشیار اور مسلمانوں کا خیر خواہ تھا ، شاہانہ فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ پورا قصہ جھوٹ اور فریب پر مبنی ہے ۔ اس کے طرز بیان ہی سے جھوٹ کی بو عقل سلیم کے مشام میں پہنچ رہی تھی اور اوکتائی جان گیا تھا کہ یہ سب کچھ میرے بھائی ظالم چغتائی کا کیا دھرا ہے ۔ (اس پر اللہ کی لعنت ہو) ۔

اس توین کے لیے حکم دے دیا کہ ایسے مکان میں ٹھہرائیں جو بڑے آدمیوں کے لائق ہو ۔ اس کے مرتبے کے مطابق ضروریات کا انتظام کر دیں ۔ ساتھ ہی کہا ، یہ فرمان تو بہت بڑی چیز ہے ۔ اس کے مطابق تو بے شمار لوگوں کا خون بہانا پڑے گا ۔ سرداروں ، توینوں ، بہادروں اور چربیوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس کے پاس مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اسیر نہ ہو ۔ اور وہ چین ، طمغاج ، ترکستان ، ایران اور عجم میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ بہرحال یہ فرمان ان سب کے پاس پہنچنا چاہیے تا کہ سب اس پر عمل کر سکیں ۔ اب تجھے (درویش) کو چاہیے کہ ذرا صبر کرے ۔ تمام ملکوں میں تاتاری قاصد بھیجے جائیں گے تا کہ توین ، چربی ، بہادر اور دوسرے سردار جمع ہوں اور یہ زبردست فرمان انھیں پہنچایا جائے اور سب پر لازم ہوگا کہ تیرے ذریعے سے جو فرمان پہنچا ہے ، اس کی تعمیل کریں ۔

مجلس کی ترتیب :

اس بت پرست درویش کو ایک مکان میں اتارا ۔ اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا ، کیونکہ اس ملعون گبر کو طمغاج ، چین ، اور ترکستان میں خاصی شہرت حاصل تھی ۔ جب مقررہ مدت ختم ہوگئی تو [156] سلطنت کے تاتاری اکابر جمع ہو گئے ۔ اوکتائی نے حکم دے دیا اور دستور کے مطابق مجلس پورے شاہانہ تکلف سے ترتیب دی گئی ۔ آراستگی کی تمام شرطیں پوری ہو چکیں تو اوکتائی تخت پر بیٹھا ۔ جو بڑے بڑے لوگ آئے تھے ، وہ دربار میں حاضر تھے اور تخت کے روبرو انھوں نے کمریں باندھ رکھی تھیں ۔ جن لوگوں کے لیے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا ، وہ دوزانو ہو کر ادب سے بیٹھے تھے ۔

یہ ہو چکا تو اوکتائی نے حکم دیا کہ اس درویش (توین) کو پورے اعزاز سے دربار میں لایا جائے ۔ وہ آیا تو تخت کے سامنے بیٹھ گیا ۔ اوکتائی

نے کہا کہ اب وقت ہے تو چنگیز خاں کا فرمان سنا تاکہ سب اس کی تعمیل کریں ۔ وہ درویش اٹھا اور چنگیز خاں کے فرمان کا اس نے جس طریق پر دعویٰ کیا تھا پہنچا دیا ۔ سب نے پیشانیاں زمین پر رکھ دیں اور بالاتفاق کہا کہ ہم نے فرمان سن لیا ، اس کی تعمیل کے لیے حاضر ہیں ۔ وقت کے بادشاہ اوکتائی کا کیا حکم ہے ؟ ہمیں بتایا جائے کہ اس فرمان کی تعمیل کیوں کر کریں ؟ کیا طریقہ اختیار کیا جائے ، تاکہ ہم سب بادشاہ کے حکم پر چلیں ؟

اوکتائی کی رائے :

اوکتائی نے کہا : ہر دعوے کے لیے حجت اور دلیل ضروری ہے تاکہ سچ جھوٹ سے اور درستی خامی سے الگ ہو جائے ۔ اس دعوے کے لیے حالات کی بنا پر شہادت حاصل کر لینا ضروری ہے ۔ اگر درست ثابت ہو کہ یہ فرمان چنگیز خاں کا ہے تو ہم سب کے لیے اس کی تعمیل لازم ہو گی ۔ اگر یہ جھوٹ اور فریب ہے جو اس شخص کے دل میں پیدا ہوا یا کسی غرضمند نے ایجاد کر لیا تو ان لوگوں کا خون غلط طریق پر بہایا جائے گا ، جو ہماری رعایا اور ہمارے فرمانبردار ہیں ۔

جب اوکتائی یہ بات ختم کر چکا تو سب نے پیشانیاں زمین پر رکھ دیں اور عرض کیا : خان نے جو کچھ فرمایا ، دنیا بھر کے عقل مند اور اہلِ تمیز و خرد اس میں مزید اضافہ نہیں کر سکتے ۔ یہ ارشاد واقعی شاہانہ اور بزرگانہ ہے ۔ دانشمندی اور فرمانروائی کے کمال کا تقاضا یہی تھا کہ ایسی بات کہی جاتی ۔ کسی فرد کی مجال نہیں کہ اس فرمان کی پیشانی پر اعتراض کا ہاتھ رکھے ۔ (یعنی فرمان کے خلاف اعتراض کر سکے) لیکن اوکتائی کو چاہیے [157] ہمیں بتائے کہ اس دعوے کا سچ جھوٹ اور درستی نا درستی کیوں کر واضح اور آشکارا ہو سکتی ہے ؟

جھوٹ آشکارا ہو گیا :

اوکتائی نے یہ سنتے ہی اس بت پرست درویش کی طرف توجہ کی اور پوچھا ، تو تاتاری زبان جانتا ہے یا ترکی یا دونوں زبانیں تجھے آتی ہیں ؟ بت پرست درویش نے کہا : میں ترکی جانتا ہوں ، تاتاری نہیں جانتا ۔

اوکتائی فوراً ان تاتاری بزرگوں کی طرف متوجہ ہوا ، جو اصل و نسب

کے اعتبار سے خالص تاتاری تھے اور بولا : تم لوگوں کو یقین ہے اور تم پر آشکارا ہے کہ چنگیز خاں تاتاری کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتا تھا ۔ سب نے پیشانیاں زمین پر رکھیں اور بالاتفاق کہا ، حقیقت یہی ہے کہ چنگیز تاتاری کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتا تھا ۔

پھر اوکتائی ، درویش (تویین) سے مخاطب ہوا اور پوچھا : چنگیز خاں نے یہ فرمان تجھے کس زبان میں پہنچایا تھا ؟ تاتاری یا ترکی میں ؟ اگر تاتاری زبان میں یہ فرمان دیا تھا تو تو تاتاری نہیں جانتا ، پھر جو کچھ اس نے کہا ، تیری سمجھ میں کیوں کر آ گیا ۔ اگر یہ فرمان ترکی میں تھا تو چنگیز خاں ترکی زبان جانتا ہی نہ تھا ، پھر تجھ تک یہ کیوں کر پہنچایا گیا ؟ ایسا جواب دے جس سے سچائی کی بو آئے ۔ بتا تاکہ ہم اس پر عمل کریں ۔

درویش کی رسوائی :

وہ بت پرست اور بدمذہب درویش (تویین) خاموش رہا اور شرمندہ ہوا ۔ اس دوزخی کے حلق سے سانس تک نہ نکلا اور اس کی رسوائی ہوئی ۔ ترکستان کے تمام ترکوں ، مغلوں اور سرداروں نے بالاتفاق پیشانیاں زمین پر رکھیں کہ یہ فرمان جھوٹ ہے اور سچائی سے بالکل خالی ہے ۔ اوکتائی نے تویین سے کہا : میں بھائی کی عزت و حرمت کے پیش نظر تجھے کوئی سزا نہیں دیتا ۔ اپنی جگہ لوٹ جا ۔ چغتائی اور اس کے ساتھیوں سے کہہ کہ مسلمانوں پر ظلم اور ان کی آزار دہی سے ہاتھ روکیں ۔ مسلمان ہمارے بھائی اور دوست ہیں ، ہماری سلطنت کی قوت انھی سے نمایاں ہوئی ۔ ان کی امداد سے ہم نے بہت سے لوگوں کو مسخر کیا ۔ (اللہ اس کے عذاب میں تخفیف کرے) بعض معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ ایسا لطف و کرم اس امر کی دلیل تھا کہ اوکتائی خفیہ خفیہ اسلام اختیار کر چکا تھا ۔

☆ ☆ ☆

دسواں باب

اوکتائی بن چنگیز خاں

(۲)

عراق کی طرف لشکر کشی

[158] جب اوکتائی نے فوجیں خراسان و عراق کی طرف بھیجیں اور جرماغون نوین ان کا سالاراعظم بنایا گیا ، یہ فوجیں عراق کی طرف گئیں تو ان میں پچاس ہزار تاتاری تھے - دوسرے لوگ بھی تھے ، مثلاً ترکستان کی مختلف قومیں ، خراسان کے اسیر ، یہ سب مل کر قریباً ایک لاکھ سوار ہوں گے - یہ ۶۲۳ھ کا واقعہ ہے -[۱]

یہ فوجیں عراق کے علاقوں میں پہنچیں تو لوگوں کو اتنی کثیر تعداد میں موت کے گھاٹ اتارا کہ قلم میں تحریر کا حوصلہ نہیں -[۲] عراق کے کوہستانی علاقے ، ارّان ، آذربائیجان ، گیلان ، رستم داری ، جو بحیرۂ خزر کے اطراف میں ہے ، بلکہ دربند و آذربائیجان تک تمام علاقے پامال ہوئے اور برباد ہوگئے - صرف ایک شہر اصفہان بچا - اور چنگیز خاں کے ظہور نیز اس کے لشکروں کے عراق آنے کے بعد تسخیر اصفہان تک پندرہ سال گزر گئے جیسا کہ آگے چل کر موقع پر بیان ہوگا -

یہ تاتاری فوجیں حلوان کے درے سے گزریں اور مدینۃ السلام (شہر امن) یعنی بغداد کے حوالی تک انھوں نے تاخت و تاراج کی - امیرالمؤمنین المستنصر باللہ[۳] نے کئی مرتبہ مسلمان سرداروں کو عجمیوں ، ترکوں ، کردوں اور عربوں کے لشکر کے ساتھ بھیجا کہ تاتاریوں اور ان کے لشکروں کو پیچھے ہٹائیں - انھوں نے بہت جہاد کیے ، ہر موقع پر فتح و نصرت لشکر اسلام کو حاصل ہوئی اور اس موقع پر کافر تاتاری دارالخلافہ (بغداد) کے اطراف و حوالی پر قابو نہ پا سکے - جرماغون ملعون جو تاتاریوں

کا سالار تھا ، قم و کاشان کی حدود میں ٹھہر گیا ۔ وہاں سے بعض افواج فارس اور کرمان بھیجی گئیں ۔

فارس و کرمان اور غور و خراسان :

اتابک ابوبکر فارس کا بادشاہ تھا ۔ حاجب براق خطائی [159] کا بھائی گواشیر و کرمان پر فرمانروا تھا ۔ ان دونوں نے تاتاریوں سے صلح کر لی اور ہر سال مقررہ رقم بھیجنے کا اقرار کر لیا ۔ چنانچہ اس صلح کے باعث یہ دونوں مملکتیں — فارس و کرمان — آرام سے رہیں ۔ یعنی کافر تاتاریوں کے لشکروں نے انہیں کوئی گزند نہ پہنچایا ۔ عراق ، آذربائیجان اور طبرستان کے تمام شہر برباد ہو گئے ۔

اسی زمانے میں تاتاری لشکر ترکستان کی طرف سے کابل ، غزنہ اور زابلستان کے لیے بھیجے گئے ۔ ملک سیف الدین قراغ نے (اللہ کی رحمت اس پر ہو) کئی مرتبہ تجربہ کر لیا کہ کافر تاتاریوں کے تسلط سے نجات حاصل کر لینے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان کی فرماں برداری قبول کر لی جائے ۔ چنانچہ اس نے بھی فرماں برداری ہی کا راستہ اختیار کر لیا اور تاتاریوں کی طرف سے نگران منظور کر لیے ۔ غور و خراسان کے رئیس اور سردار بھی نگران مقرر کرا کے لے آئے ۔

ارگ سیستان کا محاصرہ :

ترکستان سے طائر بہادر ولایت ہرات کے لیے مقرر ہوا ۔ تاتاریوں کے لشکر ممالک نیمروز کی طرف گئے ۔ یوں سیستان و نیمروز پر دوبارہ آفت آئی ۔ یہ ملک تاج الدین ینالتگین خوارزمی کا عہد حکومت تھا ، جس نے سیستان میں قوت و استواری حاصل کر لی تھی اور جنگی سامان بہ کثرت جمع کر لیا تھا ۔ ۶۲۵ھ میں تاتاری لشکر نیمروز گیا اور قلعہ ارگ سیستان کا محاصرہ کر لیا جو شہرستان سیستان (مرکز حکومت سیستان) شمالی و مشرقی حصے میں واقع تھا ۔ تاتاری اس قلعے کے پاس انیس مہینے لڑتے رہے ۔ انہوں نے انتہائی کوششیں کیں ، مگر قلعے پر قابض نہ ہو سکے ۔ آخر مسلمانوں پر بیماری اور وبا نے غلبہ پا لیا ۔ معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ اگر کسی جگہ ایک سو یا دو سو آدمی جمع ہوتے تو وہ اچانک بیک وقت واصل بحق ہو جاتے ۔ (اللہ تعالیٰ سننے والوں کو ایسی آفت سے محفوظ رکھے !)

ایک دردناک واقعہ :

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ ایک رات اہل قلعہ نے گھات میں بیٹھنے کا منصوبہ تیار کر لیا ۔ منصوبہ یہ تھا کہ کچھ لوگ ان تنوروں میں بیٹھ جائیں جو دروازۂ شمال کی طرف تھے ۔ صبح ہو تو جنگجو قلعے کے مشرق دروازے سے باہر نکلیں اور جہاد میں مشغول ہو جائیں ۔ جب تاتاریوں کی توجہ ان جنگجوؤں کی طرف ہو جائے تو قلعے کے بالائی حصے سے نقارہ بجایا [160] جائے ۔ یہ آواز سنتے ہی گھات میں بیٹھے ہوئے لوگ اٹھیں ، تاتاریوں کے عقب میں پہنچ جائیں اور سنت کے مطابق فریضۂ جہاد انجام دیں ۔

اس منصوبے کے مطابق سات سو تولکی پوری طرح مسلح ہو کر آدھی رات کو قلعے سے باہر نکلے[5] اور اس جگہ پہنچ گئے ، جو پہلے سے گھات میں بیٹھنے کے لیے تجویز ہو چکی تھی ۔ وہاں جا بیٹھے ۔ صبح ہوئی ، اہل قلعہ نے ادائے نماز کے بعد ہتھیار پہنے ، مشرقی دروازے سے باہر نکلے اور جہاد شروع کر دیا ۔ کافر تاتاری اپنی لشکرگاہ سے اٹھ کر مسلمان غازیوں کی طرف آئے ، شدید جنگ شروع ہو گئی ۔ جب دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے اور ایک دوسرے کو تلوار ، نیزے اور تیر کے زخم لگانے لگے تو رات کی قرارداد کے مطابق نقارہ بجا دیا گیا تا کہ گھات میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی باہر نکل کر جنگ شروع کر دیں ۔ پہلی مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ بھی نقارہ بجایا گیا مگر کوئی بھی گھات میں سے نہ اٹھا ۔ ان لوگوں پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا ۔

ملک تاج الدین ینالتگین نے اپنا خاص آدمی بھیجا کہ جا کر دیکھو گھات میں بیٹھے ہوئے لوگ کس وجہ سے توقف میں پڑ گئے ۔ وہ آدمی موقع پر پہنچا تو دیکھا کہ پورے سات سو کے سات سو مرے پڑے ہیں اور اپنی جانیں خدا کے حوالے کر چکے ہیں ۔ ان میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہ رہی ۔ (ہم ایسے حادثے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں) دعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بادشاہ کی سلطنت دنیا کے ختم ہونے تک باقی رکھے ۔ یہ داستان اس غرض سے تحریر میں لائی گئی کہ خوانندوں پر واضح اور روشن ہو جائے کہ جب اللہ کا غضب جوش میں آتا ہے تو ایسی ہی سزاؤں کی شکل اختیار کرتا ہے ۔ (ہم اس کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں) ۔

عجیب وبا اور عجیب تر علاج :

معتبر آدمیوں نے بتایا کہ ارگ سیستان کے لوگوں میں جو وبا عموماً پھیلی ، اس کی صورت یہ تھی کہ منہ میں درد شروع ہوتا اور دانت ہلنے لگتے ۔ تیسرے روز مریض جاں بحق ہو جاتا ۔ یہ وبا اسی صورت میں جاری رہی ۔ پھر اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آیا ۔ اہل قلعہ میں سے ایک عورت کا منہ دکھنے لگا ۔ دوسرے روز دانت ہلنے شروع ہو گئے ۔ اس کی ایک چھوٹی سی بچی تھی ، اسے بلایا ، پاس بٹھایا اور کہا : [161] میری جان ، آج رات میں تیرے ہاتھوں اور پاؤں کو خود مہندی لگاؤں گی ۔ کل تیسرا دن ہے اور تیری ماں مر جائے گی ۔

چنانچہ اس عورت نے بچی کے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگائی ۔ عورتوں کا دستور یہ ہے کہ جب کسی کے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگاتی ہیں تو انگلی زبان پر رکھتی ہیں تا کہ لعاب دہن سے تر ہو جائے ۔ اسی طرح مہندی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں ۔

وہ عورت بچی کے ہاتھ پاؤں کو مہندی لگا چکی تو مرنے کی ٹھان کر سو گئی ۔ صبح اٹھی تو اس کے دانت خوب مضبوطی سے جمے ہوئے تھے اور منہ کا درد زائل ہو چکا تھا ۔ تیسرے روز ہمسایوں اور جاننے والوں نے عورت کو صحت یافتہ دیکھا ۔ چوتھے روز وہ بالکل تندرست ہو چکی تھی ۔ لوگ یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے اور سب نے پوچھنا ضروری سمجھا کہ تیرے زندہ رہنے ، بیماری کے زائل ہو جانے اور دانتوں کے از سر نو جم جانے کا سبب کیا ہے ؟ تو نے کون سی دوا کھائی ؟ کیا علاج کیا ؟ عورت نے جواب دیا کہ میرے پاس نہ تو کوئی دوا تھی اور نہ میں نے کوئی علاج کیا ۔ اللہ نے مجھے صحت بخشی ۔ لوگوں نے کہا : یہ دنیا عالم اسباب ہے ، آخر بتا تجھ سے کون سی حرکت سرزد ہوئی اور تو نے کیا تدبیر کی ؟ عورت نے بچی کے مہندی لگانے کا واقعہ بیان کر دیا ۔ یہ بھی بتا دیا کہ میں انگلی لعاب دہن سے تر کرتی رہی ۔ اس طرح مہندی کا اثر منہ میں جا پہنچا ۔ سب نے اتفاق کر لیا کہ مہندی ہی اس بیماری کا علاج ہے ۔ حقیقت بھی یہی تھی ۔

یہ واقعہ قلعے والوں کو معلوم ہوا اور بات ہر جگہ پھیل گئی ۔ پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ جس کسی کو یہ بیماری ہوتی حنا منہ میں رکھ لیتا اور

صحت یاب ہو جاتا ۔ چنانچہ ایک سیر حنا اڑھائی دینار میں بکنے لگی ۔ جس کے پاس حنا تھی ، اس نے بے اندازہ دولت حاصل کر لی ۔

ینالتگین کا انجام :

بندوں پر اللہ کی رحمت کے کرشمے بے شمار ہیں لیکن موت کا کوئی علاج نہیں ۔ آخر ملک تاج الدین ینالتگین کی ایک آنکھ میں تیر لگا اور وہ آنکھ زائل ہو گئی ۔ پھر وہ ایک برج پر لڑ رہا تھا ، اچانک پاؤں پھسلا اور وہ برج کے اوپر سے زمین پر آ رہا ۔ گرفتار ہوا اور اسے شہید کر ڈالا ۔ ارگ سیستان کا قلعہ دشمن کے قبضے میں آ گیا ۔ مخلوق کو موت کے گھاٹ اتارا گیا [162] ۔ لیکن تاتاری بھی بڑی تعداد میں مارے گئے ، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔

اللہ تعالیٰ اسلام کے بادشاہ کو جہانداری کی گدی پر باقی اور پائندہ رکھے ۔ آمین

تاتاری لشکر کو غور ، غزنہ اور لاہور مقرر کرنے کے واقعات

اوکتائی تخت نشین ہوا تو اس نے غور و غزنہ کے لیے لشکر مقرر کیے ۔ طائر بہادر نے سیستان کے دارالحکومت کی تسخیر میں بڑی بہادری دکھائی تھی ۔ وہ ایک سردار کے ماتحت تھا جو بڑے توینوں میں سے تھا ۔ وہ سردار سیستان کی جنگ میں مارا گیا تھا ۔ اوکتائی نے حکم دے دیا کہ مقتول سردار کی جگہ طائر بہادر کو ان لشکروں کا سردار اعلیٰ تسلیم کیا جائے ۔

حسن قرلغ اور اس کا بیٹا :

جب تاتاری فوجیں سیستان سے خراسان آئیں تو انبان نوین ، نکردر نوین نیز جو لشکر غور و خراسان کی طرف تھے ، غزنہ کی طرف چلے آئے ۔ اس سے پیشتر تاتاریوں نے ملک سیف الدین حسن قرلغ کو بنیان سے باہر نکال دیا تھا ۔ اس کے ساتھ خراج کا فیصلہ بھی ہو چکا تھا ۔ بایں ہمہ تاتاری اسے قبضے میں لانے کے لیے کوشاں تھے ۔ مگر ان کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی ۔ اچانک تاتاریوں نے ۶۳۶ھ میں ملک سیف الدین حسن پر حملہ کر دیا اور وہ کرمان ، غزنہ اور بنیان سے ہٹ کر ملتان و سندھ پہنچ گیا ۔ اس وقت سلطان رضیہ بنت سلطان شمس الدین التتمش ہندوستان

پر حکمران تھی ۔ ملک سیف الدین حسن قرلغ کا بڑا بیٹا دہلی پہنچ کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا ۔ سلطان رضیہ نے اسے برن کا علاقہ جاگیر میں دے دیا ۔ کچھ مدت گزر گئی تو وہ بیٹا ، سلطان کی اجازت کے بغیر [163] باپ کے پاس واپس چلا گیا ۔

لاہور پر یورش :

جب ملک سیف الدین سندھ آ گیا ، غزنہ اور کرمان کے علاقے تاتاری گماشتوں کے قبضے میں رہے ۔ ۶۳۹ھ میں تاتاریوں اور غور کے لشکروں کو لاہور پر حملے کے لیے مقرر کر دیا گیا ۔ طائر بہادر جو ہرات و بادغیس کا حاکم تھا ، نیز غور و غزنہ اور گرمسیر وطخارستان کے دوسرے حاکم لشکروں کے ساتھ دریائے سندھ پر پہنچ گئے ۔ اس زمانے میں کبیر خان ایاز ملتان اور اختیارالدین قراقش لاہور کا والی تھا ۔ سلطان معزالدین مسعود شاہ ہندوستان کا بادشاہ تھا ۔ تاتاری لشکروں کے آنے کی خبر ملتان پہنچی تو ملک کبیرالدین ایاز نے اپنی عزت کی خاطر چتر شاہی کا انتظام کر لیا ، اور فوج جمع کر لی اور لڑائی کے لیے تیار ہو گیا ۔ اس کی تیاری اور جمعیت کی خبر تاتاریوں کی لشکر گاہ میں پہنچی تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ لاہور پر حملہ کرنا چاہیے ۔ چنانچہ وہ شہر لاہور کے دروازے پر پہنچ گئے ۔

اہل لاہور کا دودلاپن :

قلعہ لاہور میں خوراک اور سامان جنگ کا کوئی ذخیرہ موجود نہ تھا ۔ باشندگان لاہور بھی یک دل اور متفق نہ تھے ۔ اکثر لوگوں کا پیشہ تجارت تھا ۔ وہ تاتاریوں کے دور اقتدار میں خراسان کے شمالی حصوں اور ترکستان کے اندر سفر کر چکے تھے اور احتیاط و حفاظت کی غرض سے ایک ایک نے تاتاریوں سے ایک ایک پائزہ^ اور امان نامہ حاصل کر لیا تھا ۔[164] اس کے بل پر وہ قلعے کی حفاظت کے لیے ملک اختیارالدین قراقش کا ساتھ نہیں دیتے تھے ۔ دفاع یا جنگ میں کوئی امداد دینے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے ۔ لشکر اسلام اس وجہ سے جمع نہیں ہوتا تھا کہ غوری اور ترک سردار سلطان معزالدین بہرام شاہ سے خوف زدہ تھے ۔

قراقش کی روانگی :

یہی سبب ہوا کہ تاتاریوں کے دفعیے کے لیے دہلی سے لشکر جلد لاہور کی جانب روانہ نہ ہو سکا اور ایک مدت تک لاہور کے دروازوں پر جنگ جاری رہی ۔ تاتاریوں نے لاہور کے اطراف میں بہت سی منجنیقیں نصب کر دیں اور فصیل کو توڑ پھوڑ ڈالا ۔ ملک اختیارالدین قراقش کے لیے جس حد تک ممکن تھا ، وہ ٹھہرا رہا اور لڑائی کرتا رہا ۔ جب اسے اہل لاہور کے مختلف اور متفرق رجحانات کا علم ہو گیا اور اس نے دیکھ لیا کہ قاضی اور ممتاز اصحاب فصیل شہر پر پہرہ دینے میں بہت کوتاہی کر رہے ہیں تو ساتھ ہی اندازہ ہو گیا کہ اس صورت حال کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا اور ایسے شہر کی حفاظت اس کی طاقت سے باہر ہے ۔ لہٰذا اس نے اپنی فوج اور نوکروں چاکروں کو شب خون کے بہانے ساتھ لیا ، شہر سے باہر نکلا ، تاتاریوں پر سخت حملہ کیا ان کے لشکر کی صفیں درہم برہم کر کے رکھ دیں اور دہلی روانہ ہو گیا ۔ اس حملے میں اس کے بعض خاص آدمی اور عورتیں الگ ہو گئیں (بعض ماری گئیں) ۔ فوج کے کچھ آدمی بھی مقتول ہوئے ۔ بعض رات کی تاریکی اور شور و ہنگامہ میں گھوڑوں سے کود کر ویران جگہوں اور قبرستانوں میں چھپ گئے ۔ ملک اختیارالدین قراقش کی بیوی بھی کسی جگہ [165] پوشیدہ ہو گئی ۔

مقامی مسلمانوں کی جوانمردی :

دوسرے روز اہل شہر اور تاتاریوں کو ملک قراقش کے بھاگنے اور باہر نکل جانے کا علم ہوا ۔ اس سے اہل شہر کے دل بالکل ٹوٹ گئے ۔ تاتاریوں کی بن آئی ، وہ شہر پر قابض ہو گئے ۔ ہر محلے میں لڑائیاں ہوئیں ۔ شہر کے مسلمانوں نے جہاد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ مصیبت کے اس دور میں مسلمانوں کے دو جتھوں نے جانیں ہتھیلیوں پر رکھ لیں ، تلواریں علم کر لیں ۔ جب تک ان کے اعضا کی ایک ایک رگ بھی سلامت تھی اور اعضا حرکت کر سکتے تھے ، وہ تلواریں چلاتے اور تاتاریوں کو جہنم رسید کرتے رہے ، تاآنکہ دونوں جتھے انتہائی سعی و کوشش اور سرگرمی عمل کے بعد شہادت پا گئے ۔

آقسنقر اور دیندار محمد :

ان میں سے ایک جوانمرد لاہور کا کوتوال تھا ، جس کا نام آقسنقر تھا ۔ اسے جنگ و پیکار میں ہزار رستموں پر بھی ترجیح حاصل تھی ۔ وہ اپنے متوسلوں کے ہمراہ برابر لڑتا رہا ۔ دوسرا بہادر دیندار محمد تھا ، جو لاہور میں امیر اصطبل تھا ۔ اس نے سنت کے مطابق اس طریق پر جہاد کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رض کی روح پاک جنت فردوس سے تمام نبیوں اور رسولوں کی موافقت میں اس پر رحمت بھیج رہی تھی ۔ اس نے اپنے بیٹوں اور متوسلوں کے ساتھ شہادت پائی ۔

تاتاریوں کا شدید نقصان :

تاتاریوں نے شہر لے لیا تو لوگوں کو شہید بھی کیا اور گرفتار بھی کر لیا ، لیکن خود اتنے تاتاری مارے جا چکے تھے کہ ان کی گنتی مشکل ہے ۔ قریباً تیس یا چالیس ہزار تاتاری اور اسی ہزار گھوڑے مارے گئے ، بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ اور تاتاریوں کے لشکر میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا ، جس کے تیر یا تلوار یا ناوک کا زخم نہ لگا ہو ۔ نوینوں اور بہادروں میں سے اکثر قتل ہوئے ۔ طائر بہادر اور آقسنقر کوتوال کے درمیان نیزوں سے مقابلہ ہوا ۔ ہر ایک نے دوسرے کو نیزے سے زخمی کیا ۔ طائر بہادر نے دوزخ کی راہ لی[9] اور آقسنقر جو شیر کی مانند تھا ، بہشت میں پہنچ گیا ۔ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر ۔

قراقش کا مال و زر :

تاتاریوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا اور شہر کو برباد کر کے لوٹ گئے ۔ ملک قراقش دریائے بیاس سے لوٹ کر لاہور پہنچا ۔ جس رات وہ لاہور سے بھاگا تھا ، بہت سا مال و زر ، جس میں نقد بھی تھا اور سامان بھی تھا ، اس کے آدمی پانی میں ڈال گئے تھے اور اس مقام پر نشان لگا گئے تھے ۔ ملک مال ہی کی غرض سے لاہور آیا تھا ۔ مال اسے مل گیا ، کیونکہ وہ تاتاریوں کے ہاتھ نہیں آیا تھا ۔

[166] تاتاری چلے گئے تو ہندو کھوکھر اور بدبخت بت پرست لاہور آ گئے ۔ وہ بڑی تباہی پھیلا رہے تھے ۔ ملک قراقش نے ان کا پیچھا کیا اور سب کو جہنم رسید کیا ۔ پھر صحیح سلامت دہلی پہنچ گیا ۔ (دعا ہے

اللہ تعالیٰ مسلمان بادشاہوں کے بادشاہ کے پاوران سلطنت کو ہمیشہ فتح مند اور اس کے ملک کے دشمنوں کو ہمیشہ مغلوب رکھے ، آمین ۔

اوکتائی کی وفات کے واقعات

اوکتائی کی وفات :

بزرگوں سے یہ روایت پہنچی ہے (اللہ ان سے راضی ہو) کہ جب ترکوں کا خروج ہوگا تو چھوٹی آنکھوں والے دنیا پر قابض ہو جائیں گے ۔ عجم کے علاقوں اور ایران کے ملکوں کو خراب کریں گے اور جب ان کا لشکر لاہور پہنچے گا ، ان کی سلطنت کا زوال شروع ہو جائے گا اور ان کی قوت گھٹنے لگے گی ۔ جس زمانے میں کہ راقم طبقات منہاج سراج سات برس کا تھا اور قرآن مجید حفظ کرنے کی غرض سے امام علی غزنوی معلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا ، اس وقت یہ روایت ان سے سنی تھی ۔

معتبر لوگوں نے امام جمال الدین محمد بستاجی (اس پر اللہ کی رحمت ہو) کے بارے میں بیان کیا ہے کہ بخارا میں منبر پر وعظ کہتے وقت وہ اکثر کہتے رہتے تھے : خدایا ! تاتاریوں کے لشکر جلد سے جلد لاہور پہنچا ۔ اور خود اوکتائی کے عہد حکومت کا واقعہ ہے جب تاتاریوں نے لاہور لے لیا ، اس قول کی حقیقت واضح ہوئی ۔

■ تاتاریوں میں تفرقہ :

لاہور جمادی الاولیٰ ۶۳۹ھ[10] میں فتح ہوا ۔ خراسان و ماوراءالنہر کے تاجروں کی ایک جماعت نے بتایا کہ دوسرے روز اوکتائی مر گیا اور دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ اس کے مر جانے کے بعد تاتاری قبیلوں نے چند مرتبہ ایک دوسرے سے جنگ کی اور ان کے بڑے بڑے سردار دوزخ میں پہنچ گئے ۔ قبائل میں تفرقہ پھیل گیا ۔ چنگیز کے بھائی اوتگین کے بیٹے آلتون خاں کے پاس چین چلے گئے ۔ چغتائی اور اس کے بیٹوں نے سرکشی اختیار کرلی اور بہت سے ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے ۔ [167] (ان پر اللہ کی لعنت ہو) ۔

اوکتائی بن چنگیز کی مدت سلطنت نو سال[11] تھی ۔ جب وہ فوت ہوا تو ان ملعونوں کی نسل سے ڈیڑھ سال تک کوئی تخت پر نہ بیٹھا ۔ ان کا دستور یہی ہے کہ جب ایک بادشاہ مر جاتا ہے تو ڈیڑھ سال تک

کوئی تخت پر نہیں بیٹھتا اور اسے وہ تین سال کہتے ہیں یعنی ڈیڑھ سال کے دن اور ڈیڑھ سال کی راتیں ۔[۱۳]

اوکتائی کی بیوی اور بیٹا :

جب ڈیڑھ سال کی مدت پوری ہو گئی تو اوکتائی کی بیوی ترکینہ، خاتون نے چار سال تک تاتاری سلطنت پر فرمانروائی کی ۔ اس مدت میں اس سے وہ تمام حرکتیں سرزد ہوئیں جو عورتوں سے عقل کی کمی اور جذبات کی تیزی کی بنا پر سرزد ہوتی ہیں ۔ عظیم القدر تاتاریوں نے یہ حرکتیں دیکھیں تو انہیں ایک منتظم حکمران کی تلاش ہوئی ۔ انہوں نے ترکینہ خاتون کو اوکتائی کے پاس روانہ کر دیا اور اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا ۔ (ان پر اللہ کی لعنت ہو)

حواشی

۱- اس سنہ کا غلط ہونا بالکل واضح ہے - ۶۲۳ھ تک تو خود چنگیز حکمران تھا اور اوکتائی مختار ہی نہ تھا - راورٹی نے ۶۲۸ھ لکھا ہے ، جو قرین قیاس ہے - مطلب یہ ہے کہ اوکتائی کے تخت نشین ہونے کے بعد بھی مفتوحہ علاقے پوری طرح زیر نہیں ہوئے تھے اور یقیناً پہلی تاتاری فتوحات ادھوری تھیں ، اس لیے دوبارہ لشکر بھیجے گئے - ۶۲۳ھ کا مطلب ہے ۱۲۲۶ء اور ۶۲۸ھ سے مراد ہے - ۱۲۳۰-۳۱ء -

۲- ابھی اوکتائی کی انتہائی ستائش فرما چکے ہیں ، اب اس کے ظلموں کی داستان شروع کردی ، گویا اپنے ہی بیان کی تردید میں لگ گئے -

۳- المستنصر باللہ ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) میں مسند نشین ہوا اور ۶۴۰ھ میں وفات پائی - وہ الناصرلدین اللہ کا پوتا تھا ، ظاہر باللہ کا بیٹا اور مستعصم باللہ کا باپ تھا -

۴- یہ سنہ بھی صحیح نہیں ، ۶۳۰ھ ہونا چاہیے یعنی ۱۲۳۲-۳۳ء -

۵- یہ تولکی ، قلعہ تولک سے نکل کر سیستان آ گئے تھے -

۶- ۳۹ - ۱۲۳۸ء -

۷- ۴۲ - ۱۲۴۱ء -

۸- پائیزہ ، چاندی یا سونے یا لکڑی کی ایک چھوٹی سی تختی جس پر خدا اور بادشاہ کے نام کے بعد ایک خاص نشان کندہ ہوتا تھا - اس کو ''پاس'' سمجھنا چاہیے -

۹- راورٹی کے نزدیک لاہور میں طائر بہادر کے مارے جانے کی خبر صحیح نہیں -

۱۰- نومبر ۱۲۴۱ء -

۱۱- یہ صحیح نہیں - چنگیز رمضان ۶۲۴ھ میں مرا تھا - ڈیڑھ سال تک کوئی تخت نشین نہ ہوا اگرچہ اوکتائی کو چنگیز خود جانشینی کے لیے نامزد کر چکا تھا - ربیع الاول ۶۲۶ھ میں ڈیڑھ سال پورا ہوا تو اوکتائی کی

مسند نشینی عمل میں آئی ۔ اس اعتبار سے اس نے تیرہ سال دو مہینے اور کچھ دن حکومت کی ۔ ڈیڑھ سال کے وقفے کی مدت بھی شامل رکھی جائے تو اوکتائی کی مدت حکمرانی چودہ سال آٹھ مہینے اور کچھ دن بنتی ہے ۔

۱۲- راورٹی نے اوکتائی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے ، اس میں سے دو باتیں اختصاراً قابل ذکر ہیں :

(۱) اس نے ہرات کو ازسر نو آباد کرنے کی خاص کوشش کی ۔ ہرات پارچہ بافی کا بہت بڑا مرکز تھا ۔ تاتاری وہاں کے پارچہ بافوں کو مغولستان لے گئے تھے ۔ ۶۳۵ھ (۳۸ - ۱۲۳۷ء) میں اوکتائی نے عزالدین پروں کو آبادی ہرات کا ذمہ دار قرار دیا ۔ وہ اپنے ساتھ کچھ خاندان لے گیا ۔ پھر اوکتائی کے پاس پہنچا ۔ واپسی میں فوت ہوگیا ۔ پھر اس کا بیٹا شمس‌الدین محمد باپ کی جگہ مقرر ہوا ۔ دوسرے لوگوں نے اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں پوری پوری کوششیں کیں ۔ اس طرح ہرات نے ازسرنو رونق حاصل کی ۔ دوسرے شہروں کی آبادی کے لیے بھی اسی طرح کوششیں کی گئیں ۔

(۲) اوکتائی نے شراب نوشی کی کثرت کے باعث وفات پائی ۔ اسے روکنے کی بڑی تدبیریں اختیار کی گئیں لیکن کوئی بھی کارگر نہ ہوئی ۔

☆ ☆ ☆

گیارھواں باب

چغتائی اور کیک

(۵) چغتائی بن چنگیز خاں

چغتائی :

ملعون چغتائی چنگیز خاں کا دوسرا بیٹا تھا ۔ وہ بڑا ظالم ، سخت گیر ، خونریز اور بدکردار تھا ۔ تاتاری حکمرانوں میں مسلمانوں کا دشمن اس سے زیادہ کوئی نہ تھا ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے سامنے کسی مسلمان کا نام برائی کے سوا لیا جائے ۔ اس کے ماتحت جتنے قبیلے تھے ، ان میں کوئی امکان نہ تھا کہ کسی بکری کو اسلامی طریق پر ذبح کیا جائے ۔ سب بکریاں ایسے طریق پر ذبح کی جاتی تھیں کہ وہ (اسلامی نقطۂ نگاہ سے) مردار ہو جاتی تھیں ۔ نماز پڑھنے کی بھی مجال کسی مسلمان کو نہ تھی ۔ اوکتائی کو ہمیشہ اس امر پر آمادہ کرتا رہتا کہ مسلمانوں کو قتل کرنا چاہیے اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا چاہیے ۔ کوئی مسلمان اس کے سامنے نہیں آ سکتا تھا ۔

چغتائی اوکتائی سے بڑا تھا ، مگر چونکہ اس کا مزاج بڑا خونریز اور ظالم تھا ، اور چنگیز کو اس کا علم تھا ، لہٰذا اس کے لیے بادشاہی کی وصیت[1] نہ کی بلکہ اس کے چھوٹے بھائی اوکتائی کو بادشاہ بنانے کے لیے کہا ۔ چغتائی کی جائے قیام بھی اس مقام پر تھی ، جو تاتاریوں کا اصل مقام تھا ۔ چنگیز خاں کی سلطنت میں سے جو علاقہ چغتائی کی تحویل میں تھا ، وہی اس کے حصے میں دے دیا گیا تھا ۔ [168] اس کا لشکر ماوراء النہر ، فرغانہ اور ترکستان کے اطراف میں ہر جگہ موجود تھا ۔ اس نے اپنے بڑے بھائی توشی کے بارے میں باپ سے غمازی بھی کی تھی ، یعنی کہا تھا توشی کے جی میں ہے چنگیز خاں کو شکارگاہ میں ہلاک کر دے ۔

باپ نے یہ بات سنی تو اپنے بیٹے توشی کو زہر دے کر ہلاک دیا ۔[2] چغتائی چند سال اپنے قبیلوں اور لشکروں کا سرخیل رہا ۔ جب اس کی موت آئی اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بہت بڑے ولی کو چغتائی کے ہاتھ سے موت دلائی تاکہ وہ (چغتائی) سیدھا دوزخ میں جائے ۔

ایک پاک باطن عارف :

داستان یوں ہے کہ حد خراسان میں ایک پاک باطن اور صاحب معرفت درویش تھا ۔ اسے شیخ محمود آتش خوار کہتے تھے ۔ وہ بہت ہی بزرگ اور نامور تھا ۔ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور صرف حق کے غم میں گھل رہا تھا ۔ اس نے اپنا جسم مشقتوں اور زحمتوں کے حوالے کر رکھا تھا ۔ دنیا میں گھومتا رہتا ۔ مختلف شہروں کے دورے کرتا ۔ اسی سیر و گردش میں وہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسے مقام پر پہنچا کہ ترکستان سے چین جاتے وقت وہاں سے گزرنا پڑتا تھا ۔ ان پہاڑوں کے درمیان محکم بند لگا رکھے تھے ۔ پہریدار مقرر تھے اور دیکھ بھال کرنے والے لوگ وہاں رہتے تھے ، تاکہ جو بھی شخص چین کی طرف آئے یا چین سے ترکستان کی طرف جائے ، اس کی خوب جانچ پڑتال کی جائے اور اس کا حال معلوم کر لیا جائے ۔

چغتائی کا ظلم اور موت :

جب شیخ محمود آتش خوار اس مقام پر پہنچا تو پہرےداروں کے گروہ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو لوگوں کے عام طور طریقوں سے بالکل اجنبی تھا اور بہ ظاہر وہ دیوانہ سا نظر آتا تھا ۔ اسے گرفتار کر لیا اور کہا تو ''فدائی''[3] ہے ؟ شیخ محمود نے کہا : ہاں میں ''فدائی'' ہوں ۔ پھر اس سے بار بار پوچھتے رہے کہ سچ بتا تو کون ہے ؟ شیخ کا جواب ایک ہی تھا یعنی ''وہی ہوں جو تم کہہ چکے ہو'' ۔ چونکہ شیخ کو اس بات پر اصرار تھا ، اس لیے اسے چغتائی کے پاس لے گئے ۔ مسعود بیگ ، چغتائی کا جملۃ الملک یعنی وزیر مملکت تھا[4] ، اس نے شیخ محمود کو پہچان لیا لیکن چغتائی کے خوف سے جرأت نہ ہوئی کہ شیخ محمود کی بزرگی کا حال سنائے ۔ چغتائی ملعون نے شیخ سے پوچھا تو کون ہے ؟ جواب ملا کہ ''میں فدائی ہوں'' ۔ [169] چغتائی نے پھر پوچھا بتا میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں اور تو اپنے آپ کو کس سلوک کا مستحق سمجھتا ہے ؟ شیخ نے جواب میں

کہا : تو حکم دے دے کہ مجھ پر تیروں کا مینہ برسا دیا جائے تاکہ میں اس زندگی کی مصیبت سے نجات پاؤں ۔ چغتائی نے تیر برسانے کا حکم دے دیا ۔ شیخ محمود جاں بحق ہو گیا ۔ چند روز بعد چغتائی شکارگاہ میں شکار پر ایک بازگشتہ تیر پھینک رہا تھا ، یہ تیر خود اسی ملعون کی پشت میں لگا اور وہ مر گیا ۔[5] خدا کے بندوں خصوصاً مسلمانوں کو اس کے شر سے نجات اور پناہ ملی ۔

(۶) کیک بن اکتائی (علیہ اللعنة)

معتبر بیان یہ ہے کہ اوکتائی کے دو بیٹے تھے : اول کتن ، دوم کیک ۔[6] کتن جو بڑا تھا ، فالج میں مبتلا تھا ، اس لیے بادشاہی ، ملکوں کے نظم و نسق اور فرمانروائی کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا ، اس لیے تخت چھوٹے بھائی کیک کے حوالے ہوا ۔ کیک تخت نشین ہوا تو تمام بڑے بڑے تاتاری سرداروں نے ان کی فرمانبرداری قبول کر لی ۔ اس نے چین ، ایران ، ہندوستان ، خراسان اور عراق کی جانب لشکر بھیجے ۔ منکوتہ نوین کو دوسری مرتبہ طخارستان ، ختلان اور غزنہ کی جانب لشکر دے کر بھیجا ۔ وہ بوڑھا ہو چکا تھا ، لمبے قد کا تھا ، مگر آنکھ صرف ایک سلامت تھی اور چنگیز کے خاص آدمیوں میں سے تھا ۔ سرزمین ایران کی طرف آیا تو طالقان ، قندز اور ولوالج کو مرکز بنایا ۔ ۶۴۳ھ[7] میں اس نے سرزمین سندھ کا قصد کیا اور وہاں سے لشکر لے کر اوچہ اور ملتان کی طرف آیا ۔ اس زمانے میں ہندوستان کا تخت سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے شکوہ و اقبال سے آراستہ تھا ۔ شہر لاہور برباد پڑا تھا ۔ [170] ملک سیف الدین حسن قرلغ ملتان کا والی تھا ۔ شہر اوچہ اور وہاں کے قلعے کی حکومت ہندو خان مہتر مبارک خازنی کے حوالے تھی ۔ اس نے اپنی طرف سے ایک معتمد علیہ شخص بہ طور نائب قلعے کی حفاظت کے لیے مقرر کر رکھا تھا یعنی خواجہ صالح کوتوال ۔

اوچہ کا محاصرہ :

منکوتہ کا لشکر دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو ملک سیف الدین حسن قرلغ نے ملتان کا قلعہ اور شہر چھوڑ دیے ۔ کشتی میں سوار ہوا اور دیول و سندستان (سہوان) کی طرف چلا گیا ۔ منکوتہ اوچہ پہنچا ، قلعے

محاصرہ کر لیا اور جنگ شروع ہو گئی - تاتاریوں نے اوچہ کے آس پاس کا علاقہ ویران کر ڈالا - محصورین نے قلعے کی حفاظت کے لیے انتہائی کوششیں جاری رکھیں اور بہت سے تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتارا - تاتاری سپاہیوں اور نوینوں نے کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھا ، لیکن اہل قلعہ کی نظر اس رخنے پر تھی جو دیوار میں پڑ گیا تھا۔ وہ حفاظت میں سرگرم رہے - پھر ایک نامور تاتاری جنگجو نے منکوتہ کے پاس آ کر بہ طور طعن کہا : اس قلعے کی حیثیت کیا ہے ، جس کی تسخیر میں تو نے اس قدر تاخیر سے کام لیا ؟ میں اسے ایک ہی حملے میں لے لوں گا۔

تاتاری سردار کا انجام :

رات کو اس تاتاری سردار نے خوب تیاری کی - بہت سے تاتاری سپاہیوں کو تیار کر لیا - تیسرا پہر نگہبانوں اور اہل قلعہ کے آرام کا تھا - عین اس وقت وہ تاتاری رخنے کے مقام پر پہنچ گیا - خدا کا فضل یہ ہوا کہ اہل قلعہ نے رخنے کے پیچھے گارے کے بہت بڑے انبار جمع کر رکھے تھے اور وہاں دلدل کا ایک گڑھا بھی تھا ، جس کی گہرائی ایک نیزے سے بھی زیادہ تھی- جب تاتاری سردار نے رخنے سے قدم آگے بڑھایا تو سمجھا کہ زمین ہے ، مگر دلدل میں پہنچتے ہی وہ اس میں غرق ہو گیا - اہل قلعہ نے نعرہ لگایا - مشعلیں لے کر نکل آئے - مسلح ہو کر موقع پر پہنچ گئے - باقی تاتاری وہیں سے لوٹ گئے -

دوسرے روز تاتاریوں نے بعض آدمی بھیج کر اہل قلعہ سے درخواست کی کہ ہمارے جس بہادر کو تم نے رات گرفتار کر لیا تھا ، اسے واپس دے دو اور ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے - لیکن وہ ملعون تو دلدل میں غرق ہو کر مر چکا تھا ، اسے واپس کر دینا ممکن نہ تھا - چنانچہ اہل قلعہ نے جواب دیا کہ ہم نے تو کسی کو گرفتار نہیں کیا - غرض اللہ تعالیٰ کے فضل کی بدولت [171] مسلمانان اوچہ کافروں کے ظلم سے محفوظ رہے -

اسلامی لشکر کشی کا اثر :

اوچہ کا محاصرہ اٹھا لینے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ سلطان علاءالدین نے (اس پر اللہ کی رحمت اور مغفرت ہو) الغ خان اعظم کے اصرار پر

ہندوستان کا لشکر جمع کیا اور تاتاریوں کے دفعیے کے لیے شمالی جانب روانہ ہو گیا ۔ راقم الحروف اس سفر و جہاد میں سلطان کے ساتھ تھا ۔ جب سلطانی جھنڈے دریاے بیاس پر پہنچے تو فوج نے دریا کے کنارے کنارے اوچہ کا رخ کر لیا ، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اور بیان ہو چکا ہے ۔ تاتاریوں کو اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہو گیا ۔ غازیوں کے ہراول دستے قریب پہنچ گئے تو انھیں (تاتاریوں کو) اپنے میں مقابلے کی طاقت نظر نہ آئی لہٰذا وہ اوچہ سے نامراد لوٹ گئے ۔ یوں قلعہ اوچہ اسلامی لشکر کی بروقت آمد اور خدا کی عنایت کے باعث ان ملعونوں کے شر سے محفوظ رہا ۔

مسلم دشمنی کا نیا ہنگامہ :

معتبر آدمیوں کی روایت ہے کہ جب کیک کی بادشاہی میں استواری آ گئی تو اس نے اپنے چچیرے بھائیوں یعنی چغتائی کے بیٹوں کو قتل کرا دیا ۔ نوینوں اور بڑے بڑے تاتاری جنگجوؤں نے اس کی فرمانبرداری قبول کر لی ۔ کئی مرتبہ کیک نے چین کی طرف بے اندازہ لشکر بھیجے اور اسے فتوحات بھی حاصل ہوئیں ۔ چینی کافروں میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تھا ، جو دنیا سے منہ موڑ بیٹھے تھے اور رات دن پوجاپاٹ میں لگے رہتے تھے ۔ ایسے ہی تاتاری بت پرستوں میں درویشوں کا ایک گروہ تھا ، جو توین کہلاتا تھا ۔ ان لوگوں کو کیک کے دربار میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا تھا ۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کو ایذا دینے کی کوششیں کرتے رہتے تھے ۔ ایسے اسباب مہیا کرتے جن سے اہل اسلام کو دکھ اور رنج پہنچانے کی کوئی صورت نکل آئے ۔ توین چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جڑ کٹ جائے اور ملک کی تاریخ کے صفحات سے ان کا نام و نشان بھی محو ہو جائے ۔

ایک درویش کی تجویز :

ان میں سے ایک توین (درویش) ، جو ترکستان و چین میں بہت مقبول و مشہور [172] تھا ، کیک کے پاس آیا اور بولا : اگر تو چاہتا ہے کہ بادشاہی کا تخت تیرے قبضے میں رہے اور تاتاری لشکر تیرا ساتھ دیں تو دو کاموں میں سے ایک ضرور کر : یا تو تمام مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دے یا ان کی نسل آگے چلنے کا سلسلہ ختم کر دے ۔ وہ مدت تک

یہی بات کیک کے دل میں بٹھاتا رہا اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اسے فتنہ انگیزی پر اُبھارتا رہا ۔ مسلمانوں کو مارنا تو ممکن نہ تھا ، کیونکہ چین ، ترکستان اور تبت میں ان کی آبادی بہت زیادہ تھی ۔ لہٰذا یہ فرمان جاری کر دینا مناسب سمجھا گیا کہ مسلمانوں کو خصی کر دیا جائے تاکہ ان کی نسل آگے نہ چل سکے اور تاتاری سلطنت مسلمانوں کی بغاوت یا فساد انگیزی سے بالکل محفوظ ہو جائے ۔

کیک کا فرمان :

کیک اس ظلم اور دراز دستی پر پختہ ہو گیا اور یہ امر اس کے دل میں بیٹھ گیا ۔ چنانچہ اس نے حکم دے دیا کہ اس مضمون کا ایک فرمان چین و ماچین[8] کے انتہائی مشرق حصے سے عجم ، عراق ، روم اور شام کے انتہائے مغرب تک تاتاری سلطنت کے تمام اطراف میں بھیج دیا جائے ۔ تمام تاتاری والیوں اور گورنروں کے لیے ، جو مختلف ممالک میں مقرر ہیں ، لازم قرار دیا جائے کہ اس فرمان پر عمل پیرا ہوں اور اس کے مطابق کاربند رہیں ۔

یہ فرمان لکھ کر کیک کے پاس لائے اور اس نے شنجرفی مہر لگا دی ۔ اس مہر زنی کو ترکی میں "الطمغاج" کہتے ہیں ۔ یہ فرمان اس تاتاری تویین کو بھی دے دیا گیا تاکہ وہ تمام ممالک میں اسے پہنچائے اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے ۔

معجز نما واقعہ :

جب وہ ملعون ، جو بہ ظاہر خاکسار بنا ہوا تھا ، فرمان ہاتھ میں لے کر فرحان و شاداں کیک کی بارگاہ سے نکلا ، وہاں ایک کتا تھا ، جو ہمیشہ کیک کی بارگاہ یا تخت کے آس پاس یا اس کی خاص سواری اور سرداروں کے جلو کے ساتھ رہتا ۔ اس کے گلے میں سنہری پٹا پڑا ہوا تھا ، جس پر نشان بنا دیا گیا تھا کہ یہ خاص بادشاہ کی ملکیت ہے ۔ اور کتا ایسا تھا کہ حملے اور حوصلے میں جنگل کے ہزار شیروں اور منتخب بہروں پر بھی اسے ترجیح و برتری حاصل تھی ۔ فرمان لے جاتے وقت وہ کتا بارگاہ میں تھا ۔ جس طرح بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ پر اور آگ روئی پر گرتی ہے ، اسی طرح ■ کتا اس تاتاری تویین پر جا پڑا ، [173] اسے زمین پر گرایا ،

دانتوں سے اس کے فوطے نکال لیے ۔ آسمانی قوت اور اللہ کی مدد سے اسے وہیں ہلاک کر ڈالا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک دعا ابولہب کے بیٹے کے لیے مانگی تھی کہ اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی ایک کتا مسلط کر دے ۔ وہ دعا اس بدکار و ملعون و بداعمال کے حق میں نمایاں ہوئی ۔ دین اسلام میں ایسی کرامت نے ملت حنفی کو سعادت ، است محمدی کو شوکت اور سنت احمدی کے پیروؤں کو برتری بخشی تاکہ وہ اللہ تعالٰی کی حفاظت کی پناہ میں ان ملعونوں کے شر سے محفوظ رہیں ۔

جب کیک ، تاتاری درویشوں اور ان تاتاری کافروں نے جو موقع پر موجود تھے ، ایسی خوف ناک سزا کا مظاہرہ دیکھا تو وہ اس برے ارادے سے باز آئے ۔ مسلمانوں پر ظلم و جور سے ہاتھ روک لیا اور اس مہر کیے ہوئے فرمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔ اسلام کی نصرت و یاوری اور بتوں کی رسوائی پر اللہ کی حمد و ثنا کی جاتی ہے ۔

امام نورالدین خوارزمی :

جب کیک کی بادشاہی پر ڈیڑھ سال گزر گیا تو مقررہ وقت آ پہنچا اور کیک نے مقررہ وقت کے دسترخوان پر موت کا لقمہ منہ میں ڈالا ۔ اس کا سبب بیان کیا جاتا ہے ۔

معتبر روایت یہ ہے کہ توینوں (درویشوں) کا گروہ کیک کو ہمیشہ مسلمانوں کے دکھ دینے پر برانگیختہ کرتا رہتا تھا ۔ کوشش یہ کہ اہلِ ایمان پر کوئی مصیبت نازل ہو ۔ اہلِ اسلام کے علما میں سے اس علاقے میں ایک امام تھا ، جو طریقت کے مختلف علوم ، شریعت کے مختلف اصناف اور حقیقت کی مختلف باریکیوں سے آراستہ تھا ۔ اس کا ظاہر علم و فضل کے زیور سے مزیّن اور باطن صفائی اور پاکیزہ عملی کے انوار سے منور تھا ۔ مسلمانوں میں وہ بہت ممتاز مانا جاتا تھا اور سنت مصطفٰی صلی اللہ علیہ و سلم کی پیروی میں اسے قطب کا درجہ حاصل تھا ۔ اسے امام نورالدین خوارزمی کہتے تھے ۔ (اس پر اللہ کی رحمت ہو)

نصرانیوں اور ان کے مذہبی عالموں کی ایک جماعت ، نیز بت پرست توینوں (درویشوں) کے ایک گروہ نے کیک سے التماس کی کہ اس امام کو بلایا جائے تاکہ اس سے مناظرہ کیا جائے اور وہ اسلام اور نبوت محمدیؐ کی برتری ثابت کرے ۔ اگر ثابت نہ کر سکے تو اسے قتل کر دیا جائے ۔

اس النحو پر اس امام ربانی کو بلایا گیا ۔ اللہ یعصمک من الناس (اور اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچانے رکھے گا) کا وعدۂ الٰہی اس کے دین کا نگہبان [174] تھا ۔ و ان یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً (اور اللہ نے کافرین کے لیے مومنوں پر راستہ نہیں کھولا) کا وعدۂ الٰہی اس کے گرد گھومتا ہے ۔

مناظرہ :

جب امام نورالدین خوارزمی اس مجلس میں آ بیٹھے تو ان سے پوچھا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کون تھے ؟ اس امام ربانی نے کہا : محمدؐ نبیوں کے خاتم ، مرسلوں کے سردار اور پروردگار عالمین کے رسول تھے ۔ آپ کا فرق مبارک لعمرک (تیری زندگی کی قسم) کے تاج سے آراستہ اور آپ کا جسم اطہر الم نشرح (کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا) کے بالاپوش سے پیراستہ تھا ۔ حضرت موسٰی علیہ السلام آپ کی منقبت کے عاشق تھے اور انہوں نے فرمایا : اے اللہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کی اُمت میں رکھو ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام آپ کی سواری مبارک کے آگے آگے چلنے والے تھے ، جو ان کے ارشاد سے ظاہر ہے یعنی مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (میں ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں ، جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہے) ۔

اس گروہ نے کہا : پیغمبر وہ ہوتا ہے ، جو روحانیت ہی روحانیت ہو اور اسے عورتوں سے کوئی تعلق نہ ہو ۔ ان کی طرف قطعاً رغبت نہ رکھے جیسا کہ حضرت عیسٰیؑ تھے ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی نو بیویاں اور کئی بچے تھے ۔ اس کا کیا جواب ہے ؟ امام ربانی نے جواب دیا کہ حضرت داؤدؑ کی ننانوے بیویاں تھیں ۔ ان ھذا اخی لہ تسع و تسعون نعجۃ[9] (ہمارے اس بھائی کی ننانوے بیبیاں ہیں) حضرت سلیمانؑ کی تین سو ساٹھ منکوحہ بیویاں اور ایک ہزار لونڈیاں تھیں ، جو خدمت انجام دیتی تھیں ۔

آخری حربہ :

کافروں کے اس گروہ نے محض عناد ، مقابلے ، جھگڑے اور ہٹ کی بناء پر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت سے انکار کر دیا اور کہا

وہ تو محض بادشاہ تھے ۔

آخر ان ملعونوں کے تمام شبہے کمزور اور خام ثابت ہوئے ۔ وہ سب سچائی اور صداقت کے زیور سے عاری تھے ، لہٰذا بحث و گفتگو سے ہاتھ کھینچ لیا اور معاملے کے اوراق پر ظلم و ایذا کا نقش بنانے لگے۔ انھوں نے کیک سے درخواست کی کہ امام سے کہا جائے ، وہ سنت و شریعت کے مطابق دو رکعت نماز ادا کر کے دکھائیں تاکہ اس عبادت کے سلسلے میں نامناسب حرکات ہم پر اور آپ (کیک) پر آشکارا ہو جائیں ۔ کیک نے فوراً حکم دے دیا کہ امام اٹھے اور دو رکعت اسی طرح ادا کرے ، جس طرح دین اسلام کے طریقے کے مطابق باجماعت ادا کی جاتی ہے ۔

امام کی نماز :

اس امام ربانی نے (اللہ اس سے راضی ہو) پاس کے مسلمانوں میں سے ایک کو نزدیک بلا لیا اور اٹھ کر پہلے اذان ، پھر اقامت کہی ، بعد ازاں حضرت خلیل[ع] کی طرح دل و جان سے یہ دعا پڑھی :

انی وجھت وجھی للذی [175] فطرالسمٰوات والارض حنیفاً و ما انا من المشرکین (انعام) ۔

(میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اس ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی بنانے والی ہے اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہوں) ۔

یہ ہو چکا تو ولذکر اللہ اکبر (اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے) کے مطابق تحریمہ (پہلی تکبیر) کہہ کر نماز شروع کر دی ۔ اس نے قیام ، قرأت ، رکوع اور سجود میں نماز کے تمام فرائض ، واجبات اور سنتیں ٹھیک ٹھیک پوری کیں ۔ جب وہ سجدے میں گیا تو کیک نے کافروں میں سے چند بلا لیے ، جنھوں نے اس امام ربانی اور ساتھ نماز پڑھنے والے مسلمان[10] کو سخت تکلیفیں دیں ۔ کبھی ان کے سر زور سے زمین پر مارتے ، کبھی دوسری ناپاک حرکتیں کرتے تاکہ وہ نماز چھوڑ دیں ۔ اس ربانی امام اور سبحانی عالم نے ہر ظلم اور اذیت برداشت کر لی ۔ نماز کے تمام ارکان اور شرطیں پوری کیں اور اسے چھوڑا نہیں ۔ جب سلام پھیر چکا تو آسمان کی طرف منہ کیا ۔ اُدعوا ربکم تضرعاً و خفیہ (اپنے رب سے دعائیں مانگو ، آہ و زاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدہ بھی) کی شرطیں پیش نظر رکھیں ۔ پھر اجازت

نے کر اٹھا اور اپنے مکان پر چلا گیا ۔

کیک کی موت :

اللہ نے جو پاک اور بلند ہے ، اپنی قدرتِ کاملہ اور دشمن کو گھلا دینے والے قہر کی بنا پر اسی رات ایسا درد کیک پر مسلط کر دیا جس نے اس کی جان کی رگ موت کی چھری سے کاٹ دی ۔ چنانچہ اسی رات وہ جہنم رسید ہوا اور مسلمان اس کے ظلم و جور سے نجات پا گئے ۔ کیک کے بیٹوں نے خوف ناک انتقام اور قہر و غضب کا یہ مظاہرہ دیکھا تو دوسرے روز اس امام کے پاس جا کر عذر خواہی کی اور اسے راضی کیا ۔ (اللہ تعالٰی اس سے اور تمام مومنوں سے راضی ہو)

حواشی

۱۔ یہ عجیب بات ہے کہ چنگیز جیسا ظالم و خونریز شخص جانشینی کے لیے اوکتائی کو اس بنا پر ترجیح دینے کی طرف مائل ہوا کہ وہ ظلم میں چغتائی سے کم تھا۔

۲۔ اس بارے میں پہلے لکھا جا چکا ہے۔

۳۔ فدائی کے لغوی معنی ہیں جان فدا کر دینے والا۔ اصطلاحی معنی میں یہ لفظ حسن بن صباح کے ان پیروؤں کے لیے استعمال ہوتا تھا، جو جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر باطنی تحریک کے مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ سوال و جواب میں غور طلب امر یہ ہے کہ تاتاری ''فدائی'' کا لفظ استعمال کرتے تھے تو اصطلاحی معنی پیش نظر رکھتے تھے۔ شیخ اس لفظ کو لغوی معنی میں استعمال کرتا تھا۔ یعنی تاتاری سمجھتے تھے کہ شیخ کا تعلق حسن بن صباح کی جماعت سے ہے۔ شیخ کہتا تھا کہ وہ اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر چکا ہے اس لیے فدائی ہے۔

۴۔ جب چغتائی کسی مسلمان کو دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا تو تعجب ہے کہ اس نے اپنی مملکت کا انتظام ایک مسلمان کے ہاتھ میں کیوں کر دے دیا!

۵۔ راورٹی نے لکھا ہے کہ چغتائی اپنے بھائی اوکتائی سے قریباً چھ ماہ پیشتر ذی قعدہ ۶۳۸ھ (مئی ۱۲۴۱ء) میں فوت ہو چکا تھا، لہٰذا مصنف طبقات کا بیان صحیح نہیں۔ مجھے ''تیر باز گشتہ'' کی صحیح کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ اس کے لغوی معنی ہیں ''لوٹا ہوا تیر'' وہ تیر جو پھینکا جائے اور لوٹ آئے۔ اغلب ہے کہ یہ تیر کی کوئی خاص قسم ہے لیکن مجھے کہیں سے اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

۶۔ اس کا عام تلفظ ''کیوک'' ہے؛ بعض نے ''قیوق'' بھی لکھا ہے۔

۷۔ ۳۶ - ۱۲۴۵ء۔

۸۔ ماچین زمانۂ قدیم میں جنوبی و مشرقی چین کو کہتے تھے اور

اس میں غالباً شمالی برما اور پاس کے دوسرے علاقے بھی شامل تھے ۔

۹- بے شک حضرت داؤد علیہ السلام کی متعدد بیویاں تھیں ، لیکن جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا تعلق ایک مقدمے سے ہے ، نہ کہ بیویوں سے ۔ بعض مفسرین نے مسیحیوں کی روایات پر بھروسا کرتے ہوئے اس آیت کو حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں سے متعلق کر لیا ۔

۱۰- آقائے حبیبی نے متن میں "مسلمانان" بنا دیا ہے ۔ یعنی یہ ظاہر کرنا چاہا کہ ایک سے زیادہ مسلمان امام نورالدین خوارزمی کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے ، حالانکہ پہلے مسلمانوں میں سے صرف ایک کے بلانے کا ذکر ہے ۔ راورٹی نے اس مقام پر بھی ایک ہی مسلمان لکھا ہے ۔ میں نے بیان میں تناقض سے بچنے کے لیے راورٹی کی پیروی کی ہے ۔

☆ ☆ ☆

بارھواں باب

باتو اور منکو

(۷) باتو بن توشی بن چنگیز خاں

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ توشی چنگیز خاں کا فرزند کلاں تھا - وہ باپ کے خلاف افکار کی بنا پر دنیا سے رخصت ہوا - اس کے بہت سے بیٹے تھے اور باتو ان سب سے بڑا تھا - چنگیز خاں نے اسی کو باپ کا جانشین بنایا اور ترکستان کے تمام قبیلے اور علاقے خوارزم ، بلغار ، برطاس[1] اور سقلاب سے روم کی حد تک اس کے زیر نگیں آ گئے - اس نے قفچاق کے تمام قبیلوں نیز [176] قنکلی ، یلچک ، البری ، روس ، چرکس اور آس[2] کو بحر ظلمات[3] تک مسخر کر لیا تو سب اس کے تابع اور فرمانبردار بن گئے - وہ بڑا دانشمند اور مسلمانوں کا دوست تھا - مسلمان اس کے ماتحت خوشحالی سے زندگی گزارتے رہے -

اس کے قبیلوں اور لشکر گاہ میں مسجدیں موجود تھیں ، باجماعت نماز ادا کی جاتی تھی ، امام اور مؤذن مقرر تھے - اس کے عہد حکومت اور زندگی میں کسی فرمان یا متوسلوں یا لشکر سے اسلامی علاقوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا - ترکستانی مسلمانوں کو اس کی حمایت کے سائے میں ہر قسم کی فراغت اور پوری امنیت حاصل تھی -

سرزمین ایران میں سے جو ولایت تاتاریوں کے قبضے میں آئی ، اس میں سے باتو کا حصہ مقرر تھا اور اس حصے میں اس کے گماشتے مقرر ہوتے تھے - تاتاریوں کے تمام بڑے بڑے سالار اس کے فرمانبردار تھے اور اسے توشی کی طرح عزت کی نظروں سے دیکھتے تھے -

جب کیک نے وفات پائی اور وہ دوزخ میں چلا گیا تو چغتائی کے فرزندوں کو چھوڑ کر سب باتو کی بادشاہی پر متفق ہو گئے - چنانچہ اس سے

تاتاریوں کا تخت قبول کر لینے کی التماس کی گئی ۔ سب نے کہا کہ بادشاہ بن جائیے ، ہم سب فرمان کی تعمیل کریں گے ۔ باتو نے یہ التماس قبول نہ کی ، اس لیے منکو خاں بن تولی (بن چنگیز) کو تخت پر بٹھایا گیا ، جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا ۔

بعض معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ باتو خفیہ خفیہ مسلمان ہو گیا تھا مگر اسلام کا اظہار نہیں کرتا تھا ۔ اسے مسلمانوں پر پورا بھروسہ تھا ۔ اٹھائیس سال ، یا اس سے کم یا زیادہ مدت تک حکمران رہا ، پھر وفات پائی ۔[۳] اگر وہ مومن تھا تو اللہ اس پر رحمت کرے ، اگر وہ کافر تھا تو اس کا عذاب گھٹائے ۔

اسے تاتاریوں کے طریق پر دفن کیا گیا ۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی حیثیت اور درجے کے مطابق زمین کے نیچے ایک گھر بنا دیتے ہیں اور اسے فرش اور تخت سے آراستہ کر دیتے ہیں ۔ برتن ، بہت سا مال اور ہتھیار بھی رکھ دیتے ہیں ، خصوصاً وہ ہتھیار جو زندگی بھر اس کے استعمال میں رہے ، اور دفن کر دیتے ہیں ۔ بعض عورتوں یا لونڈیوں کو یا اس شخص کو جسے مرنے والا سب سے بڑھ کر عزیز رکھتا تھا ، ساتھ ہی دفن کر دیا جاتا تھا ۔ پھر اس جگہ کو [177] بند کر دیتے ہیں ۔ اوپر سے گھوڑے پھراتے ہیں تا کہ کوئی نشان باقی نہ رہ جائے ۔ (ان پر اللہ کی لعنت ہو) ۔ ان کا یہ طریقہ تمام مسلمانوں پر آشکارا ہے ۔

ایک عجیب حکایت

حکیم بلخی :

یہاں ایک حکایت لکھی جاتی ہے جو سنی گئی تا کہ پڑھنے والوں کے لیے آخرت کے کاروبار میں زیادہ عبرت کا سامان بنے ۔ یہ روایت خواجہ رشید الدین بن حکیم بلخی سے ۶۰۸ھ میں سنی گئی ، جس کا قول سب کے نزدیک قابلِ قبول تھا ۔ وہ خراسان سے بغرض تجارت ہندوستان آیا تھا اور ملتان کے سفر میں ان طبقات کے کاتب ، منہاج سراج کے ہمراہ تھا ۔ یہ روایت یہاں اس لیے لکھی جا رہی ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے بادشاہ کی نظروں میں بھی درجہ قبول حاصل کرے ۔

خواجہ رشید بن حکیم کہتے تھے کہ ایک بڑا تاتاری قراقرم میں مر گیا

جس کے بے شمار نوکر چاکر اور ہم قوم اور بے اندازہ دولت تھی ۔ اس کے دفن کے لیے ایک خاص مقام بڑے تکلف سے آراستہ کیا گیا ۔ لوگ چاہتے تھے کہ اس کے کسی نہایت عزیز دوست کو بھی ساتھ دفن کریں ۔ قبر میں مال و زر ، اسلحہ ، فرش اور برتن کثرت سے رکھ دیے گئے ۔ تخت آراستہ کر دیا گیا ۔ پھر مشورہ کرنے لگے کہ اس کے نوکروں چاکروں میں سے کسے دفن کے لیے چنیں تاکہ قبر میں اس کے ساتھ انس و محبت کا حق ادا کر سکے ۔

تاتاری کا منہ بولا بیٹا :

ایک جوان تھا جو طفلی میں ترمذ و خراسان سے اس بت پرست تاتاری کے ہاتھ قید ہوا تھا ۔ یہ اس وقت کا معاملہ ہے ، جب تاتاری پہلے پہل خراسان آئے تھے ۔ پھر وہ لڑکا بالغ ہوا اور جوان رعنا بن گیا ۔ بڑا بہادر ، عقلمند ، کاردان اور کفایت شعار تھا ۔ چنانچہ اس ملعون نے اپنا پورا کاروبار اسی کی تحویل میں دے دیا تھا اور اسے منہ بولا بیٹا کہا کرتا تھا ۔ اس لیے تاتاری کا پورا مال ، مویشی اور جو چیز بھی اس کی ملکیت تھی ، اسی جوان کے قبضے میں تھی ۔ تاتاری کے تمام نوکر چاکر اور متوسلین بھی اسی جوان کے تابع فرمان تھے ۔ کسی شخص کو اس جوان کی اجازت کے بغیر مرنے والے کی کوئی چیز چھیڑنے کا حق نہ تھا ۔

ساتھ دفن کرنے کے بارے میں مشورہ ہوا تو سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ اسی جوان کی ہلاکت کا انتظام کرنا چاہیے ۔ کہا یہ گیا کہ مرنے والے تاتاری کو اس نوجوان سے بڑھ کر کوئی عزیز نہ تھا ۔ اصل غرض یہ تھی کہ وہ نوجوان مرنے والے کی زندگی میں سب پر حکم چلاتا رہا تھا ، اب اس سے بدلہ لیا جائے ۔

نوجوان کی بے چارگی :

سب اس پر متفق ہو گئے تو وہ مسلمان جوان اپنے معاملے میں سخت حیرت زدہ رہ گیا ۔ بہ ہرحال اس نے مرنے کی ٹھان لی ۔ اور تو کوئی جائے پناہ یا حجت نہ تھی ، فریادیوں کی فریادیں سننے والے خدا کی بارگاہ میں گریہ و زاری کا ہاتھ امن یجیب المضطر اذا دعاہ (کون ہے جو اضطرار کی حالت میں پکارنے والوں کی پکار سنتا ہے) کی رسی پر ڈالا ، غسل کیا ،

پاک لباس [178] پہنا اور اس زمین دوز گھر میں چلا گیا ۔

خدا سے دعا کا اثر :

لوگ اسے اوپر سے بند کر گئے تو مسکین نوجوان نے قبلہ رو ہو کر دو رکعت نماز پڑھی ۔ پھر کلمہ شہادت کے ذکر میں مشغول ہوگیا ۔ اچانک اس زمین دوز گھر کا ایک گوشہ پھٹا ۔ دو شخص نمودار ہوئے ۔ ان کے چہروں سے لاکھوں شیروں کی ہیبت ٹپکتی تھی اور انھیں دیکھ کر پتا پانی پانی ہوتا تھا ۔ انھوں نے آتش بار حربے پکڑ رکھے تھے جن سے شعلے نکل نکل کر تاتاری کے تخت کے اردگرد پھیل گئے ۔ ان شعلوں میں سے صرف ایک چنگاری جوان کے رخسار پر پڑی اور سوئی کے برابر جگہ جلا دی ۔ وہاں زخم ہو گیا ۔

ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ یہاں کوئی مسلمان معلوم ہوتا ہے ۔ دوسرے نے خود جوان سے پوچھا تو کون ہے ؟ جوان نے جواب دیا : میں ایک عاجز ، قیدی اور کمزور سا آدمی ہوں جو اس تاتاری کے ہاتھ گرفتار تھا ۔ پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے ؟ جوان نے کہا : میرا وطن ترمذ ہے ۔

مصیبت سے نجات :

اس شخص نے اپنے حربے کا سرا اس زمین دوز مکان کے ایک گوشے میں مارا تو دروازے کے برابر شگاف پڑ گیا ۔ جوان نے بتایا ، ان دونوں نے مجھ سے کہا باہر نکل جا ۔ میں نے پاؤں باہر رکھا تو دیکھا کہ ترمذ کی زمین میں پہنچا ہوا ہوں ۔ وہاں سے تاتاریوں کا مرکز قراقرم قریباً چھ مہینے یا اس سے زیادہ مدت کا راستہ ہے ۔

وہ جوان اب تک ترمذ میں اپنے اسباب اور ملکیت کے ساتھ موجود ہے ۔ آگ کی چنگاری سے جو زخم لگا تھا ، اس کے لیے ہر مرہم لگا چکا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ ویسے ہی وہ زخم رستا ہے ۔ پاک ہے وہ ذات ، جو چاہے اندازہ مقرر کر دے ۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ اسلام کو تخت سلطنت پر باقی اور استوار رکھے ، آمین ۔

(۸) منکو خاں بن تولی بن چنگیز خاں

منکو خاں بن تولی :

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ تولی چنگیز خاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا ۔ اسی نے خراسان کے شہر برباد کیے تھے ، جیسا کہ ہرات کی بربادی کے سلسلے میں بتایا جا چکا ہے ۔ اس کے چار بیٹے تھے — بڑا منکو خاں تو دوسرا ہلاؤ (ہلاکو) ، تیسرا ارق بوقہ اور چوتھا قبلا ۔

منکو کے حق میں فیصلہ :

[179] کیک مر گیا تو چغتائی کے بیٹوں نے بادشاہی کا مطالبہ کیا ۔ ان کے نوکر چاکر ، ساتھی اور سوار بہت زیادہ تھے ۔ وہ منکو کی بادشاہی پر راضی نہیں ہوتے تھے ۔ جب کیک دنیا سے رخصت ہو گیا تو بڑے بڑے تاتاری سردار باتو کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے کہا کہ ہماری بادشاہی آپ کے لیے زیبا ہے ، کیونکہ چنگیز خاں کی اولاد میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ۔ فرمانروائی کا تخت و تاج سب سے پہلے آپ ہی کو پہنچنا چاہیے ۔

باتو نے جواب دیا کہ میرے لیے اور میرے بھائی برکا کے لیے اپنی طرف کی بادشاہی بہت زیادہ ہے ۔ چین و ترکستان و عجم کے ملکوں کا انتظام ہم سے نہیں ہو سکے گا ۔ ہمارے چچا تولی کا انتقال جوانی ہی میں ہو گیا ۔ وہ چنگیز خاں کا چھوٹا بیٹا تھا ۔ اس نے مملکت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ۔ مناسب یہ ہے کہ اب تخت سلطنت اس کے بیٹے کو دے دیں اور منکو خاں کو بادشاہ بنائیں ۔ جب میں اسے تخت پر بٹھا دوں گا تو حقیقت میں فرمانروائی میں کروں گا ۔

برکا کی تجویز :

سب نے اس پر اتفاق کر لیا ۔ جب منکو خاں کو بادشاہ بنایا گیا تو برکا نے ، جو مسلمان تھا کہا کہ کافروں کی فرمانروائی کا دور ختم ہو چکا ہے ، جو کافر بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے ، اس کی مملکت تا دیر نہیں رہتی ۔ اگر چاہتے ہو کہ منکو کی سلطنت قائم و استوار رہے اور پہلے تو چاہیے کہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ لے تا کہ اس کا نام دفتر اسلام میں لکھا جائے ، پھر بادشاہ بنے ۔ اس پر بھی سب متفق ہو گئے ۔

چنانچہ منکو خاں نے کلمہ شہادت پڑھا ، پھر برکا نے اس کا بازو پکڑ کر اسے تخت پر بٹھا دیا ۔ تمام تاتاری والیوں اور سرداروں نے اس کی اطاعت کر لی ۔ صرف چغتائی کے بیٹے ، اس کے زیر اثر قبیلے اور متوسلین نے سرکشی اختیار کی اور وہ باغی ہو گئے ۔ ان کی خواہش تھی کہ خفیہ خفیہ سازش کر کے اچانک منکو کے لشکر پر حملہ کر دیں اور اسے قبضے میں لا کر ہلاک کر ڈالیں ۔

فرزندان چغتائی کا منصوبہ :

انہوں نے بھروسے کے آدمی منکو خاں کے پاس بھیجے کہ جب تو تخت پر بیٹھے ، ہمارا ارادہ یہ ہے کہ مبارک باد دینے کے لیے آئیں اور تہنیت کے آداب پورے کریں ۔ اس قصد سے انہوں نے بہت سے سوار ساتھ لیے جو پوری طرح مسلح اور مرتب تھے اور اپنے مقام سے نکلے ۔ ان کا پختہ ارادہ تھا کہ منکو خاں پر شبخون ماریں اور اسے نیز باتو کو ہلاک کردیں ۔ ان پر قابو پا لینے کے بعد بادشاہی پر قابض ہو جائیں ۔ انسان تدبیر کرتا ہے ، اللہ کی تقدیر اس میں حائل ہو جاتی ہے ۔ یہاں بھی آسمانی تقدیر [180] کچھ اور ہی تھی ۔

باتو اور منکو کی لشکرگاہ سے ایک اونٹ والے کا اونٹ گم ہو گیا ، یہ شخص اونٹ کی تلاش میں صحرا کے اندر نکل گیا ۔ ہر طرف پھرا ، اچانک وہ چغتائی کے بیٹوں کی لشکرگاہ میں جا پہنچا ۔ یوں اسے لشکر کا حال معلوم ہو گیا ۔ سب اس سے پوچھتے کہ تو کس کے ساتھیوں اور لشکریوں میں سے ہے ۔ چونکہ تاتاری شتربانوں کی وضع قطع اور زبان ایک ہوتی ہے ، اس لیے شتربان نے ان کے امرا میں سے ایک کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کر لیا ۔

منکو اور باتو کا حملہ :

رات ہوئی تو شتربان موقع پا کر فرزندان چغتائی کے لشکر سے باہر نکلا اور اپنی لشکر گاہ میں پہنچ گیا ۔ باتو اور منکو خاں کو پورے حالات سنا دیے ۔ منکو خاں نے یہ سب کچھ سن لیا تو بڑی احتیاط سے لشکر تیار کیا اور فرزندانِ چغتائی سے جنگ کے لیے آگے بڑھا ۔ اس سے پہلے کہ فرزندان چغتائی منکو کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ، منکو اور باتو ان کے

لشکر پر حملہ آور ہو گئے ۔ دس ہزار نامور تاتاری لشکرکش (سالار) مارے گئے ۔ خوب تلوار چلی ۔ اس طرح دلجمعی کی صورت پیدا ہو گئی اور منکو کی بادشاہی پختہ ہو گئی ، کوئی خرخشہ باقی نہ رہا ۔ وہ چین و ترکستان کے تخت کا مالک بن گیا ۔ ایسا انتظام کیا کہ چغتائی کے قبیلے میں سے کوئی نشان باقی نہ رہا ۔ اس کے ایک دو بیٹے ، جو بچ گئے تھے وہ التون خان کے پاس چین کی طرف چلے گئے ۔

باطنیوں کا تختہ الٹ گیا :

پھر منکو نے قہستان کے اس حصے میں لشکر بھیجے جہاں باطنیوں کا زور تھا ۔ یہ لشکر چند سال اس ملک میں تگ و تاز کرتے رہے ، پھر لشکر گاہ قائم کی اور ٹھہر گئے ۔ اہلِ قہستان اس لشکرکشی کے باعث مضطر و عاجز ہو گئے ۔ ان کے قلعوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا گیا ، قلعے برباد کر دیے گئے ، باطنیوں کا تختہ الٹ گیا ۔ اس معاملے کی تفصیلی کیفیت یوں ہے :

حسن بن صباح :

قہستان کے اس علاقے میں جہاں باطنیوں کا زور تھا ، لشکر بھیجنے کا سبب یہ ہوا : حسن بن صباح (اس پر اللہ کی لعنت ہو) نے باطنی مذہب کے قاعدے بنائے تھے اور اس گمراہی کا قانون وضع کیا تھا ۔ اسی نے الموت کے قلعوں کو از سرِ نو آباد و معمور کیا ۔ [181] وہی لمبسر کے قلعے کی رونق کا ذمے دار تھا ، جو سب سے بڑا باطنی مرکز تھا ۔ اور اسے وہ لوگ ''مولانا'' کہتے تھے (اس پر اللہ کی لعنتیں ہوں) ۔ یہ قلعے دیلمیوں سے بہت بڑی رقم دے کر خریدے گئے تھے ۔ ایک حاملہ لونڈی کو جو خود حسن بن صباح کی ملکیت تھی ، وہاں لے آیا اور لوگوں میں مشہور کیا کہ اسے مستنصر مصری[1] کا حمل ہے ۔ میں دشمنوں سے اسے بچا کر یہاں لے آیا ہوں کیونکہ امام زماں اور مہدی اسی بچے کی نسل سے ہوگا ، جو کنیز کے بطن میں تھا ۔ غرض وہ بے ہودہ باتیں کہتا تھا ، جو کسی عقل مند کی زبان پر تو کیا آتیں ، اس کے خیال میں بھی کبھی نہیں گزری تھیں ۔ (اس پر اللہ کی لعنت ہو)

جب اس نے یہ قلعے خریدے اور لمبسر کا حصار بنوایا ، اس کا

عمارت میں بے شمار مال اور اس قلعے کا ذخیرہ خرچ ہوا ۔ یہ حصار ایک پہاڑ پر ہے جو قزوین کے نزدیک ہے ۔ شہر قزوین کے باشندے سب کے سب سنت و جماعت میں سے پاک مذہب اور صاف اعتقاد کے ہیں ۔ باطنیوں کی گمراہی کے باعث ان سے ہمیشہ قزوینیوں کو جنگ و پیکار سے سابقہ پڑتا رہتا تھا ۔

قزوینیوں سے مسلسل جنگ :

معتبر راویوں کا بیان ہے کہ شہر قزوین کے باشندوں کو تمام اسلحہ اور آلات جنگ تیار رکھنے پڑتے تھے ، یہاں تک کہ بازار کے دکان دار بھی تمام ہتھیار لگا کر دکانوں پر آتے تھے ، کیونکہ ہر روز قزوینیوں اور الموت کے باطنیوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی ۔ یہی حالت قائم تھی ، جب چنگیز خاں کا ظہور ہوا اور تاتاری عراق عجم نیز کوہستانی علاقے پر مسلط ہو گئے ۔ قاضی شمس الدین قزوینی سچا امام اور محقق عالم تھا ۔ اس نے کئی مرتبہ قزوین سے خطا تک سفر کیا اور وطن سے دوری کا رنج برداشت کرتا رہا ۔ منکو خاں کا دور حکومت آیا تو پھر ایک مرتبہ اس کے پاس گیا ۔ جس طور پر بھی [182] ممکن ہوا ، اس سے امداد کی درخواست کی اور باطنیوں کی وجہ سے اسلامی شہروں اور علاقوں میں جو شر و فساد ہو رہا تھا ، اس کی مفصل کیفیت سنائی ۔

قاضی شمس الدین کی کوششیں :

کہتے ہیں کہ قاضی نے منکو کے سامنے تقریر کرتے وقت اسلامیت اور دین کی حمیت میں سخت باتیں کہیں ، جن سے منکو خاں پر فرمانروائی کا غصہ اور غرور مسلط ہو گیا ۔ قاضی نے اس کے نظام حکومت کے انداز کو ضعف اور بے بسی سے تعبیر کیا ۔ منکو خاں نے پوچھا کہ قاضی بتائے اس نے ہمارے انتظام مملکت میں بے بسی کا کون سا پہلو دیکھا ہے جس کی وجہ سے ایسے وحشت انگیز کلمات زبان پر لایا ہے؟ قاضی نے بے تامل جواب دیا : اس سے بڑھ کر بے بسی کیا ہو سکتی ہے کہ باطنیوں کی جماعت نے چند قلعے بنا لیے ہیں ۔ اس جماعت کا دین نصرانیوں کے دین کے بھی خلاف ہے ؛ مسلمانوں اور تاتاریوں کے دین کے بھی خلاف ہے ۔ وہ مال کے بل پر تمہیں دھوکا دے رہے ہیں ۔ اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ

تمھاری سلطنت میں ذرا سا فتور پیدا ہو تو پہاڑوں اور قلعوں میں سے نکل پڑیں ۔ رہے سہے مسلمانوں کو بھی ختم کر دیں ، یہاں تک کہ مسلمانی کا نشان بھی باقی نہ رہ جائے ۔

منکو کا فرمان :

یہ بات منکو کے دل میں پیوست ہو گئی ۔ اسے طیش آیا اور اس نے قہستان کے باطنی شہروں اور قلعوں نیز الموت کے قلعوں کی بربادی کا فرمان صادر کر دیا ۔ چنانچہ اس فرمان کے مطابق ایران و عجم میں تاتاریوں کے جتنے لشکر تھے ، وہ خراسان اور عراق عجم سے قہستان اور الموت کی جانب متوجہ ہو گئے ۔ دس سال کی مدت میں تمام شہر اور قلعے فتح کر لیے گئے اور تمام باطنیوں کو تہ تیغ کیا گیا ۔ صرف عورتیں اور نابالغ بچے چھوڑ دیے گئے ۔ اس طرح اس آیت کی معنویت ظاہر ہو گئی کہ کذالک نولی بعض الظالمین بعضاً (اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں) ۔

مصنف کا پہلا سفر قہستان :

اس دعا گو منہاج سراج کو جو کتاب طبقات کا مؤلف ہے ، تین مرتبہ اس سرزمین (قہستان) میں بہ طور سفیر جانا پڑا ۔ پہلی مرتبہ قلعہ تولک سے ۶۲۱ھ میں ، جب خراسان تاتاریوں کے لشکر سے خالی ہو گیا تھا ، کپڑے اور دوسری ضروری اشیاء کی تنگی تھی ۔ جو لوگ کافروں کی مصیبت خیزیوں سے نجات پا گئے تھے ، وہ معیشت کی تنگی کا شکار تھے ۔ میں قلعہ تولک سے [183] ملک تاج الدین حسن سالار خر پوست کے اشارے سے اسفزار گیا تا کہ تجارتی قافلوں کا راستہ کھل جائے ۔ اسفزار سے قاین ، وہاں سے قلعہ سرتخت اور جواشیر گیا ۔[8] اس زمانے میں قہستان پر محتشم شہاب منصور ابوالفتح حکمران تھا ۔ میں اس سے ملا ۔ وہ علم و حکمت اور فلسفے میں ماہر تھا ۔ خراسان کے شہروں میں اس جیسا فلسفی اور حکیم کہیں نہیں دیکھا گیا ۔ غریبوں کی پرورش کا اسے خاص خیال تھا ۔ خراسان کے مسلمانوں میں سے جو بھی اس کے پاس پہنچ گیا ، اسے اپنی حمایت اور پناہ میں لے لیا ۔ اس وجہ سے محتشم کا اٹھنا بیٹھنا خراسانی علما کے ساتھ تھا ، مثلاً استاد عصر افضل الدین بامیانی ، امام شمس الدین خسرو شاہی اور دوسرے

جو اس کے پاس پہنچ گئے تھے ۔ ان سب کی انتہائی عزت کی ۔ ان سے عمدہ سلوک روا رکھا ۔ چنانچہ بتاتے تھے کہ خراسان میں افراتفری سے پیشتر دو تین سال کے اندر ایک ہزار سات سو خلعت ، سات سو گھوڑے مع ساز و سامان اور بہت سا مال عالموں اور غریبوں کو دیا گیا ۔

محتشم شہاب کی تبدیلی :

چونکہ مسلمانوں پر محتشم شہاب کی شفقت اور انعامات نیز نشست و برخاست اور گفتگو بہت زیادہ ہو گئی تھی ، اس لیے باطنیوں نے یہ داستانیں الموت پہنچائیں ، اور الموت وہاں سے نزدیک تھا ۔ انہوں نے کہا اندیشہ ہے کہ محتشم موصوف دعوت خانے کا سارا مال مسلمانوں کے حوالے کر دے گا ۔ الموت سے حکم آیا کہ محتشم شہاب الموت آ جائے اور قہستان پر فرمانروائی کے لیے محتشم شمس الدین حسن اختیار کو بھیج دیا گیا ۔ دعا گوئے دولت (منہاج سراج) محتشم شہاب کے پاس سے لوٹا تو کپڑے خریدنے کی غرض سے تون[9] گیا ۔ وہاں سے قاین و اسفزار ہوتا ہوا تولک پہنچا ۔

دوسرا سفر :

کچھ مدت گزر جانے پر مصنف کو ۶۲۲ھ[10] میں [184] تولک سے ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی کی خدمت میں خایسار غور جانا پڑا ۔ وہاں سے ملک رکن الدین کے ارشاد پر بہ طور سفیر دوسری مرتبہ قہستان جانے کا اتفاق ہوا تا کہ تجارتی قافلوں کا راستہ کھل جائے ۔ خایسار سے فراہ گیا ، وہاں سے قلعۂ کاہ (سیستان) ، کاہ سے کرہ ، وہاں سے طبس پھر قلعۂ مومن آباد اور وہاں سے قاین پہنچا ۔ وہیں محتشم شمس الدین سے ملاقات ہوئی ۔ وہ فوجی آدمی تھا ۔[11] قاین سے مصنف پھر خایسار آ گیا ۔

تیسرا سفر :

سال ۶۲۳ھ[12] شروع ہوا تو راقم حروف منہاج سراج نے ہندوستان کے سفر کا ارادہ پختہ کر لیا ۔ ہندوستان کے سفر کے سلسلے میں جو سامان ضروری تھا ، اس کے انتظام کے لیے ملک رکن الدین محمد خیسار کی اجازت سے فراہ کی طرف جانا پڑا تا کہ تھوڑا سا ابریشم خرید لوں ۔ میں حوالی فراہ میں

پہنچا تو ملک تاج الدین ینالتگین ، جس کا ذکر نیمروز کے بادشاہوں میں آ چکا ہے ، مملکت سیستان سنبھالے بیٹھا تھا ۔ اسے باطنیوں سے قلعہ شہنشاہ کے بارے میں ، جو شہر نیہ کے حوالی میں ہے ، مخالفت ہو گئی تھی اور وہ باطنیوں کے لشکر سے شکست کھا کر فراہ کی طرف آ گیا تھا ۔ اس کے دل پر خوف مسلط تھا ۔ ممتاز اصحاب کی جو جماعت اس کے ہمراہ تھی اس میں سے جس شخص سے امید کرتا کہ وہ قہستان جائے گا اور قہستان کے فرمانروا محتشم شمس الدین سے اس کی (تاج الدین ینالتگین کی) صلح کرا دے گا ، وہ اس سفر کے لیے تیار نہ ہوتا ۔

باطنیوں کے پاس سفارت :

جب ملک تاج الدین ینالتگین کو خبر ملی کہ راقم حروف منہاج سراج فراہ کے حوالی میں پہنچ گیا ہے تو اس نے سواری کے لیے ایک گھوڑا اور ممتاز اصحاب کا ایک وفد استقبال کے لیے بھیج دیا ۔ مجھے طلب فرمایا ۔ میں حاضر خدمت ہوا تو التماس کی : مہربانی کیجیے اور صلح کی غرض سے قہستان جائیے ۔ ملک رکن الدین خیسار آپ کے ساتھ جائے گا ۔ آپ سفیر ہوں گے اور اس کی حیثیت واسطے کی ہوگی ۔

[185] چنانچہ اس التماس کی بنا پر مجھے قہستان جانا پڑا ۔ اس زمانے میں باطنیوں کا لشکر نیہ میں تھا ۔ میں حدود قہستان میں پہنچنے کے بعد پلٹ کر نیہ کی طرف گیا ۔ تاج الدین ینالتگیں اور محتشم شمس الدین کے درمیان صلح کا انتظام ہو گیا ۔

نظر بندی :

جب میں اس سفر سے لوٹ کر تاج الدین ینالتگین کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ دوبارہ قہستان جاؤ اور باطنیوں سے جنگ کا مطالبہ کرو ۔[۱۳] میں نے دوسرا سفر قبول نہ کیا کیونکہ ہندوستان کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا اور میرا دل اسی سفر کی طرف مائل تھا ۔

تاج الدین ینالتگین کو اس دعا گو کا انکار پسند نہ آیا ، چنانچہ اس نے حکم دے دیا کہ دعا گو کو تینتالیس دن قلعہ صفہندستان میں نظر بند رکھا جائے ۔ یہاں تک کہ ملک رکن الدین خیسار نے غور سے مکتوب بھیجا ۔ دعا گو نے اپنی قید کے بارے میں ایک قصیدہ حسب حال لکھا ۔ خدا کے فضل کی بدولت مجھے قلعے سے رہائی ملی ۔

قصیدہ :

اس قصیدے میں سے پانچ شعر یہاں نقل کرتا ہوں تا کہ بادشاہوں کے بادشاہ کی نظر مبارک سے گزریں - اس کی سلطنت پائندہ رہے !

منہاج سراج کے اشعار

تا کے بلورِ اشک مرا چرخِ زمردی
(اے زمرد کے رنگ کے آسمان ! کب
تک آنسوؤں کے بلور

ہر کہرباے روے دہد لون بسدی
میرے کہربا جیسے زرد چہرے کو
مونگے کے رنگ میں رنگتے رہیں گے)

آہم چو دود عود قماری است بے عجب
(میری آہوں کا دھواں راس کماری کا
عود ہے اور اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے

اے آبِ دیدہ گر تو گلابِ مصعدی
اے آنکھوں کے پانی اگر تو ایسا گلاب
ہے جو اوپر کھینچا گیا ہے)

نے شرِ سیرتِ سیہ و نے بدی چرا
(نہ میری سیرت تاریک میں کوئی شر
ہے ، نہ مجھ سے کوئی برائی سرزد
ہوئی ہے

محبوسم و اسیر بہ کوہ صفہبدی
پھر مجھے کیوں کوہ صفہبد میں
قید و اسیر کر دیا گیا ہے)

سیمرغ نیستم من و ایں کُہ نہ کوہِ قاف
(نہ میں سیمرغ ہوں ، نہ یہ پہاڑ
کوہ قاف ہے

طوطی و حبس خوش نبود تا بہ سرمدی
طوطی کے لیے قید کبھی خوشگوار نہیں
ہو سکتی)

منہاج راہ راستِ تو در رہ کشادہ بہ
(منہاج تیرے لیے راہ راست یہ ہے کہ
راستہ کھل جائے

بر قلعہ راہ راست نیاید ز مسندی
لیکن قلعے میں یہ حالت قید راہ راست
کا سراغ کیا مل سکتا ہے ؟)

[186] اس قصیدے کا کوئی نسخہ موجود نہیں ، اسی پر اکتفا کی ۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ عالم کو امکان کی آخری حد تک باقی رکھے ۔

اب پھر ہم تاریخی سلسلہ بیان پر آتے ہیں ۔ ملحدستان[14] کے علاقوں میں ایک سو پانچ قلعے ہیں ؛ ستر قہستان میں اور پینتیس عراق عجم کے پہاڑوں میں ۔ اسے الموت کہتے تھے ۔[15] باطنیوں کے علاقوں میں تاتاری لشکر کے قیام پر خاصی مدت گزر گئی ۔ باطنیوں کے بہت سے آدمی مارے گئے ، بہت سے اسیر ہوئے ۔ علاء الدین محمود (بن جلال الدین حسن نو مسلمان) باطنیوں کا "مولانا" یعنی رئیس اعظم تھا ۔ اسے ایک غلام نے قلعہ لمبسر میں قتل کر دیا ۔[16] اس کا بیٹا قلعے سے باہر نکلا اور تاتاریوں کی لشکرگاہ میں پہنچ گیا ۔[17] وہاں سے اسے متوسلین کے ہمراہ منکو خاں کے پاس لے گئے ۔ حکم صادر ہوا کہ اسے راستے ہی میں قتل کر دیا جائے ۔ اسی پر عمل ہوا ۔

ملحدستان کے تمام قلعے برباد کر دیے گئے ۔ ان کے شہروں پر قبضہ کر لیا گیا ۔ صرف ایک قلعہ "گردکوہ" جو خراسان و عراق عجم کے درمیان ہے ، اب تک کہ ۶۵۸ھ ختم ہو رہا ہے ، محصور ہے ، حالانکہ دس سال کی مدت گزر چکی ہے ۔ اس قلعے میں ایک سو یا دو سو آدمی پناہ لیے بیٹھے ہیں ۔ وہ تا حال مسخر نہیں ہوا ۔ (اللہ تعالیٰ انھیں برباد کرے) ۔

محتشم شمس الدین کو حادثہ :

یہ حکایت میں نے مسلمان زاہدوں میں سے ایک زاہد سے سنی اور اس غرض سے یہاں درج کر رہا ہوں کہ بادشاہوں کے بادشاہ کی نظر سے گزرے اور اسے معتبر سمجھا جائے ۔

دولت قاہرہ کا دعاگو منہاج سراج جو ان طبقات کا مؤلف ہے ، پہلی

مرتبہ قہستان گیا تو وہاں محتشم شہاب الدین حکیم سے ملاقات ہوئی ۔ وہاں ایک درویش تھا ، جو دنیا سے تعلق توڑ چکا تھا ۔ اسے پیر نیشاپوری کہتے تھے ۔ اسے سلطان محمد خوارزم شاہ [187] اور اس کی والدہ ملکہ جہاں کے ہاں بھی قرب کا درجہ حاصل تھا (ان دونوں پر اللہ کی رحمت ہو!) سلطان کے عہد سلطنت میں اسے قرب و قبول حاصل ہو گیا تو وہ سلطان کے سامنے غائبانہ محتشم شہاب الدین کی مصلحتوں کا خاص خیال رکھتا تھا ۔ محتشم جن آدمیوں کو سلطان کے دربار میں بھیجتا ، درویش ان کی عزت کرتا اور ان کے کام پورے کرا دیتا ۔ جب چنگیز خاں کی مصیبت پیش آئی تو خراسان و خوارزم کے تمام درباری بکھر گئے اور یہ درویش محتشم شہاب الدین کے پاس قہستان پہنچ گیا ۔ محتشم کے لیے پہلے جو خدمات انجام دیتا رہا تھا ، ان کی بناء پر قرب حاصل ہو گیا اور اس کا بہت اعزاز و اکرام کیا گیا ۔ محتشم شہاب قہستان کی حکومت سے معزول ہو کر الموت چلا گیا اور محتشم شمس الدین اس کی جگہ مقرر ہوا ۔ اس درویش کو نئے محتشم کے پاس وہ اعزاز حاصل نہ رہا جو پہلے محتشم کے زمانے میں حاصل تھا ۔ اس وجہ سے محتشم شہاب کی غیر حاضری درویش کے دل پر بری طرح اثر انداز ہوتی رہی ۔ اس نے چاہا کہ محتشم شہاب کا یہ بدلہ محتشم شمس الدین سے لے جو اس کی جگہ مقرر ہو کر آیا تھا اور خود شہادت کی دولت حاصل کر لے ۔ اس کے نزدیک یہ بھی ایک جہاد تھا ۔

درویش کا انجام :

ایک روز وہ محتشم شمس الدین کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے تنہائی میں ضروری باتیں کہنی ہیں ؛ وہ اسی وقت کہہ سکتا ہوں ، جب مجلس میں کوئی موجود نہ ہو ۔ محتشم نے سب کو چلے جانے کا حکم دے دیا ۔ درویش نے کہا مجھے اطمینان نہیں ۔ ممکن ہے ادھر بات شروع کروں اور ادھر سے کوئی نامحرم آ جائے اور میری بات بیچ ہی میں رہ جائے ۔ اگر محتشم اجازت دے تو میں بارگاہ کا دروازہ اندر سے بند کر دوں تاکہ دل ہر وسوسے سے پاک ہو جائے ۔ محتشم نے کہا ٹھیک ہے ، بارگاہ کے دروازے کی زنجیر اندر سے لگا دو ۔ درویش اٹھا اور دروازہ اندر سے بند کر کے محتشم کے سامنے آ بیٹھا ۔

محتشم پر حملہ :

محتشم کی ایک عادت یہ تھی کہ ہر وقت ایک آبدار خنجر ہلارک۶۸ ہاتھ میں رکھتا ۔ کبھی اسے پہلو میں یا سامنے رکھ دیتا اور کبھی ہاتھ میں لے لیتا ۔ درویش نے کہا : تیرے شہر اور تیری مملکت میں مجھ پر ظلم ہو رہا ہے ۔ یہ خنجر تیرے ہاتھ میں کیوں دیا گیا ہے ؟ صرف اس لیے کہ ضعیفوں اور کمزوروں کو ظالموں کے ظلم و جور سے بچائے ۔ اسے میرے حوالے کر کہ دیکھوں یہ تیز بھی ہے یا نہیں ۔ محتشم سے غفلت سرزد ہوئی ۔ اس نے سمجھا کہ درویش بہت کمزور اور بوڑھا ہے ۔ اس کی طرف سے کوئی مخالفانہ حرکت [188] ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا خنجر درویش کو دے دیا ۔ وہ خنجر لیتے ہی محتشم کی طرف پلٹا ، چند زخم لگائے اور محتشم کا جسم کئی جگہ سے مجروح ہو گیا ۔ سردی کا موسم تھا اور محتشم نے پشمینے کے دو جامے اوپر نیچے پہن رکھے تھے ۔ پھر درویش کمزور اور بوڑھا تھا ، اس لیے زخم گہرے نہ لگ سکے ۔ اگر درویش جوان اور موسم گرمی کا ہوتا تو یقیناً محتشم بچ نہ سکتا ۔ تاہم وہ زخمی ہو گیا ۔ اس نے زخم لگانے والے درویش کو پکڑ لیا اور امداد کے لیے آواز دی ۔ باطنیوں میں سے کئی لوگ بارگاہ کے دروازے پر موجود تھے ، انھوں نے دروازہ توڑا ، اندر داخل ہوئے اور زاہد کو شہید کر ڈالا ۔ (اللہ اس سے خوش ہو !)

محتشم کی حق شناسی :

شہر تون میں چیخ و پکار مچ گئی ۔ باطنیوں نے مسلمانوں کا قصد کر لیا ۔ وہ چاہتے تھے کہ غریب مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں ۔ لیکن محتشم شمس الدین نے فرمایا : منادی کرا دو کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے ۔ ایک شخص کی حرکت کی بناء پر تمام مسلمانوں کو مارنے کے درپے ہو جانا جائز نہیں ۔ اس ہنگامے میں ایک بزرگوار عالم نے شہادت پائی ، جسے امام نجم الدین سرباری رومی کہتے تھے ۔ اس سے ایک باطنی کو دشمنی تھی ۔ باقی کسی مسلمان کو کوئی گزند نہ پہنچا ۔ بعد میں اس باطنی کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ، جس نے امام کو شہید کیا تھا ۔

اس حکایت سے فائدہ یہ ہے کہ بادشاہوں کو ہمیشہ حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیے ۔ اپنے پاس سے اسلحہ کبھی الگ نہ کرنے چاہییں اور کسی

پر بھی اعتماد جائز نہیں ۔

منکو خاں کا انجام :

منکو خاں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے ایک بھائی ہلاؤ (ہلاکو) کو ایران و عجم کی سلطنت دے دی ۔ دوسرا بھائی قبلا تسخیر عراق کے بعد لوٹا تو اسے قبائل ترکستان کا رئیس بنا دیا ۔ ایک اور بھائی ارق بوقہ کو ممالک طمغاج کی نیابت سونپ دی اور بہت سا لشکر جمع کرکے چین پر حملہ کیا ۔ ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں آب و ہوا کی ناسازکاری کے باعث اس کے لشکر کے گھوڑے تلف ہو گئے ۔ اس نے تیز رفتار قاصد ترکستان اور ماوراءالنہر بھیج کر لشکر کے لیے گھوڑے طلب کیے ۔

قابل اعتماد بیان یہ ہے کہ جو نائب اور گماشتے ترکستان اور ماوراءالنہر میں مقرر تھے ، انہوں نے ایک ہفتے سے بھی کم مدت میں اسی ہزار گھوڑے سمرقند و بخارا سے خریدے ۔ جو ترکستان بالا سے خریدے گئے تھے [189] ، وہ بھی ان میں ملائے اور بھیج دیے گئے ۔ کچھ مدت گزر جانے پر معلوم ہوا کہ چین کا بادشاہ اتنا لشکر لے کر آیا تھا جس کا شمار و حساب ہی نہیں ہو سکتا ۔ آخر منکو خاں نے شکست کھائی ۔ وہ ایک پہاڑ میں پہنچ گیا جس کے ارد گرد دریا تھا یا دلدلیں تھیں ۔ اسی پہاڑ میں وہ لشکر کے ساتھ بھوک کے باعث تباہ ہوا ۔ منکو نے نو سال حکومت کی ۔[۱۹۰] دعا ہے اللہ تعالیٰ بادشاہ اسلام کا عہد حکومت انسانوں کا رشتہ حیات کٹنے تک باقی رکھے اور الغ خاں اعظم کی فرمانروائی رہتی دنیا تک قائم رہے ۔

حواشی

۱- ایک قوم ، علاقے کا نام جو بحیرۂ خزر کے آس پاس تھا ۔ اس نام کا ایک شہر بھی تھا ۔

۲- راورٹی نے لکھا ہے کہ عام بیان کے مطابق یہ قفچاق کا ایک شہر تھا ، جس کے نام پر صوبے کا نام رکھا گیا ۔

۳- بحر ظلمات سے مراد دراصل بڑا سمندر ہے ۔ عرب اوقیانوس کو بھی بحر ظلمات کہتے رہے ۔ یہاں اس سے مراد بحر منجمد شمالی ہے ، جیسا کہ راورٹی نے لکھا ہے ۔

۴- راورٹی کا بیان ہے کہ باتو ۶۰۲ھ (۱۲۰۵-۰۶ء) میں پیدا ہوا ۔ باپ کے مرنے پر چنگیز نے اسی کو جانشین چنا کیونکہ وہ تمام بیٹوں میں سے لیاقت و قابلیت میں بڑھا ہوا تھا ۔ اپنے چچا اوکتائی کے حکم کے مطابق باتو نے سات سال تک مہموں کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت سے علاقے فتح کر لیے ۔ ۶۳۹ھ (۱۲۴۱-۴۲ء) میں اس پر فالج گرا ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کیک کی وفات پر اس اجتماع میں بھی شریک نہ ہو سکا ، جس میں جانشینی کا فیصلہ ہونے والا تھا ۔ ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ء) میں اس نے وفات پائی ۔ اڑتالیس سال کی عمر تھی ۔ اس نے اپنا مرکز دریائے والگا کے کنارے بنا لیا تھا ، جسے پرانے زمانے میں ''اتل'' کہتے تھے ، وہیں مرا ۔

۵- ۱۲۵۰ء ۔

۶- مستنصر سے مراد غالباً آٹھواں فاطمی یا اسماعیلی خلیفہ ہے ، جو ۴۲۷ھ (۱۰۳۵ء) میں مسند نشیں ہوا اور ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) میں وفات پائی ۔

۷- ۱۲۲۴ء ۔

۸- یہ قہستان کے مقامات ہیں ۔

۹- تون ، قائن سے شمال مغرب میں قہستان کا مشہور شہر ہے ۔

۱۰- ۱۲۲۵ء ۔

۱۱- واضح رہے کہ محتشم شہاب اور محتشم شمس الدین دونوں باطنیوں

کی طرف سے امیر مقرر ہوئے تھے۔

۱۲- ۱۲۲۶ء۔

۱۳- اس فقرے کا مطلب میرے ذہن نشین نہیں ہوا۔ اگر ینالتگین جنگ کا خواہاں تھا تو اس کے لیے سفیر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ حملہ کیا جا سکتا تھا۔ آیا اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تاوان مانگا جائے؟

۱۴- اس سے مراد ہے وہ علاقہ جہاں باطنیوں کا زور تھا۔ وہ قہستان میں بھی تھا اور کوہستانی علاقے میں بھی۔

۱۵- یعنی پورا پہاڑی علاقہ الموت کہلاتا تھا۔

۱۶- اس غلام کا نام حسن مازندرانی تھا اور یہ اواخر شوال ۶۵۳ھ (اواخر نومبر ۱۲۵۵ء) کا واقعہ ہے۔ ممکن ہے یہ قدم اس لیے اٹھایا گیا ہو کہ جنگ کی مصیبت ختم ہو اور جو بھی انجام ہونا ہے ہو جائے۔ علاءالدین محمود حوالگی کے لیے تیار نہ تھا۔ راورٹی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ قلعہ "میمون دژ" میں پیش آیا۔ لمبسر اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا۔

۱۷- یہی بیٹا خداوند رکن الدین خور شاہ تھا، جو باطنیوں کے دور اقتدار کا آخری فرد تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ بالکل نوجوان تھا۔ یہاں اتنا اور بتا دینا چاہیے کہ مصنف نے یہاں اس قدر اختصار سے کام لیا ہے کہ واقعات کی صحیح صورت سمجھ ہی میں نہیں آ سکتی۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علاءالدین محمود کا قتل بھی صلح ہی کے میلان کا نتیجہ تھا۔ ممکن ہے پہلے ہی سے خور شاہ کو ہموار کر کے علاءالدین محمود کو ختم کیا گیا ہو۔ بہ ہر حال ہلاکو بھی چاہتا تھا کہ صلح ہی سے معاملہ طے ہو جائے اور خور شاہ یا حقیقتاً اس کے مشیروں کی رائے بھی یہی تھی۔ چنانچہ ہلاکو سے گفت و شنید شروع ہو گئی۔ خور شاہ کے وزیر کیقباد نے خود تاتاریوں کو یقین دلایا کہ تمام قلعے مسمار کر دیے جائیں گے۔ خور شاہ نے صرف الموت اور لمبسر کو مستثنیٰ رکھنے کی کوشش کی۔ ہلاکو کا اصرار تھا کہ خورشاہ خود حاضر ہو۔ اس نے پہلے بیٹا بھیجا، پھر ایک بھائی بھیجا، بعد ازاں دوسرا بھائی بھیجا۔ آخر شوال ۶۵۴ھ (نومبر ۱۲۵۶ء) میں فیصلہ ہو گیا کہ خور شاہ آئے؛ وہ محفوظ رہے گا اور اس کے باپ کے گناہ بھلا دیے گئے۔ ادھر ہلاکو نے خور شاہ کو یہ یقین دلایا کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچے گا، ادھر حکم دے دیا کہ میمون دژ کا محاصرہ کر لیا جائے جہاں خور شاہ رہتا تھا۔ خواجہ نصیرالدین طوسی بھی خور شاہ کے پاس تھا۔ حالات زیادہ

خراب نظر آئے تو خور شاہ نے اپنے ایک اور بھائی شاہ کیا کے ساتھ خواجہ نصیر طوسی کو تحائف دے کر ہلاکو کے پاس بھیجا اور یکم ذی قعدہ ۶۵۴ھ (۲۰ نومبر ۱۲۵۶ء) کو خود بھی اس مقام سے نکلا جو دو سو سال سے اس کا خاندانی مرکز چلا آتا تھا ۔ اس وقت غالباً اندازہ نہ ہوگا کہ دوبارہ اس مقام کو دیکھنا زندگی میں مقدر نہیں ۔ پھر خود خورشاہ نے حکم دے کر سب قلعے تاتاریوں کے حوالے کر دیے بلکہ شام کے باطنیوں کو بھی حوالگی کے احکام بھجوا دیے ۔ ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خورشاہ ایک کم حیثیت تاتاری لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا اور ہلاکو نے وہ لڑکی اس کے حوالے کر دی ۔ آخر اسے منکو خاں کے پاس بھیج دیا گیا اور صرف اس تاتاری لڑکی کو ساتھ جانے دیا ، باقی سب کو روک لیا ۔ پھر منکو خاں کے حکم کے مطابق ہلاکو نے خورشاہ کے تمام بیٹے ، خواہ وہ کتنے ہی کمسن تھے ، موت کے گھاٹ اتار دیے ۔ ادھر منکو خاں نے حکم دے دیا کہ خورشاہ کو عرض رہ ہی میں ختم کر دیا جائے ۔

۱۸۔ ایک خاص جوہر دار تلوار یا خنجر کو کہتے ہیں ۔

۱۹۔ مقامات کے چینی ناموں کا مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ لڑائی کے صحیح موقع اور محل کا پتا لگانا مشکل ہے ۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی چین کے صوبہ شنسی (Shensi) میں ہوئی ۔ بعض ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خلیج کے آس پاس ہوئی تھی ، جسے آج کل خلیج کیاؤ چاؤ کہتے ہیں ۔ بہ ہر حال اس میں شبہ نہیں کہ منکو نے سخت ناگوار حالات میں بھی بہادری ، مردانگی اور استقامت دکھائی ۔ ایک قلعے پر آخری حملے میں وہ خود فوج کے ساتھ چلا ۔ قلعے کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا دی گئیں ۔ یکایک ایک طوفان آ گیا ، سیڑھیاں الٹ گئیں ۔ یہ حالت دیکھ کر محصورین نے حملہ کر دیا ۔ بہت سے تاتاری مارے گئے ۔ انھیں میں منکو بھی تھا ، جس کا جسم زخموں سے چور تھا ۔ یہ ۱۲۵۹ء کا واقعہ ہے ۔

☆ ☆ ☆

تیرھواں باب

ھلاؤ (ہلاکو) بن تولی بن چنگیز خاں

(۱)

ہلاکو

ہلاؤ (ہلاکو)، منکو کا بھائی اور تولی بن چنگیز کا بیٹا تھا۔ تولی چنگیز کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ چنگیز دریائے جیحوں کو عبور کر کے خراسان آیا تھا تو اس نے تولی کو نیشاپور، ہرات اور مرو بھیج دیا تھا۔ تولی نے یہ تمام شہر مسخر کیے اور انھیں برباد کر ڈالا۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ تولی جوان اور خوب صورت تھا۔ وہ خراسان سے ترکستان کی طرف گیا تو فوت ہو گیا اور اس نے چار بیٹے چھوڑے،[۱] جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

تولی کا بیٹا منکو تخت نشین ہوا تو اس نے ہلاؤ (ہلاکو) کو ایران و عجم کی طرف بھیج دیا۔ یہ ملک اسے دے دیے اور لشکر عراق کی طرف گئے۔ جو گروہ ترکستان، ختلان، طالقان اور قندز میں تھے نیز جو لشکر غور، خراسان، ہرات اور گرمسیر کی طرف بھیجے جا چکے تھے، ان سب کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ہلاؤ (ہلاکو) کی فرمانبرداری کریں گے۔ جب ہلاؤ (ہلاکو) خراسان پہنچا تو اس نے بادغیس کو اپنا مرکز بنایا۔ اطراف عجم کے سردار اور رئیس اس کی خدمت میں پہنچے۔

اہل اصفہان کی مردانگی:

جرماغون کی سالاری میں جو لشکر عراق گیا تھا، اسے ہمیشہ امیرالمؤمنین[۲] کے لشکر سے کشمکش اور جنگ کی نوبت آتی رہتی تھی۔ تاتاریوں کو کسی بھی صورت میں لشکر بغداد پر قابو پالینے کا موقع نہیں

ملتا تھا بلکہ ہر موقع پر کافروں ہی کو شکست سے سابقہ پڑتا تھا ۔ خصوصاً شہر اصفہان کی تسخیر میں پندرہ سال [190] لگ گئے ۔ اس کے بعد شہر حوالے ہو سکا ۔ اگر اصفہان کے قاضی کو شہید نہ کرا دیا جاتا تو کافر کبھی اصفہان پر قبضہ نہ کر سکتے ۔

جرماغون اور ختیا[3] نوین کے لشکر پندرہ سال تک شہر اصفہان اور اس کے حوالی میں لڑتے بھڑتے رہے ۔ اس مدت میں اہل اصفہان نے شہر کے دروازے کھول رکھے تھے اور رات کو انہیں بند نہیں کرتے تھے ۔ غازیان اصفہان کی انتہائی بہادری کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ تاتاریوں کو شہر کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی ۔ آخر مرتدوں کے ایک گروہ نے ایک آدمی کو چکمہ دیا اور اس سے کہا : ضروری ہے کہ قاضی کو مار دیا جائے ؛ کیونکہ وہی شہر کی حفاظت کا فتنہ اٹھانے کا ذمہ دار ہے ۔ قاضی شہید ہو گیا تو شہر بھی قبضے میں آ گیا ۔

خلافت اور تاتاریوں کی چھڑپیں :

پھر ۶۵۵ھ[3] میں خلیفہ[4] برحق مستعصم باللہ امیرالمؤمنین (اللہ اس سے راضی ہو) کا امیر علم جس[4] کا نام سلیمان شاہ تھا اور وہ ایوائی ترکمان[5] تھا (اس پر اللہ کی رحمت ہو) ، حکومت بغداد کے حکم سے عراق آیا ۔ آذربائیجان اور عراق میں تاتاریوں کے جو لشکر تھے ، انہیں شکست دی ۔ تاتاریوں نے سلیمان شاہ اور لشکر بغداد کے مقابلے کی ہمت اپنے آپ میں نہ دیکھی تو تیز رفتار قاصد ہلاؤ (ہلاکو) کے پاس خراسان بھیجے اور اس سے کمک مانگی ۔ ہلاؤ (ہلاکو) نے خراسان کا لشکر تیار کیا جس میں تاتاری بھی تھے اور دوسرے لوگ بھی ۔ یوں وہ عراق کا مصمم ارادہ کر کے ادھر روانہ ہو گیا ۔ و اللہ اعلم بالصواب ۔

بغداد کی طرف پیش قدمی :

جب ہلاؤ (ہلاکو) عراق کی طرف گیا تو موصل کے امیر ملک بدرالدین لولؤ نے (اس پر اللہ کی لعنت ہو) کافروں کی طرف سے نگران (شحنہ) منظور کر لیا ۔ اتابک ابوبکر والی فارس پہلے ہی نگران منظور کر چکا تھا اور اس نے خراج دینے کا بھی اقرار کر لیا تھا ۔ ان دونوں کی طرف سے تاتاریوں کے لیے فوجی امداد آ گئی ۔ غرض تاتاریوں کے لشکر عراق میں ہلاؤ

(ہلاکو) کے پاس جمع ہو گئے اور اس نے بغداد کا رخ کر لیا ۔٦

امیرالمؤمنین مستعصم باللہ کا وزیر تھا ،[191] جس کا نام احمد العلقمی؟ تھا ۔ اس وزیر اور امیرالمؤمنین کے فرزند کلاں امیر ابوبکر کے درمیان دشمنی تھی کیونکہ امیر ابوبکر نے کرخ اور مشہد امام موسیٰ جعفر (اللہ ان دونوں سے راضی ہو) پر حملہ کیا تھا ۔ وہاں کے شیعوں کو لوٹا تھا اور بعض کو قتل بھی کر دیا تھا ۔ اس واقعے کے انتقام میں بغداد کے وزیر نے امیرالمؤمنین کی مخالفت کا عزم کر لیا اور خفیہ خفیہ خط لکھ لکھ کر ہلاؤ (ہلاکو) کے پاس بھیجے ۔ اس سے ساز باز کر لیا اور پیش قدمی کی استدعا کی ۔ ساتھ ہی عراق کے لشکروں کو بغداد سے مختلف اطراف میں بھیج دیا ۔ امیرالمؤمنین کے سامنے یہ معاملہ یوں پیش کیا کہ تاتاریوں سے صلح ہو چکی ہے اور لشکر کی کچھ ضرورت نہیں ۔

تاتاری آ پہنچے :

غرض بغداد لشکروں سے خالی ہو گیا تو اچانک تاتاری کافر مرکز خلافت کے قرب و جوار میں آ پہنچے ۔ تاتاریوں نے موصل کے رئیس ملک بدرالدین لولؤ سے پل بزور چھین لیا تھا اور بغداد کے نیچے بھی ایک پل بنا لیا تھا ۔ اس طرح انھوں نے دریائے دجلہ عبور کر لیا ۔ قلعۂ تکریت بہت مستحکم تھا ، وہاں کے غازی قلعے سے باہر نکلے اور پل جلا دیا ۔ [192] دوسرے روز تاتاریوں نے پل دوبارہ درست کر لیا اور مسلمانوں کو شہید کر دیا ۔

ابوبکر اور سلیمان شاہ :

خلیفہ کے بیٹے اور امیر علم سلیمان شاہ ایوائی ترکمان — جو تیس سال سے تاتاریوں کے خلاف شمشیر بکف لڑ رہا تھا اور جس نے سنت کے مطابق جہاد کیے تھے ، دونوں نے اکٹھے ہو کر چند مرتبہ تاتاریوں پر یورشیں کیں اور انھیں شکست دی ۔ ایک مرتبہ تو وہ تاتاریوں کے تعاقب میں حدود بغداد سے اصفہان تک جا پہنچے اور بہت سے تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتارا ۔ یہ امیر علم سلیمان شاہ ایوائی ترکمان قبائل انبوہ کا ملک تھا ، جو ترکمانوں کا ایک گروہ ہیں ۔ مستعدی ، دلاوری اور جنگجوئی میں درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے ہیں ۔ وہ خلیفہ کی فوج کا دایاں بازو تھے ۔ جب سے

جرجنون عراق آیا تھا ، سلیمان شاہ تیس سال اس طرح لڑتا رہا کہ زمانۂ جاہلیت میں رستم دستان ، زمانۂ اسلام میں حضرت علی (اللہ ان سے راضی ہو) اس طرح لڑے تھے ۔

عنقمی کے علاوہ نصرانی :

[193] جب ہلاؤ (ہلاکو) ایک مرتبہ شکست کھا چکا تو اس نے دوسری مرتبہ ، خراسان و عراق کے تمام سوار اور پیادے جمع کر لیے ۔ ان میں کافر تاتاری بھی تھے ، وہ مسلمان بھی جو تاتاریوں کے ساتھی بن گئے تھے اور قیدی بھی تھے ۔ اس انبوہ کثیر کے ساتھ ہلاؤ (ہلاکو) نے وزیر کی استدعا پر بغداد کا قصد کر لیا ۔ مدینة السلام (بغداد) میں جو فوج تھی ، اسے وزیر رخصت کر چکا تھا ، کیونکہ سرکشی اور دین سے انحراف اس کی طبیعت میں پیوست ہو چکا تھا ۔ بغداد کے نصرانی بھی خفیہ خفیہ ہلاؤ (ہلاکو) کے دوست بن چکے تھے اور انھوں نے بھی ہلاؤ (ہلاکو) کو خط بھیجے تھے اور کہا تھا کہ فوج لے کر آ جائے ۔

خلیفہ کے غلاموں اور سرداروں کو (جن کا لقب سلاطین تھا) وزیر کی حیلہ گری اور مکاری کا حال معلوم ہو چکا تھا ۔ ایک مرتبہ تو انھوں نے وزیر کا خط بھی پکڑ لیا تھا ، جو اس نے ہلاکو کے نام لکھا تھا ۔ اور وہ خط خلیفہ کو دکھا بھی دیا تھا ۔ اس سے واضح ہو رہا تھا کہ تاتاری کیوں بغداد کا قصد کیے بیٹھے تھے ۔

اسی طرح سلطان مجاہدالدین ایبک سردوات دار (چیف سیکریٹری) اور وزیر کے درمیان بھی مخالفت اور کشمکش تھی ۔ سردوات دار کو یہ بھی معلوم تھا کہ وزیر رافضیوں کے مارے جانے کے باعث خلیفہ کے فرزند امیر ابوبکر کا مخالف ہے ۔ چنانچہ اس نے (سردوات دار نے) یہ حالات امیرالمؤمنین خلیفہ تک پہنچائے ۔ وزیر کو سردوات دار کے اس اقدام کا علم ہوا تو اس نے خلیفہ کو بتایا کہ سردوات دار آپ کو خلافت سے معزول کر کے امیر ابوبکر کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے ۔ (عجیب امر یہ ہے کہ) خلیفہ کو دونوں فریقوں کی کوششوں کا علم ہو گیا تو وہ ایک دوسرے کے خلاف کسی فریق کی بات پر کان دھرتا ہی نہ تھا ۔

جب امیروں اور سرداروں نے وزیر کے وہ خطوط خلیفہ کو دکھائے جو اس نے ہلاؤ (ہلاکو) کے نام لکھے تھے (اور وزیر سے جواب طلب کیا

گیا) تو اس نے بے تکلفی سے کہہ دیا کہ یہ سردوات دار کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے ، ورنہ وزیر ایسے خط کیوں کر لکھ سکتا ہے ۔ اس جواب سے تمام امیر اور سردار افسردہ ہو گئے ۔[8]

آخری کوشش :

آخر جب ہلاؤ (ہلاکو) بغداد سے صرف دس فرسنگ پر رہ گیا تو سلیمان شاہ امیر علم ، ملک عزالدین بن فتح الدین کرد (جو دارالخلافہ بغداد کا پہلوان تھا) ـــ اور لشکر خلافت کے دائیں بازو کا علم دار وہی تھا ، اس نے سلطان مجاہد الدین ایبک سردواتی مستنصری[9] سے مشورہ کیا کہ سہلت ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے ۔ زبردست دشمن نزدیک آ گیا ہے ۔ وزیر نے دشمنوں سے ساز باز کر رکھی ہے ۔ امیرالمؤمنین سے کہنا چاہیے کافروں کے انسداد کی کوئی تدبیر کریں ۔

[194] مجاہدالدین نے جواب دیا کہ جو کچھ کہنا میرے امکان میں تھا ، میں کہہ چکا ۔ امیرالمؤمنین کے کان میں کوئی بات جاتی ہی نہیں ۔ ہاں میں آپ لوگوں کے لیے بھی خلوت کی ملاقات کا انتظام کر دیتا ہوں ۔ آپ بھی جو کچھ کہنا چاہیں ، کہہ دیکھیں ۔ اس طرح ملک سلیمان شاہ اور ملک عزالدین (بن فتح الدین کرد) نے خلیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ دشمن قریب آ پہنچا ہے اور اس کی روک تھام کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہیے ۔ خلیفہ نے فرمایا : وزیر سے کہہ دیا گیا ہے ، اس سے جواب لینا چاہیے ۔

دونوں مایوس ہو کر بارگاہِ خلافت سے لوٹ گئے ۔

اس اثنا میں باجو نوین[10] اسی ہزار سواروں کے ساتھ ایران[11] و آذربائیجان کی طرف سے آیا ۔ اس نے ملک بدرالدین لولؤ رئیس موصل سے پل لے لیا اور تکریت کے نزدیک ایک پل (کشتیوں کا) بنایا ۔ غازیان تکریت شہر اور قلعے سے باہر نکلے اور تاتاریوں کا بنایا ہوا پل جلا دیا ، بہت سے کافر مارے گئے اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے ۔

تاتاریوں کی شکست :

دوسرے روز تاتاریوں نے پھر پل درست کر لیا ، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ۔ وہ دریائے دجلہ کو عبور کر کے کوفہ ، حلب[12] اور کرخ کی

طرف تیزی سے بڑھے ۔ خلق خدا کو شہید کیا ۔ ملک عزالدین (بن فتح الدین کرد) اور سلطان مجاہدالدین سردوات دار نے بیس ہزار سواروں کے ساتھ دجلہ کو عبور کیا ۔ کرخ اور دوسرے قصبوں کے آدمیوں کو امداد کے لیے بلایا اور تاتاریوں سے جنگ کی ۔ اسلامی لشکر میں پیادے بہت زیادہ تھے ، وہ ثابت قدمی سے لڑے ۔ دشمن کو روکا ؛ پھر لڑ کر انھیں شکست دی ، بہت سے تاتاری مارے گئے ۔

ملک عزالدین نے بڑی کوشش کی کہ شکست خوردہ دشمن کا تعاقب کرنا چاہیے تاکہ اس فتح کے ساتھ باقی تاتاریوں کو بھی تہ تیغ کیا جا سکے لیکن مجاہدالدین سردوات دار نے تعاقب میں توقف کیا ۔ اس رات مسلمانوں کا لشکر وہیں مقیم رہا ۔

وزیر کی ایک اور خیانت :

اس مقام کے قریب ہی ایک نہر ہے جسے نہر شیر[13] کہتے ہیں ۔ یہ نہر فرات سے نکالی گئی ہے ۔ اس نہر کی زمین ذرا اونچی ہے ، مسلمانوں کی لشکر گاہ پستی میں تھی ، اسی رات ملعون رافضی وزیر نے ایک گروہ کو بھیج دیا جس نے نہر کا پانی مسلمانوں کی لشکر گاہ پر کھول دیا ۔ اس طرح لشکر گاہ زیر آب [195] ہو گئی ۔ فوج کے اسلحے خراب ہو گئے اور سب لوگوں پر بے بسی کی سی کیفیت طاری ہو گئی ۔ صبح تاتاریوں کا لشکر لوٹ کر آیا اور دوبارہ جنگ ہوئی ۔ مسلمان رات بھر زحمت اٹھا چکے تھے اور ان پر اضطرار کی سی حالت طاری تھی ، لہٰذا شکست کھا گئے ۔ شکست خوردہ سردار دریائے دجلہ کو عبور کر آئے اور بغداد میں اس جگہ لشکر گاہ بنا لی ، جہاں سلطان سنجر کی بنوائی ہوئی مسجد جامع اور قصر ہے ۔

بچاؤ کی آخری تدبیر :

جب ملعون کافروں کا لشکر اس مقام پر پہنچا تو سلیمان شاہ ، ملک عزالدین اور مجاہد الدین سردوات دار پھر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دشمن شہر کے دروازے پر آ پہنچا ہے ۔ بغداد میں ہمارے پاس سوار تھوڑے ہیں اور کافر تاتاریوں کے لشکر کی تعداد دو لاکھ سے بھی زیادہ ہے ۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ امیرالمؤمنین کشتی میں سوار

ہو جائیں ، خواتین حرم اور مال و دولت بھی ساتھ لے لیں ۔ ہم سب امیرالمؤمنین کی خدمت کے لیے ساتھ رہیں گے ۔ دریا کے راستے ہم بصرہ پہنچ جائیں گے ۔ وہاں جزیروں میں ٹھہر جائیں گے ۔ یہاں تک کہ پھر اللہ تعالٰی کی نصرت میسر آئے اور ہم تاتاریوں کو مغلوب کریں ۔

خلیفہ نے یہ پوری تجویز وزیر کے سامنے پیش کر دی ۔ اس ملعون نے امیرالمؤمنین سے کہا : میں نے (تاتاریوں سے) صلح کر لی ہے ، کہیں جانے کی ضرورت نہیں[۱۳] ۔ وہ خود امیرالمؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوں گے ۔ اگر میرے کہنے پر اعتماد نہ ہو تو امیر ابوبکر کو باہر بھیج دیجیے ، وہ جا کر ہلاؤ (ہلاکو) کا مزاج معلوم کر لے گا ۔

امیر ابوبکر تاتاری لشکرگاہ میں :

امیرالمؤمنین کو یہ رائے مناسب معلوم ہوئی ۔ چنانچہ اپنے بیٹے امیر ابوبکر کو باہر بھیج دیا ۔ وزیر کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اپنے ایک معتمد سے کہا کہ وہ خفیہ خفیہ ہلاؤ (ہلاکو) کے پاس جائے اور کہے کہ امیر ابوبکر کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے اور اس کا بہت اعزاز و اکرام کیا جائے ۔ اس کا خیرمقدم اعلٰی پیمانے پر ہو تا کہ خلیفہ کے دل میں اعتماد پیدا ہو جائے ۔ اسی طرح تیرا مقصد پورا ہو گا ۔

امیر ابوبکر باہر آیا اور ہلاؤ (ہلاکو) کی لشکرگاہ میں پہنچا تو تمام تاتاریوں اور مسلمانوں نے اس کا پرزور استقبال کیا اور خدمت گزاری کے تمام آداب پورے کیے ۔ ہلاؤ (ہلاکو) کی بارگاہ میں پہنچا تو اس نے چالیس قدم آگے بڑھ کر پیشوائی کی ، تواضع اور اکرام کا بھی حق ادا کیا ۔ اپنی جگہ امیر ابوبکر کو بٹھایا ، خود ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھا اور کہا : میں خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے آیا ہوں ۔ اطاعت کا حلف اٹھاؤں گا ۔ برکا میرا چچا ہے ، وہ شیخ سیف الدین باخرزی کے ہاتھ مسلمان ہوا تھا ۔ میں وہیں مسلمان ہو جاتا لیکن میں نے اپنے وزیروں سے پوچھا : [196] سب سے بڑا مسلمان کون ہے ؟ انہوں نے حضرت خلیفہ کا نام لیا ۔ میں امیر المؤمنین کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں گا ۔ ایسی ہی میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا ۔

امیر ابوبکر نے ان زہرآلود فضولیات پر اعتماد کر لیا ۔ وہاں سے

امیرالمؤمنین کی خدمت میں پہنچا اور جو کچھ (دیکھا) سنا دیا۔ ملعون وزیر نے کہا: مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ امیرالمؤمنین خود پورے جلو کے ساتھ باہر جائیں تاکہ ہلاؤ (ہلاکو) استقبال و خدمت گزاری کی شرطیں بجا لائے۔

خلیفہ کی گرفتاری:

دربار کے اکابر ہرچند امیرالمؤمنین سے کہتے رہے کہ اس مشورے پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ (اللہ ان سب سے راضی ہو) لیکن تقدیر ربانی اور قضائے آسمانی آ چکی تھی، ان مسلمانوں کے منع کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر قضا نے خلافت کے عقب میں ایک تازیانہ لگایا۔ امیرالمؤمنین بارہ سو سواروں کے ساتھ، جن میں ممتاز سردار، صدر، علما، اکابر، تاجر اور دولت کے کارکن شامل تھے، باہر نکلے۔ ملعون تاتاری ہلاؤ (ہلاکو) کی لشکرگاہ میں پہنچے۔ وہاں سب کو روک لیا گیا۔ پھر ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا گیا۔

ہلاکو نے امیرالمؤمنین کو پکڑ لیا اور کہا، ابھی اپنے قلم سے فرمان لکھو کہ بغداد میں جتنے ممتاز اصحاب موجود ہیں، وہ سب باہر آ جائیں۔ چنانچہ ان کے آتے ہی سب کو شہید کر ڈالا گیا۔[۱۰۵]

امیر ابوبکر کے بارے میں روایات:

اس مقام پر امیرالمؤمنین کے فرزند ابوبکر کے بارے میں چند روایتیں ہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کون سی زیادہ صحیح ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ امیر ابوبکر، سلیمان شاہ، فتح الدین کرد اور مجاہدالدین ایبک کو شہید کر دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب امیر ابوبکر ہلاؤ (ہلاکو) کے پاس سے واپس آیا تو امیرالمؤمنین کے باہر جانے کے وقت ساتھ نہ گیا، بلکہ بغداد سے صحرا کی جانب نکل گیا اور شام چلا گیا۔ بعض کہتے کہ شہادت پائی کیونکہ جب ہلاؤ (ہلاکو) نے (دوسری مرتبہ باہر آنے پر) اسے پکڑا تو امیر کی زبان سے سخت کلمات نکلے، یعنی کہا: ہمارا خیال تھا کہ تیری اصل اونچی ہے، [197] تو مرد کامل ثابت ہوگا، بڑا بادشاہ ظاہر ہوگا، اس لیے تیرے قول پر اعتماد کیا۔ اب معلوم ہوا کہ نہ تو بادشاہ ہے، نہ مرد ہے۔ تو نے غداری کی، بادشاہوں اور مردوں کا کام غداری نہیں۔ ہلاؤ (ہلاکو) کے کہنے پر امیر ابوبکر کو شہید

کر دیا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ امیرابوبکر کو ایک بزرگ سید کے ساتھ حسب فرمان آذربائیجان لے گئے تا کہ کچھ مدت وہاں رہیں ۔ جب بغداد میں امن ہو جائے تو عزت و آزادی کے ساتھ واپسی کا فرمان دے دیا جائے گا۔ جب امیرابوبکر کو بزرگ سید کے ساتھ چند منزل آذربائیجہ ۔ کی طرف لے گئے تو دین سے پھرے ہوئے لوگوں نے ہلاؤ (ہلاکو) سے کہا : تو نے غلطی کی کہ امیرابوبکر سلامت آذربائیجان پہنچ گیا ۔ ب روم ، شام اور مغرب کے لشکر جمع ہو جائیں گے اور تجھ سے انتقام لیا جائے گا۔ یہ سنتے ہی ہلاؤ (ہلاکو) نے پیچھے آدمی بھیج کر ابوبکر کو واپس بلا لیا اور شہید کر دیا (واللہ اعلم) ۔

اسلام کے بادشاہ ، مسلمان بادشاہوں کے بادشاہ ، سات اقلیموں کے بادشاہ کی زندگی ، بادشاہی عدل اور انصاف میں گزرے ۔ آمین یارب العالمین ۔

حواشی

۱- راورٹی نے لکھا ہے کہ تور کے آٹھ بیٹے تھے ۔ مگر زیادہ مشہور وہی چار ہوئے جن کے نام درج کیے جا چکے ہیں ۔

۲- عباسی خلیفہ جس کا مرکز بغداد تھا ۔

۳- اس کا نام راورٹی نے خنیا لکھا ہے ۔

۴- ۱۲۵۸ء ۔

۵- راورٹی نے ایوبی ترکمان لکھا ہے ۔ ترکمانوں میں ایسا کوئی قبیلہ نہیں ۔ صحیح "ایوائی" ہی ہے ۔

۶- اس مقام پر آقائے حبیبی نے لکھا ہے کہ طبقات کا جو نسخہ بمبئی میں چھپا ہے ، اس میں پورا ایک صفحہ ایسا ہے جو مصنف کی تحریر میں تحریف پر مبنی ہے ۔

۷- بدرالدین بن عبدالملک علقمی ، خلیفہ مستعصم کی مسند نشینی کے وقت سے اکثر لوگوں کو شبہ تھا کہ علقمی مستعصم کی مسند نشینی کے خلاف ہے ۔ مگر خود خلیفہ کی رائے یہ نہ تھی ۔ علقمی کو غالباً ۶۴۲ھ (۱۲۴۴ - ۴۵ء) میں وزیر بنایا گیا ۔ وہ بڑا قابل ، فاضل ، شاعر ، ادیب اور فصیح البیان مقرر تھا ۔ انتظامی معاملات میں مشاق تھا ۔ ساتھ ہی فیاض تھا ۔ اسی نے خلیفہ کے سوا لاکھ سواروں کو یہ کہہ کر گھٹانا شروع کیا کہ اس طرح بڑی بچت ہو گی ۔ یہی امر خلافت اور خلیفہ کی بربادی کا باعث ہوا ۔

۸- مطلب یہ کہ خلیفہ کی عجیب و غریب روش نے انہیں افسردہ کر دیا ۔ بغداد کی تباہی مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصیبت تھی ۔ علقمی وزیر کی خیانت اور غداری کا ایک ایک پہلو آشکارا ہو چکا تھا ، لیکن خلیفہ مستعصم باللہ نے اس دور میں جو طریقہ اختیار کیا ، وہ تو سینکڑوں خیانتوں اور غداریوں سے زیادہ رنج افزا اور دلدوز تھا ۔ سچ ہے قدرت کو جو کچھ منظور ہوتا ہے ، اس کے لیے ہر قسم کے سامان خود بخود جمع ہو جاتے ہیں ۔

۹- یعنی وہ شخص جسے مستعصم کے والد خلیفہ مستنصر نے سردوات دار بنایا تھا۔

۱۰- راورٹی نے اس کا نام تاجو یا تانجو لکھا ہے۔

۱۱- یہاں آقائے حبیبی کے متن میں ''ایران'' ہے، میرے نزدیک ''آران'' صحیح ہے۔

۱۲- آقائے حبیبی کے متن میں حلب ہے، جو شام کا مشہور شہر شمال میں واقع ہے۔ بغداد پر حملے کے سلسلے میں اس طرف جانے کا معاملہ خارج از بحث تھا۔ راورٹی نے یہاں حلہ لکھا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۱۳- آقائے حبیبی کے متن میں ''شہر شیر'' ہے، حالانکہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہاں ''شہر'' کی جگہ ''نہر'' ہی موزوں ہے۔

۱۴- یہ الفاظ پڑھ کر ۱۸۵۷ء میں شہزادہ الٰہی بخش کا کردار یاد آ جاتا ہے جس نے بہادر شاہ کو ایسی ہی چکنی چپڑی باتیں سنا کر روکا تھا اور بخت خاں نے بہادر شاہ کو ساتھ لے جانے کی جو تجویز پیش کی تھی اسے ناکام بنایا تھا۔

۱۵- سلیمان شاہ اور مجاہدالدین سردوات دار بھی امیر ابوبکر کے ساتھ آئے تھے۔ ہلاکو نے انھیں اطمینان دلا کر واپس بھیج دیا کہ اپنے اہل و عیال، اقربا، متوسلین وغیرہ کو ساتھ لے آئیں تاکہ اپنے پاس سے مزید فوج دے کر انھیں مصر و شام کی طرف بھیج دیا جائے۔ ان لوگوں کو نیز دوسرے بڑے بڑے مجاہدوں کو اطمینان دلانے کا کام خواجہ نصیرالدین طوسی سے بھی لیا گیا۔ خواجہ پہلے سالہا سال باطنیوں کے مرکز میں رہا تھا اور وہیں ''اخلاق ناصری'' لکھی تھی۔ جب ہلاکو نے باطنیوں کا خاتمہ کر دیا تو ہلاکو کے ساتھ ہو گیا۔ خواجہ کو ایک وفد کے ساتھ بغداد بھیجا گیا تھا۔ غرض سلیمان شاہ اور سردوات دار سب کو ساتھ لے کر آ گئے تو پہلے ہلاکو نے سردوات دار اور اس کے تمام اقربا و متوسلین شہید کرائے۔ پھر سلیمان شاہ سے یہی سلوک ہوا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ سلیمان شاہ ترکمان کو طوق و زنجیر پہنائے ہوئے ہلاکو کے سامنے لائے تو اس نے بہ طور تعریض کہا: تم بڑے نجومی سمجھے جاتے ہو، تم نے اپنا مستقبل کیوں نہ دیکھ لیا؟ سلیمان شاہ نے مردانہ وار جواب دیا: افسوس امیرالمؤمنین کی بدنصیبی تھی کہ انھوں نے وفادار خدمت گزاروں کے مشورے پر کان نہ دھرا اور

ایک غدار و خائن کے کہنے پر چلتے رہے - حقیقت یہ ہے کہ ہلاکو کو سب سے بڑھ کر رنج سلیمان شاہ اور سردوات دار ہی پر تھا جو سالہاسال سے تاتاریوں کی ہر کوشش کو ناکام بناتے رہے تھے اور آخری وقت میں بھی جانبازی کے اصل محرک وہی تھے - قدرت بعض اوقات ایسے پاک نفس مجاہدوں کو انتہائی تکلیفوں کے مرحلوں میں سے گزارتی ہے - ان سے سلیمان شاہ اور سردوات دار کو بھی سابقہ پڑا - اقبال اس مقام پر کیا خوب کہہ گئے ہیں :

چناں خود را نگہداری کہ با ایں بے نیازیہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی

☆ ☆ ☆

چودھواں باب

ہلاکو بن تولی

(۲)

واقعات شہادت امیرالمؤمنین مستعصم باللہ

امیرالمؤمنین مستعصم باللہ :

تاتاری چاہتے تھے خلیفہ کو زیر نگاہ رکھیں ۔ ان کے لشکر میں جو مسلمان تھے ، وہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہلاؤ (ہلاکو) نے خلیفہ کا خون زمین پر بہایا تو وہ اور تاتاریوں کا لشکر زلزلے سے زمین میں دھنس جائے گا ۔ اسے قتل نہ کرنا چاہیے ۔ ان مسلمانوں کی غرض یہ تھی کہ خلیفہ زندہ رہے ۔ سب کو خلیفہ کے قتل میں توقف مناسب نظر آیا ۔ لیکن بدرالدین لولؤ رئیس موصل نے (اس پر اللہ کی لعنت ہو) نیز کافروں نے ہلاؤ (ہلاکو) سے کہا کہ اگر خلیفہ زندہ رہا تو جو مسلمان تاتاری لشکر میں ہیں ، [198] نیز دوسرے ملکوں کے مسلمان اکھٹے ہو کر نکلیں گے اور خلیفہ کو رہا کرائیں گے ۔ تو ہلاکو ہے ، تجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے ۔

ملعون ہلاکو ڈر گیا کہ اگر خلیفہ زندہ رہا تو واقعی مسلمان خروج کریں گے ۔ اگر اسے تلوار سے مارا گیا ، اس کا خون زمین پر گرا تو زلزلہ آ جائے گا اور خدا کی مخلوق تباہ ہو جائے گی ۔ چنانچہ اس نے امیرالمؤمنین کو دوسرے طریقے پر مارنے کا ارادہ کر لیا ۔ یعنی حکم دے دیا کہ اسے کپڑے رکھنے والے چرمی تھیلے میں بند کریں اور ٹھوکریں مار مار کر ہلاک کر دیں ۔[1] (اللہ امیرالمؤمنین سے راضی ہو) ۔

خلیفہ کے بیٹے امیرالمؤمنین ابوبکر اور امیر علم سلیمان شاہ کو بھی شہید کر دیا گیا ۔[2] یہی سلوک بارگاہ خلافت کے دوسرے امرا و اکابر سے

ہوا ۔ امیرالمؤمنین کا صرف ایک چھوٹا بیٹا بچا ۔

اموال و خزائن :

ہلاؤ (ہلاکو) بغداد کے تمام اموال و خزائن پر قابض ہو گیا ، جن کی مقدار لکھنے کا حوصلہ قلم اور بتانے کی ہمت انسان کی قوت گویائی میں نہیں ۔ نقد روپیہ ، جواہرات ، قیمتی اور نادر اور مرصع چیزیں سب لشکرگاہ میں اٹھا لے گیا ۔ جو کچھ منکو خاں کے لائق تھا ، اس کے پاس بھیج دیا ۔ بعض لونڈیاں ، خلیفہ کی بعض بیویاں ، ایک بیٹی بھی ترکستان بھیج دی گئی ۔ بعض بطور تحفہ و حصہ برکا کے پاس بھیج دیں جو مسلمان تھا ۔ باقی سب کچھ اپنے پاس رکھا ۔

خلیفہ کی صاحبزادی :

معتبر بیان یہ ہے کہ برکا کے پاس جو کچھ بھیجا گیا تھا ، اس نے قبول نہ کیا اور ہلاکو کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو قتل کرا دیا ۔ اسی بنا پر ہلاکو اور برکا کے درمیان دشمنی پیدا ہوئی ۔ منکو کے پاس جو کچھ بھیجا گیا تھا ، اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب تحائف سمرقند پہنچے تو خلیفہ کی صاحبزادی نے ساتھ جانے والے تاتاریوں کے سردار سے یہ کہہ کر اجازت مانگی کہ سمرقند میں میرے ایک جدامجد یعنی قثم رض بن عباس[3] کا روضہ ہے ، ذرا اس کی زیارت کر لوں ۔ اجازت مل گئی تو وہ معصومہ قثم رض بن عباس رض کے روضے پر گئی ؛ زیارت کی شرطیں پوری کیں ۔ دو رکعت نماز پڑھی اور پیشانی زمین پر رکھ کر دعا کی کہ خداوندا اگر میرے جدامجد قثم رض بن عباس رض کی کوئی آبرو تیری بارگاہ میں ہے تو اس عاجزہ کی جان لے لے اور نامحرموں سے مجھے نجات بخش [199] دے ۔ اسی وقت اس معصومہ کی روح پاک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئی (اللہ اس سے اور اس کے اسلاف سے نیز تمام مومنین و شہدا سے راضی ہو) ۔

ایک روایت :

تاریخ مقدسی کے مصنف نے ترکوں کے خروج کی فصل میں حضرت عبداللہ رض بن عباس رض کی ایک روایت بیان کی ہے ، جس کا مفاد یہ ہے کہ عبداللہ رض بن عباس رض نے قسم کھا کر کہا کہ خلافت میرے فرزندوں کو ملے گی ۔ پھر ان کی عزت و دولت پر سرخ ترک غلبہ پا لیں گے ۔ ان کے

بھرے ایسے ہوں گے ، جیسے چوڑی ڈھالیں ۔

اس بارے میں علما نے تاویلیں کی ہیں ۔ بعض نے کہا یہ ترک مسلمان ہوں گے ۔ بعض نے بیان کیا کہ یہ ترک ممالک چین سے ہوں گے جو ایران ، عراق اور بغداد پر مسلط ہو جائیں گے ۔ دنیا کے تمام عقل مندوں اور بنی آدم کے علما پر آشکارا ہو گیا کہ آخری تاویل درست تھی ۔ دارالخلافہ بغداد پر جو آفت آئی وہ چینی کافروں کے ہاتھوں آئی (ان پر اللہ کی لعنت ہو) ۔ امیرالمؤمنین مستعصم باللہ نے انہیں کے ہاتھوں شہادت پائی ۔ مسلمان بادشاہوں کے بادشاہ کی سلطنت اور مملکت میں خطبہ اور سکہ اسی امام و خلیفہؑ برحق کے نام پر جاری ہے ۔ اللہ اس بادشاہ کو مسند سلطنت پر باقی اور پایندہ رکھے ۔ (حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی آل میں سے شہدا اور مومنوں کی ارواح کے طفیل نیز اپنی رحمت سے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے) ۔

وزیر کے متعلق پہلا بیان :

جب ہلاؤ (ہلاکو) بغداد کو لوٹ چکا اور خلق خدا کو شہید کر چکا تو باقی سب کچھ اس نے وزیر[۳] کے حوالے کر دیا ۔ اس کے ساتھ ایک تاتاری بہ طور نگران مقرر کر دیا اور حکم دے دیا کہ وہ خلق خدا کو جمع کرے ۔ ملعون وزیر بغداد آیا تو بعض لوگوں کو اس نے جمع کیا اور بغداد میں بسایا ۔ خلیفہ کے غلاموں میں سے جو وادی[۵] میں [200] چلے گئے تھے اور زندہ رہ گئے تھے ، وہ قریباً دس ہزار سوار جمع ہو گئے ۔ اچانک وہ دریائے دجلہ کو عبور کرکے بغداد پہنچے ۔ ملعون وزیر اور تاتاریوں کے نگران کو پکڑ لیا اور دونوں کو ٹکڑے کر ڈالا ۔ یہی سلوک ان ملعونوں کے ساتھیوں اور پیروؤں سے کیا ۔ بغداد کے تمام نصرانیوں کو بھی پکڑ کر جہنم رسید کر دیا ۔ غرض جو بدلہ ان سے لیا جا سکا لے لیا اور جلد سے جلد لوٹ گئے ۔

دوسرا بیان :

جب یہ خبر تاتاریوں کی لشکر گاہ میں پہنچی تو سواروں کی ایک جمعیت بغداد بھیج دی گئی ۔ جو مسلمان باقی رہ گئے تھے ، وہ بھی تیزی سے نکل گئے ۔ کوئی بھی تاتاریوں کے ہاتھ نہ آیا ۔ بعض اصحاب کا بیان

ہے کہ جب ہلاؤ (ہلاکو) بغداد کے کام اور مسلمانوں کے قتل سے فارغ ہوا تو وزیر سے پوچھا: تجھے جو دولت و عزت و اقتدار ملے تھے ۔ تو کہاں سے ملے تھے؟ وزیر نے جواب دیا کہ مرکز خلافت سے ۔ ہلاؤ (ہلاکو) نے کہا: جب تو نے اپنے منعموں کی نعمت کے حق کا کوئی پاس و لحاظ نہ کیا تو میری خدمت کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے؟ حکم دے دیا کہ اسے دوزخ میں بھیج دیا جائے ۔ واللہ اعلم ۔

الملک الکامل:

جب ہلاؤ (ہلاکو) بغداد کے کاروبار سے فارغ ہو گیا تو اس نے حلب، میافارقین اور ایمد کا قصد کر لیا ۔ اس ولایت کو دیار بکر کہتے[۱] ہیں ۔ اور یہ شہاب الدین ملک العادل شام کے بیٹے کی ہے اور اس کا لقب ملک الکامل ہے ۔ وہ حد درجہ دیندار اور پرہیز گار آدمی تھا ۔ ہلاؤ (ہلاکو) کے ادھر جانے کا سبب یہ تھا کہ شہاب الدین ملک العادل کا بیٹا میافارقین، ماردین اور ایمد کا حاکم تھا، اور اس ولایت کے تین شہر اور قلعے اس کی تحویل میں تھے ۔ جب جرماغون اور باجو نوین نے اران، آذربائیجان اور عراق (عجم) پر قبضہ کر[۲] لیا تو ولایت ایمد کی سرحدوں پر حملے شروع کر دیے ۔ ان حدود کے سرداروں نے تاتاریوں سے نگران منگوا لیے ۔ شہاب الدین غازی کے بیٹے ملک الکامل نے عزم کر لیا کہ وہ منکو کے دربار میں پہنچے گا ۔ (چنانچہ پہنچا) اور وہاں سے خاص اعزازی خلعت حاصل کر لیا ۔ اس کا سبب یہ ہوا [201] کہ منکو نے شراب نوشی کی ایک مجلس میں الکامل سے بھی شراب پینے کے لیے کہا ۔ اس نے انکار کر دیا اور نہ پی ۔ منکو نے انکار کا سبب پوچھا، الملک الکامل نے جواب دیا کہ اسلام میں شراب حرام ہے ۔ میں اپنے دین کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا ۔ منکو کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ جو قبا اس نے پہن رکھی تھی وہی اتار کر الملک الکامل کو دے دی اور اس کی بہت عزت کی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام پر پختگی کافر و مسلمان سب کے نزدیک بہ ہر حال مفید ہوتی ہے ۔

ہلاکو سے اختلاف:

غرض جب ہلاؤ (ہلاکو) مملکت ایران کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے

مقرر ہوا تو منکو خاں نے فرمان صادر کر دیا کہ الملک الکامل کو ہلاؤ (ہلاکو) کے ساتھ عجم واپس جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ اکوٹے عراق پہنچے۔ ہلاؤ (ہلاکو) کے دل میں بغداد پر حملے کا ارادہ پکا ہو گیا اور اس نے شہاب الدین غازی کے بیٹے الملک الکامل کو حکم دیا کہ اپنی ولایت سے سات ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے لے کر بغداد پہنچے اور امداد دے۔ شہاب الدین غازی کے فرزند نے جواب دیا کہ میرے پاس اتنی فوج نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ دو ہزار یا تین ہزار سوار اور پانچ چھ ہزار پیادے حاضر کر دوں۔ ہلاکو نے زیادہ سواروں کی فراہمی پر اصرار کیا۔ الملک الکامل اپنے جواب پر ڈٹا رہا۔ ہلاؤ (ہلاکو) نے خفیہ اپنے وزیر سے ــ جو مسلمان تھا اور سمرقند کے ممتاز اصحاب میں سے تھا ، بہ صیغۂ راز کہا : مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الملک الکامل کے دل میں بغاوت کا خیال ہے۔ وہ ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں اور اسے قتل کر دینا چاہیے۔

تاتاریوں سے علیحدگی :

سمرقندی مسلمان وزیر کو الملک الکامل سے محبت تھی۔ چنانچہ وزیر نے خفیہ خفیہ یہ بات الملک الکامل تک پہنچا دی۔ وہ دوسرے روز ہلاؤ (ہلاکو) کے پاس گیا اور شکار کی اجازت لی۔ اجازت پاتے ہی باہر آیا ، خاص سواروں کے ساتھ جن کی تعداد اسّی تھی ، تاتاریوں کے لشکر سے تیزی کے ساتھ نکل گیا اور اپنی ولایت کا راستہ لیا۔ سات روز میں وہاں پہنچ گیا۔ حکم دے دیا کہ جتنے تاتاری نگران میری ولایت میں موجود ہیں ، ان سب کو دیواروں کے ساتھ لگا کر پانچ پانچ میخیں ٹھونکی جائیں۔ ایک پیشانی میں جس سے جان نکل جائے اور چار ہاتھوں اور پاؤں میں۔

جب تاتاری لشکر سے ملک الکامل کے نکل جانے پر تین روز گزر گئے تو ہلاؤ (ہلاکو) کو اس کے جانے کا حال معلوم ہوا۔ سوار اور پیادے اس کے پیچھے بھیجے ، مگر وہ نہ ملا اور ناکام لوٹ آئے۔

دفاعی انتظامات :

الملک الکامل نے اپنی ولایت میں پہنچتے ہی ظہیرالدین الناصر[2] کے پاس آدمی بھیجے اور امداد طلب کی تاکہ انہیں لے کر [202] بغداد پہنچے۔ ملک ناصر امداد کے لیے تیار ہو گیا۔ ملک الکامل نے اپنے سوار

اور پیادے لے کر بغداد کا قصد کیا ۔ راستے میں اسے اطلاع مل گئی کہ بغداد مسخر ہو گیا اور امیرالمؤمنین شہید کر دیے گئے ۔ وہ تیزی سے لوٹا ، اپنے قلعوں اور شہروں کے استحکام کا انتظام کر لیا ۔ ساتھ اپنی ولایت کے تمام خانہ بدوش لوگوں کو اطلاع دے دی کہ وہ محفوظ و مستحکم مقامات میں پناہ گزیں ہو جائیں ۔ ملک الکامل خود میافارقین کے قلعے میں پہنچ گیا اور جہاد کے لیے تیار ہو گیا ۔

میافارقین :

میافارقین ایک چھوٹا سا شہر ہے ۔ اس کے شمال میں بہت بلند پہاڑ ہے ۔ اس پہاڑ پر (نصرانیوں کی) ایک خانقاہ ہے ، جسے مرتوسہ کہتے ہیں ۔ یہ بہت متبرک مقام مانا جاتا ہے ۔ اس پہاڑ پر سے ایک بڑا چشمہ بہتا ہوا آ رہا ہے ۔ شہر میں ایک تالاب ہے ، جہاں یہ پانی جمع ہوتا جاتا ہے ۔ شہر کے جنوب میں باغ ہیں ، مشرق میں مقبرے ہیں ۔ شہر کے اردگرد پہاڑوں کی مضبوط دیوار اور فصیل ہے ۔

ہلاؤ (ہلاکو) بغداد کی طرف سے فارغ ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے کو تاتاریوں کے پورے لشکر کے ساتھ ملک الکامل کی ولایت میں بھیج دیا ۔ ان کی ایک جماعت قلعہ میافارقین کے دروازے پر آ پہنچی ، محاصرہ کر لیا اور جنگ شروع ہو گئی ۔ تین ماہ سے زیادہ مدت تک وہاں سخت جنگ ہوئی ۔ بہت سے مارے گئے اور زخمی ہوئے ۔

میافارقین کے مسلمانوں کی کرامت

عرب و عجم کے معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ ہلاؤ (ہلاکو) کے بیٹے نے میافارقین کے قلعے پر تین مہینے لڑائی کی ۔ منجنیقوں سے جتنے بھی پتھر تاتاریوں نے قلعے کی طرف پھینکے ، وہ سب واپس آئے [۸] اور تاتاریوں کے سر پر لگے ۔ آخر موصل کی طرف سے ایک ایسی منجنیق لائے ، جسے بڑی شہرت حاصل ہو چکی تھی ۔ اس کے آنے پر پہلا ہی دن طلوع ہوا تو اہل قلعہ نے نفط پتھر میں رکھ کر پھینکا جس سے آگ لگی اور وہ منجنیق جل گئی ۔ یہ جنگ چند ماہ رہی ۔ ہر روز اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک روایت کے مطابق سات سوار ، دوسری روایت کے مطابق چھ سوار ، ایک اور روایت کے مطابق اس سے بھی کم ، سفید لباس پہنے اور دستاریں

باندھے قلعے سے باہر آتے ، کافروں کے لشکر پر حملہ کرتے اور سو دو سو کو مار دیتے ۔ ان سواروں کو کافروں کے تیروں ، تلواروں اور نیزوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا ۔ اس طرح تاتاریوں کے کوئی دس ہزار آدمی جہنم رسید ہوئے ۔

ہلاؤ (ہلاکو) نے بیٹے کے پاس قاصد [203] بھیجا کہ میں نے بغداد جیسا شہر ایک ہفتے میں لے لیا اور تو ایک چھوٹے سے قلعے کو اتنی لمبی مدت میں نہیں لے سکا ۔ بیٹے نے جواب دیا کہ بغداد کو بدعہدی سے لے لیا گیا ۔ یہاں مجھے تلوار چلانی پڑی ہے ۔ ہر روز بہت سے آدمی ہلاک ہوتے ہیں ۔ اس مقام کا قیاس بغداد پر نہ کرنا چاہیے ۔

ہلاکو کی ناکامی :

یہ پیغام ہلاؤ (ہلاکو) کو ملا تو اس نے کہا میرے بیٹے سے کہہ دو کہ میری آنکھوں سے دور رہے ، ورنہ تجھے بہ ہر صورت مار ڈالوں گا ۔ خود اس نے قسم کھائی کہ میں یہ قلعہ صرف تین روز میں فتح کر لوں گا ۔ ساتھ ہی وہ تیزی سے میافارقین کی طرف گیا اور لڑائی میں شامل ہو گیا ۔ پہلے دستور کے مطابق ہر روز چند سفید پوش سوار باہر آتے ، دو سو تین سو سے زیادہ تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتار جاتے ۔ تین روز تک ہلاکو سخت جنگ کرتا رہا ۔ پھر وہیں مقام کر لیا اور بہ دستور شدید لڑائی جاری رکھی ۔ دس ہزار کے قریب مزید تاتاری جہنم رسید ہوئے ۔ ہلاکو نے کہا : یہ قلعہ ''تنگری'' کی ملکیت ہے ۔ میں نے اسے چھوڑا لیکن وہ سفید پوش سوار دکھا دو تا کہ جان لوں وہ کس قسم کے آدمی ہیں ۔

یہ پیغام اہل قلعہ کو پہنچا تو انھوں نے بڑی سنجیدگی سے قسمیں کھائیں کہ جس طرح تمھیں ان سواروں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ، ہم بھی کچھ نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں ؟ ہلاکو نے کہا: اب میں تنگری کی خاطر ایک ہزار گھوڑے ، ایک ہزار اونٹ اور ایک ہزار بکریاں بہ طور صدقہ دیتا ہوں ۔ اپنے معتمد قلعے سے باہر بھیجو تاکہ یہ چیزیں لے جائیں ۔ اہل قلعہ نے جواب دیا : ہمیں تمھارے صدقے کی ضرورت نہیں اور ہم کسی کو باہر نہیں بھیجیں گے ۔ اگر تو ضروری سمجھتا ہے تو یہاں بھیج دے ورنہ سب کو جہنم میں پھینک دے ۔ چنانچہ ہلاؤ (ہلاکو) اتنے گھوڑے ، اونٹ اور بکریاں قلعے کے باہر چھوڑ گیا اور خود چلا گیا ۔ میافارقین سے

وہ اس مرغ زار کی طرف گیا ، جسے "صحرائے موش" کہتے ہیں ۔ وہاں کی مٹی سیاہ رنگ کی ہے اور پانی بھی سیاہ ہے ۔

مختلف روایات :

بعض کہتے ہیں کہ اسے لشکر شام سے مقابلہ پیش آ گیا ؛ شکست کھائی ، پورے لشکر کے ساتھ نیست و نابود ہو گیا اور دوزخ میں پہنچا ۔ بعض کہتے ہیں کہ حلب کے ملک ناصر نے شام و حلب کے لشکروں کے علاوہ فرنگیوں سے بھی امداد طلب کی ۔ اس طرح بھاری لشکر جمع ہو گیا اور ہلاکو ملعون تا حال اسی لشکر سے مقابلے میں الجھا ہوا ہے ۔ [204] ایک مرتبہ شکست کھا چکا ہے ۔ کون کہہ سکتا ہے انجام کیا ہوگا ۔ اللہ نے چاہا تو فتح مسلمانوں کی ہوگی ۔ ان اطراف سے جو لوگ آئے ان میں سے ایک نے بیان کیا کہ ہلاکو شہر رے کے اندر دوزخ میں پہنچ گیا اور اس کا بیٹا باپ کی جگہ مقرر ہوا ۔ واللہ اعلم

ایک خواب :

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ ملک بدرالدین لولؤ موصلی کا بیٹا فرزند ہلاؤ (ہلاکو) کے لشکر میں تھا ۔ اس نے وہ لڑائیاں دیکھیں جو میافارقین میں ہوئی تھیں ۔ ان میں تاتاریوں کی ناکامی اور غازیوں کے لیے الٰہی نصرت کے کرشمے ملاحظہ کیے ۔ ان حالات نے اسے تعجب میں ڈال دیا ۔ آسمانی مدد اس کے نزدیک واقعی حیرت انگیز تھی ۔ ایک رات اسے خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا جمال مبارک خواب میں نظر آیا ۔ وہ یوں کہ حضورؐ قلعہ میافارقین کی فصیل پر قیام فرما ہیں اور اپنا دامن مبارک قلعہ کے اردگرد پھیلا رکھا ہے ۔ زبان مبارک سے فرما رہے ہیں : یہ قلعہ اللہ تعالٰی کی پناہ میں اور میری نبوت کی پناہ میں ہے اور میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) ہوں ۔

بدرالدین لولؤ کا بیٹا اس خواب کی ہیبت سے جاگ اٹھا ۔ دن بھر اسی سوچ بچار میں رہا کہ عجیب خواب ہے ؛ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ دوسری رات بھی ہوبہو یہی خواب دیکھا ۔ اس کے دل پر رعب ، خوف اور ہیبت نے اور بھی غلبہ پا لیا ۔ تیسرے روز وہ اپنے خاص مصاحبوں کے ساتھ شکار کے بہانے نکل گیا اور تاتاریوں کے لشکر سے الگ ہو کر اپنے

علاقوں کی طرف چلا گیا ۔ باپ کو علم ہوا تو اس نے فرمان صادر کیا کہ تو نے مجھے ہلاکت میں ڈالا ، میری مملکت کے لیے تباہی کا خطرہ پیدا کر دیا ۔ مخالفت کی یہ حرکت تجھ سے کیوں سرزد ہوئی ؟ میں تجھے اپنے پاس آنے کی اجازت کبھی نہ دوں گا ۔ بیٹے نے باپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے جنگ کی تاب نہیں لا سکتا ۔ ساتھ ہی خواب کی کیفیت اول سے آخر تک سنادی اور دوسری طرف چلا گیا ۔ تا حال باپ کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا ۔ (واللہ اعلم)

تاتاریوں کا انجام :

[205] دولت قاہرہ کا دعاگو منہاج سراج (اللہ اس کی زندگی اچھی رکھے) کہتا ہے کہ امام یحیٰی بن اعقب نے جو امیرالمؤمنین حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے شاگرد ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام کے استاد تھے ، ایک قصیدے میں ترکوں کے خروج ، چنگیز خاں کے فتنے کے ظہور اور چینی ترکوں (تاتاریوں) کے غلبے کا حال ، ابتدا سے اس گروہ کے فنا ہونے تک تفصیلاً بیان کر دیا ہے ۔ یہ قصیدہ شروع سے (جو ان کا تختہ الٹ جانے کی دلیل ہے) پورے کا پورا یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ بزرگوں کی نظر سے گزرے ۔ تمام شعروں کا ترجمہ ساتھ ساتھ فارسی میں واضح کر دیا ہے کہ سب لوگ اس کا مطلب سمجھ لیں ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بادشاہ ، سلطان سلاطین ناصرالدنیا و الدین کو ملک داری کے تخت پر باقی رکھے ۔ آمین یا رب العالمین ۔

قصیدہ امام یحیٰی اعقب رضی اللہ عنہ

احذر بنی من القران العاشر
(اے میرے بیٹے دسویں قرن سے
پرہیز کر

و انفر باھلک قبل نفر النافر
اور بھاگ اہل و عیال کے ساتھ پیشتر
اس سے کہ دوسرے بھاگیں)

و اسکن بلاداً بالحجاز و کن بہا
(اور مکونت اختیار کر سرزمین حجاز
کے کسی مقام میں اور وہیں رہ

و اصبر علی مضض الزمان الجایر
اور ظالم زمانے کی طرف سے تجھ پر
سختیاں آئیں تو ان پر صبر کر)

و لاترکنن الی العراق لانہا
(اور عراق کی طرف کبھی رغبت نہ
کرنا کیونکہ

سیشیعہا حد الحسام الباتر
جلد ہی اسے کاٹنے والی تلوار آ لے گی)

[206] من فتنۃ افطس الانوف کانہم
(ہچ) چپٹی ناک والے گروہ کے فتنے
سے جن کے لشکر

سیل طاء او کالجراد الناشر
زبردست سیل کی طرح آئیں گے یا
ٹڈی دل کی طرح ، جو ہرطرف بکھر
جاتے ہیں)

حرف العیون ترونہم فی ذلۃ
(چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے جنھیں
تو ذلیل و خوار دیکھے گا

کم قد اذلّوا من ملیک قاہر
چند ایسے بھی ہوں گے جو بڑے
بڑے بادشاہوں کو ذلیل کر دیں گے)

ما قصدہم الاالدماء کانہا
(ان کے پیش نظر خلق خدا کا خون
بہانے کے سوا کچھ نہ ہوگا

ثارلہم من کل ناہ آمر
تو سمجھے کہ وہ تمام چھوٹے بڑے
آدمیوں سے بدلہ لینے کے درپے ہیں)

سیریک خوارزما یعود منابتا
(تو جلد دیکھے گا کہ خوارزم سراسر
پرگیاہ مرغزار بن گیا

للعشب لیس لاھلھا من قابر
مگر کوئی نہ ہوگا جو خوارزمیوں
کو قبروں میں دفن کرے)

و کذا خراسان (و) بلخ بعدھا
(یہی حالت خراسان اور بلخ کی ہوگی

و ھرات تؤخذ بعد اخذ نشاور۹
ان کے بعد ہرات کی باری آئے گی
مگر نیشاپور لے لینے کے بعد)

[207] بلد الدیلمین جبالھا و قلاعھا
(اور دیلمیوں کے علاقے یعنی
مازندران و گیلان ، ان کے پہاڑ
اور قلعے

تضحلی خراباً ما لھا من عامر
سب برباد ہو جائیں گے اور کوئی
انہیں آباد کرنے والا نہ رہے گا)

و الری فیھا یقتلون عصابة
(اور رے میں فرزندان مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ و سلم کا

من آل احمد ھم بسیف الکافر
بھاری گروہ کافروں کی تلواروں سے
قتل ہوگا) (اللہ انہیں ذلیل و رسوا
کرے)

و یفر من سفک الدماء ملیکھم
اور بھاگے گا خون بہانے کے خوف
سے ان کا بادشاہ (کافروں سے)

فرالحام من العقاب الکاسر
جس طرح کبوتر عقاب سے بھاگتا ہے)

و یموت من حنق علیٰ ما ناله
(اور مر جائے گا وہ بادشاہ غصے
اور رنج سے جو اسے پہنچا

فی لجة من لج بحر زاخر
بڑے گہرے دریا میں (یعنی بحیرۂ
قزوین میں)[10]

و خلاط ترجع بعد بهجة منظر
(اور خلاط[11] عمارتوں کی تازگی کے بعد

قفر النبات باختلاف الحافر
گھوڑوں کے سبب بے گیاہ بیابان
بن گیا)

[208] و دیار بکر سوف یقتل بعضهم
(اور جلد ہی دیار بکر (آمد و ماردین
و میافارقین)

بالسیف بین اصاغر و اکابر
میں تلواروں سے بعض مارے جائیں
گے چھوٹے اور بڑے)

و الروم تفزع منهم و تخاف هم
(اور اہل روم بھی ان سے ڈریں گے
اور پریشان حال ہوں گے

و لربما سلموالذل الکافر
اور شاید کافروں کی ذلت و خواری
سے محفوظ رہیں)

والویل اذ وطنوا دیار ربیعة
(رسوائی اور ہلاکت ہو جب کافر
دیار ربیعہ میں مقیم ہوں گے

ما بین دجلتها و بین الخازر
جو دجلہ اور خازر کے درمیان ہے)

و یطیقون بلاد اردویل کلها
(اور قبضہ کر لیں گے پورے
اردبیل کے علاقے پر ٭

من شہر زور الی بلاد السامر
شہر زور سے شہر سامر تک)

ھذا و تغلق اربل من دونھم
(اربل[۱۲] کے شہروں کو ایک دن
کے لیے بند کر دیں گے

یوماً و توخذ عند قلة ناصر
اور ان پر قبضہ کر لیں گے ان کے
مددگاروں کی قلت کے باعث)

[209] و یطوون توتوہ و ینھب مالھا
(وہ زمین تو توہ[۱۳] میں پھر نکلیں
گے ، جو کچھ لوگوں کے پاس ہے
لوٹ لیں گے

و یزورھا من معشر و مشاجر
حالانکہ یہ وہ قوم ہے جس کی زیارت
دوست دشمن سب کرتے ہیں)

و لربما ظھرت عساکر موصلی
(ممکن ہے ان کی مدد کرے لشکر
موصل

ترجوا الامان من الخون الکافر
اس امید پر کہ کافروں کی بدعہدی
سے امان مل جائے)

و الویل ان حلوا بشاطی دجلة
(رسوائی اور ہلاکت ہو جب وہ
دجلہ کے کنارے آئیں

و مضوا الی بلد بغیر تناکر
اور شہر[۱۳] سے گزر جائیں آشکارا نہ
کہ چھپ چھپا کر)

و تری الی الثرثار نهبا واقعا
(اور تو دیکھے گا خونریزی جو
کینہ وری کا نتیجہ ہوگی اور
غارت گری

و دما یسیل و هتک ستر الساتر
اور خون کا بہنا اور پردہ داروں کے
پردے چاک ہونا)

و کذالک الخابور ینهب بعضهم
(اور اسی طرح ولایت خابور ہدف
غارت بنے گی

بعضاً و لیس لاهله من جابر
بعض بعض کو لوٹیں گے اور لوٹے
ہوؤں کا جوڑنے والا کوئی نہ ہوگا)

[210] و یکون وقت خریف زهر نباتها
(وہ خریف کا وقت ہوگا جب نباتات
پر تازگی آجاتی ہے

تلتی النفوس من البلاء المتواتر
اور لوگ (کافروں کی طرف سے
پے درپے بلاؤں میں مبتلا ہوں گے)

و لربما ظهرت علیهم فئة
(کاش نکل آئے کوئی گروہ ان کے
دفعیے کے لیے

من آل صعصعہ کرام عساکر
آل صعصعہ یعنی کردوں میں سے)

هذا و یسقون الفراة خیولهم
یہ وہ گروہ ہوگا جو پانی پلائے گا
فرات میں اپنے گھوڑوں کو

من باب طاوی فوق ظهر الطاهر
اس مقام پر جسے باب طاوی کہتے
ہیں اور وہ دبلے گھوڑوں پر سوار
ہوں گے)

او یلفھم حلب بجیش لوسری
(حلب سے کوئی لشکر آ کر انھیں
لپیٹ میں لے لے گا ۔

البحر اظام کالعجاج الثائر
اگر وہ تاریک سمندر میں جائیں تو
گھوڑوں کے سموں سے اسے اور
تاریک کر دیں)

و اذا مضی نصف القران رایتھم
(اور جب نصف قران گزر جائے گا
تو تو دیکھے گا

فی ارض خلق فی عداد عساکر
سرزمین شام و دمشق کو لشکروں
کی گنتی میں)

یفنیھم الملک المظفر مثل ما
(ملک مظفر انھیں نیست و نابود
کرے

فنیت ثمود فی الزمان الغابر
جس طرح کہ زمانۂ گزشتہ میں قوم
ثمود نیست و نابود ہوئی)

قران کی تشریح :

[211] امام یحییٰؒ بن اعقب نے قصیدے کے آغاز میں "قران عاشر" (دسویں قران) کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے "اے میرے بیٹے دسویں قران سے پرہیز کرنا" ۔ "نصف قران" کا ذکر آخر میں کیا ہے اور اسے تاتاری کافروں کی سلطنت کے خاتمے کا نشان قرار دیا ہے ۔ روایات کے عالموں اور عقل و حکمت کے امینوں کے کئی قول "قران" کے بارے میں موجود ہیں ۔ بعض نے کہا دسواں قران وہ تھا جس میں زحل اور مشتری دس قران کے بعد مثلثۂ ارضی سے مثلثۂ ہوائی میں منتقل ہوئے ۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر مثلثہ میں بارہ قران ہوتے ہیں ۔ مثلثہ دو سو چالیس سال کا ہوتا ہے ۔ گویا ہر قران میں بیس سال کی مدت ہوئی ۔ اور علوین (زحل و مشتری) ۲۳ھ

میں مثلثہ ارضی سے مثلثہ ہوائی میں منتقل ہوئے - اگر یہ قاعدہ مسلّم رہے تو لازم تھا قران جدی میں ہوتا اور پہلا قران ۶۰۲ھ میں پیش آتا - وہی چین و طمغاج میں چنگیز خاں کے خروج کا سال ہے اور ۶۱۶ھ میں وہ عجم و خراسان پہنچا -

بعض علما کا بیان یہ ہے کہ قران سے مراد قرن ہے اور ایک قرن ستر سال کا ہوتا ہے - اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث گواہ ہے - فرمایا : میری امت کی مدت حیات ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے اور کلمہ ''الی'' (جو اس حدیث میں آیا ہے) انتہا کی طرف اشارہ کرتا ہے - پس قرن ستر سال کا ہوا - یہی اہل نجوم کہتے ہیں کہ ہر مولود کے لیے سات سیاروں کی ترتیب ستر سال پر ختم ہوتی ہے - پھر دور ترتیب چاند کی طرف لوٹ جاتا ہے - ان طبقات میں یہ سب کچھ بیان نہیں کیا جا سکتا -

اس گروہ کی سلطنت کے ختم ہونے کی بنیاد بھی یہی ہے یعنی ۶۵۹ھ یا ۶۶۰ھ یا ۶۶۱ھ - پھر ان کافروں کا اثر باقی نہ رہے گا -

پیش گوئیوں کی تصدیق :

امام ربانیؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ نبوت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اور قرآن مجید کے معانی میں سے ایک حقیقت ہے - یقیناً وہ خود اس قسم کے بھید بیان نہیں فرما سکتے تھے - وہ امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے ، انھیں سے یہ باتیں سنی ہوں گی اور امیرالمؤمنین حضرت علیؓ نے یہ بھید رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی زبان مبارک سے سماعت کیے ہوں گے - اس امر پر علماء تفاسیر کا اتفاق ہے کہ امیرالمؤمنین اور امام المتقین علیؓ [212] یہ اسرار جاننے کے لیے تمام صحابہؓ میں سے مخصوص تھے - اگر یہ افترا ہوتا تو ہرگز درست ثابت نہ ہوتا -

چنانچہ سب کچھ ٹھیک پورا ہو گیا مثلاً ایران کے بادشاہ کے فرار اور وفات کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سمندر کے کنارے واقع ہوگی - عجم و ایران کے تمام عقل مندوں کو معلوم ہے کہ محمد خوارزم شاہ تاتاریوں کے سامنے سے بھاگا تھا - بالکل اسی طرح جس طرح کبوتر عقاب کے سامنے سے بھاگتا ہے - اور اس کی موت بحیرۂ مازندران کے کنارے واقع ہوئی -

جب واضح ہو گیا کہ اس گروہ کی کیفیت ، اس کے خروج کا وقت ، ایران کے بادشاہ کا فرار ، اسلامی شہروں اور ملکوں کی بربادی یہ سب کچھ

پیش گوئیوں کے مطابق عمل میں آیا تو چاہیے کہ آخر قصیدہ میں جو کچھ تاتاری گروہ کی سلطنت و حکمرانی ختم ہونے کے بارے میں کہا گیا ہے وہ بھی درست ہو ، یعنی مسلمان بادشاہوں کے ہاتھوں سرزمین شام میں تاتاری نیست و نابود ہوں گے ۔[۱۵]

سرزمین دمشق و شام ان کی آخری حد ہے ۔ یہ لوگ یعنی تاتاری اب اس سرزمین تک پہنچے ہوئے ہیں ۔ حلب و شام کے لشکروں سے انہیں جنگ درپیش ہے ۔ کوئی شبہ نہیں کہ ان کی تباہی فرات کا پانی پینے نیز لشکر حلب سے جنگ کرنے کے باعث ہوگی اور یہ سب کچھ نصف قران میں ہو جائے گا ، جس کی انتہا ۶۵۹ھ ہے یا ۶۶۱ھ ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس گروہ کے فتنے کا دور ختم کر دے گا ۔ ان کے فساد کی آگ انجام کے پانی سے بجھ جائے گی ۔ ان کے ظلم و جور کی ہوا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی امت کے دور کی فضا میں ہزار گرد و غبار اٹھایا ، وہ سب قدرت کے ہاتھوں بے شک و شبہ بیٹھ جائے گا ، ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

جب تاتاری کافروں کی سلطنت کا خاتمہ لکھا جا چکا تو میں نے چاہا کہ طبقات ناصری کا خاتمہ کافروں کے فتنہ و فساد پر نہ ہو ۔ اس قوم اور اس کے خانوں میں سے [213] ایک آدمی ایمان کی دولت اور اسلام کی سعادت تک پہنچا ۔ اس کے اسلام کا ذکر لکھا جائے اور اس پر کتاب کا خاتمہ ہو ۔

حواشی

۱- مؤرخین کے بیان کے مطابق خواجہ نصیرالدین طوسی نے بھی ہلاکو کے دل سے یہ خوف زائل کرنے کی کوشش کی تھی اور اسے محض وسوسہ بتایا تھا ۔ اس نے کہا تھا : حضرت یحییٰؑ پیغمبر کا خون بہایا گیا ، حضرت امام حسینؓ کو ناحق شہید کیا گیا اور کوئی زلزلہ نہ آیا ۔ ایسا عقیدہ سراسر سادہ لوحی پر مبنی ہے ۔ بایں ہمہ ہلاکو کے دل میں یہ وسوسہ بیٹھا رہا اور خلیفہ کو نہایت رنج افزا شکل میں شہید کیا گیا تاکہ وہ مر بھی جائے اور خون بھی زمین پر نہ گرے ۔ عام روایت کے مطابق یہ ۴- صفر ۶۵۶ھ (۹- فروری ۱۲۵۸ء) کا واقعہ ہے ۔ اس روز اتوار تھا ۔

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ فتح بغداد کے بعد اعزاز و اکرام کی سب سے بڑھ کر امید وزیر علقمی کو تھی مگر اس سے جو کام ہلاکو لینا چاہتا تھا ، لے چکا تھا ۔ اسے کسی نے پوچھا بھی نہیں ۔ اب اسے اپنے حالات و افعال پر پشیمانی شروع ہوئی جس نے اتنا غلبہ پا لیا کہ وہ بیمار ہوگیا ۔ اسی بیماری میں خلیفہ کی شہادت سے صرف دو مہینے بعد ۱۱- ربیع الآخر ۶۵۶ھ (۱۷- اپریل ۱۲۵۸ء) کو مر گیا ۔

۲- سلیمان شاہ اور مجاہدالدین سردوات دار کی شہادت کا الم انگیز حادثہ مجزنہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے ۔ اس کا ایک الم انگیز تر پہلو یہ ہے کہ سنگدل ہلاکو نے ان مجاہدوں کے سر کٹوا کر ملک بدرالدین لولؤ امیر موصل کے پاس بھیج دیے کہ انھیں شہر کے دروازوں پر لٹکا دیا جائے ، جو سلیمان شاہ کا نہایت عزیز دوست تھا ۔ بدرالدین اپنے عزیز دوست کا سر دیکھ کر بے اختیار ہوگیا ۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۔ مگر جس حلقے میں اس کی گردن پھنس چکی تھی اس سے باہر نکلنے کی کیا صورت تھی ؟ ہلاکو کے اس حکم کی بھی تعمیل کی ۔

۳- حضرت قثمؓ بن عباسؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت سعیدؓ کے ساتھ خراسان آئے تھے ۔

اسی سر زمین میں وفات پائی اور سمرقند میں دفن ہوئے ۔

۴۔ یہاں مصنف نے وزیر علقمی کے متعلق دو بیان دیے ہیں ، ایک یہ اور دوسرا آگے آتا ہے ۔ لیکن زیادہ مستند بیان وہی ہے جو مترجم حاشیے میں پہلے پیش کر چکا ہے ۔

۵۔ وادی سے بہ ظاہر مراد دجلہ و فرات کے درمیان کی دلدلی زمینیں ہیں ۔

۶۔ مطلب یہ کہ ''ایمد'' کو ولایت دیار بکر کہتے ہیں ۔ یہ آج کل اناطولیہ کا جنوبی و مشرقی حصہ ہے ۔ مصنف نے اسے ''ایمد'' لکھا ہے لیکن مشہور ''آمد'' ہے ۔

۷۔ میرے نزدیک ظہیرالدین نام صحیح نہیں ۔ اس سے مراد ملک الناصر صلاح الدین یوسف ہے ، جو عزیز کا بیٹا اور ظاہر غازی (بن صلاح الدین ایوبی) کا پوتا تھا ۔ وہ ۱۲۳۶ء میں باپ کی جگہ حلب کا حکمران بنا تھا ۔ ۱۲۵۰ء میں اسے دمشق کا فرماں روا بھی تسلیم کر لیا گیا ۔ ۱۲۶۰ء میں وفات پائی ۔

۸۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو پتھر اندر پھینکے جاتے تھے وہ خود بخود لوٹ آتے تھے ، جیسا کہ سرسری نظر میں معلوم ہوتا ہے ۔ مطلب بہ ظاہر یہ ہے کہ اہل قلعہ کے پاس بھی منجنیقیں تھیں ۔ وہ باہر سے گئے ہوئے پتھر اپنی منجنیقوں میں رکھ کر محاصرین پر پھینکتے تھے ۔ گویا محاصرین کے پھینکے ہوئے پتھر انہی کے سروں پر لگتے تھے ۔

۹۔ نشاور سے بداہتہً نیشا پور مراد ہے ۔

۱۰۔ بڑے سمندر سے مراد بحیرۂ قزوین ہے ، جسے بحیرۂ خزر اور بحیرۂ مازندران بھی کہتے ہیں ۔ اس کے ایک جزیرے میں سلطان محمد خوارزم شاہ نے وفات پائی تھی ۔ اس کے پہلے شعر میں جس بادشاہ کے بھاگنے کا ذکر ہے وہ محمد خوارزم شاہ ہے ۔

۱۱۔ خلاط ایک مشہور اور آباد شہر تھا ۔

۱۲۔ اربل شام کا ایک شہر ۔

۱۳۔ اس کا کچھ سراغ نہ مل سکا ۔

۱۴۔ یہاں شہر سے بہ ظاہر مراد بغداد ہے ۔

۱۵- قصیدے میں جو پیشگوئیاں کی گئی ہیں ان کے متعلق بحث کی ضرورت نہیں ؛ صرف اتنا بتایا جا سکتا ہے کہ قبل از وقت کسی معاملے کے وقوع و نتائج کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا ۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ تاتاریوں کو پہلی خوف ناک اور فیصلہ کن شکست شام میں (بہ مقام عین جالوت) مصریوں نے دی ۔

☆ ☆ ☆

پندرھواں باب

(۱۰) برکا خاں بن توشی بن چنگیز خاں

ابتدائی دور

معتبر روایت یہ ہے کہ برکا بن توشی (ابن چنگیز خاں) کی ولادت سرزمین چین و قفچاق میں ہوئی ۔ اس وقت اُس کا باپ توشی خوارزم فتح کر چکا تھا اور اس کے لشکر مقسین ، بلغار اور سقلاب[1] کی سرزمین میں پہنچ گئے تھے ۔

جب برکا پیدا ہوا تو اس کے باپ نے کہا کہ اپنے اس بیٹے کو مسلمان کرتا ہوں ، اس کے لیے مسلمان دایہ تلاش کی جائے ۔ وہی اس کی نال کاٹے ، وہی دودھ پلائے کیونکہ میرا یہ بیٹا مسلمان ہوگا ۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق برکا کی نال ایک مسلمان دایہ نے کاٹی ۔ مسلمان اناؤں ہی نے اسے دودھ پلایا ۔[2] جب وہ تعلیم و تہذیب کے لائق ہوا تو مسلمان ائمہ میں سے ایک جماعت جمع کی گئی ۔ ان میں سے ایک کو تعلیم قرآن کے لیے چن لیا گیا ۔ بعض معتبر آدمیوں کا بیان یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تعلیم خجند میں پائی اور تعلیم دینے والا شہر خجند کا ایک متقی عالم تھا ۔ پھر ختنہ کا وقت آیا تو ختنہ ہوئی ۔ جب وہ بلوغ کو پہنچا تو توشی کے لشکر میں جتنے مسلمان تھے ، سب اس کے تابع بنا دیے گئے ۔

برکا کے ایلچی :

جب توشی ، چنگیز کے زہر دلانے سے وفات پا گیا تو برکا خاں کا بھائی باتو خاں باپ کا جانشین ہوا ۔ وہ بھی برکا کی بڑی عزت کرتا تھا ۔ اس کے لیے لشکر اور جاگیریں مقرر تھیں ۔ ۶۳۱ھ[3] میں برکا خاں کے ایلچی سرزمین قفچاق سے [214] سلطان سعید شمس الدنیا و الدین کی بارگاہ میں

آئے اور تحفے ساتھ لائے ۔ چونکہ اس بادشاہ نے تاتاری خانوں سے محبت و شناسائی کا کوئی بھی دروازہ کھولنا قرین مصلحت نہ سمجھا ۔ اس لیے برکا خاں کے ایلچیوں کو قتل تو نہیں کیا ، بلکہ ان کے بارے میں حسن تدبیر سے کام لیا ۔ انھیں کالیور (گوالیار) بھیج دیا ۔ وہ سب کے سب مسلمان تھے ۔ ہر جمعہ کو کالیور (گوالیار) کی مسجد جامع میں آتے ۔ ان طبقات کے مصنف منہاج سراج کے پیچھے نماز پڑھتے ۔ سلطان رضیہ کے عہد تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔ پھر کاتب حروف چھ سال کے بعد کالیور (گوالیار) سے دہلی آ گیا ۔ برکا کے ایلچیوں کو حکم ہوا کہ وہ گوالیار سے قنوج چلے جائیں ۔ انھیں شہر سے باہر جانے کی ممانعت کر دی گئی ۔ چنانچہ وہیں انھوں نے وفات پائی ۔

اسلامیت کا مظاہرہ :

برکا خاں بڑا ہوا تو وہ اسلامی علما و اکابر کی زیارت کے لیے سرزمین قفچاق سے بخارا آیا ؛ زیارت کی ، پھر واپس چلا گیا ۔ اپنے معتمد دارالخلافہ بغداد بھیجے ۔ معتبر راوی بیان کرتے ہیں کہ دو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ دربار خلافت سے اس کے لیے خلعت بھیجے گئے اور یہ سب کچھ باتو خاں کی زندگی میں پیش آیا ۔ اس کے لشکر میں تقریباً تیس ہزار مسلمان سوار تھے اور اس لشکر میں باقاعدہ باجماعت نماز ادا کی جاتی تھی ۔

معتبر راویوں کا بیان یہ بھی ہے کہ اس کے لشکر کا قاعدہ یہ تھا کہ ہر سوار جاے نماز ساتھ رکھے تا کہ جب نماز کا وقت آئے ، ادا کر سکے ۔ اور اس کے لشکر میں کوئی شراب نہیں پیتا تھا ۔ مفسروں ، محدثوں ، فقیہوں اور مناظروں میں سے بڑے بڑے علما کے ساتھ اس کی مجلس رہتی ہے ۔ اس کے پاس دینی کتابیں بہت ہیں ۔ علما ہی کے ساتھ زیادہ اٹھتا بیٹھتا ہے اور اس کی بارگاہ میں ہمیشہ علم شریعت پر بحث ہوتی ہے ۔ وہ اسلام میں حد درجہ پکا اور باحمیت ہے ۔

برکا خاں کی اسلام میں پختگی

[215] ۶۵۷ھ میں ایک معزز و مقدس سید سمرقند سے بہ سلسلہ تجارت دہلی آیا ۔ بادشاہ اسلام ، سات اقلیموں کے سلطان ، (اللہ اس کی سلطنت اور اقتدار ہمیشہ قائم رکھے) کی بارگاہ میں اس کے ساتھ مہربانی اور نوازش کا سلوک ہوا ۔ وہ سلطان کے شاہانہ اعزاز و انعام سے شرف یاب ہوا ۔ دہلی

کے اکابر نے — جن میں سے ہر ایک مملکت اسلام کے آسمان پر رخشندہ کوکب اور دین کے چرخ پر ایک نور برسانے والا ستارہ تھا ، ان میں سے بھی ہر ایک نے اس بزرگوار سید کی خدمت مختلف طریقوں پر واجب سمجھی۔ اس بزرگ کا نام سید اشرف الدین تھا اور سید جلال الدین صوفی کے فرزند تھے ۔ سمرقند میں نورالدین اعمیٰ کی خانقاہ کے منتظم وہی تھے ۔ ان سے دو روایتیں سنیں جو دین اور اسلامیت پر برکا خاں کی پختگی کا ثبوت ہیں ۔ (اللہ اسے محفوظ رکھے اور اس کی نیکی میں اضافہ کرے)

پہلی روایت :

سید بزرگوار نے فرمایا کہ سمرقند کے نصرانیوں میں سے ایک اسلام کی دولت سے مشرف ہوا ۔ مسلمانان سمرقند نے ، جو اسلام پر بہت استوار ہیں ، اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے بہت سے تحفے پیش کیے ۔ اچانک تاتاریوں اور چینی کافروں میں سے ایک سرکردہ شخص سمرقند آیا ۔ اسے بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور اس ملعون کی رغبت نصرانیت کی طرف تھی ۔ سمرقند کے نصرانی اس تاتاری کے پاس پہنچے اور فریاد کی کہ مسلمان ہمارے فرزندوں کو نصرانیت اور پیروی حضرت عیسیٰؑ سے نکال کر دین اسلام میں لیے جا رہے ہیں ، اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دین کے پیرو بنا رہے ہیں ۔ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو ہمارے تمام متوسلین نصرانیت سے برگشتہ ہو جائیں گے ۔ ضروری ہے کہ زور و قوت سے ہمارے کام کی تدبیر فرمائیں ۔

اس تاتاری نے حکم دے دیا کہ جو نصرانی مسلمان ہوا ہے ، اسے حاضر کرو ۔ اس کے ساتھ بڑی مہربانیاں کی گئیں ۔ بہت سا مال اور تحفے پیش کیے گئے تا کہ وہ اسلام سے روگرداں ہو جائے ۔ مگر اس پر جتنا [216] بھی دباؤ ڈالا گیا ، بے اثر رہا ۔ وہ اسلام سے نہ پھرا اور دین محمدی کا لباس اس نے دل و جان سے جدا نہ کیا جو اس کے لیے ٹھنڈک اور تازگی کا باعث تھا ۔

پھر تاتاری سردار نے اپنے اختیار و اقتدار کے مطابق بے دریغ سختی سے کام لینا شروع کیا ۔ اس نو مسلم جوان کو ڈرایا گیا مگر اس نے کسی بھی صورت میں حمیت اسلام ترک نہ کی اور کافروں کی سرکشی کی ضرب کھا کر ایمان کا شربت ہاتھ سے نہ پھینکا ۔ جب وہ جوان دین حق پر قائم رہا

اور اس گمراہ گروہ کے خوشگوار وعدوں یا سختیوں پر کچھ توجہ نہ کی تو ملعون تاتاری نے حکم دے دیا کہ اسے برسر عام انتہائی سزا دی جائے ۔ چنانچہ وہ دولت ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ (اس پر اللہ کی رحمت ہو!)

سمرقند کے مسلمانوں کو اس شکست پر بے حد رنج و غم ہوا اور انہیں سبکی سے سابقہ پڑا ۔ سید اشرف الدین بتاتے ہیں کہ ایک محضر تیار کیا گیا ۔ اس پر سمرقند کے بڑے بڑے اور معتبر مسلمانوں نے گواہیاں ثبت کیں ۔ ہم اس محضر کو لے کر برکا خاں کے لشکر میں پہنچ گئے ۔ سمرقند کے نصرانیوں کی حرکات و عداوت کا حال صاف صاف بیان کرتے ہوئے محضر پیش کر دیا ۔ اس نیک اعتقاد بادشاہ کی دینی حمیت جوش میں آ گئی اور حق کے معاملے میں غیظ و غضب نے اس کی طبیعت پر غلبہ حاصل کر لیا ۔

اس نے سید کی عزت کی ، پھر ترکوں ، تاتاریوں اور بڑے بڑے مسلمانوں کی ایک جماعت مقرر کر دی اور اسے حکم دیا کہ سمرقند کے نصرانیوں میں سے جو جو لوگ اس گناہ اور ظلم کے ذمہ دار تھے ، انہیں قتل کیا جائے ۔ یہ فرمان حاصل کر کے مسلمانوں کا وفد سمرقند آ گیا ۔ نصرانیوں کو اس باب میں کچھ معلوم نہ ہو سکا ۔ فرمان مسلمانوں کے پاس رہے ۔

جب نصرانی کلیسا میں جمع ہوئے تو اچانک انہیں جا پکڑا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ کلیسا کی اینٹ سے اینٹ [217] بجا دی ۔ یہ بدلہ صرف اسی لیے لیا جا سکا کہ وہ بادشاہ دین محمدی اور ملت احمدی پر بڑا پختہ اور استوار تھا ۔

دوسری روایت :

وہی سید اشرف الدین[5] بتاتے تھے کہ جب باتو خاں کا انتقال ہوا تو اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام سرتاق تھا ۔ وہ مسلمانوں پر بہت ظلم و تعدی کرتا تھا اور اسے پیروان دین حق کے خلاف بہت تعصب تھا ۔ اس نے (سرتاق نے) قفچاق و سقسین کی سرزمین سے (اجازت لے کر) منکو خاں کے پاس جانے کا قصد کیا ۔ خواہش یہ تھی کہ منکو خاں اسے باپ کی جگہ بٹھا دے ۔ جب وہ طمغاج کے علاقے میں پہنچا جہاں خانؒ کی لشکرگاہ تھی تو اس کی بڑی عزت کی گئی اور عزت ہی کے ساتھ لوٹا دیا گیا ۔

جب وہ برکا خان کے قریب آیا تو راستہ بدل کر دوسری طرف نکل گیا ، چچا کے پاس نہ گیا ۔ برکا خان نے اس کے پاس آدمی بھیجے کہ میں تیرے لیے باپ کی جگہ ہوں ، تو اجنبی کیوں بنا پھرتا ہے ؟ میرے پاس کیوں نہیں آتا ؟

جب آدمی سرتاق کے پاس پہنچے اور برکا خان کا پیغام پہنچایا تو اس ملعون نے جواب دیا : تو مسلمان ہے ، میرا دین نصرانیت ہے ، میرے نزدیک مسلمان کا چہرہ دیکھنا نحوست کا باعث ہے ۔ (اس پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ لعنت ہو) ۔

یہ نازیبا جواب برکا خان تک پہنچا تو اس کے دل پر بہت شاق گزرا اور سوچ میں پڑ گیا ۔ سخت رنج کے بعد حکم دیا کہ لشکرگاہ میں ایسی جگہ خیمہ نصب کیا جائے ، جہاں کوئی آدمی نہ ہو ۔ خیمہ نصب ہوگیا تو برکا خان تنہا اس میں گیا ۔ ایک زنجیر اپنی گردن میں ڈال لی ۔ ایک زنجیر سے خیمے کا دروازہ بند کر دیا ۔ پھر کھڑے ہو کر کمال عجز اور کمال انکسار سے رونے [218] لگا اور کہا : الٰہی ! اگر دین محمدی اور شریعت اسلام برحق ہے تو سرتاق کے سلسلے میں میرا انصاف کر ۔ تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں گزر گئیں ۔ روتا جاتا تھا ، گریہ و زاری اور عاجزی کرتا جاتا تھا ۔ چوتھے روز ملعون سرتاق جہاں پہنچا ہوا تھا ، وہیں اس کی موت آ گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے پیٹ میں درد پیدا کر دیا ۔ وہی موت کا باعث ہوا اور وہ دوزخ میں گیا ۔

ایک اور بیان :

بعض بیان کرتے ہیں کہ منکو خان نے سرتاق کو دیکھا تو اس کی پیشانی پر فتنے کے آثار نمایاں تھے ۔ اس نے اپنے معتمد خفیہ خفیہ بھیجے ؛ انھوں نے سرتاق کو زہر دے کر اس کا خاتمہ کر دیا اور وہ دوزخ میں گیا (اس پر اللہ کا شکر واجب ہے) ۔

معتبر آدمیوں کی روایت ہے کہ جب سرتاق جہنم رسید ہوا تو برکا خان نے اپنے بھائی باتو کی بیوی سے نکاح کر لیا ۔ توشی کے بیٹے اور پوتے پندرہ تھے ، وہ سب دوزخ میں گئے اور توشی کے تمام ممالک برکا خان کے قبضے میں آئے ۔ یہ اسلام کی برکت تھی ۔ قفچاق ، سقسین ، بلغار ، سقلاب ، روس ، (روم کے شمال و مشرق تک) جند اور خوارزم سب کا مالک برکا خان ہی ہوا ۔

سلطان جلال الدین ابراہیم :

۶۵۸ھ تاریخ طبقات کے مکمل ہونے کی تاریخ ہے۔ خراسان کی طرف سے آنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ جب منکو خاں جہنم رسید ہوا تو تمام شہروں، شرق و غرب، عجم، ماوراءالنہر اور خراسان میں برکا خاں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسے لوگ جلال الدین ابراہیم کے نام سے خطاب کرتے تھے۔ (حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے)۔

اسی سال عرب کے اکابر میں سے ایک صاحب آئے: نہیں امام شمس الدین مغربی کہتے ہیں۔ اس نے انھیں اپنی طرف سے سفیر بنا کر مسلمان بادشاہوں کے بادشاہ ناصرالدنیا و الدین کی بارگاہ میں بھیجا جو دنیا کی پناہ گاہ ہے۔ لکھا کہ جو خدمات اس درگاہ کے لائق ہوں، وہ تحریر فرمائی جائیں اور اپنے آپ کو جنابہ ہمایوں جہاں پناہ کی سلک اخلاص میں منسلک کر لیا۔ اس کے لیے یہ سعادت دنیا کی نادر ترین دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ روے زمین کی سلطنت [219] حد امکان کی انتہا تک دوچند رکھے (نبی صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کی آل امجاد کے طفیل) اور طبقات کی اس کتاب کو بارگاہ اعلیٰ میں محل قبول بخشا جائے۔

خاتمہ :

یہ رباعی خاتمے پر دعا کے انداز میں پیش کی جا رہی ہے:

شہ را خضر از جامِ بقا ساقی باد
(بادشاہ کے لیے حضرت خضر آب حیات
کا پیالہ لے کر ساقی بنیں

ایوانِ درش چو چرخ نہ طاق باد
اس کے ایوان کا دروازہ نو محرابوں
والے آسمان کی طرح ہو)

نامِ طبقات در جہاں تا باقی است
(جب تک ''طبقات'' کا نام دنیا میں
باقی ہے

محمود شہ آں ناصرِ دیں باقی باد
خدا کرے ناصرالدین محمود شاہ بھی
اس وقت تک باقی رہیں)

جو کچھ اس دعا گو نے لکھا ہوا دیکھا یا جو کچھ سنا ، وہ معرض تحریر میں آ گیا ۔ اگر اہل ایمان کے بادشاہ (اللہ اس کا اقتدار ہمیشہ رکھے) یا خاقان معظم الغ خاں (اس کی دولت ہمیشہ رہے) یا سرداروں ، بڑوں ، صدروں ، اونچے درجے کے لوگوں ، سلطنت کے ارکان یا دولت کے اعیان کی نظر مؤلف کی زندگی یا موت کے بعد کسی لغزش یا غلطی پر پڑے یا کمی و زیادتی سے آگاہی حاصل ہو تو اسے عفو و لطف کے دامن سے ڈھانپ لیا جائے ۔ یہ اکرام و انعام کی انتہا ہوگی ۔

سبحانک اللھم برحمتک یا ارحم الراحمین ارحمنا ۔ و صلی اللہ علی سیدنا سیدالانبیاء و افضل اہل الارض و السماء و علی جمیع الانبیاء و والمرسلین و آلھم و سائرالصالحین ۔

تتمۂ کتاب :

منہاج سراج جوزجانی جو ان طبقات کا مؤلف ہے ، کہتا ہے کہ جب یہ کتاب سلطان ناصرالدنیا و الدین (اس کا اقتدار ہمیشہ قائم رہے) کی بارگاہ میں پیش ہوئی تو بادشاہ نے فرمایا کہ خلعت خاص عطا کیا جائے ۔ اور جو سنجاب خاص بادشاہ کے دوش مبارک پر تھا ، وہ بھی اس دعا گوے دولت کو [220] مرحمت ہوا ۔ ساتھ ہی فرمایا : ہر سال دس ہزار جیتل انعام عطا ہو اور ایک گاؤں معاف میں دے دیا گیا ۔ جب تاریخ کا یہ نسخہ الغ خاں معظم کو پہنچایا گیا تو خان اعظم نے (اس کی دولت ہمیشہ رہے) بیس ہزار جیتل نقد عطا کیے ۔ ساتھ ہی ماہی صباحی[6] ، ایک سنجاب اور ایک سمور دیا ۔ یہ قطعہ اسی انعام کے شکریے میں کہا گیا اور جو نسخہ خان اعظم کی خدمت میں پیش ہوا ، اس کے آخر میں لکھ دیا گیا :

شہر یار جہاں الغ خاں آنکہ
شہریار جہاں الغ خاں
خان البریست ، شاہ یمک
جو البری قبیلے کا خان اور یمک
کا بادشاہ ہے)

ہر کہ از حضرتش قبولے یافت
(جسے اس کی بارگاہ سے قبول کی
سند مل گئی

پیش ہرگز نہ گشت رو بفلک
اس نے پھر آسمان کی طرف کبھی
منہ نہ کیا)

پیشِ او کیست حاتمِ طئی
(اس کے روبرو حاتم طائی کون
ہوتا ہے

نزدِ او چیست یحییٰ برمک؟
اس کے نزدیک یحییٰ برمک کی
کیا حیثیت ہے)

کرد از لوحِ خاطرِ منہاج
(اس نے منہاج کے دل کی تختی سے

غصۂ دہر را بہ احسان حک
زمانے بھر کی سختیوں کا رنج احسان
کی بدولت محو کر دیا

بشنود ایں سخن ز من ہمہ خلق
(میری زبان سے خلقِ خدا یہ بات
سن لے

از طریقِ یقیں نہ از رہِ شک
یقین کے انداز میں نہ کہ شک کے
طور پر)

نود و نہ مر است قسمِ کرم
(اس سے بخشش و کرم کے ننانوے
حصے میرے لیے ہیں

دیگراں را ہمہ ازاں صد یک
باقی سب کے لیے سو میں سے
ایک ہے)

ہر دعائے کہ گویمش از جاں
(جو دعا میں تہ دل سے مانگتا ہوں)
کند آمین آں بصدق ملک
(اس پر فرشتہ خلوص سے آمین
کہتا ہے)

یہ کتاب منہاج السراج نے ۵ - ربیع الاول ۶۵۸ھ کو لکھی ۔

حواشی

۱- سقسین ، بلغار اور سقلاب کی سرزمینوں سے مراد جنوبی روس کی وہ سرزمینیں ہیں جن میں سیکسن ، بلغار اور سلافی آباد تھے - یہ سرزمینیں بحیرۂ قزوین کے شمال اور مغرب میں واقع تھیں - یہیں سے سیکسن اٹھ کر جرمنی اور انگلستان پہنچے ، اور بلغاریوں نے وہ ملک آباد کر لیا ، جسے آج کل بلغاریہ کہتے ہیں - سلافی روس میں رہے اور یوگوسلافیا بھی چلے گئے -

۲- یہ سب کچھ مصنف توشی کے حالات میں بھی بیان کر چکا ہے -

۳- ۳۴ - ۱۲۳۳ء -

۴- ۱۲۵۹ء -

۵- آقاے حبیبی کے متن میں شمس الدین مرقوم ہے جو صحیح نہیں ، کیونکہ بیان اسی سید کا ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے یعنی اشرف الدین کا -

۶- اس کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی -

۷- حاتم طائی سخاوت میں مشہور ہے - ہارون الرشید کے عہد میں یحییٰ برمکی وزیر کی حیثیت داد و دہش میں واقعی بے مثال تھی -

۸- ۱۹ - فروری ۱۲۶۰ء -

☆ ☆ ☆

تاتاریوں کا شجرہ

تاتاریوں کے صرف چند افراد کا ذکر مصنف نے کتاب میں کیا ہے ، ان کا شجرہ درج ذیل ہے ۔

- یے سوکائی
  - چنگیز خان (تموجین)
    - جوجی
      - باتو
        - سرتق (تاتاران زریں خیل)
      - برکا (برقائی)
    - چغتائی
      - باندار
      - بوری (خاندان چغتائی)
    - اوکتائی (اوغدائی)
      - قاندو
      - کیک (قویوق)
    - تولی
      - منکو
      - قبلائی (چین کا یوان خاندان)
      - اریق بوغا
      - ہلاکو
        - اباقا خان
          - ارغون (ایل خانیان ایران)
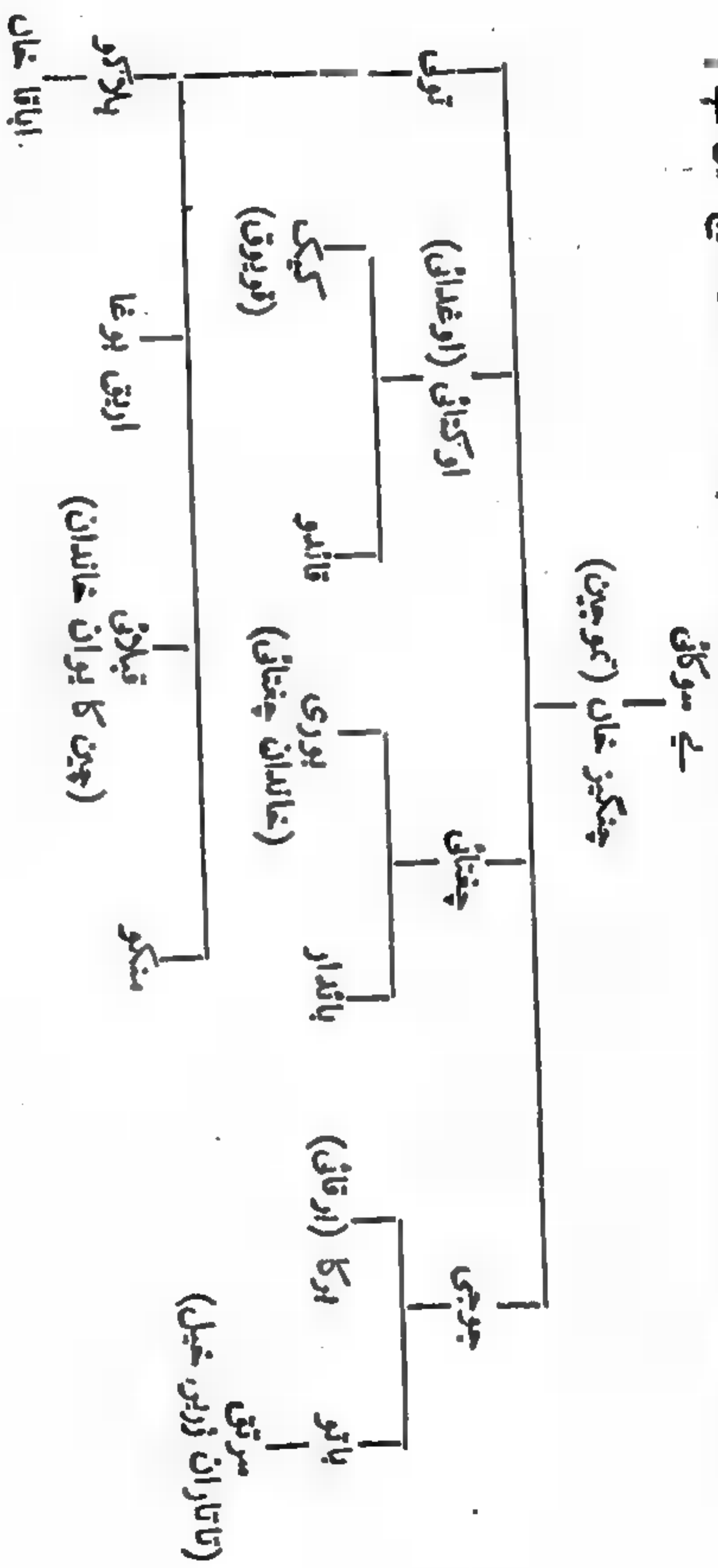
اتنا اور بتا دینا چاہیے کہ بلغار ، قبچاق ، قازاق ، بخارا ، خیوا ، استراخان ، قازان ، کریمیا وغیرہ میں جو مملکتیں قائم ہوئیں ، ان سب کا مورث اعلیٰ چنگیز ہی تھا ۔ تفصیل سے یہاں اس لیے احتراز کیا گیا کہ ان مملکتوں کو پیش نظر کتاب سے کوئی تعلق نہیں ۔

تاتاری فرمانروا

۱- چنگیز خاں ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء

۲- اوکتائی ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء

۳- تورکینہ (اوکتائی کی بیوی) ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء

۴- کیک (قویوق) ۶۴۴ھ/۱۲۵۶ء

۵- منکو ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء

تاتاریان زریں خیل

۱- باتو ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء

۲- سرتق ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء

۳- برکا (برکائی) ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء

برکا کی حکومت ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء تک قائم رہی -

تعلیقات

از

عبدالحی حبیبی

ترجمہ

مولانا اعجاز الحق قدوسی

پروفیسر محمد ایوب قادری

(۱) عنوانات اور مواد

[223] نام مؤلف و والد اور اس کا خاندان ۔ مسکن مؤلف جوز جان ، خاندان امام عبدالخالق جوزجانی ، مؤلف کے والد ، مؤلف کی والدہ اور اس کے ناٹہالی اجداد ۔ تاریخ تولد ، جائے ولادت ۔ لڑکپن اور تعلیم ، دور جوانی اور ازدواج ۔ سیاسی سفر ، فراہ و سیستان و قہستان میں آمد ۔ سفر ہندوستان اور قضائے لشکر اچ ۔ مدرسہ فیروزی کا اہتام ۔ بارگاہ التتمش میں باریابی ۔ دہلی کو روانگی ۔ وہاں کے مناصب ۔ قضا اور ادارۂ کل امور شرعی کالیور پر تقرر ۔ ادارۂ مدرسہ ناصریہ پر تقرر ، پورے ہندوستان کے عہدۂ قضا پر تقرر ، مولانا پر حملہ اور ان کا استعفا ، لکھنوتی میں دو سال ۔ مہتمم مدرسہ ناصریہ اور اوقاف دینی کی تولیت ، سفر اچ ۔ ناصری نامہ کو منظوم کرنا ، ملتان کو روانگی ، دوسری مرتبہ عہدۂ قضائے ہندوستان ، صدر جہاں کا لقب ، تیسری مرتبہ تمام عہدۂ قضائے ہندوستان پر تقرر ، زندگی کا آخری دور ۔ وفات اور مدفن ، مؤلف کے بھائی بہن اور اولاد ۔ تحریر و تالیف طبقات ناصری ، اور مؤلف کی دوسری تصانیف اور آثار ، مولانا کا مرتبہ تذکرہ نگاروں اور ارباب تصوف کی نظر میں ، مولانا کے اشعار پر ایک نظر ۔ مولانا کے مراجع اور ماخذ ، سماع اور مشاہدات ، اخلاق اور ان کا طرز تاریخ نگاری ، مؤلف کے انشا کی فضیلت اور قدماسے ان کی ہم وزنی ۔

[224] مؤلف اور اس کے والد کا نام اور خاندان :

اس کتاب کا مؤلف اپنی تالیف طبقات ناصری کی بدولت مؤرخین اور تذکرہ نگاروں میں بہت عمدہ شہرت کا مالک ہے ، اور ہندوستان اور ایران کے مؤلفین نے اس کی تالیف کی طرف رجوع کرکے بہت سی چیزیں لکھی ہیں ۔

چوں کہ خوش بختی سے مؤلف نے اس کتاب میں متعدد مواقع پر اپنے حالات زندگی کا جستہ جستہ ذکر کیا ہے ۔ اس بنا پر راقم الحروف نے اس کے بیان کیے ہوئے تمام حالات کو پوری کتاب سے نکال کر ، اس کی زندگی

کے واقعات کے ٹکڑوں کو ، اس کی زندگی کے مختلف ادوار میں ، جن سے وہ میل کھاتے تھے ، سمو دیا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسرے مؤرخین اور لکھنے والوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اپنے اپنے موقع پر اس کو بھی نقل کر دیا ہے ۔

طبقات ناصری[1] مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ (۱۸٦۳ء) کے سرورق پر مؤلف کا نام ابوعمر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین جوزجانی لکھا ہوا ہے ۔ اور دوسری کتابوں میں بھی قاضی ابوعمر منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی معروف بہ 'منہاج سراج' ضبط کیا گیا ہے[2] اور بعض نے اسے ابوعمر عثمان منہاج الدین بن محمد سراج الدین بھی لکھا ہے ۔[3]

مجلہ اورینٹل کالج میگزین میں پروفیسر عبدالستار صدیقی نے بصورت "ثقہ تر اور کامل تر" اس طرح لکھا ہے : مولانا منہاج الدین ابوعمر عثمان ابن مولانا سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان ابن مولانا منہاج الدین عثمان ابراہیم ابن عبدالخالق جوزجانی"

لیکن مؤلف خود اس کتاب کے متن میں اپنے نام کو حسب ذیل صورتوں میں لایا ہے :

دیباچہ کتاب میں : ابوعمر عثمان بن محمد المنہاج سراج الجوزجانی ۔

ابتدائے طبقہ ۹ میں : عثمان محمد منہاج الجوزجانی ۔

اکثر طبقات کی ابتدا میں : منہاج سراج جوزجانی ۔

اپنے والد اور دادا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :

"اس کے بڑے اور اول ترین دادا امام عبدالخالق جوزجانی تھے جن کا فرزند ابراہیم تھا ۔ ان کا بیٹا منہاج الدین عثمان نامی تھا ، اور یہی شخص مولانا سراج الدین 'العجوبۃ الزمان' کے باپ تھے جو منہاج السراج کے والد ہوئے ۔"[4]

[225] راورٹی نے لکھا ہے کہ :

طبقات ناصری کے ایک خطی نسخے نمبر (۱۹۸۲) میں جو انجمن بنگال کا مملوکہ ہے ، اور نسخہ بودلیان میں ہر جگہ دونوں کلموں منہاج اور سراج کے درمیان (بن) لکھا ہوا ہے ، یعنی (منہاجِ بن سراج) اور مسٹر بلوخمین مجلہ انجمن آسیائی بنگال (۱۸۸٦ء) میں کہتے ہیں کہ (منہاج السراج) اضافت کے ساتھ نہیں پڑھا جا سکتا ۔ عربی کے مقرر کردہ اصول کے مطابق اس کے معنی منہاج

بن سراج ہی سے فائدہ اٹھانا چاہیے ۔[5]

چوں کہ اس موضوع پر خود مؤلف نے جو کچھ محفوظ کیا ہے وہ زیادہ صحیح اور معتبر ہے ، لہٰذا یہاں ایک ایک کی جداگانہ توضیح کی جاتی ہے:

اس کا نام : ابوعمر منہاج الدین عثمان جو مختصر ہو کر (منہاج سراج) ہو گیا ۔

اس کے باپ کا نام : سراج الدین محمد ہے ، جس کو مؤلف نے خود کہیں مولانا سراج منہاج[6] کہیں سراج الدین منہاج[7] کہیں افصح العجم اعجوبۃ الزمان سراج الدین منہاج[8] لکھا ہے ۔

دادا کا نام : مولانا منہاج الدین عثمان ہے ۔[9]

دوسرے دادا کا نام : ابراہیم ہے ۔[10]

تیسرے دادا کا نام : امام عبدالخالق جوزجانی[11] جو اس کا مورثِ اعلیٰ اور اس علمی خانوادے کا مؤسس اولین ہے ۔

جوزجان ، گوزگانان مسکن اجداد مؤلف :

مولانا اپنی نسبت جوزجانی لکھتے ہیں ، جس کو راورٹی نے پوری کتاب میں رائے مہملہ سے جرجانی لکھا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سہو ہے ، جس کے مرتکب کلکتہ کے ناشر بھی ہوئے ہیں ۔ راورٹی نے ملحقات کے ذیل میں اور کتاب کے حواشی میں بھی ان کو (جرجان) ہی سے منسوب سمجھا ہے جو سراسر اشتباہ ہے ۔ بہرطور مولانا کے اجداد جوزجان یا جوزجانان یا گوزگانان کے رہنے والے تھے ۔ امام عبدالخالق وہاں سے غزنہ آئے ، اور اس کے بعد مولانا کے اجداد نے اس شہر میں اور مرکز سلطنت میں زندگی بسر کی ، اور اس کے بعد غور اور لاہور میں منتقل ہو گئے ۔ اس لیے مولانا نے اپنے اجداد کے اصلی وطن کی بنا پر اپنی نسبت جوزجانی [226] لکھی ہے ، ورنہ خود مولانا نے نہ کبھی جوزجان میں سکونت اختیار کی اور نہ وہاں زندگی گزاری ہے ۔

جوزجان ہمیشہ جغرافیہ نویسوں اور ارباب مسالک و ممالک کے نزدیک مشہور اور معروف رہا ہے ۔ یاقوت اس کے لیے لکھتا ہے کہ یہ مملکت کے ایک وسیع حصے کا نام ہے جو بلخ (خراسان) کے شہروں میں سے ہے اور وہ مرو رود اور بلخ کے درمیان واقع ہے ۔ اس کا قصبہ یہودیہ ، اور اس کے شہر انبار ، فاریاب اور کلار وغیرہ ہیں ۔[12]

نامعلوم جغرافیہ نویس حدود العالم کا مؤلف کہ، جو خود بھی گوزگانی ہے ، کہتا ہے کہ :

گوزگانان ایک آباد شہر ہے ، جس میں بہت سی نعمتیں ہیں اور عدل و انصاف ہے حدود بامیان تک ، اور اس کے جنوب کے آخر میں غور ہے ، اور یہ اس کی آخری حد ہے ۔ اور مغرب میں اس کے حدود غرجستان اور قصبہ بشین ہے مرو کے حدود تک ۔ اس کے شمال میں اس کی سرحد جیحون ہے ۔ اور اس ناحیت کا بادشاہ ملوک اطراف میں سے ہے ۔ خراسان میں ۔ اس کو ملک گوزگان کہا جاتا ہے ۔ اور وہ افریدون کی اولاد سے ہے ، اور وہ تمام سردار جو حدود غرجستان اور حدود غور کے اندر ہیں وہ سب کے سب اس کے فرمانبردار اور ماتحت ہیں ۔ وہ اطراف کے بادشاہوں سے اپنی بادشاہت ، عزت اور مرتبے ، سیاست اور سخاوت ، دوست داری اور دانش میں بڑھا ہوا ہے ۔ اس شہر میں گھوڑے بہت پیدا ہوتے ہیں ، اور نمد و حقیبہ و تنگ اسپ اور کمبل اور سن کی پیداوار زیادہ ہے ۔ اور یہاں ایک درخت ہے جس کو خنج کہتے ہیں ۔ اس کی لکڑی کبھی خشک نہیں ہوتی اور نرم ہوتی ہے ، اس قدر نرم کہ اس میں گرہ ڈالی جا سکتی ہے ۔ ان اطراف میں بادشاہیاں بہت سی ہیں ، جیسا کہ ربوشاران کہ وہ ایک بڑا علاقہ ہے ۔ اور بہت سی نعمتیں اور جنگ جو بہادر انسان وہاں ہیں ۔ مرو کی بعض ندیاں اسی علاقے سے گزرتی ہیں ۔ اور اس میں سونے کی کانیں ہیں ۔ ان اطراف کے سردار گوزگان کے اطراف کے سرداروں میں سے ہیں ، اور مقاطعہ گوزگان کے بادشاہ کو دیتے ہیں ۔ درمشان دو سرحدوں کا شہر ہے یعنی ایک سرحد بست اور دوسری گوزگان ہے ، اور یہ شہر ربوشاران سے ملا ہوا ہے ، اور اسی کے کنارے سے ندیاں گزرتی ہیں جو ربوشاران کی ندیوں سے مل جاتی ہیں ۔ اور اس علاقے کے سردار کو درمشی شاہ کہتے ہیں ۔

اسی طرح حدود العالم کے مؤلف نے تمران ، ساروان ، مانشان ، طالقان ، جہوذان (مرکز گوزگانان) ، پاریاب ، کرزوان ، کندرم ، انبیر ، اشبورقان ، انتخذ (اند خود) سان ، رباط کروان ، سنگ بن ، ازیو

[227] کو گوزگانان میں شمار کیا ہے اور کہتا ہے کہ :

ان تمام شہروں میں کہ جن کو ہم نے بیان کیا ہے ، ان میں ملک گوزگانان کی بادشاہت ہے ۔ اور اس ناحیہ کے گاؤں ، قصبے اور بڑے بڑے شہر بہت سے ہیں ۔ لیکن اہم ترین شہر یہی ہیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے ۔۱۳

خلاصہ :

جوزجانان یا گوزگانان ایک علاقہ تھا ۔ مغرب میں بلخ کا چوتھائی حصہ تھا جس سے مرو رود کا راستہ گزرتا تھا ، اور بہت آباد تھا ۔۱۳ وہ حدود جو مؤلف حدود العالم نے متعین کیے ہیں ، اس کے اعتبار سے شمال میں وہ دریائے آمویہ سے ملتا تھا ، اور جنوب میں اس کی حدیں مجرائے ہیرمند تک پہنچتی تھیں ۔ شرقاً اس کی حدیں بامیان سے ملتی تھیں ، اور مغرب میں اس کی حدیں غزنہ کی سرحدات تھیں ۔ مغرب میں ہرات اور مرو اور مرغاب کے سرچشمے اس سے ملے ہوئے تھے ۔

خاور شناس معروف بارتولد کہتا ہے کہ : مقدسی دسویں صدی مسیحی (۳۷۵ھ) میں علیحدہ مملکت تسلیم نہیں کرتا ، اور اس کو ولایت بلخ کا ایک حصہ شمار کرتا ہے ۔ نویں صدی مسیحی (۲۷۸ھ) میں یعقوبی فقط رود شبرغان (شبورقان) اور ولایت کوہستان گرزوان جو رود میمنہ کے بالائی حصہ میں واقع ہے ، اس کو گوزگانان بتاتا ہے ۔ امرائے عرب کی حکمرانی کا مستقر جو انبار تھا ، شاید اس کی جگہ موجودہ شہر سرپل تھا ، اور گوزگانان کا قدیم پایۂ تخت شہر شبورقان تھا ۔ اس قول کی تائید طبری بھی کرتا ہے ۔ اس وقت بھی آج کی طرح شبورقان اور شیریں کے درمیان شورزار صحرا واقع تھا جس کو عرب 'القاع' کہتے تھے (طبقات میں اس کا نام دشت کمب آیا ہے) ۔ جو رائے ابن خرداذبہ اس کے متعلق پیش کرتا ہے ، اس کے مطابق یہ آبادی گوزگان کا حصہ شمار ہوتی تھی ۔ شاید فاریاب ، موجودہ دولت آباد ہے یا قدرے جانب جنوب حالیہ خیرآباد کی جگہ واقع تھا ۔ بقول یعقوبی : امیر فاریاب یہودیہ میں سکونت رکھتا تھا ۔ موجودہ میمنہ کو جوزجانی بشکل میمند لکھتا ہے ، جو گوزگانان میں داخل تھا ۔ گوزگان کے بادشاہ کا لقب قدیم زمانے میں 'گوزگان خداۃ' تھا ۔ دسویں صدی میں خاندان آل فریغون گوزگان میں حکومت کرتا تھا ، اس سلسلے کو

سلطان محمود نے آ کر ختم کیا ۔۱۵

صاحب جغرافیائے اشکال العالم لکھتا ہے کہ :

جوزجانان نام ایک ملک کا ہے ۔ جس کے شہر یہودیہ ، شبرغان ، ستلغ ، کندہ روم ، انبار اور سان ہیں ۔ ان میں سب سے بڑا شہر انبار ہے جہاں امیر رہتا ہے ، اور وہ شہر [228] ایک پہاڑ پر ہے جو مرو رود سے بڑا ہے ۔ اس میں نہریں اور باغ ہیں اور دولت بہت ہے ۔ ان کی عمارتیں مٹی کی ہیں ۔ سان اس سے چھوٹا شہر ہے ، اور اس میں بھی نہریں اور باغ ہیں ۔ ان شہروں میں جو میوے پیدا ہوتے ہیں ، ان میں سب سے زیادہ اخروٹ ہے ۔ یہودیہ اس سے بڑا شہر ہے ۔ اس میں بھی باغ اور نہریں بڑی کثرت سے ہیں ۔ کند روم بھی ایک میوہ دار اور زراعتی شہر ہے ۔ اس میں پانی وافر ہے ۔ یہ تمام مواضعات پہاڑ پر ہیں ۔ شبورقان بھی بہتے پانیوں کا شہر ہے ، لیکن اس میں باغات کم ہیں ۔ یہ شہر سان سے بڑا ہے ۔ اپنی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے یہودیہ شہر کی برابر ہوگا ۔ اس کی پیداوار میں زیادہ تر غلہ اور گیہوں اور چنا ہیں ۔ استلغ ایک چھوٹا سا شہر ہے ، جو بیابان میں ہے ، اور آل فریغون کے اکابر کا مرکز ہے اور اس ناحیت سے عمدہ اور خوش نما پوستینیں تمام خراسان اور نواحی شہروں میں لے جائی جاتی ہیں ۔۱۶

جوزجانان (سنہ ۳۳ھ) احنف بن قیس کے ہاتھوں فتح ہوا ۔ پھر ہمیشہ مشہور انسانوں اور بزرگوں کی منزل اور ٹھکانا رہا ۔ یحیٰی بن زید بن علی بن الحسین بن علیؓ اسی جگہ قتل ہوئے ۔ اس نواح کی نامور علمی شخصیتوں میں سے ابراہیم بن یعقوب ابواسحاق السعدی الجوزجانی ہیں جن کا ذکر 'تاریخ دمشق' میں آتا ہے ۔ وہ مدتوں اس جگہ سکونت پذیر رہے ۔ اور بقول دارقطنی انہوں نے مکے ، بصرے اور رملہ میں بھی زندگی بسر کی ، اور ثقہ حفاظ میں سے تھے ۔ وہ ذی القعدہ کے مہینے (۲۵۹ھ) میں اس جہان سے رخصت ہوئے ۔ دوسرے ابواحمد بن موسیٰ الجوزجانی ہیں جو دانشمند مستقیم الحدیث تھے ، اور جنھوں نے سوید بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے ۔ اور احمد کے ہم شہری بھی ان سے روایت کرتے ہیں ۔۱۷

خاندان فریغونیاں ، جو دراصل جوزجان میں حکمرانی کرتے تھے ۔ (۳۰۰ھ) کے قریب اس ملک پر بھی مسلط تھے ۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ یہ خاندان اسی ملک ہی کے نواح کا باشندہ تھا۔ اس دور کے تاریخ نگاروں نے اس خاندان کے عہد حکومت کو نہایت عمدہ قرار دیا ہے۔ بارتولد کہتا ہے کہ: اس خاندان کے عہد حکومت میں جوزجان کے حدود مضافات غور و بُست اور ہلمند کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔[۱۸]

ابو نصر محمد بن عبدالجبار العتبی جس نے ۴۱۵ھ میں تاریخ یمینی لکھی، وہ آل فریغون کو سلطان محمود کی جانب سے جوزجانان کا حاکم سمجھتا ہے اور ان کو عالی ہمتی میں مثل آسمان کے اور فراخ دلی و بخشش اور جوانمردی میں مثل جیحون کے جانتا ہے۔[۱۹] [229] آل سبکتگین کے عہد کے مشہور شاعر ابوالفتح بُستی نے اس خاندان کی ستائش میں مدائح لکھے ہیں۔ ایک شعر یہ ہے:

بنو افریغون قوم فی وجوھھم
سیما الھدی و سناء الودد العالی

حکیم ناصر خسرو علوی نے اس شعر میں فریغونیوں کو یاد کیا ہے:

کجا ست آنکہ فریغونیان، ز ہیبت او
ز دستِ خویش بدادند گوزگانان را

(کہاں ہے وہ کہ جس کی ہیبت سے فریغونیوں نے اپنے ہاتھ سے گوزگانان کو دے دیا۔)

فریغونی خانوادے میں جو سب سے پہلے بادشاہ ہوا وہ احمد بن فریغو ہے جس نے بروایت نرشخی تقریباً ۲۸۵ھ میں اسماعیل سامانی کی اطاعت اختیار کی۔[۲۰] اور جیسا کہ ابو سعید عبدالحی بن الضحاک گردیزی لکھتا ہے کہ: نوح بن منصور سامانی نے ابوالحارث محمد بن احمد فریغون کے ساتھ دامادی کا رشتہ ۳۶۵ھ میں قائم کیا۔[۲۱] اس امر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ محمد ۳۰۰ھ کے بعد بھی زندہ تھا۔ اور جس زمانے میں کہ خاندان غزنوی کا مؤسس و بانی علم شاہی و جہانگیری بلند کیے ہوئے تھا، وہ جوزجان کا حکمران تھا۔

۳۷۲ھ کے لگ بھگ جب کہ حدود العالم کا نامعلوم مؤلف جوزجان میں اپنی کتاب لکھ رہا تھا، اس خاندان کا حکمران یہی محمد بن احمد الحرث یا الحارث تھا، جس کا نام العتبی اور گردیزی نے بھی لیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا بیٹا ابوالحارث احمد اپنے باپ کا جانشین ہوا، اور ۳۸۰ھ اور پھر ۳۸۴ھ میں امیر نوح بن منصور کی امداد میں ابوعلی

سیمجوری کے ساتھ خوب مقابلے اور مجادلے کیے اور سبکتگین کے ساتھ بھی دوستانہ روابط قائم کر رکھے تھے - ۳۸۵ھ میں اس نے ابو علی سیمجوری کے خراسان سے نکالنے میں امیر کی بھی مدد کی تھی - اور احمد نے کچھ عرصہ کے بعد اپنی ایک بیٹی بھی سبکتگین کے بیٹے محمود کو دیا ، اور سبکتگین نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کو احمد کے بیٹے ابونصر محمد کے عقد میں دیا - اس کشمکش میں جو سبکتگین کے مرنے کے بعد تاج و تخت کے لیے ہوئی ، احمد نے اپنے داماد محمود کی طرفداری کی اور اسماعیل کی مخالفت کی - اور کچھ مدت گزرنے کے بعد قدرت نے اسباب پیدا کیے کہ لوگوں نے محمود کو بحیثیت اپنے شہنشاہ کے تسلیم کر لیا -

احمد نے ۳۹۰ - ۳۹۸ھ کے درمیان وفات پائی - اس کے بعد اس کا بیٹا ابونصر محمد اس کا جانشین ہوا - سلطان محمود کے بعض بری جنگی سفروں میں جو اس نے ہندوستان کی طرف کیے ، اس نے سلطان کی موافقت کی اور حق رفاقت ادا کیا - اور اپنی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کو سلطان محمود کے بیٹے شہزادے ابو احمد کے عقد میں دیا - ابونصر محمد نے ۴۰۱ھ میں وفات پائی ، اور ایک لڑکا حسن غاسی اپنے پیچھے چھوڑا ، جو بہت [230] چھوٹا تھا ، اس لیے سلطان محمود نے ولایت جوزجان اپنے بیٹے محمد کے سپرد کی۔ اس طرح جوزجان کے اس شاہی خاندان کی حکومت ختم ہو گئی -

فریغوں خاندان اپنی شریفانہ عادات و خصائل ، دانش‌پروری اور علم دوستی میں مشہور تھا ، اور ان کا دربار ہمیشہ فضلا اور شعرا کا مرجع اور اپنے عہد کے دانش‌مندوں اور خردمندوں کا مسکن تھا - معاصر شعرا نے ان کی تعریف میں قصائد اور تعریفی اشعار کہے ہیں -

خانوادۂ امام عبدالخالق جوزجانی :

یہ شخص کہ مؤلف کے خاندان کا مورث اعلیٰ ہے ، اپنی صراحت کے مطابق جوزجان (گوزگان) سے غزنہ آیا اور سلطان ابراہیم غزنوی کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لایا -

اس (سلطان ابراہیم) بادشاہ کے چالیس بیٹیاں اور چھتیس بیٹے تھے اس نے اپنی تمام بیٹیاں سادات کرام اور مشہور زمانہ علماء کو دی تھیں اور ان شہزادیوں میں سے ایک منہاج سراج کے تیسرے دادا کے حبالۂ عقد میں تھی -

جوزجان سے اس کتاب کے لکھنے والے کے اجداد کے انتقال مکانی کا سبب یہ تھا کہ امام عبدالخالق جوزجانی جو طاہرآباد غزنین کے بالائی حصے میں مدفون ہے ، اس نے جوزجان میں خواب دیکھا کہ ایک غیبی آواز دینے والا اس سے کہتا ہے کہ : اٹھ اور غزنین جا ، اور شادی کر ! . . . اس خواب کی وجہ سے وہ غزنین آیا - چنانچہ سلطان ابراہیم کی ایک لڑکی اس کے عقد میں آئی - اس شہزادی سے اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے ابراہیم رکھا ، اور یہ ہی ابراہیم ، مولانا منہاج الدین عثمان ابراہیم کا باپ تھا -۲۳

اس تفصیل کی بنا پر امام عبدالخالق جوزجانی ، سلطان ابراہیم کے عہد میں ، جو شاہان آل سبکتگین میں سے ایک بادشاہ تھا ، غزنہ میں آئے ، اور اس بادشاہ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لائے ، اور غزنہ میں مقیم ہو گئے - چونکہ سلطان ابراہیم کا عہد حکومت ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک ہے ، جس کی مجموعی مدت بیالیس سال ہے ، اس بنا پر ہم قیاس کرتے ہیں کہ ہمارے مؤلف کا تیسرا دادا پانچویں صدی کے نصف آخر میں زندہ تھا ، اور یہ شخص غزنہ آنے کے بعد پھر کبھی باہر نہیں گیا ، اور جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا ہے ، اس نے اسی شہر میں وفات پائی - اس کا مزار طاہرآباد کے بالائی حصے میں ہے ، جو غزنہ کی ایک جگہ کا نام ہے ، اور آج بھی غزنی میں ایک گاؤں طاہرآباد کے نام سے موجود ہے جس کو مراب کہتے ہیں اور شہر غزنہ کے شمال مغرب میں ۵۰ کیلومیٹر پر واقع ہے - [231] اور طاہرآباد میں ایک پشتہ ہے کہ جس کے اوپر بھی مقابر دیکھے جاتے ہیں - ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام عبدالخالق جوزجانی عالم اور متقی شخص ہوں گے ، اس لیے کہ مؤلف ان کے نام کے ساتھ کلمۂ امام استعمال کرتا ہے - یہ کلمہ ان کی متذکرہ بالا صفات پر دلالت کرتا ہے - امام عبدالخالق سید نہ تھے ، اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ چونکہ عالم ، فقیہہ اور متقی ہوئے اس لیے 'امام' کہلائے -

اس امام و عالم کو اس ملکہ کے بطن سے ، جو بادشاہ غزنہ کی بیٹی تھی ، ایک لڑکا پیدا ہوا ، جس کا نام اس کی ماں کے دادا کے نام پر 'ابراہیم' رکھا گیا - ہمارا اندازہ ہے کہ وہ چھٹی صدی کی پہلی تہائی تک زندہ رہا - اس حساب سے ان کے بیٹے مولانا منہاج الدین عثمان چھٹی صدی کی درمیانی تہائی تک ، اور ان کے بیٹے مولانا سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان چھٹی صدی

کے آخری ثلث تک یعنی ۶۰۰ھ کے قریب تک زندہ رہے ہوں گے۔[۲۴]

ان اشارات سے جو مؤلف نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر کیے ہیں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خاندان غزنہ آتے ہی درباریوں اور بڑے لوگوں کی نظر میں نہایت احترام سے دیکھا جانے لگا تھا، اور اس خاندان کے افراد سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر سرفراز ہوتے رہے۔ مولانا منہاج الدین عثمان جو ابراہیم کے فرزند ہیں اور مؤلف کے جد پدری ہیں، المستضی باللہ کی خلافت ۵۶۶-۵۷۵ھ میں حج و زیارت کعبہ کے سفر پر گئے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو خلیفہ نے ان کی پذیرائی نہایت احترام اور اہتمام سے کی، اور ان کو دارالخلافہ کی خلعت پہنائی گئی، جیسا کہ مؤلف کہتا ہے: کعبہ کے سفر کے موقع پر میرے جد پدری نے دارالخلافہ کی خلعت پہنی تھی۔[۲۵]

اس سفر کے بعد مولانا منہاج الدین عثمان سیستان کے راستے سے غزنہ اور لوہور (لاہور) لوٹے۔ ہمارا مؤلف سیستان کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ علم پرور حضرت ملک شمس الدین بن ملک تاج الدین ابوالفتح طاہر (چھٹی صدی کے اواخر) نے مولانا منہاج الدین عثمان کی، چونکہ وہ نامور عالم اور اپنے عہد کے دانشمند تھے، اس بنا پر اس نے اپنے دربار میں پذیرائی کی، اور خواہش ظاہر کی کہ مولانا وعظ و نصیحت فرمائیں، اور نہایت ہی مہربانی اور نوازش فرمائی۔[۲۶]

ان کے لاہور میں رہنے کا حال معلوم نہیں کہ وہاں وہ کیوں گئے تھے؟ ان کے کیا مشاغل تھے اور کتنی مدت وہاں رہے؟ صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سفر کعبہ کے بعد [232] سیستان کے راستے سے غزنہ گئے اور وہاں سے لاہور آئے، اور یہ واقعات ۵۷۲ھ کے لگ بھگ پیش آئے۔

مولانا منہاج الدین کی تاریخ وفات اور ان کی آخر عمر اور زندگی کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ ۵۷۳ھ کے بعد انھوں نے لاہور میں وفات پائی اور ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ ان کے صاحب زادے نے لی۔

مؤلف کا باپ:

مؤلف کے باپ مولانا سراج الدین محمد افصح العجم عجوبۃ الزمان بن مولانا منہاج الدین عثمان بھی دربار فیروز کوہ اور غور کے اہم ترین

لوگوں میں تھے ۔ اور فرمانرواؤں کے نظر میں پایۂ بزرگ اور مرتبۂ بلند رکھتے تھے - سلطنت آل محمود کے آخری زمانے میں جب سلطان معزالدین غوری سنہ ۵۸۲ھ میں شہر لاہور کے دروازے پر آیا اور لاہور اس نے قبضے میں کر لیا تو اس نے سپہ سالار علی کرماخ کو ، جو اس زمانے میں ملتان کا صوبہ دار تھا ، لاہور کا والی مقرر کیا اور مؤلف کے باپ مولانا سراج الدین قاضی لشکر ہندوستان مقرر ہوئے ۔ اور سلطان معزالدین کا عطا کردہ خلعت پہنا اور بارگاہ لشکر میں مجلس علم منعقد کرنا شروع کی ۔ بارہ اونٹ اس کا سامان منتقل کرنے کے لیے مخصوص کیے گئے -۲۷

چنانچہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مولانا سراج کے باپ بھی لاہور میں سکونت رکھتے تھے ۔ اور ۵۷۲ھ کے بعد بھی زندہ تھے - گمان غالب یہ ہے کہ اسی سال کے بعد انہوں نے اسی جگہ وفات پائی ہوگی - اس بنا پر مولانا سراج کی جائے ولادت بھی لاہور کہی جا سکتی ہے - اس کی تائید ان کے معاصرین میں سے محمد عوفی بھی کرتا ہے ، اور ملک الکلام اور فصیح العجم کا ان کو خطاب دیتا ہے -۲۸ لیکن وہ ان کے نشو و نما کی جگہ سمرقند کو قرار دیتا ہے ۔ جو غور طلب ہے -

اس زمانے میں بامیان نامور دانشمندوں اور علما کا ٹھکانا تھا ، اور سلطان بہاؤ الدین سام ابن سلطان شمس الدین محمد (آل شنسب ، ۵۸۷ھ سے ۶۰۲ھ) نہایت عالم پرور اور دانش دوست بادشاہ تھا - وہ اس کی کوشش کرتا تھا کہ اہل علم و فضل کو اپنے دارالسلطنت (بامیان) میں جمع کرے ۔ اور بقول مؤلف ، علامہ فخرالدین رازی مدتوں اس کے [233] سایۂ عاطفت و حمایت میں رہے ۔ اور 'رسالہ بہائیہ' لکھ کر اس بادشاہ کے نام معنون کیا ۔ اور شیخ الاسلام و ملک العلماء جلال الدین اسی بادشاہ کے زمانے میں بلخ کی 'شیخ الاسلامی' کے عہدے پر فائز ہوئے -۲۹

مولانا سراج‌الدین محمد منہاج جو سرگروہ فضلائے عصر اور سلطان غیاث الدین کے دربار کے نامور لوگوں میں تھے اور علم و بلاغت ، سیاست و امور ملک داری میں یکتائے روزگار تھے ، اس بادشاہ کی نگاہ التفات کا مورد ٹھہرے اور ان کو بامیان بلانے کا خیال پیدا ہوا - اس وقت مؤلف طبقات کی عمر تین سال کی تھی - مولانا اس کے متواتر طلب کرنے پر اور فیروزے کی ایک انگوٹھی جس کے نگینے پر سام منقوش تھا ، بھیجنے پر

بالآخر غزنہ سے بامیان گئے ۔ یہ سفر بہاؤ الدین سام کے جلوس سے پہلے سنہ ۵۸۲ھ میں ہوا ۔ اس وقت بہاؤ الدین کا باپ ولایت بلوران (یا بلروان یا پروان) میں تھا ۔ وہیں اس کی ملاقات مولانا سے ہوئی اور اس نے مولانا کا ہر ممکن احترام کیا ۔ چونکہ اس نے مولانا کے کلمات روح افزا اور مذاکرات دل کشا دیکھے اور سنے ہوئے تھے ، اور بادشاہ کی طبیعت میں از بس ان کے لیے شوق تھا اس لیے وہ چاہتا تھا کہ مولانا کے کلام کی نعمتوں سے پورا پورا فائدہ حاصل کرے ۔[30]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر جو مولانا نے بہاؤ الدین سام پسر (شمس الدین) سلطان بامیان کے تقاضے پر غزنہ سے کیا اس کے بعد پھر وہ فیروز کوہ اور دربار سلطان غیاث الدین میں لوٹے ہوں گے ۔ اس لیے کہ سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد جب سنہ ۵۸۶ھ میں اس کا بیٹا سلطان بہاؤ الدین بامیان کے تخت پر بیٹھا تو اس نے (دوبارہ) بلانے پر متعدد مرتبہ اصرار کیا اور آخر مولانا کو اپنے پاس طلب کر لیا ۔ (سلطان بہاؤالدین نے) تمام مناصب شرعی ان کے سپرد کر کے ان کی کفالت کی ، اور ان کو اپنی خاص انگوٹھی بھی بھجوائی تھی ۔ مولانا فیروز کوہ سے بغیر اجازت سلطان غیاث الدین کے پاس بامیان پہنچے ، اور جب وہاں پہنچے تو بہت سے اعزازات سے سرفراز ہوئے ، اور اس سلطنت کے تمام مناصب مثلاً قضائے ممالک ، خطابت ممالک ، احتساب ، تمام امور شرعی ، دو مدرسے ، جاگیر اور وافر انعام ان کے سپرد کیے ۔[31]

[234] اس طرح مولانا بامیان میں نوازش شاہانہ سے سرفراز ہوئے ، اور علم و دستار اور خلعت سلطان سے حاصل کیے ۔ اور ان تمام مناصب کی تفویض کے لیے ایک فرمان صاحب وزیر مملکت بامیان کے قلم سے ان کو دیا گیا ۔ یہ تمام چیزیں کتاب طبقات کے لکھتے وقت مؤلف کے پاس بطور ارث موجود تھیں ۔[32]

معلوم نہیں کہ مولانا سراج نے کب تک مشاغل متذکرہ بالا بامیان میں جاری رکھے ، اور کتنے سال وہاں رہے ، لیکن پھر ۵۹۰ھ کے حدود میں دوبارہ وہ دربار غیاث‌الدین میں لوٹ آئے ۔ تاج الدین حرب کی حکومت میں ، جو ملک شمس الدین بادشاہ سیستان کا بھتیجا تھا ، دو مرتبہ مولانا کو سیستان کے دربار کا دیدار حاصل ہوا ۔ ایک دفعہ جب کہ وہ سلطان غیاث الدین محمد سام کی طرف سے پیغام‌بر بن کر سیستان

گئے تھے ، دوسری دفعہ اس موقع پر جب کہ وہ بادشاہ کی جانب سے دارالخلافت الناصرلدین اللہ کی خدمت میں مکران کی طرف سے ، شاید صحیح کرمان ہوگا ، گئے تھے ۔ اس سفر میں بھی وہ سیستان سے گزرے تھے ، اور ملک تاج الدین حرب کے بے انتہا لطف و عنایت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے ۔[33]

مؤلف کے ان اشارات کے مطابق جس طرح کہ مولانا منہاج الدین عثمان نے خلیفہ کے پاس محضر کو بغداد لے جاتے ہوئے ملک شمس الدین سے سیستان میں ملاقات کی تھی ، بعینہ اسی طرح ان کے فرزند مولانا سراج بھی سیستان میں تاج الدین حرب کے حضور میں پہنچے ، اور اس کے بعد دربار خلافت میں گئے ۔

الناصر الدین اللہ کی خلافت کے زمانے میں جب سلطان تکش بن خوارزم شاہ نے بغداد پر خروج کیا ، اور خلیفہ کے لشکر نے شکست کھائی ، اس وقت خلیفہ کی طرف سے غور و غزنین کے فرماں رواؤں کو امداد کے لیے خط لکھے گئے ۔ چناں چہ سلطان غیاث الدین محمد کی طرف سے امام شمس الدین ترک ، ابن الربیع ، ابن الخطیب اور مؤلف کے والد مولانا سراج منہاج پیغام بری کے لیے نامزد ہوئے ۔[34] تکش خوارزم شاہ کے خروج بغداد کی تاریخ ۵۹۰ھ - ۵۹۲ھ کے لگ بھگ ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سراج الدین کا بغداد کی جانب یہ سفر امام شمس الدین ، ابن الربیع اور ابن الخطیب کی ہمراہی میں ان ہی سالوں کے درمیان ہوا ہوگا ۔ دوسری جگہ مؤلف اپنے والد کے اس سفر کی طرف رجوع ہوتے ہوئے لکھتا ہے کہ : چند مرتبہ دارالخلافہ سے امیرالمؤمنین المتضی بامر اللہ [235] اور امیرالمؤمنین الناصر لدین اللہ کی جانب سے خلعت فاخرہ سلطان غیاث الدین کو ملے ۔ پہلی مرتبہ ابن الربیع (تحائف لے کر آیا) اور قاضی مجدالدین قدوہ اس کے ساتھ دارالخلافہ گئے ۔ اور دوسری مرتبہ تحائف لے کر ابن الخطیب آیا ، اور اس کے ساتھ دارالخلافہ جانے کے لیے اس مؤلف کے والد مولانا سراج منہاج نام زد ہوئے ۔[35]

مولانا نے بحیثیت قاصد اور سفیر کے اپنے فرائض کو بخوبی انجام دیا ۔ اور اسی زمانے میں ۵۹۲ھ کے لگ بھگ انھوں نے مکران میں (شاید صحیح کرمان ہے) وفات پائی ۔ اگرچہ مؤلف کی تحریر سے صراحتاً یہ استنباط نہیں ہوتا کہ ان کے والد نے سفارت کے فرائض انجام دینے کے بعد مکران

کے راستے میں وفات پائی ۔ یا یہ کہ وہ پہلی سفارت کے بعد دوبارہ اس کام کے لیے منتخب کیے گیے ، اور ابھی دربار بغداد میں پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ مکران میں وفات پائی ۔ اس سلسلے میں مؤلف کی بجنسہ عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے کہ :

چوں کہ سلطان تکش نے سلاطین غور سے معاہدہ کیا تھا ، اس کی خلیفہ بغداد سے خصومت کی وجہ سے ابن الربیع بغداد سے ملک غور اور غزنین آیا ۔ اور دوسری مرتبہ ابن الخطیب فیروز کوہ آیا ۔ اور اس نے جمعہ کے دن خطبہ دیا ۔ اور اثنائے خطبہ میں سلطان غیاث الدین محمد سام کی خدمت میں یہ الفاظ کہے : اے فریاد رس ! تکش نافرمان اور باغی کے مقابلے میں ہم تجھ سے فریاد کرتے ہیں ! فریاد کرتے ہیں ! جس وقت کہ ابن الخطیب وہاں سے لوٹ رہا تھا ، عین اسی زمانے میں اس دعاگو کے والد مولانا سراج منہاج نے حدود مکران میں وفات پائی ۔ اس ضمن میں دارالخلافہ سے ناصر لدین اللہ کا تعزیتی فرمان پہنچا کہ مولانا سراج منہاج نے راستے میں وفات پائی ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے . . . ۔[۳۶]

ضیاءالدین احمد متخلص بہ نیر نے ہندوستان میں ، قاضی منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری کے حالات میں (۱۸۸۷ء) کے قریب کتاب مذکور سے استخراج کر کے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے ۔ ان سطور کے لکھنے والے نے یہ رسالہ نہیں دیکھا ، لیکن علامہ محمد قزوینی نے تعلیقات لباب الالباب عوفی میں ذیل کے مطالب کو اس کتاب سے نقل کیا ہے :

امام سراج الدین محمد منہاج الدین عثمان بن ابراہیم ابن امام عبدالخالق کی اصل جوزجان سے ہے ، اور پیداشاً (لوہوری) ہیں [236] ۔ وہ قاضی منہاج الدین ابو عمر عثمان ، صاحب تاریخ طبقات ناصری کے والد ہیں ۔ سراج الدین مذکور دو مرتبہ سفارت بغداد پر — جو خلیفہ الناصرلدین اللہ کے پاس بھیجی گئی تھی — نامزد ہوئے ۔ ایک مرتبہ وہ سفارت بغداد پر تاج الدین حرب کی جانب سے گئے جو سیستان کے بادشاہوں میں سے ایک تھا ۔ دوسری مرتبہ سلطان غیاث الدین غوری کی جانب سے دربار خلافت بغداد کی سفارت کے لیے نامزد ہوئے ۔ لیکن اس مرتبہ وہ راستے ہی میں تھے کہ

حدود مکران میں (۵۹۰ھ - ۶۰۰ھ) کے درمیان وفات پائی ۔۳۷

متدرجہ بالا سطور میں جو ہم نے رسالہ احمد نیر سے نقل کی ہیں اور جس میں مولانا سراج کے دو مرتبہ سفارت بغداد پر جانے کا تذکرہ ہے ، اس کی کوئی اصلیت نہیں ، اور نہ مؤلف طبقات نے اس بارے میں کچھ کہا ہے - جیسا کہ ہم نے سابق میں لکھا ہے کہ مولانا ایک مرتبہ دربار سیستان کی جانب سے سفارت کے فرائض انجام دینے کے لیے گئے تھے ، اور دوسری مرتبہ وہ خلیفہ ناصر کے پاس گئے تھے - شاید ان دونوں رسالتوں میں نیر کو اشتباہ ہو گیا ہے ۔۳۸

مولانا سراج کے بیان اور حالات کو مکمل کرنے کے لیے وہ وضاحتیں جو عوفی نے کی ہیں ، ہم بعینہٖ ذیل کی سطر میں نقل کرتے ہیں :

امام ملک الکلام سراج الدین فصیح العجم ابن منہاج لاہوری ، اگرچہ ان کی پیدائش کی جگہ لاہور ہے ، لیکن ان کے بزرگوں کا منشاء و مولد سمرقند تھا - اسی وجہ سے ان کے سخن میں حلاوت شکر اور قند کی تھی - جب منبر پر ان کا طوطیِ نطق شکر خوار ہوتا تو ہندوستان کے طوطیوں کا نطق ان کی گویائی کی شکر کے مقابلے میں خوار ہو جاتا - جب ان کا عندلیب فصاحت محاورہ کے چمن میں نغمہ سرا ہوتا تو حسان ان کے خوب صورت کلمات کے سامنے بے نوا ہو جاتا - اگرچہ ان کے اشعار مشہور ہیں ، لیکن چند رباعیاں جو ان کے منشآت میں سے ہیں یہاں لکھی جاتی ہیں - فرماتے ہیں :

رباعی

آں دل کہ ز ہجر دردناکش کردی
و ز ہر شادی کہ بود پاکش کردی
از خوے تو آگہم کہ ، ناگہ ناگہ
آوازہ در افتد کہ ، ہلاکش کردی

ایضاً

دل را برخِ خوبِ تو میل افتاد است
جاں دیدہ بر امید لبت بکشاد است
چشم آب زن خاک درت خواہد بود
گر عمر وفا کند قرار ایں داد است

ایضاً

اے کردہ یخ و برف بسی دایگیت
روشن تر از آفتاب بی مایگیت

برجائے رسول آخر از بہر خدائے
کہ میخوری و بندہ بہ ہمسایگیت٣٩

[237] مؤلف کی والدہ اور اس کے ننہالی اجداد :

آپ نے سابقہ صفحات میں مؤلف کے خاندان ، اس کے دادھیالی اجداد اور اس کے والد کے حالات پڑھے ، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوزجان کے ایک مشہور علمی خاندان کا فرد ہے اور اس کے اجداد سالہا سال تک دربار سلاطین آلِ محمود و آلِ شنسب میں غزنہ ، غور اور لاہور میں علمی اور سیاسی عہدوں پر فائز رہے اور بادشاہوں کی نظر میں بزرگ شمار ہوتے رہے ۔

اسی طرح مؤلف کا مادری خاندان بھی علمی اور سیاسی اعتبار سے بڑے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا ۔ بہت سے مشاہیر اس خاندان میں گزرے اور مسلسل اس خاندان کے لوگ دربار غور میں معزز اور محترم رہے اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔ مؤلف کی والدہ بھی محترم خواتین میں سے تھیں جنھوں نے غور کے شاہی حرم میں زندگی بسر کی ۔

مؤلف کے ننہالی اجداد نسلاً نساوی اور سکناً تولکی ہیں جو غور اور ہرات میں تھا ۔ اور القادر باللہ عباسی (متوفی ۴۲۲ھ) کے عہد خلافت میں تولک ولایت ہرات میں منصب قضا پر فائز تھے ۔ یہ خاندان سلطان محمود کی حکومت کے زمانے میں بھی محترم مقام کا مالک تھا ۔ القادر باللہ نے ان کے لیے بغداد سے ایک فرمان بھیجا تھا ۔ اس کے بعد المستضی باللہ نے بھی اپنے عہد (۵۳۶ھ-۵۷۵ھ) میں مناصب متذکرۂ بالا ان کے سپرد کرنے کے لیے ایک فرمان جاری کیا تھا ۔ یہ دونوں فرامین طبقات کی تالیف کے وقت مؤلف کے پاس موجود تھے ۔ وہ خود ان فرامین کے متعلق لکھتا ہے :

(مستضی) کا فرمان منہاج سراج کے ننہالی اجداد میں موجود ہے ، جس میں قلعۂ تولک ، ولایت قہستان اور جبال ہرات کی قضا اس خاندان کو تفویض کی گئی ہے ۔ ان فرائض کی بنیاد مستضی کے

جد اعلیٰ القادر باللہ کے فرامین ہیں اور القادر باللہ کا فرمان بھی موجود ہے۔ . . . ۳۰

ملک ضیاء الدین :

اس خاندان کی مشاہیر شخصیتوں میں سے ایک معروف شخص ملک ضیاء الدین محمد عبدالسلام قاضی تولک ہیں ۔ یہ ہندوستان میں فتوحات کے وقت سلطان معزالدین غوری کے ہمرکاب تھے ۔ سلطان نے قلعہ تبرہندہ کو فتح کیا تو یہ قلعہ ملک ضیاء الدین کے سپرد کیا ۔ یہ قاضی ضیاء الدین مؤلف کتاب کے جد مادری کے ابن عم تھے ۔

قاضی مجدالدین :

دوسری مشہور شخصیت قاضی مجدالدین تولکی کی ہے ، جن کا نام مؤلف قاضی مجدالدین تدوہ لکھتا ہے ۔ یہ صاحب سلطان غیاث الدین کی طرف سے مؤلف کے والد کے ساتھ [238] والی سفارت میں نمائندے کی حیثیت میں بغداد گئے تھے ۔ نیز سلطان معزالدین کی فتوحات ہند میں ایک ہزار دو سو تولکی جوان مردوں کی قیادت کرتے تھے ۔ قلعہ تبرہندہ میں قاضی ضیاء الدین کے ہمراہ اور رفیق تھے ۔۳۱

یہی وہ شخص ہیں کہ ابن اثیر جن کا پورا نام قاضی مجدالدین عبدالمجید بن عمر معروف بہ ابن القدوہ لکھتا ہے ، اور بیان کرتا ہے کہ غیاث الدین غوری کی ایک مجلس میں ان کو امام رازی سے ایک مناظرے کا اتفاق ہوا اور انہوں نے مسجد میں آ کر عام مسلمانوں سے امام رازی کی شکایت کرکے پورے شہر میں امام کے خلاف شورش پیدا کر دی ۔ یہی وجہ ہوئی کہ مجبوراً غیاث الدین نے فخر رازی کو قلعہ ہرات روانہ کر دیا ۔

قاضی جلال الدین :

دوسرا شخص جسے ہم مؤلف کے بیان کے مطابق اس خاندان میں سے جانتے ہیں ، وہ ان کے ماموں قاضی جلال الدین محمد الملک احمد عثمان ہیں ، جو عہد غوری کے آخری دور کی شخصیت ہیں ۔ یہ صاحب چنگیزیوں کے فتنے کے زمانے (۶۱۷ھ) میں نیشاپور کے حاکم ، سردار اور مالک تھے ، اور تولکیوں اور اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔۳۲

اگر ہم ان کے ماموں کے نام کی تحلیل کریں ، اور اس زمانے کی

رسم کے مطابق جلال الدین اور مجدالملک کو ان کے ماموں کے القاب قرار دیں تو ان کا نام احمد اور ان کے والد کا نام عثمان ہوگا ۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ عثمان مؤلف کے نانہالی دادا تھے ۔

اسی زمانے میں مؤلف کے بعض رشتے دار اور ماموں ، جو غالباً ان کے نانہالی رشتہ دار ہوں گے ، تولک میں موجود تھے ، اور ان سب نے وطن کے دفاعی جہاد میں چنگیزیوں کے حملے میں حصہ لیا تھا ، اور خود مؤلف بھی وطن کے دفاع میں چار سال تک اپنے عزیزوں کا رفیق اور ہم‌دم رہا ۔

مؤلف کے نانہالی اجداد اور مؤلف کے ماموں یہ سب کے سب سلاطین غور کے درباروں سے منسلک تھے ۔ سلطان غیاث الدین کی بیٹی ، جس کا نام ماہ ملک اور لقب جلال الدنیا والدین تھا ، جو نہایت ہی فاضل ، جمال و عفت اور پرہیزگاری میں تمام دنیا میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی ، اس علمی خاندان سے خاص طور پر نہایت لطف و شفقت کا برتاؤ کرتی تھی ۔

مؤلف کی والدہ اس ملکہ کی دودھ شریک (بہن) اور ہم مکتب تھیں ۔ اور خود مؤلف نے بھی ملکہ کی آغوش عنایت اور حرم عصمت میں پرورش پائی تھی ۔۲۳ اس خاتون نے مکتب میں تعلیم پائی تھی اور اس خاندان [239] کی فرد تھی جو علم و قضا سے آراستہ تھا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف نجیب الطرفین تھے ، اور انھوں نے علم و ادب کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی ۔

تاریخ تولد مؤلف :

ہم مؤلف کی تاریخ ولادت اور اس کی پیدائش کی جگہ کے متعلق یقینی اور مؤثق طریقے پر تو کچھ نہیں کہہ سکتے ، لیکن مؤلف کے مختلف اور متعدد اشارات سے کچھ نتیجے استنباط کیے جا سکتے ہیں ، وہ یہ ہیں :

(۱) مؤلف کے بچپن کا زمانہ بلوغ تک متذکرہ بالا ملکہ کے حرم میں گزرا ، اور ان کی والدہ بھی فیروز کوہ میں تھیں ۔ ان کے ماموں بھی ملک الحاج علاءالدین محمد بن ابی علی کی خدمت میں رہتے تھے ، جو سلطان غیاث الدین اور معزالدین کے چچا کا بیٹا تھا ۔

مؤلف نے اپنی تاریخ ولادت کے متعلق جو اشارے کیے ہیں ،

اور ان سے جو ان کی تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے ، وہ یہ ہیں :

''سال ۶۰۷ھ میں اٹھارہ سال میری عمر تھی اور فیروز کوہ کی سرائے سلطانی میں رہتا تھا ۔''۳۴

اگر مؤلف کے اس اشارے کو ہم بنیاد قرار دیں تو مؤلف کی تاریخ ولادت ۵۸۹ھ قرار پاتی ہے ۔ راورٹی نے بھی کتاب کے آغاز میں مؤلف کے حالات بیان کرتے ہوئے اسی تاریخ کو صحیح قرار دیا ہے ۔ آقائے سعید نفیسی اور عباس اقبال نے بھی اسی سال ولادت (۵۸۹ھ) ہی کو صحیح قرار دیا ہے ۔

(۲) طبقہ ۱۷ کے آغاز میں جہاں مؤلف سلاطین غور کے نسب نامے کا تذکرہ کرتا ہے ، وہاں کہتا ہے کہ :

"اس کتاب کے مؤلف نے ۶۰۲ھ کے مہینوں میں اس کو حرم محترم ، خداوند جہاں ماہ ملک کی خدمت میں پیش کر کے ان کی نظر سے گزارا ۔"

اس کے بعد مؤلف نسب نامہ مذکور کے شرح کو ملکہ کی زبان سے نقل و روایت کرتا ہے ، اور نسب نامے کے مطالب کو اپنی جگہ پر لکھتا ہے ۔

پس اگر قول اول کی بنا پر ہم مؤلف کی تاریخ ولادت ۵۸۹ھ مان لیں تو وہ اس وقت (جب کہ نسب نامہ ملکہ کی خدمت میں پیش کیا) تیرہ سال کا ہوگا ۔ لیکن تیرہ سال کی عمر میں یہ علمی کارنامہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ چوں کہ مولانا ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے ، اور عقل و دانائی کی فضا میں پرورش پائی تھی ، ممکن ہے وہ اس وجہ سے تیرہ سال کی عمر میں کتابوں کے مطالعے کی استعداد رکھتے ہوں ۔ اور اس زمانے سے مطالب اور ان کتابوں کے مضامین کو ذہن میں محفوظ رکھ کر بعد میں طبقات میں نقل کیا ہو ۔

(۳) [240] آپ مؤلف کے والد کے حالات کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں کہ مولانا سراج الدین ، سلطان بہاءالدین سام کی تخت نشینی سے قبل (بلروان یا پروان) میں اس کے حضور میں

پہنچے تھے ۔ چوں کہ اس بادشاہ کی بامیان میں تخت نشینی کا سنہ ۵۸۷ھ ہے ، اور بقول خود مولانا کی عمر اس زمانے میں تین سال کی تھی ، اس بنا پر خیال ہے کہ ان کی ولادت ۵۸۴ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی ۔ جو پہلے قول سے مختلف ہے ۔ راورٹی اور دوسرے لوگوں نے جنھوں نے مولانا کے حالات زندگی کے متعلق کچھ لکھا ہے ، وہ سب کے سب مولانا کے والد کے بامیان جانے کی تاریخ ۶۰۱ھ لکھتے ہیں ، حالانکہ خود مؤلف نے اپنی تین سال کی عمر کے ضمن میں اپنے والد کے بامیان جانے کا تذکرہ نہیں کیا ، بلکہ اس وقت سلطان بہاءالدین سام ابھی تخت نشین بھی نہیں ہوا تھا ، اس کا والد بامیان میں حکومت کرتا تھا ۔ مؤلف کے والد بلروان یا پروان میں ، جو بہاءالدین سام کا مرکز حکومت تھا ، اس کے حضور میں پہنچے ۔

چوں کہ مولانا کے والد کا پہلی مرتبہ بہاءالدین کے حضور میں بلروان جانا اور اس کی تخت نشینی سے پہلے تھا ، اس بنا پر قیاس چاہتا ہے کہ ان کی یہ روانگی ۵۸۷ھ سے پہلے کسی سال میں ہوئی ہوگی ۔ اس صورت میں اگر ہم مولانا کو تین سال کا مان لیں تو ان کی تاریخ ولادت قول اول کے مطابق صحیح قرار نہیں پاتی ، اور اس کا غلط ہونا ثابت ہو جاتا ہے ۔

(۴) مولانا ۶۱۸ھ میں اپنے امور عروسی کی انجام دہی اور نکاح کے لیے ولایت گزیو اور تمران گئے تھے ، جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے معزز اقربا میں سے ایک لڑکی کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے اور وہ ان کا ابتدائی زمانۂ شباب تھا ۔[۳۵]

مولانا کی اس صراحت کے پیش نظر کہ ۶۱۸ھ میں ان کی اوائل جوانی تھی ، اگر ہم ان کی تاریخ ولادت ۵۸۹ھ مان لیں تو اس وقت مولانا کی عمر ۲۹ سال ہوتی ہے ۔ حالانکہ حسب معمول اوائل شباب کا زمانہ ۲۰ تا ۲۵ سال شمار کیا جاتا ہے ۔ اگر ہم ان کے رشد و بلوغ کا زمانہ بیس سال کی عمر کو فرض کر لیں ، تب بھی اس وقت ان کی عمر کے دس

سال اس مقرر کردہ مدت شباب سے گزر چکے ہوتے ہیں اور عادتاً اس زمانے کو اوائل جوانی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال ہمیں مؤلف کی تاریخ ولادت یقینی طور پر معلوم نہیں ، اور نہ ان اختلافات کا کوئی حل ہمارے پاس موجود ہے۔ مؤلف کے دوسرے اشارات میں بھی قول اول کا بطلان موجود ہے۔ لیکن بایں ہمہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا ۵۸۹ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے ۔ واللہ اعلم۔

مولوی ہدایت حسین نے 'تاریخ شاہی' (مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹ء) کے انگریزی کے مقدمے میں مولانا کا سال ولادت ۵۹۰ھ لکھا ہے ، جو ہماری نظر میں [241] مستند نہیں ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ موصوف نے کس سند پر یہ سنہ لکھا ہے۔

جائے پیدائش :

مولانا نے طبقات میں کسی جگہ بھی اپنے مولد کے متعلق اشارہ نہیں کیا ، اور بعض تذکرہ نویسوں ، مثلاً صاحب ہفت اقلیم ، صبح گلشن ، مجمع النفائس ، گل رعنا ، گلزار ابراہیم اور نشترعشق نے مولانا منہاج اور ان کے والد سراج منہاج کے درمیان دھوکا کھایا ہے۔ اسی بنا پر بعض نے مولانا کا مولد (لاہور) سمجھا ، اور ان کو لاہوری لکھا ہے۔

تذکرہ نشترعشق صراحتاً لکھتا ہے کہ :

"سراج الدین منہاج (مصنف طبقات) کا اجدادی وطن سمرقند تھا ، لیکن ان کی ولادت لاہور میں ہوئی ۔"[۲۶]

علی قلی والہ داغستانی (۱۱۶۲ھ) لکھتا ہے کہ :

"سراج الدین منہاج مؤلف 'طبقات ناصری' ہے کہ جس نے اس کتاب کو نصرالدین ملک الہند کے نام سے تمام کیا۔ ان کا مولد لاہور اور ان کی اصل سمرقند سے ہے . . . ۔"[۲۷]

اس غلطی کو بہت سے ارباب تذکرہ اور تاریخ نگاروں نے دہرایا ہے ، ہم نے نمونے کے طور پر دو تذکرہ نگاروں کے قول دیے ہیں ۔ دراصل یہ اشتباہات باپ اور بیٹوں کے ناموں کے التباس سے پیدا ہوا ہے۔ چونکہ مؤلف کے والد لاہور میں سکونت رکھتے تھے ، اور شاید لاہور میں پیدا ہوئے تھے ، اس وجہ سے مؤرخین مؤلف طبقات کی پیدائش لاہور ہی میں سمجھتے

ہیں ۔ لیکن ان کی یہ بات معقول اور صحیح نظر نہیں آتی ۔ جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مؤلف کی والدہ جب کہ مؤلف کی عمر تین سال کی تھی ۔ فیروزکوہ میں ، ماہ ملک ملکہ غور کے حرم میں تھیں ۔ اور ان کے سارے ماموں اور ننھیالی اقارب اور رشتہ دار وہاں موجود تھے ۔ اس بنا پر قیاس چاہتا ہے کہ مؤلف فیروزکوہ میں حرم شاہی میں پیدا ہوئے ہوں گے ۔ راورٹی اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے مؤلف کے حالات سے کچھ نتائج نکالے ہیں ، وہ سب کے سب لکھتے ہیں کہ : مولانا کی ولادت لاہور میں صحیح نہیں کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ وہ پہلی مرتبہ ۶۲۴ھ میں ہندوستان آئے ، اس لیے اگر وہ لاہور میں پیدا ہوئے ہوتے تو اپنی آمد کے سلسلے میں پہلی مرتبہ کی قید نہ لگاتے ۔۴۸

تحقیق کی نظر سے دیکھیے کہ ایک لڑکا والدین سے دنیا میں آتا ہے ، اور اس کے مولد اور مسقط الراس کے دریافت کرنے کے لیے اس کے ماں باپ کے مسکن کی تحقیق خصوصاً اس کی والدہ کے مسکن کی تحقیق مشکل تر ہے ۔ اس موقع پر یہ دیکھنا چاہیے کہ جب کہ [242] مؤلف کا سال پیدائش ۵۸۹ھ کے لگ بھگ ہے ۔ اس وقت اس کے ماں باپ کہاں تھے ؟

ہماری سابقہ تحریروں کے مطابق اس تحقیق کے کئی پہلو ہیں ۔ جو ہم نے خود مؤلف کے بیان سے نکالے ہیں ۔ وہ یہ کہ سلطان بہاء الدین کی بامیان میں تخت نشینی سے پہلے ۵۸۷ھ میں مؤلف کے والد فیروزکوہ میں تھے اور سلطان غیاث الدین کے حضور میں زندگی بسر کرتے تھے ۔ چونکہ سلطان بہاء الدین نے انہیں اپنی تخت نشینی سے پہلے بلایا اس لیے سال مذکور سے پہلے بلروان یا پروان میں اس کے حضور میں پہنچے ، اور اس کے بعد بامیان میں اس کی خدمت میں رہے ۔ پس اس حساب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مؤلف کے والد ۵۸۰ھ میں فیروزکوہ اور غزنہ میں ہوں گے ۔ اور ۵۹۰ھ میں بامیان میں ان مناصب پر فائز ہوئے ہوں گے جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے ۔

اگر مؤلف کی تاریخ ولادت ۵۸۹ھ فرض کر لیں تو مؤلف کے والد ان سالوں کے لگ بھگ لاہور میں نہیں بلکہ غزنہ میں ہوں گے ، جب کہ ان کے والد غور ، غزنہ اور بامیان میں مقیم تھے ۔ ایسی صورت حال میں یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ ان کی والدہ لاہور میں پڑی ہوئی ہوں گی اور مؤلف وہاں پیدا ہوا ہوگا ۔

مؤلف کے اپنے اشارات سے کہ ان کی والدہ ملکہ ماہ ملک کے پاس حرم شاہی غور میں رہتی تھی ، مؤلف کے ایام خوردی اور تین سال کی عمر کے واقعات سے ، جو وہاں ظہور پذیر ہوئے ، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مؤلف فیروز کوہ غور میں حرم شاہی میں پیدا ہوئے ، اور اپنے بلوغ اور سن رشد کے پہنچنے تک وہیں رہے -

بچپن اور تعلیم :

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ مؤلف حدود ۵۸۹ھ میں فیروزکوہ غور میں پیدا ہوا - اس کی والدہ سلطان غیاث الدین کی بیٹی ملکہ ماہ ملک کی ہم سبق اور رضاعی بہن تھی - اور مؤلف کے قول کے مطابق ، اس کی طفولیت کا زمانہ بالغ ہونے سے پہلے تک ، وہیں گزرا ، اور اس نے ملکہ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی - اور مؤلف نے اس دور میں ملکہ کے الطاف و عنایات کو جو اس پر تھیں ، نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی مادرانہ شفقتوں کے متعلق لکھتا ہے کہ :

"اس ملکۂ جہاں نے اس ضعیف کی پرورش اپنے آغوش شاہی میں مثل اپنے فرزندوں کے شاہانہ طریقے پر کی ، اور میں ان کی نگرانی میں تربیت پاتا تھا ، اور اس بادشاہ زادی میں بہت سے قابل ستائش اوصاف ہیں -" ۴۹

سن بلوغ تک فیروزکوہ میں قیام :

اس طرح مولانا سن بلوغ تک فیروزکوہ میں مقیم تھے - اسی زمانے میں انہوں نے ابتدائی [243] تعلیم و دانش بھی وہیں حاصل کی - سات سال کی عمر میں وہ کلام مجید حفظ کرنے کے لیے معلم امام علی غزنوی کی خدمت میں جاتے تھے - اس زمانے میں بھی مولانا کی سوجھ بوجھ اس قدر عمدہ اور پختہ تھی کہ وہ اپنی کتاب میں اسی معلم سے خروج کفار مغول کی روایت نقل کرتے ہیں ، اور سات سال کی عمر میں یہ روایت سن کر اس دانشمند اُستاد کے بعینہ الفاظ میں اس روایت کو نہایت استناد کے ساتھ لکھتے ہیں -۵۰ سات سال کی عمر میں جب وہ کلام اللہ کے حفظ کرنے میں مشغول تھے ، ممکن ہے کہ اس کام کی توفیق اسی زمانے میں ان کو ہوئی ہو - پس مولانا کا حفظ قرآن بھی ان کے علمی آثار میں داخل ہے -

اس کے بعد عمر کے ۱۸ سال مولانا نے فیروزکوہ میں گزارے ، اور ۶۰۰ھ میں بھی وہاں تھے ۔ خود کہتے ہے کہ کاتب الحروف ۱۸ سال تھا کہ سال ۶۰۰ھ میں حضرت فیروزکوہ میں سرائے سلطانی کے دروازے پر اس طرح کھڑا تھا جس طرح کہ جوان کھڑے ہوتے ہیں ۔[51]

جوانی ، عہدوں پر ابتدائی تقرر ، شادی :

مؤلف کے اشارات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۲۲ سال کی عمر تک یعنی ۶۱۱ھ میں بھی فیروزکوہ میں مقیم تھے ۔ اسی سال انھوں نے امیر علی چاؤش سے جو روایت سنی تھی ، اس کو انھوں نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے ۔[52]

اس عنفوان شباب کے زمانے کے بعد مؤلف اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے تحصیلات علمی کو ختم کر کے فیروزکوہ سے دوسرے شہروں میں گئے ۔ چنانچہ مؤلف کا پہلا سفر وہی سفر ہے جو انھوں نے ۶۱۳ھ میں اس شہر سے بُست کی طرف کیا ، اور وہاں سے وہ سیستان کی سفارت پر گئے ۔ یہ زمانہ تھا جب کہ ملک تاج‌الدین حرب تین سال قبل وفات پا چکا تھا اور اس کا بیٹا ملک یمین الدین بہرام شاہ سیستان کے تخت پر متمکن تھا ۔

مولانا جنوب شہر سیستان کے متعلق اپنے بعض مشاہدات کو بیان کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ وہ اس سفر میں سیستان میں اپنی ملاقات کا ذکر امام عبدالمجید عبدالرشید سے کرتے ہیں اور وہ روایت جو انھوں نے اس اُستاد علما سے سنی اس کو بھی اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں ۔[53]

مولانا کے بیان سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ انھوں نے اسی زمانے میں اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کے دور کا آغاز کیا اور اپنے والد کے جانشین ہوئے ۔ گویا ۲۴ سال کی [244] عمر میں انھوں نے پہلی مرتبہ سیاسی حیثیت سے سفارت کی خدمت دربار سیستان میں انجام دی ۔ وہاں کے استقبال اور بادشاہ سیستان کے دربار میں ان کے اعزاز و احترام کا مؤلف نے اس طرح بیان کیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ :

”یہ دعا گو ۶۱۳ھ کے مہینوں میں بُست سے سیستان کے لیے روانہ ہوا ، اور جب میں سیستان کے نواح میں اس موضع میں پہنچا ، جس کو گنبد بلوچ کہتے ہیں ، جو مشرق کی سمت میں واقع ہے،

تو شاہی قاصدوں نے میرا استقبال کیا ، اور اس دعا گو کو (نہایت عزت و احترام کے ساتھ) شہر میں لائے ، اس جگہ ، جس کو "مدرسہ سر حوض" کہتے ہیں ، اور شہر کے جنوب میں واقع ہے ، اور اس کو در طعام و بازار فرود بھی کہتے ہیں ، مقیم ہوا۔ اس بادشاہ شریف اور کریم الطبع (بہرام شاہ حرب) کی بارگاہ میں مشرف ہوا۔ ہر ملاقات کے بعد وہ خلعت بھجواتے تھے ، اور جب تک میں وہاں رہا ہر ماہ بہت سا سامان ، روپیہ اور غلے کی جنس بھجواتے رہے۔ غرض کہ نہایت اعزاز و احترام فرماتے تھے۔ سات ماہ کے بعد اس دعا گو کو خراسان کی طرف لوٹنے کا اتفاق ہوا۔"[۵۴]

اس طرح مؤلف کا پہلا سیاسی تقرر اور سفر ۷ ماہ رہا اور اس کے بعد وہ خراسان لوٹے۔ اس کے بعد ان کی سیاسی زندگی ، یعنی بادشاہوں اور امرا کے درباروں میں سفارتوں کے عہدے پر فائز ہو کر آنے جانے کا آغاز ہوتا ہے۔ سیستان کے دربار میں ان کے مشاہدوں میں سے ایک مشاہدہ یہ ہے کہ انھوں نے یمین الدین بہرام شاہ کے بڑے بیٹے ملک رکن الدین کو اس کے بچپن میں اپنے والد کے پاس دیکھا تھا۔[۵۵]

مولانا اس سفارت کے بعد خراسان گئے۔ اس کے بعد ہم ان کو سنہ ۶۱۷ھ میں قلعہ تولک میں اپنے ننھیالی رشتہ داروں کے ساتھ پاتے ہیں۔ اس زمانے سے متعلق ایک روایت بھی ان کی کتاب میں موجود ہے۔[۵۶]

سنہ ۶۱۷ھ میں تولک پر چنگیزی لشکر کے مسلسل حملوں کے وقت کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے کہ: آٹھ ماہ تک مغل لشکر نواح تولک کو تاخت و تاراج کرتا رہا۔ اس زمانے میں مؤلف قلعہ تولک میں تھا ، اور غازیوں کے ساتھ کفار سے جہاد کرتا تھا ، جس کی وجہ سے کفار کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ قلعے کے قریب پھٹک سکیں۔[۵۷]

اس کے ایک سال بعد سنہ ۶۱۸ھ میں کہ ہمارے مؤلف کی عمر اس وقت ۲۹ سال کی تھی ، وہ غور کے مشرق علاقوں گزیو اور تمران کی طرف گیا اور وہاں اپنے اقارب میں سے ایک لڑکی سے نکاح کیا اور متاہل زندگی بسر کرنے لگا۔ اس زمانے میں مولانا کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی اور نہایت لطیف شعر کہتے تھے ، چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ : میں گزیو اور تمران کی طرف نکاح کی غرض سے گیا تھا۔ اس زمانے میں اس ولایت

کے حکمران ملک ناصرالدین ابوبکر بن ملک سیف الدین سوری نے ان پر نوازشیں کیں ۔ مولانا کی اصل عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے کہ :

[245] "اس راقم الحروف نے سنہ ۶۱۸ھ میں گزیو اور تمران میں وہاں کے بادشاہ (ملک ناصرالدین) سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ، اور اس کی جانب سے بے انتہا مروت کے آثار مشاہدہ کیے ۔ اسی زمانے میں یہ دعا گو اپنے اکابر اقربا کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو اپنے عقد میں لایا ۔ یہ میرا عنفوان شباب تھا ۔ القصہ اس دعا گو نے ملک ناصرالدین ابوبکر کی خدمت میں ، ایک گھوڑے کے لیے التماس کی اور اپنے اقربا میں اپنی شادی کا قصہ نظم کر کے عرضداشت پیش کی ۔ اس قصے اور نظم کے جواب میں بادشاہ نے ایک رباعی کہی اور اپنے قلم سے اس قصے کی پشت پر لکھ کر اس دعا گو کو دی ۔[۵۸]

چونکہ مولانا کا مسکن فیروز کوہ میں تھا ، اس لیے ان کے اس سفر کو موجودہ دلائل کی روشنی میں دوسرا سفر کہا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنی شادی کی غرض سے غور کے شرق علاقوں میں کیا تھا ۔

جیسا کہ مولانا خود کہتے ہیں کہ میں اسی سال ۶۱۸ھ میں تمران سے غور لوٹا اور 'قلعہ سنگہ' میں ملک حسام الدین حسن عبدالملک کو دیکھا اور اسی وقت ایک حکایت ملک تاج الدین سے سنی تھی ، جس کو انھوں نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے ۔[۵۹]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مولانا نے تولک کو اپنا مسکن اور ٹھکانا قرار دیا ہوگا ، کیونکہ تمران کے سفر کے بعد غالباً وہ اپنی نئی دلہن کے ساتھ 'قلعہ سنگہ' کے راستے سے گزرے ہیں ۔ اس کے تین سال بعد سنہ ۶۲۰ھ میں ہم پھر مولانا کو تولک میں پاتے ہیں ۔ یہ زمانہ ۶۱۷ھ تا ۶۲۰ھ مغل لشکر کی لوٹ مار کا زمانہ تھا ۔ سوائے اس کے کہ مولانا نے ایک سفر تمران اور گزیو کا کیا ، باقی چار سال تک وہ اہل تولک کے معین و مددگار ہو کر مغلوں سے جہاد کرتے رہے ، کیونکہ وہ سب آپ کے رشتہ دار اور بھائی برادر تھے ۔ مولانا ان معرکوں میں صحیح و سلامت رہے ۔[۶۰]

سیاسی سفر ، فراہ سیستان اور قہستان کی سفارت :

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ، مولانا اپنے پدری سیاسی منصب یعنی دربار غور اور اس نواح کے بادشاہوں میں سفارت کے فرائض انجام دینے پر پہلی مرتبہ چوبیس سال کی عمر میں سنہ ۶۱۳ھ میں فائز ہوئے ، اور اس کے سات سال بعد سیستان اور قہستان کی طرف متعدد سفروں کا اتفاق ہوا ، اور وہ کئی مرتبہ ان شہروں میں سفارت کے فرائض انجام دینے کے لیے گئے۔ چونکہ وہ [246] نہایت تجربہ کار سیاست دان اور ذی وجاہت شخص تھے، اور اس زمانے کے بادشاہوں اور امراء کے مزاج شناس بھی ہو چکے تھے ، اس لیے غور و خراسان کے حکمران بار بار ان کو سیاسی امور کی انجام دہی اور سفارت کے فرائض بجا لانے کے لیے زحمت دیتے تھے۔ یہ سفر جو مولانا نے کیے ان کی تفصیل اس طرح ہے :

۱- پہلا سفارتی سفر مولانا نے اسفزار اور قاین کے راستے سے قہستان کی طرف کیا۔ مولانا کا یہ سفر بعض تجارتی اور اقتصادی مذاکرات کے لیے تھا۔ چونکہ مغل لشکر کی تاخت و تاراج نے دربار غور و خراسان کو سخت اقتصادی اور مالی بحران میں مبتلا کر دیا تھا اور اس نابکار لشکر کے جانے کے بعد مملکت کپڑے اور ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء سے خالی ہو گئی تھی اس لیے مولانا نے یہ سفر تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کی بحالی کے لیے کیا تھا۔

وہ قلعہ تولک سے ملک تاج‌الدین حسن کے ایما پر اسفزار گئے ، وہاں سے قائن آئے ، اور قائن سے انہوں نے قلعۂ مرتخت اور جواشیر کرمان کا سفر کیا ، اور ملاحدہ کے شہروں کو دیکھتے ہوئے وہاں سے قہستان کے فرمانروا محتشم شہاب منصور ابوالفتح کے حضور میں پہنچے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس بادشاہ کی علم پروری اور دانش دوستی کا حال لکھا ہے۔ مولانا نے یہ سفر ۶۲۱ھ میں کیا تھا۔ واپسی میں وہ شہر تون کے راستے قاین و اسفزار ہوتے ہوئے تولک واپس آئے۔۱۱

مولانا کے اس سفر قہستان کی ، اور محتشم شہاب سے ملاقات کی ایک داستان ہے ، جس کو مولانا نے تفصیل سے

اپنی کتاب میں لکھا ہے ، جس کو ہمارے قارئین محترم طبقہ (۲۳) میں (حدیث حادثہ شمس محتشم) کے عنوان کے تحت پڑھ سکتے ہیں ۔

۲۔ کچھ عرصے کے بعد مولانا سنہ ۶۲۲ھ میں قلعہ خیسار غور میں ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی کی خدمت میں پہنچے اور اس نیک بادشاہ کے ایما پر دوسری مرتبہ سفارت پر قہستان گئے کہ (تجارتی) قافلوں کا راستہ کھلوائیں ۔ اس سفر میں مولانا خیسار سے فراہ پہنچے ، وہاں سے 'قلعہ کاہ' سیستان، وہاں سے قلعہ کرہ ، وہاں سے طبس ، وہاں سے مومن آباد اور قاین سے گزرے اور انھوں نے دوبارہ سابق الذکر محتشم شہاب فرمانروائے ملاحدہ سے ملاقات کی ۔ اس سفر میں انھوں نے قہستان کے فرمانرواؤں سے شہروں میں امن قائم کرنے اور دونوں جانب سے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت پر بات چیت کی ۔ اور قاضی وحید الدین فوشنجی سے ایک روایت سنی ، جس کو انھوں نے طبقہ ۲۳ میں "حوادث کشادہ شدن شہرہائے خراسان" کے ذیل میں اپنی کتاب میں [247] محفوظ کیا ہے ۔ مولانا کا اس سفر میں سیستان کی طرف جانا بغیر کسی مقصد اور غرض کے نہ تھا ۔ ان کا دربار قہستان میں یا ملاحدہ فرمانرواؤں کے پاس جانا ملک رکن الدین محمد عثمان مرغنی فرمانروائے خیسار غور کے ایما سے تھا ۔ وہ اس سفارت پر اس لیے مامور کیے گئے تھے کہ وہ فراہ میں ملک تاج الدین ینالتگین بادشاہ سیستان کے پاس جا کر اس سے ایک مستحکم معاہدہ کریں ۔ چنانچہ مولانا سیستان کے بادشاہ سے فراہ میں ملے اور ایک مستحکم معاہدہ کیا۔[۶۲] اور اس بادشاہ سے ملاقات کے دوران بہت سے تاریخی مسائل میں بھی استفادہ کیا ، اور جو واقعات ملاقات کے وقت اس بادشاہ سے سنے ان کو طبقہ ۱۶ میں ملک قطب الدین ایبک خوارزم شاہی کے تذکرے میں لکھ کر محفوظ کر دیا ہے ۔

الغرض مولانا اس سفر میں دو پیغاموں کے حامل تھے : ایک کا تعلق دربار سیستان سے اور دوسرے کا تعلق قہستان

کے ملاحدہ فرمانرواؤں سے تھا ۔ وہ دونوں جگہ سفارت کا پورا حق ادا کر کے واپس لوٹے ۔

۳۔ دوسرے سال (سنہ ۶۲۳ھ میں) پھر مؤلف ملک ینالتگین کے حضور میں پہنچتے ہیں ، اور فراہ کے راستے سے دربار ملاحدہ میں پہنچ کر سفارت کے فرائض انجام دیتے ہیں ۔ اس سفارت کی تفصیل اور مقاصد یہ ہیں :

اس سال مؤلف کا ارادہ تھا کہ ہندوستان جائے ۔ چنانچہ اس نے خیسار میں ملک رکن الدین محمد سے ہندوستان جانے کی اجازت چاہی اور وہ ضروری سامان سفر اور خریداری آبریشم کے لیے فراہ گیا ۔ جب وہ اس شہر کے نواح میں پہنچا تو اس وقت ملک تاج الدین ینالتگین کا شاہی قلعے پر ، جو حوالی نیہ میں ہے ، ملاحدہ کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور اس کے لشکر کو شکست ہو چکی تھی ۔ چونکہ فرائض سفارت اور صلح کی بات چیت کے لیے ان کے دربار میں کوئی امیر موزوں نہیں تھا اس لیے ینالتگین نے مولانا کو طلب کیا اور ان کو زحمت دی کہ وہ قہستان جائیں ، اور ملک رکن الدین خیسار کے بیٹے کو بھی ان کے ساتھ کر دیا ۔ مولانا فراہ کے راستے شہر نیہ آئے اور وہاں سے قہستان پہنچے ، پھر وہاں سے نیہ آئے ۔ چنانچہ مولانا کی کوششوں سے ملک تاج الدین اور شمس الدین محتشم میں صلح ہو گئی ، اور مولانا نے فرائض سفارت بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیے ۔

ان فرائض کے انجام دینے کے بعد جب وہ تاج الدین ینالتگین کے پاس آئے تو اس نے دوبارہ چاہا کہ مولانا ملاحدہ کے دربار میں جائیں ، اور ان کو جنگ کا چیلنج دیں ۔ لیکن چونکہ مولانا کو ہندوستان کا سفر درپیش تھا ، مولانا نے اس سفر کو قبول نہیں کیا ۔ ملک تاج الدین نے برہم ہو کر مولانا کو سیستان کے قلعۂ صفہبد میں نظر بند کر دیا ۔ مولانا ۴۳ دن تک قید میں رہے ، یہاں تک کہ جب ملک

[248] رکن الدین نے خیسار سے (سفارشی) خط لکھا اور مولانا نے قصیدہ لکھ کر معذرت کی ۔ تب جا کر اس قید سے رہائی پائی ۔[63]

ہندوستان کا سفر ۔ لشکر اچ کی قضاءت ، مدرسہ فیروزی کی مہتممی :

۶۲۳ھ میں مولانا نے تولک کی سکونت ترک کر کے خیسار میں ملک رکن الدین مرغنی (کرت) کے پاس سکونت اختیار کی ۔ وہ سفر فراہ اور قلعۂ صفہبد میں ۴۳ روز کی قید سے رُہائی کے بعد خیسار لوٹے اور وہاں سے ہندوستان کا رخ کیا ۔[64]

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خیسار خراسان سے غزنہ آئے ۔ وہاں سے ۶۲۴ھ کے اوائل میں مشہور راستے سے درۂ گومل اور دریائے سندھ کی وادی سے بنیان (موجودہ بنوں) سے گزرے اور وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر دریائے سندھ کی راہ سے ۲۶ جمادی الاولیٰ روز سہ شنبہ کو اچ پہنچے[65] ، اور ماہ رجب تک ان لڑائیوں کے زمانے میں جو ناصرالدین قباچہ اور شمس الدین التتمش کے درمیان جاری تھیں ، ملتان اور اچ میں رہے[66] اور ۶۲۴ھ کے ذی حجہ کے مہینے میں بدور سلطان ناصرالدین قباچہ اچ کا "مدرسہ فیروزی" ان کے حوالے ہوا[67] اور علاء الدین بہرام شاہ بن ناصرالدین قباچہ کے لشکر کا عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا ۔ لیکن مؤلف کا یہ تقرر عارضی ثابت ہوا ۔ کیونکہ دوسرے سال ۶۲۵ھ میں مورخہ ۲۷ جمادی الاخریٰ بروز سہ شنبہ کو سلطان شمس الدین التتمش نے اچ کو فتح کر لیا اور قباچہ ختم ہو گیا ۔ چنانچہ مولانا اپنے تقرر اور خدمت گزاری کے زمانے کو اسی زمانے (یعنی عہد شمس الدین التتمش) سے شمار کرتے ہیں ۔[68]
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محاصرۂ اچ کے ابتدا ہی میں ۔ یکم ربیع الاول بروز چہار شنبہ ۶۲۵ھ کو اچ میں سلطان التتمش کی ملازمت میں منسلک ہو گئے تھے ۔ اور اس سے پندرہ روز قبل انہوں نے ملک تاج الدین کزلک خاں سے ملاقات کی تھی ۔ مولانا اس ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"میں ۱۶ صفر ۶۲۵ھ بروز چہار شنبہ فتح یاب لشکر میں پہنچا ۔ اس فرشتہ سیرت ملک نے میری تعظیم فرمائی ۔ میرے لیے اپنی مسند سے اٹھا اور استقبال کے تمام آداب بجا لایا اور مجھے اپنے ساتھ لے جا کر اپنی جگہ بٹھایا اور 'سیب لعل' اس دعا گو کو

دیا اور اس کی زبان سے نکلا کہ مولانا یہ لیجیے کہ اچھا شگون ہوا۔"۶۹

[249] اس طرح اراکین سلطنت دہلی میں سے ایک کے ساتھ مولانا کی یہ پہلی ملاقات تھی جو مندرجہ بالا تاریخ کو ہوئی ۔

التتمش کی بارگاہ میں حاضری ، دہلی روانگی اور وہاں کے مناصب سے سرفرازی :

قلعہ اچ کے سقوط کے بعد ، پہلے دن جب سلطان شمس‌الدین التتمش نے اس قلعے کے نیچے اپنے لشکر کے خیمے نصب کیے تو یہ مؤلف اس بادشاہ کے حضور میں پہنچا اور اس کا منظور نظر بنا ۔ چونکہ ناصرالدین قباچہ نے قلعۂ بکھر کی دیوار میں سے چھلانگ لگا کر خود کو دریائے سندھ میں غرق کر لیا تھا اور تمام سندھ پر سمندر تک التتمش کا قبضہ مسلم ہو چکا تھا ، لہٰذا سلطان قلعہ اچ سے لوٹے اور مؤلف بھی ماہ رمضان ۶۲۵ھ میں اس بادشاہ کے رکاب میں دہلی گیا ۔

فتح یابی کے جشن میں ، یا خلعت ، عہدنامہ اور جھنڈا جو خلیفہ المستنصر باللہ نے بغداد سے سلطان التتمش کے لیے بھجوایا تھا ، اس موقع پر مؤلف سلطان التتمش کے حضور میں موجود تھا ۔ ۷۰

مولانا ۶۲۹ھ تک دہلی میں رہے ، اور اسی سال شعبان میں قلعہ گالیور (گوالیار) میں ، پھر التتمش کے حضور میں پہنچے ، اور سلطان کی جانب سے مامور ہوئے کہ وہ سرائے اعلیٰ کے دروازے پر وعظ فرمایا کریں ۔ یہ وعظ معمولاً ہفتے میں تین مرتبہ ہوتا تھا لیکن جب رمضان کا مہینہ آیا تو ہر روز وعظ ہوتا تھا ۔ علاوہ ازیں پورا عشرہ ذی الحجہ اور پورا عشرہ محرم بھی وعظ کے لیے مقرر ہوا ۔ باقی مہینوں میں وہی ہفتے میں تین دن وعظ کرتے تھے ۔

الغرض اس طرح شاہی واعظ کے عہدے پر مولانا سرفراز ہوئے ، اور گیارہ ماہ کی مدت میں انہوں نے ۹۵ مجالس وعظ منعقد کیں ۔ مولانا نے عیداضحیٰ کے موقع پر قلعہ گالیور کے برابر میں شاہی حکم کی بنا پر خطبہ عیداضحی اور امامت کے فرائض انجام دیے اور بیش قیمت خلعت سے مشرف ہوئے ۔ ۷۱ ان اشغال شرعی پر خلعت شاہانہ سے نوازش کے وقت مہتر مبارک ہندو خان جو دربار دہلی کے بڑے پائے کے امرا میں تھا ، خزانۂ عالیہ کی جانب سے خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا پر بے حد لطف و نوازش

فرمائی ، جس کا تذکرہ مولانا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ۔[۲]

قضا اور ادارۂ کل امور شرعی کالیور (گوالیار) پر سرفرازی :

۲۶ ماہ صفر ۶۳۰ھ بروز سہ شنبہ جب قلعہ کالیور (گوالیار) فتح ہو گیا ، مولانا سلطان شمس الدین التتمش کی بارگاہ سے کالیور کی قضا و خطابت ، امامت ، [250] احتساب اور وہاں کے کل امور شرعیہ کے اہتمام پر مقرر ہوئے اور خلعت ہائے فاخرہ اور بے شمار انعامات سے سرفراز ہوئے ۔ مولانا کالیور کی ان خدمات شرعیہ پر چھ سال تک فائز رہے ۔ جب سلطان التتمش نے وفات پائی اور اس کے امور سلطنت میں خلل واقع ہوا تو بھی مولانا اس کے بیٹے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے عہد تک اسی جگہ اپنی خدمت پر مقرر رہے ۔ پھر جب امور سلطنت ملکۂ بزرگ رضیہ بنت التتمش کے ہاتھ میں آئے اور قلعہ کالیور کے لیے ایک لشکر نامزد کیا گیا تو اس ملکہ نے مؤلف کے لیے کثیر انعامات بھجوائے ۔ بالآخر مولانا نے یکم شعبان سنہ ۶۳۵ھ کو مجدالامرا ضیاءالدین جنیدی کے ساتھ ، جو کالیور کا حاکم انصاف تھا ، اس قلعے کو خیرباد کہا اور دہلی پہنچ گئے ۔[۳]

اس سفر میں دربار دہلی کے سرداروں میں سے ایک سردار ملک تاج الدین سنجر تتلق بھی مولانا کے ہمراہ تھا ۔ اس نے مولانا پر اثنائے راہ میں اس قدر لطف و مہربانی فرمائی کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی ، اور ان کے نادر کتابوں کے دو صندوق اپنے خاص اونٹ پر رکھوا کر نہایت عزت و تکریم کے ساتھ ان کے ٹھکانے تک بھجوائے ۔[۴]

اسی طرح جب کہ مولانا قلعہ کالیور میں تھے ، سنہ ۶۳۱ھ میں برکا خاں مغل کی جانب سے ، ایک سفارتی وفد دہلی آیا ۔ سلطان شمس الدین نے اس وفد کو کالیور بھجوایا ۔ چونکہ یہ سفیر مسلمان تھے ، ہر جمعہ کو جامع مسجد کالیور میں حاضر ہوتے اور کاتب طبقات کے پیچھے نماز پڑھتے ۔ مولانا نے کالیور کی خدمات کا زمانہ چھ سال شمار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد سلطان رضیہ کے عہد حکومت میں وہ دہلی آ گئے ۔[۵]

ادارۂ مدرسہ ناصریہ :

مولانا بارگاہ سلطان رضیہ سے اسی سال کے ماہ شعبان میں دو مناصب پر سرفراز ہوئے : دہلی میں ''مدرسہ ناصریہ'' ان کے سپرد کیا گیا کہ وہ

اس مدرسے میں تدریس اور اس علمی مرکز کے اہتمام کی خدمت انجام دیں ۔ گویا وہ اس مدرسہ کے مہتمم اور شیخ الجامعہ مقرر ہوئے ۔ ان علمی خدمات کے ساتھ قضاء گالیور کا عہدہ بھی تفویض کیا گیا ۔

جب رضیہ کا دور سلطنت امرا اور اکابر دربار کی دشمنی کی وجہ سے زوال پذیر ہوا ، اور جلد ہی اس سلطانہ کو دہلی کے تخت سلطنت سے اتار کر معزالدین بہرام شاہ کو ۲۷ رمضان [251] سنہ ۶۳۷ھ کو تخت سلطنت پر بٹھایا گیا ، اس وقت مولانا دہلی میں تھے ، اور مدرسہ ناصریہ کی مہتممی کی خدمت انجام دیتے تھے ۔ جب اسی سال شوال کے مہینے میں شاہی محل میں سلطان بہرام شاہ کی بیعت عام ہوئی ، اس وقت بھی مولانا حاضر تھے ۔ انہوں نے تخت نشینی پر مبارک باد کا ایک قطعہ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا ، جس کا مطلع یہ ہے :

زہے در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی
بہ بیں در رایت شاہی علامات جہانبانی[۲۶]

بہرام شاہ کے زمانے میں بتاریخ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۶۳۹ھ کو لاہور کو مغل لشکر نے تاخت و تاراج کیا اور اس کو اپنے قبضے میں لے لیا ۔ جب یہ خبر بادشاہ کو دہلی میں پہنچی تو بادشاہ نے شہر کے تمام باشندوں کو ''قصر سپید'' میں جمع کیا اور مؤلف کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کے سامنے وعظ کہے ۔ مؤلف کے وعظ نے بہت اثر پیدا کیا اور لوگوں نے بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مؤلف اس زمانے میں نہ صرف دربار دہلی میں روشناس تھا ، بلکہ اس دور کے بادشاہوں کی نظر میں بلند مقام رکھتا تھا اور رعایا اور دربار دونوں میں احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا ۔>>

پورے ہندوستان کی قضا پر تقرر :

مولانا سیاسی قابلیت اور انتظامی لیاقت غیر معمولی رکھتے تھے اور ان میں اس کی صلاحیت تھی کہ وہ ہندوستان کے امور کی باگ ڈور سنبھال لیں اور اپنے آپ کو بادشاہ دہلی کا معتمد ثابت کریں ۔ رضیہ کے بعد بہرام شاہ تخت نشین ہوا ، لیکن اس کے دور میں بھی سلطنت میں اصلاح کے آثار ظاہر نہ ہوئے اور امور مملکت میں خلل پڑتا رہا ۔ امرا اور ملوک کی جانب سے دشمنی کی جانے لگی ۔ اس فتور کے زمانے میں مولانا نے

فتنوں کے رفع کرنے کی بہت کوششیں کی ۔ اسی زمانے میں سلطان معزالدین بہرام شاہ نے ہفتے کے دن ۱۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۶۳۹ھ کو نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ مولانا کو خلعت عطا فرمایا اور کل ممالک کے قضا کے عہدے سے سرفراز فرمایا ۔ چونکہ ۹ ماہ شعبان سال مذکورہ سے ذی قعدہ کے مہینے تک دہلی میں فتنے کی آگ بھڑک رہی تھی ، اور امرا و ملوک شورش برپا کرکے بادشاہ کو محصور کیے ہوئے تھے ، مولانا اکابر علما کے ساتھ شہر میں اصلاح حال کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے ۔۷۸

مولانا پر حملہ اور ان کا استعفا :

چونکہ امن اور امور مملکت درہم برہم ہو چکے تھے ، اور بادشاہ بھی اپنے طفلانہ مزاج کی بنا پر لایعنی امور میں گرفتار تھا ۔ جھاڑو دینے والے فراش بادشاہ کے [252] بے حد مقرب تھے ، اس لیے شورش برپا کرنے والوں اور دربار سلطنت میں کوئی صلح کی صورت بن نہیں پڑتی تھی ۔ کیونکہ مبارک شاہ نامی فراش (جو سلطان کا بہت منہ چڑھا تھا) کسی طرح صلح پر آمادگی ظاہر نہ کرتا تھا ۔ مولانا دربار اور عوام میں صلح کے لیے قاصد کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ جمعہ کے دن ے تاریخ ذی قعدہ ۶۳۹ھ کو خواجہ مہذب کے متعلقین نے غنڈوں کی ایک جماعت کو تین ہزار جیتل دیے اور مولانا کے بعض ہم جنسوں کو بھی اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ مولانا کو قتل کر دیں ۔ چنانچہ جمعہ کے دن مسجد جامع میں نماز کے بعد انہوں نے خروج کیا اور مولانا کے قتل کے لیے تلوار کھینچ لی ۔ چونکہ مولانا بھی اپنے ساتھ چاقو دار عصا رکھتے تھے اور چند غلام بھی مسلح ہتھیاروں کے ساتھ ان کے ہم راہ تھے ، اس لیے مولانا اس قاتلانہ حملے سے بچ گئے اور اس شور و شغب میں بہ خیر مسجد سے باہر نکل آئے ۔۷۹

آٹھ ماہ ذی قعدہ کو شورش پسندوں اور غوغا کرنے والوں نے قلعہ دہلی پر قبضہ کر لیا اور اس ماہ کی ۱۲ تاریخ کو شب میں سلطان بہرام شاہ کو شہید کر دیا ، اور اس کی جگہ سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن فیروز شاہ کو تخت پر بٹھایا ۔ فتح دہلی کے چوتھے دن اس نے مولانا سے قضا کے عہدے سے استعفا طلب کر لیا اور مولانا کے استعفا کے بعد ۲۶ روز تک عہدۂ قضا خالی رہا ، یہاں تک کہ قاضی عماد الدین شفورقانی مولانا کے بجائے اس عہدے پر مقرر ہوئے ۔۸۰

لکھنوتی میں دو سال :

سلطنت علاء الدین کے زمانے میں بھی دہلی میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی رہی اور امرا آپس میں ایک دوسرے کی دشمنی میں مبتلا رہے۔ مولانا نے یہ حالات دیکھ کر عافیت اسی میں سمجھی کہ اس فتنہ و فساد کی جگہ سے نکل کر کسی امن کے مقام میں پناہ لیں۔ اس بنا پر اپنے صاحبزادوں اور متبعین کے ساتھ ۹ تاریخ رجب بروز جمعہ سنہ ۶۴۰ھ میں لکھنوتی کے لیے دہلی سے روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ بدایوں میں تاج الدین قتلق سے ملے اور وہاں سے اودھ گئے۔ اودھ کا بادشاہ قمرالدین قیران مولانا کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آیا۔ اسی زمانے میں لکھنوتی کا بادشاہ طغان خاں عزالدین طغرل لشکر اور کشتیوں کے ساتھ نواح کڑہ میں آیا۔ مؤلف اودہ سے آکر اس سے ملے اور اس کے ساتھ لکھنوتی روانہ ہو گئے۔ ۷ تاریخ ذی حجہ بروز یک شنبہ سنہ ۶۴۰ھ میں وہ لکھنوتی پہنچے اور ان کے فرزند اور متبعین سب اودھ ہی میں تھے۔ مولانا نے لکھنوتی سے اپنے معتمد لوگوں کو بھیج کر ان کو بھی لکھنوتی بلوالیا۔ طغان خاں نے ان کے دوران قیام لکھنوتی میں ان پر بے حد لطف و نوازشیں فرمائیں اور کثیر انعام سے نوازا۔ وہ دو سال اپنے معتقدین اور دوستوں کے ساتھ ان شہروں میں رہے[81] اور یہیں سنہ ۶۴۱ھ میں صمصام الدین [253] فرشانی مولانا سے ملے، اور قلعۂ بہار کے جنگی فیصلے ان کے سپرد کیے۔

مولانا نے ان واقعات و حوادثات کا تذکرہ طبقہ (۲۰) ذکر محمد بختیار کے ضمن میں کیا ہے۔ اسی سال دیوکوٹ اور بنگاؤں کے درمیان ایک رات مولانا، معتمد الدولہ مقبل رکابی محمد بختیار کے گور میں مہمان رہے، اور ان سے تبت کی پہاڑی جنگوں کے قصے سنے، جن کا تذکرہ انہوں نے طبقہ (۲۰) میں محمد بختیار کے تذکرے میں کیا ہے۔ اسی سفر میں مؤلف کول کے خطے میں بھی پہنچے، اور وہاں کے حکمران ملک بدر الدین نصرت خاں سنقر صوفی سے ملاقات کی۔[82]

مؤلف کے لکھنوتی میں آنے کے ایک سال بعد بروز شنبہ ۶ تاریخ ذیقعدہ سنہ ۶۴۱ھ میں طغان خاں نے جاج نگر کا قصد کیا۔ ہمارا مؤلف بھی اس سفر میں اس کی حمایت میں اس کے ساتھ گیا، اور اس جنگ کے مشاہدات کو طبقات میں لکھا ہے۔[83]

طغان خاں اس جنگ میں ناکام ہو کر لوٹا اور مؤلف بھی اس کے

ساتھ لکھنوتی واپس آیا ۔ چونکہ دہلی سے تمر خاں ایک کثیر لشکر کے ساتھ لکھنوتی کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا ، اس کے اور طغان خاں کے درمیان چھڑپیں شروع ہوئیں اور نوبت لڑائی تک پہنچی ۔ لکھنوتی کے دروازے پر دو مسلمان جماعتوں کے درمیان شدید خون ریزی ہوئی ۔ یہ حادثہ ۔ ذیقعدہ منگل کے دن سنہ ۶۴۲ھ میں پیش آیا ۔

جنگ کے بعد طغان خاں نے مولانا کو زحمت دی کہ وہ طرفین کی صلح کے لیے اور قیام امن کے لیے باہر جائیں۔ چنانچہ مولانا یہ خدمت بجا لائے اور اسی سال ۱۱ ذیقعدہ کو دونوں فریقوں کے درمیان امن کا ایک مستحکم معاہدہ ہو گیا ، اور ملک طغان خان اس معاہدے کی توثیق میں اپنے امرا کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں دہلی گیا ۔ مولانا بھی اس کے ساتھ تھے ۔ طغان خاں اور اس کے رفقا پیر کے روز ۱۴ صفر سنہ ۶۴۳ھ کو دہلی پہنچے ۔[۸۴]

مدرسہ ناصریہ کا اہتمام اور دہلی میں اوقاف کی تولیت :

مولانا دہلی پہنچنے کے بعد علاء الدین مسعود کے دربار میں باریاب ہوئے ۔ اور اس زمانے کے بڑے آدمی الغ خاں کی کوشش و سفارش سے مولانا کو دوبارہ مدرسہ ناصریہ کی مہتممی ، تولیتِ اوقاف ۔ قضاء کالیور اور مسجد جامع کی واعظی ، کہ اس زمانے کے اہم ترین مناصب شرعی [254] میں شمار ہوتی تھی ۔ مولانا کو تفویض ہوئی ، اور گھوڑا مع ساز و سامان ان کو عطا ہوا ۔ اور اس قدر نوازش ان پر کی گئی کہ بقول مولانا : ان کے ہم عصروں میں سے اس سے پیشتر اس قدر اعزاز کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا ۔ یہ واقعات ۱۷ صفر سنہ ۶۴۳ھ میں پیش آئے ۔[۸۵]

اُچ کا سفر مغل لشکر کے مقابلے کے لیے :

تقریباً پانچ ماہ کے بعد ماہ رجب سنہ ۶۴۳ھ میں طرف بالا[۸۶] (افغانستان) سے لشکر کفار مغل کے پہنچنے کی خبر ملی کہ وہ اچ کی طرف آئے ہیں ۔ سلطان علاءالدین نے کفار کی مدافعت کے لیے اطراف سے لشکر اسلام جمع کیا ، اور جب وہ دریائے بیاس کے کنارے پر پہنچا اس وقت معلوم ہوا کہ کفار اچ سے چلے گئے جس کا نتیجہ فتح کی صورت میں برآمد ہوا ۔ مؤلف بھی رکاب شاہی کے ہمراہ تھا اور اس نے اس لشکر کشی کے حالات لکھے ہیں[۸۷] اس حادثے کے بعد وہ دہلی لوٹ گیا ۔

ناصر الدین ممدوحِ مؤلف کی تخت نشینی اور 'ناصری نامہ' کو نظم کرنا :

ایک سال کے بعد بروز یک شنبہ ۲۳ محرم سنہ ۶۴۴ھ کو سلطان علاءالدین قید ہوا ۔ اور اسی قید میں اس نے وفات پائی ، اور اس کی جگہ سلطان ناصرالدین محمود ابن سلطان شمس الدین التتمش تخت شاہی پر بیٹھا ۔

یہ بادشاہ مؤلف کا ممدوح اور اس کا پرورش کنندہ ہے ۔ اس کے جلوس کی رسوم میں مولانا دربار دہلی میں حاضر تھے اور انہوں نے جلوس کے دن قصیدہ اور ایک قطعہ سنہ ۶۴۴ھ کے ابتدائی مہینوں میں بطور تہنیت پیش کیا تھا ، اور اس سال کے آخر میں ۲۵ ذی حجہ کو مؤلف بادشاہ کی بارگاہ سے جبہ و دستار کی خلعت اور گھوڑے اور اس کے ساز و سامان سے سرفراز ہوا اور دیگر شاہی نوازشوں سے نوازا گیا ۔۸۸

ناصرالدین محمود کے جلوس کے دوسرے سال (شعبان سنہ ۶۴۵ھ) اس بادشاہ کو قنوج اور قلعہ تلسندہ میں میدان جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور بے پناہ لڑائی واقع ہوئی ۔

تلسندہ ایک موضع تھا ۔ جس میں ایک مضبوط قلعہ تھا ، جس میں ہندوؤں کی ایک جماعت جان سے ہاتھ دھو کر قلعہ بند ہو گئی تھی ۔ اس دن شاہی لشکر نے اس موضع میں جنگ کی ، یہاں تک کہ شاہی لشکر کو فتح ہوئی ۔ مؤلف نے اس لڑائی کا حال پانچ چھ صفحات میں منظوم تحریر کیا ہے ۔ اور جو کچھ [255] اس سفر میں پیش آیا ، راستے میں جو کچھ ہوا اور لڑائی کے پورے واقعات کو نظم میں شرح و بسط سے لکھا ہے ۔

اس منظوم کتاب کا نام مؤلف نے ''ناصری نامہ'' رکھا ۔ ابھی وہ اس ادبی خدمت میں مشغول تھا کہ سلطان دہلی نے مؤلف کو مزید انعام دیا جو ہر سال مؤلف کو پہنچتا رہے ۔ اور الغ خان صدر اعظم نے اس وقت ایک گاؤں حدود ہانسی میں اس کو عطا کیا ۔۸۹ یہ کتاب مؤلف کے منظوم آثار میں ہے ۔ افسوس ہے کہ وہ ابھی تک ہماری دسترس میں نہیں آئی اور نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ کتاب کہاں ہے ۔

خراسان سے خطوط کا پہنچنا اور مولانا کا ملتان جانا :

مولانا دربار دہلی میں بادشاہ کے مقرب تھے اور انھیں بڑی عزت و احترام کا مقام حاصل تھا ، اور وہاں کے تمام با عظمت لوگوں سے آشنائی و شناسائی رکھتے تھے ۔ اور مختلف مواقع پر خلعت اور فرمان شاہی سے

نوازے گئے اور اس عہد کے امرا میں شمار ہونے لگے اور سنہ ۶۴۷ھ تک وہ دہلی میں رہے۔

مولانا خود بیان کرتے ہیں کہ: شعبان ۶۴۷ھ کے بعد انہیں ان کی بہن کا خط ملا، جو خراسان میں تھیں۔ بہن کی تنہائی نے ان کو متاثر کیا۔ وہ الغ خان کی خدمت میں لشکر گاہ میں گئے اور سارا حال اس سے بیان کیا۔ اس نے مولانا پر غیر معمولی نوازش اور عنایت فرمائی جو حد تحریر سے باہر ہے۔

اس موقع پر الغ خان نے جو اس زمانے کے سربرآوردہ لوگوں میں تھا، مؤلف کو خلعت اور ایک کمیت گھوڑا مرصع زین کے ساتھ اور زربفت کا جامہ اور ایک گاؤں اور ایک ہزار جیتل عنایت کیے۔ علاوہ ازیں مؤلف کے حالات کے بارے میں ایک عرض داشت بارگاہ سلطانی میں بھی لکھی گئی۔ چنانچہ ۱۰ ذیقعدہ بروز یک شنبہ ۶۴۷ھ کو بارگاہ شاہی سے چالیس غلام اور سو خروار کا سامان مؤلف کی ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجنے کے لیے فرمان صادر ہوا۔

مولانا ان انعامات کے ساتھ سال مذکور میں ۲۹ ذی حجہ بروز دو شنبہ کو دہلی سے ملتان کے ارادے سے روانہ ہوئے تاکہ وہ متذکرہ بالا شاہی انعامات کو اپنی ہمشیرہ کے پاس خراسان بھیجیں۔ راستے میں سرکاری حکام کی طرف سے اور دیگر بزرگوں کی طرف سے مولانا کی نہایت پذیرائی کی گئی اور یہ لوگ بے حد لطف اور عنایت سے پیش آئے۔ جب وہ ہانسی کے خطے میں پہنچے تو انہوں نے اس گاؤں پر قبضہ حاصل کیا جو الغ خان نے بطور انعام ان کو عطا کیا تھا۔ وہاں سے وہ ملتان روانہ ہوئے اور ۔ ربیع الاول بروز چہارشنبہ ۶۴۸ھ ملتان پہنچے۔ چونکہ مولانا کو عنایت کردہ غلام اور سامان خراسان بھیجنا تھا، اس لیے دو ماہ قلعہ ملتان میں [256] ملک عزالدین بلبن کے لشکر میں مقیم رہے اور قلعہ مروت کے راستے سے سرستی اور ہانسی ہوتے ہوئے دہلی واپس آ گئے۔ یہ سفر مولانا نے ۲۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۶۴۸ھ کو پورا کیا۔۹۰

مولانا اس سفر میں ملتان میں خواجہ رشید الدین حکیم بلخی سے ملے جو خراسان سے تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے۔ مولانا نے مغلوں کے واقعات حکیم بلخی سے سنے اور اپنی کتاب میں نقل کیے۔۹۱

قضائے ممالک اور حکومت دہلی پر دوبارہ تقرر :

جب مولانا ملتان سے دہلی پہنچے ، اسی زمانے میں قاضی القضات جلال الدین کاشانی نے ، جو تمام ہندوستان کے قاضی القضات تھے ، وفات پائی - الغ خاں نے بارگاہ شاہی میں عرض داشت پیش کی کہ عہدۂ قضائے ممالک پر مؤلف کا دوبارہ تقرر کیا جائے ، چنانچہ دوسری مرتبہ بروز یک شنبہ ۱۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۶۴۹ھ کو مؤلف پورے ہندوستان کے قاضی القضات مقرر کیے گئے اور حکومت دہلی بھی ان سے متعلق کی گئی ۔۹۲

اس کے ایک سال بعد (شوال سنہ ۶۵۰ھ میں) بادشاہ دہلی نے اچ اور ملتان کی طرف لشکر کشی کی - مؤلف دہلی ہی میں رہے لیکن موکب شاہی کو کیتھل تک رخصت کرکے واپس آ گئے - بادشاہ نے اسی جگہ پر ان کو خاص گھوڑا معہ مرصع ساز اور زین عنایت فرمایا ۔۹۳

مولانا سنہ ۶۵۱ھ تک ہندوستان کے قاضی القضات رہے - اسی سال بادشاہ کا مزاج بعض اکابر امرا پر ان کے بعض (نا پسندیدہ) افعال کی وجہ سے بدلا اور اس نے الغ خاں کو اس کے عہدے سے ہٹا کر ہانسی بھیجا اور وزارت پر عین الملک محمد نظام الملک جنیدی کا تقرر کیا اور عمادالدین ریحان کو وکیل مقرر کیا ۔

یہ وہ لوگ تھے جو مولانا کی جماعت اور ہمراہیوں سے سخت اختلاف رکھتے تھے ۔ جب مؤلف کا حامی اور مربی الغ خاں درمیان سے نکل گیا تو انھوں نے مولانا کی شدید مخالفت شروع کر دی اور ۲۷ رجب سنہ ۶۵۱ھ کو قاضی شمس الدین بھڑائچی کو لا کر عماد الدین ریحانی کی سفارش پر قضائے ممالک کے عہدے پر بٹھا دیا ۔۹۴

[257] مولانا عہدۂ قضا سے علیحدہ ہونے کے بعد چھ ماہ تک دہلی میں اپنے گھر میں گوشہ نشین رہے اور اس گوشہ نشینی کے زمانے میں انھوں نے اپنے مخالفین کے ہاتھوں سخت تکلیفیں اٹھائیں - چنانچہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ : چھ ماہ یا اس سے کچھ زیادہ عرصے تک مفسدوں ، ظالموں اور سرکشوں کے ظلم کی وجہ سے ، جو عماد الدین ریحان سے تعلق رکھتے تھے ، گھر سے باہر نکلنا اور نماز جمعہ کے لیے جانا میرے لیے ممکن نہ تھا ۔۹۵

لیکن یہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہی - دوسرے سال (سنہ ۶۵۲ھ میں) مخالفین کی یہ جماعت درمیان سے نکل گئی - عماد الدین ریحان عہدۂ وکالت

سے معزول ہوا اور الغ خاں جو شاہی مخالفین کے گروہ میں شمار ہوتا تھا ، ایک بار پھر برسراقتدار آیا اور سہ شنبہ کے روز ۶ تاریخ ذیقعدہ سنہ ۶۵۲ھ کو شاہی فرمان صادر ہوا کہ مولانا جانبین کی اصلاح کے لیے کوششیں کریں ۔ مولانا کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام لوگوں سے انھوں نے بادشاہ سے وفاداری کی بیعت لے لی اور چہارشنبہ کو الغ خاں کو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے ۔ اس طرح مولانا نے اپنی کوششوں سے تاریک فضا کو روشنی سے بدل دیا ۔۹۶

لقب صدر جہاں :

الغ خاں پھر اقتدار میں آیا اور امور سلطنت کی باگ ڈور دوبارہ اس کے ہاتھ میں پہنچی ۔ اس کے رفقا اور ساتھی پھر دربار میں باریاب ہوئے اور بادشاہ کے مقرب بنے ۔ مولانا نے بھی کہ وہ تجربہ کار ، دانا اور دہلی کے ذی عقل اور ذی مرتبہ اکابر میں شمار ہوتے تھے ، بادشاہ کی خدمت میں تقرب حاصل کر لیا اور حدود کول میں مصاحبت سلطانی سے سرفراز ہوئے ۔ ان خدمات کے عوض جو انھوں نے انجام دی تھیں ، بروز یک شنبہ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۶۵۲ھ میں آپ لقب ''صدر جہانی'' سے سرفراز ہوئے اور اس نامور مرد اور خرد مند شخص کو خطاب بھی عطا کیا گیا ۔۹۷

تیسری مرتبہ پورے ہندوستان کی قضا اور حکومت دہلی پر تقرر :

جب الغ خاں پھر اقتدار میں آیا اور زمام حکومت دوبارہ اس کے ہاتھ میں آئی اور اس کے تمام ساتھی بھی دربار میں پہنچ گئے اس وقت اس نے مولانا کے لیے ، جو اس کے مخلص دوست اور خیرخواہ تھے اور جنھیں وہ نظر سے ایک دم کے لیے اوجھل نہ ہونے دیتا تھا ، بادشاہ کی بارگاہ میں عرض داشت پیش کرنے پر بروز یک شنبہ تاریخ ۶ ربیع الاول ۶۵۳ھ کو تیسری بار قضائے ممالک اور مسند حکومت حضرت دہلی ان کے سپرد ہوئی ۔۹۸ [258]

مولانا اس خدمت پر بہ اطمینان فائز رہے اور دہلی میں امور قضا کی انجام دہی میں مشغول رہے ، اور سلطان ناصرالدین اور الغ خاں کے بے حد مقرب رہے ، اور ہمیشہ مورد الطاف و نوازشات رہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ کسی جنگی مہم میں شامل نہیں ہوئے اور وہ اپنا وقت دہلی کے قضا اور انصاف رسانی کے فرائض انجام دینے میں گزارتے رہے ۔

چنانچہ سنہ ۶۵۶ھ میں جب کہ دہلی کا بادشاہ اور الغ خاں ، مغل لشکر کی مدافعت کے لیے دہلی سے باہر نکلے تو عاشورے کے دن مولانا نے فرمان شاہی کی بنا پر مجلس وعظ منعقد کی ۔ مولانا کا یہ وعظ ترغیب جہاد ، ثواب غزوات اور ارکان اسلام کی حفاظت اور اولوالامر کے احکام کی بجا آوری پر مشتمل تھا ۔۹۹

مولانا کی آخری زندگی ، وفات اور مدفن :

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس علامہ روزگار اور اپنے عہد کے بے نظیر دانش مند کی آخری زندگی کے حالات اس قدر تاریکی میں ہیں کہ اس کے بارے میں چند سطریں بھی نہیں لکھی جا سکتیں ۔ سنہ ۶۵۶ھ کے بعد مولانا نے اپنی کتاب میں کوئی ذکر اپنی زندگی کے متعلق نہیں کیا ۔ صرف اس قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اپنی کتاب (طبقات ناصری) کے مکمل کرنے کی تاریخ یعنی ربیع الاول سنہ ۶۵۸ھ تک دہلی میں وہ نہایت شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے رہے اور کل ہندوستان کے منصب قضا اور حکومت دہلی پر فائز تھے ۔ اس لیے کہ مولانا اس کتاب کے آخر (طبقہ ۲۲) میں لکھتے ہیں کہ : بحکم فرمان سلطانی وہ اس عہد کے امیرداد سیف الدین ارکلی کے ساتھ رہے اور دہلی کے مظالم میں انہوں نے اس کی حرکات و سکنات کو دیکھا تھا ۔۱۰۰

طبقہ ۲۲ کو انہوں نے شوال سنہ ۶۵۸ھ میں مکمل کیا ہے ۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اواخر سنہ ۶۵۸ھ تک دہلی میں زندگی بسر کرتے تھے اور طبقات ناصری کے لکھنے میں مشغول تھے ۔ شوال سنہ ۶۵۸ھ کے بعد کے حالات زندگی ، جب کہ ان کی عمر ۶۹ سال کی تھی ، اور وہ اپنی کتاب کو مکمل کر رہے تھے ، ہمیں بالکل معلوم نہیں ہو سکتے ۔ خود مولانا کہتے ہیں کہ اگر فرصت ہوگی تو بقیہ حوادث بھی لکھے جائیں گے ۔۱۰۱ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بقیہ حوادث کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی ۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ غالباً طبقات کے لکھنے کے بعد زیادہ دیر زندہ بھی نہیں رہے اور نہ ان کو فرصت مل سکی ۔

تذکرہ نویس مولانا کی تاریخ وفات اور مدفن کے متعلق خاموش ہیں ۔ صرف سید علی حسن اپنے تذکرے میں مولانا کی عمر ۸۰ سال بتاتا ہے۱۰۲ [259] لیکن معلوم نہیں کہ اس نے یہ عمر کہاں سے معلوم کر کے ثبت

کی ہے ، اور اس کا ماخذ صحیح بھی ہے یا نہیں ؟ بفرضِ محال ہم اس تخمینے کو درست مان لیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا طبقات ناصری لکھنے کے بعد پندرہ سال اور زندہ رہے ، اور انھوں نے سنہ ۶۷۳ھ میں وفات پائی ہوگی ۔ لیکن یہ تخمینہ ہمارے نزدیک مشتبہ اور بے سند ہے تاوقتیکہ ہمیں اس کی کوئی قوی شہادت نہیں ملتی ، ہم کیسے یقین کرسکتے ہیں ؟ ہمارے معاصر ایرانی دانش مند سعید نفیسی نے مولانا کی ولادت کا سال ۵۸۹ھ اور ان کی وفات کا سال ۶۹۸ھ لکھا ہے ۔[۱۰۳] لیکن اس کی بھی کوئی سند نہیں ، اس لیے یہ بات بھی قرینِ قیاس نہیں ، اس لیے کہ اگر ہم سعید نفیسی کی بات مان لیں تو مولانا کی عمر ۱۰۹ سال قرار پاتی ہے جو طبعی عمر نہیں ہو سکتی ۔

چونکہ مولانا کی عمر کا آخری حصہ حضرت دہلی میں گزرا ، اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کا مدفن بھی وہیں ہوگا ۔ لیکن ہم ابھی تک اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ باوجود اس کے کہ ہم نے مولانا کے مدفن کے متعلق بعض ہندوستانی فاضلوں سے دریافت کیا ، لیکن ہمیں اس کا کوئی صحیح سراغ نہ مل سکا ۔ ایک اور معاصر ایرانی دانشور عباس اقبال نے اپنی "تاریخ مغل" میں بھی مولانا کی وفات کی صحیح تاریخ کو متعین نہ کرتے ہوئے صرف اس قدر لکھا ہے کہ : "مولانا نے ساتویں صدی کے نصف آخر میں وفات پائی" ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کی تاریخ وفات اور مدفن کے متعلق یقینی طور پر کسی کو اب تک معلوم نہیں ہو سکا ہے ۔

تاریخ ہرات مؤلف سیف بن محمد ہروی کے ناشر ڈاکٹر محمد زبیر نے اپنے مقدمہ میں بھی مولانا کا سنہ وفات ۶۵۸ھ/۱۲۵۹ء لکھا ہے ، لیکن اس نے بھی کوئی سند پیش نہیں کی ہے ۔ شاید یہ سنہ بھی ان سنین کے مطابق جو طبقات میں مذکور ہیں ، اندازاً قائم کیا گیا ہوگا ۔

مؤلف کے بھائی ، بہن اور اولاد :

قاضی القضات ، صدر جہاں ابو عمر عثمان منہاج سراج جوزجانی کے اقارب و اعزہ بہت تھے ۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق ان صفحات میں ضمناً تذکرہ آ چکا ہے ، لیکن مولانا کا ایک بھائی تھا ، جس کا نام ہمیں معلوم نہیں ۔ مولانا اس بارے میں کہتے ہیں کہ : سنہ ۶۱۷ھ میں مغل لشکر کی جنگوں میں جو وہ آٹھ ماہ تک قلعہ تولک پر لڑتے رہے ، اور مولانا خود

ان لڑائیوں میں شریک تھے ، ان کے بھائی قلعہ فیروز کوہ میں تھے ۔[104]

علاوہ ازیں ان کے ایک بہن تھی کہ جو سنہ ۹۶۷ھ میں خراسان میں زندہ تھی ، اور اسی سال اس کا خط مؤلف کو ملا تھا ۔ چنانچہ اِس کی تفصیل [260] گزر چکی ہے ۔ مولانا نے چالیس غلام اور سو خروار مال بارگاہ سلطانی سے بطور انعام حاصل کر کے ملتان سے اپنی ہمشیرہ کو خراسان بھیجا ۔ مولانا کی تفصیل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے دوسرے رشتےدار نہیں تھے کہ ان کی بہن کے گھر میں موجود ہوں ۔ وہ تنہا اپنے گھر میں رہتی تھیں اور اُن کی اس تنہائی نے مولانا کے دل پر اثر کیا ۔ انھوں نے اپنی پریشانیوں کو شاہ اور الغ خاں معظم کی خدمت میں بطور عرض داشت پیش کیا ، اور اس قدر نوازے گئے کہ انھوں نے اس انعام شاہی سے بہت سا مال (اواخر سنہ ۹۶۷ھ میں) اپنی ہمشیرہ کو بھیجا ۔[105]

مولانا کے پدری و مادری رشتے داروں میں ہمیں صرف متذکرہ بالا رشتے داروں کا علم ہو سکا ہے ۔ اگر ان کے علاوہ کوئی عزیز تھا تو ان کا حال ہمیں معلوم نہیں ۔ بعد کے رشتےداروں اور اولاد کے متعلق البتہ اس قدر معلوم ہے کہ مولانا کے کئی لڑکے اور دوسری اولاد تھی ، جن کا تذکرہ وہ طبقات میں مختلف مواقع پر کرتے ہیں ۔ ان میں سے ان کے ایک فرزند کا نام غالباً (عمر) تھا کیوں کہ مولانا نے اپنی اسی کتاب کے دیباچے میں اپنی کنیت ابو عمر لکھی ہے ۔

علاوہ عمر کے مولانا کے کئی اور فرزند بھی تھے ، چناں چہ اپنے حالات کے ضمن میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"سنہ ۶۴۰ھ کے مہینوں میں حضرت دہلی سے لکھنوتی روانگی کا ارادہ مصمم ہوگیا ، اور اپنے متعلقین کو بدایوں کی طرف بھجوایا ۔ وہاں کے نیک سیرت بادشاہ سنجر کریت خاں نے ان کی مہمانی کی ، اور مختلف قسم کے انعام و اکرام سے انہیں نوازا ۔"[106]

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :

ابھی تک اس آبادی کے حقوق اس ضعیف کے ذمے اور اس کے فرزندوں اور متعلقین کے ذمے باقی ہیں ۔[107]

ایک اور جگہ دربار دہلی کے ارکان میں سے ایک کو وہ اپنا فرزند اور نور دیدہ لکھتے ہیں ۔ لیکن یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص

مولانا کی اولاد میں ہے یا نہیں ، بلکہ ہو سکتا ہے کہ مولانا نے اس کو انتہائے شفقت میں اپنا بیٹا اور فرزند لکھ دیا ہو ۔ مؤلف کی عبارت یہ ہے کہ :

''اور امیرالحجاب علاءالدین ایاز ریحانی تبرخان زنجانی نائب و کلید رشد کہ میرا فرزند اور نور دیدہ ہے ، اور تمام اوصاف حمیدہ سے [261] آراستہ ہے ۔ اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف الغ خان کی مخلصانہ خدمت سے بڑھ کر نہیں ۔ خدا اس کے اس وصف کو اور زیادہ کرے'' ۔۱۰۸

ربیع الاول سنہ ۶۵۸ھ میں جب، کہ ہمارے مؤلف نے طبقات کو مکمل کیا اور فتح و کام یابی کی مناسبت سے اور خراسان سے حضرت دہلی میں رسل وصول ہونے پر جشن پرشکوہ منعقد ہوا اور شادمانی بے انداز ہوئی ، اس کے موقع پر مؤلف نے ان حالات کی مناسبت سے ایک نظم کہی تھی ۔ اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ : یہ نظم تخت شاہی کے سامنے اس داعی کے دعا گو ارکان میں سے ایک نے پڑھی تھی ۔۱۰۹ مؤلف کے ان اشارات سے پتا چلتا ہے کہ مؤلف صاحب اولاد تھے ، ان کے اور کئی فرزند تھے ۔

طبقات ناصری کی تالیف اور مؤلف کے دوسرے آثار :

مولانا کی تالیفات ان کے علمی و ادبی مرتبے کے لحاظ سے کم ہیں ۔ اس لیے کہ وہ بلند شخصیت کے مالک تھے ۔ زبان عربی اور علوم شرعیہ میں انہیں یدطولیٰ حاصل تھا ، اور زبان فارسی میں درجۂ استادی پر فائز تھے ، اور بے نظیر فارسی لکھتے تھے ۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے ۔ کتاب 'طبقات ناصری' جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے ، اس کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے قدیم تاریخوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور وہ اکثر علوم سے باخبر تھے ۔

اگر ہم مولانا کے درباری ، سیاسی و قضائی مشاغل کو عذر نہ مانیں تو ہم مولانا کو دوسری تالیفات نہ لکھنے کا ملزم قرار دے سکتے ہیں ۔ لیکن شک گزرتا ہے ، اور ایسے فاضل شخص سے توقع بھی کی جا سکتی ہے ۔ مولانا نے ضرور دوسری تالیفات چھوڑی ہوں گی ، ممکن ہے کہ دست برد زمانہ سے ہم ان کو نہ پا سکے ہوں ۔ بہرحال موجودہ معلومات سے جو

فی الوقت ان کی کتابوں کے متعلق ہم رکھتے ہیں ، وہ فقط یہ ہے کہ مولانا نے دو کتابیں لکھی تھیں : ایک تو یہی 'طبقات ناصری' جو موجود ہے ؛ 'دوسرے ناصری نامہ' منظوم جس کا گذشتہ اوراق میں ذکر آ چکا ہے ۔ اس سلسلے میں طبقات ناصری میں مولانا نے جو اشارات کیے ہیں ان کی تلخیص ترتیب کے ساتھ اس طرح ہے :

''جب ہندوستان کی قضا اس مخلص دعا گو کے سپرد کی گئی تو اس زمانے میں دفتر مظالم و مقام فصل خصومات اور قطع دعاوی میں [262] ایک کتاب نظر سے گزری کہ جس میں عرب و عجم کے انبیاء و سلاطین کی تاریخ بہ طور اختصار جدولوں میں لکھی گئی تھی ۔ ۱۱۰ جب مؤلف نے یہ دیکھا کہ اس کتاب میں اس کے مؤلف نے بعض قدیم اور متأخر سلاطین کے حالات چھوڑ دیے ہیں تو اس مؤلف نے چاہا کہ اس جدولی تاریخ میں تمام ملوک اسلام نیز عرب و عجم کے بادشاہوں کے حالات کا ابتدا سے لے کر آخر تک اضافہ کرے ، اور تمام سلاطین اسلام کے حالات سلطان ناصرالدین محمود کے عہد تک قلم بند کرے'' ۔۱۱۱

اس فکر کے تحت مولانا نے قلم اٹھایا ؛ اور یہ عمومی تاریخ منفصل لکھی جو تمام انبیاء اور سابقہ بادشاہوں اور خلفائے اسلام اور عرب و عجم کے بادشاہوں کے حالات پر مشتمل ہے ۔ اور اس کا نام اپنے عہد کے بادشاہ ؛ ممدوح اور اپنے مخدوم کے نام پر 'طبقات ناصری' رکھا ۔ نیز اپنے چند سالہ مشاہدات جو انہوں نے خراسان اور ہندوستان میں حاصل کیے تھے ان کا بھی ذکر کیا ۔

مولانا نے انبیاء اور بادشاہوں کے حالات کے لکھنے میں مؤثق ماخذوں اور معتبر مراجع سے کام لیا ہے ، اور اپنی کتاب میں تمام مضامین و مباحث ان ہی ماخذ کے حوالے سے محفوظ کیے ہیں ، اور ہر جگہ ماخذ کا حوالہ دیا ہے ۱۱۲ تاکہ ایک قاری کو ان پر اعتماد ہو ۔۱۱۳

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اس کتاب کے ابتدائی طبقات ، قیام دہلی کے زمانے میں سال ۶۵۵ھ کے قریب لکھے ہوں گے کیونکہ وہ طبقۂ چہارم کے آخر میں المستعصم باللہ عباسی کی مداہنانہ جنگ کو ؛ جو مغلوں کے ساتھ ہوئی ، ذکر کرتے ہیں ۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ابھی بغداد کا سقوط نہیں ہوا تھا اور خلیفہ زندہ تھا ۔ مولانا نے حسب عادت

اس طبقے کے خاتمے پر خلیفہ کی حیات اور حفاظت دارالخلافہ کی دعا خدا سے بڑی نیازمندی کے ساتھ کی ہے ۔ لیکن شاید اس طبقہ کے آخری جملوں کا اضافہ اس کے بعد ہی سنہ ۶۵۶ھ میں کیا ہوگا ۔ جن میں وہ سقوط بغداد اور شہادت خلیفہ کا تذکرہ کرتے ہیں ۔ یہ جملے ''بعد ازین ۔ ۔ ۔'' سے شروع ہو کر ''رضی اللہ عنہم'' پر ختم ہوتے ہیں ۔ سقوط بغداد اور خلیفہ کی شہادت سنہ ۶۵۶ھ میں ہوئی ہے ۔

ان اشارات کی بنا پر جو مولانا کے بیان میں موجود ہیں ، کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے ''طبقات ناصری'' کے لکھنے کا آغاز دہلی میں اس زمانے میں کیا ۔ جب وہ تیسری مرتبہ تمام ہندوستان کے 'قاضی القضات' مقرر ہوئے ، اور سنہ ۶۵۸ھ میں اس کتاب کی تکمیل کی ہے کیونکہ آخری طبقات کے خاتمے کی تفصیل حسب ذیل ہے : [263]

ختم طبقہ ۲۱ : اوائل ۶۵۸ھ ۔

تحریر طبقہ ۲۲ : رجب ۶۵۸ھ ۔ ۱۱۴

تحریر آخر طبقہ ۲۲ : شوال ۶۵۸ھ ۔ ۱۱۵

تحریر آخر طبقہ ۲۳ : ۵ ربیع الاول ۶۵۸ھ ۔ ۱۱۶

اس حساب سے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے طبقہ ۲۳ کو طبقہ ۲۲ کے مختلف حصوں سے پہلے لکھا تھا کیونکہ اس طبقہ کی ختم کی تاریخ اور اس کی تحریر کی تاریخ طبقہ ۲۲ سے پہلے کی ہے ۔

لہٰذا کتاب طبقات ناصری کے لکھنے کا آغاز سنہ ۶۵۵ھ میں ہوا ، اور اس کا اختتام تیسرے سال کے اواخر میں شوال کے لگ بھگ سنہ ۶۵۸ھ میں ہوا ۔

مولانا تذکرہ نویسوں اور ارباب تصوف کی نظر میں :

سابقہ اور موجودہ تذکرہ نویسوں اور ارباب ذوق و تصوف ، ادب و انشا و شعر کے ذوق رکھنے والے مولانا کو قدیم سے پہچانتے ہیں ۔ اور ان کی تعریف کرتے ہیں ، اس لیے کہ مولانا کی دل کش شخصیت وسیع علمی و گوناگوں ادبی ذوق کو احاطہ کیے ہوئے تھی ۔

مؤرخین ، ان کی تاریخی واقعات اور حوادث کے محفوظ کرنے ، ان کے اسلوب اور لہجہ کے باوثوق ہونے اور تاریخ کے استناد کی بہت تعریف کرتے ہیں ۔ ادبا ، ارباب ذوق اور وہ لوگ جو شعر و سخن کی پہچان رکھتے ہیں وہ ان کے کلام کی فصاحت و بلاغت اور ان کی انشا کی سلاست و روانی کا

اور اس کشش کا ، جو ان کے برجستہ اور فصیح کلام میں ہے ، نہایت احترام کرتے ہیں ۔ شعرا ان کے اشعار اور قصیدوں کو پسند کرتے ہیں ۔ اہل تصوف کا عقیدہ ہے کہ وہ روحانی شخص اور صاحب حال و قال اور سالک سیر و سلوک تھے ۔

سیاست مدار اور ارباب اقتدار مولانا کو دنیائے قضا اور شریعت کی برگزیدہ شخصیت شمار کرتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ وہ شاہی آداب اور درباری رسوم سے بہت اچھی طرح واقف تھے ، اور ہمیشہ امرا کے سامنے صدر میں بیٹھتے تھے ۔ جس دربار میں بھی وہ جاتے تھے ، احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ، اور نہایت عزت و آبرو حاصل کرتے تھے ۔

لکھنے والوں اور ارباب قلم کے نزدیک وہ اپنے وقت کے بیہقی تھے ۔ جس سلاست و روانی سے انہوں نے فارسی زبان کی نثر لکھی ہے ، حقیقتاً اس کی مثال نہیں ملتی ۔ 'طبقات ناصری' ہمیشہ سے مؤرخین کا مآخذ رہی ہے اور وہ اس سے استفادہ کرتے ہیں ۔ عمدہ اور برجستہ مضامین اس سے لیتے ہیں ۔ مثلاً سیف بن محمد ہروی نے ۷۲۱ھ کے لگ بھگ اپنی کتاب 'تاریخ ہرات' لکھی ، اس کا ایک مآخذ یہ کتاب (طبقات ناصری) ہے ۔ اور اول [264] مؤرخ جس نے مولانا کے تتبع اور اقتدا میں قلم اٹھایا وہ ضیاء الدین بن مؤیدالملک رجب برنی ہے کہ جس نے 'تاریخ فیروز شاہی' طبقات ناصری کے سلسلۂ حوادث کو مکمل کرنے کے لیے لکھی اور اس نے چاہا کہ وہ واقعات جن کا ادراک مولانا نہیں کر سکے ان کو لکھے ۔۱۱۷
اسی طرح عین الدین بیجاپوری ۱۰۰۶ھ - ۱۰۹۵ھ نے بھی 'طبقات ناصری' پر ملحقات لکھے ، جن کی وضاحت ہم تعلیق نمبر ۴۸ میں کریں گے ۔

اس کے بعد 'طبقات اکبری' خواجہ نظام الدین ہروی نے ، اور 'طبقات محمود شاہی' گجراتی نے اور 'طبقات شاہجہانی' میں محمد صادق نے 'طبقات ناصری' کے نام کی پیروی کرتے ہوئے لکھی ۔ خصوصاً محمد بن قاسم فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ میں 'طبقات ناصری' کے بہت سے مضامین سے اقتباس کیا ہے ۔ احمد یادگار اپنے مقدمہ 'تاریخ شاہی' (مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹ء) میں کہتا ہے کہ : اس نے داؤد شاہ کے حکم پر اپنی کتاب بطور تتمہ طبقات منہاج الدین جرجانی اور 'تاریخ فیروز شاہی' شاہان افغان کے حالات میں لکھی ۔ عربی کی کتاب 'ظفر الوالہ بمظفر و آلہ' تالیف عبداللہ محمد بن عمر جو سنہ ۱۰۱۴ھ میں گجرات ہند میں لکھی گئی اس میں طبقات ناصری

کے کثیر اقتباسات موجود ہیں ۔۱۱۸

علاوہ اس ملکے کے جو مولانا کو علوم شرعیہ ، تاریخ اور ادب میں تھا ، وہ تصوف میں بھی بڑا درک رکھتے تھے ۔ چنانچہ غوثی (مانڈوی) لکھتا ہے کہ مولانا اکابر مشائخ کے طبقے سے تھے ۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود کیوں مولانا نے اپنی تاریخ میں اولیا کے حالات لکھنے کی طرف توجہ نہیں فرمائی۱۱۹ اہم ترین سند جو اس سلسلے میں ہم رکھتے ہیں ، وہ یہ ہے کہ شیخ نظام الدین محمد بدایونی متوفی ۷۲۵ھ (محبوب الٰہی) جو صوفی مشرب اور مولانا کے معاصر ہیں ، وہ 'فوائد الفواد' میں مولانا کے غنا سننے ، وجد اور مولانا کے پرتاثیر مواعظ کے متعلق تفصیل سے ذکر فرماتے ہیں اور بعینہ اسی کو شیخ عبدالحق محدث دہلی (اپنی کتاب میں) نقل کرتے ہیں اور ان کے کچھ اشعار بھی نمونۃً دیتے ہیں ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مجالس وعظ جن کا تذکرہ مولانا نے اپنی کتاب میں کیا ہے ، خشک نہیں ہوتی تھی بلکہ ہمیشہ سامعین کو اپنے اندر جذب کر لیتی تھیں ۔ شاید ان کی تقریریں اور خطبے ، ان کی تحریروں کی طرح فصاحت و شگفتگی رکھتے تھے ۔ [265]

شیخ عبدالحق دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مولانا کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

''شیخ قاضی منہاج سراج جرجانی (جوزجانی) صاحب 'طبقات ناصری' نہایت بزرگ اور یگانۂ روزگار فاضلوں اور اہل وجد و سماع میں سے تھے ۔ جب وہ قاضی مقرر ہوئے تو اس میں اور بھی مستقیم ہو گئے ۔ شیخ نظام‌الدین فرماتے ہیں کہ : میں ہر دوشنبہ کو ان کی مجلس وعظ میں جاتا تھا ۔ انھوں نے یہ رباعی کہی ہے :

رباعی

لب بر لبِ لعلِ دلبراں خوش کردن
و آہنگ سرِ زلفِ مشوش کردن
امروز خوش است و لیک ، فردا خوش نیست
خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

''میں نے جب یہ شعر سنے تو مجھ پر ایک گونہ بےخودی کی کیفیت طاری ہو گئی ، تقریباً ایک گھنٹے کے بعد میں ہوش میں آیا ، رحمہ اللہ تعالٰی''۱۲۰

شیخ عبدالحق نے مولانا کو اہل وجد و سماع میں شمار کیا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولانا سلسلۂ چشتیہ سے نسبت رکھتے تھے ،

جس کا اہم مرکز دہلی میں تھا ۔ راورٹی لکھتا ہے کہ : پروفیسر سپرنگر (Sprenger) جو ایک مشہور مستشرق ہے ، اور فارسی اور اُردو کی کتاب شناسی میں ید طولیٰ رکھتا ہے ۔ اس نے مجھ سے کہا کہ : مولانا مشہور صوفی تھے اور اہلِ ذوق و حال والے تھے ۔۱۲۱

مختصر یہ کہ مولانا نہ فقط حکومت ، دربار اور بارگاہِ شاہی میں باریاب تھے بلکہ ساتھ ہی طریقت اور عرفان کی راہوں کی بھی سیر کی تھی ، اور ارباب وجد و سماع میں بھی شامل رہتے تھے ۔ جب انہیں درباری مشاغل کی کثافتوں اور مقدمات قضا کے فیصلوں سے فرصت ملتی ، وہ خانقاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ۔ اور اس ذریعے سے وہ تزکیۂ نفس اور اطمینان قلب کی راہیں نکالتے ، اور مادی مشاغل کے سیاہ زنگ کو لوح خاطر سے ، بزم رندان اور ارباب ذوق و صلاح کی صحبتوں سے دور کر کے جلا دیتے ۔

[266] تذکرہ نویس مولانا کو بحیثیت شاعر اور طبقات کے مؤلف کے پہچانتے ہیں ، لیکن اکثر ان میں سے باپ بیٹے میں دھوکا کھاتے ہیں ۔ اور باپ کے اشعار کو بیٹے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ، یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے مولانا منہاج سراج کے شاہکار 'طبقات ناصری' کو ان کے والد سراج منہاج کی طرف منسوب کر دیا ہے ۔ مثلاً مولانا کی ولادت کے مبحث میں گزر چکا ہے کہ داغستانی نے 'ریاض الشعرا' میں اور نشتر عشق کے مؤلف نے 'طبقات ناصری' کو سراج الدین منہاج کی تالیف سمجھا ۔۱۲۲ داغستانی مولانا سراج الدین منہاج کی ایک رباعی (آن دل کہ ز ہجر . . . الخ) کہ عوفی نے 'لباب الالباب' میں نقل کی ہے ، منہاج سراج کی طرف منسوب کرتا ہے ۔ اس طرح اشتباہاً مولانا سراج الدین کو مؤلف تاریخ طبقات ناصری شمار کرتا ہے ۔ ایسے ہی تذکرہ نشتر عشق میں ہے کہ :

سراج الدین منہاج (! !) کا جدی وطن سمرقند تھا ۔ ان کی ولادت لاہور میں ہوئی ۔ بیاسی سال تک سلطان شمس الدین التتمش کے عہد سے سلطان محمود ناصرالدین کے عہد تک وہ خدمات قضاء ، وعظ و صدارت پر مفتخر تھے ۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کے پایۂ اعتبار کو سابق سے اور بھی بلند کیا اور 'صدر جہانی' کا لقب بخشا ۔ 'طبقات ناصری' کہ جو انہوں نے اس بادشاہ کے نام پر لکھی تھی ، وہ ان ہی کی تالیف ہے ۔ ان کی رباعیاں یہ ہیں۱۲۳ (دل را بہ رخ . . . الخ) اور (آن دل کہ زہجر

. . . الخ) ۔

خان آرزو جو ہندوستان کا مشہور تذکرہ نگار ہے ، لکھتا ہے کہ :

سراج الدین منہاج (کذا) لاہوری بقول تقی اوحدی صاحب 'طبقات ناصری' ہے اور یہ تاریخ ہندوستان کی معتبر تاریخوں میں ہے ۔ مؤلف نے بادشاہ ہندوستان ناصرالدین کے نام کی مناسبت سے اس کا نام رکھا ہے ۔ ان کی یہ رباعی ہے : آن دل . . . الخ ۔۱۲۴

متذکرہ بالا تذکروں کی طرح جن مؤلفین نے اشتباہاً 'طبقات ناصری' کو سراج الدین منہاج سے منسوب کیا ہے ، ان کی یہ صریح غلطی ہے ۔ صاحب 'ترکتازان ہند ، لکھتا ہے کہ :

''منہاج سراج کے والد عہد محمد غوری میں لاہور کے قاضی تھے ، منہاج سراج عہد التتمش میں ہندوستان آئے اور عہد بلبن تک نہایت [267] عزت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ، یہاں تک کہ قاضی القضاۃ ہوئے ۔ ان کے صاحب زادے بھی دربار سلطانی میں منصب اور بڑا عہدہ رکھتے تھے ۔''۱۲۵

علاوہ ازیں بہت سے قدیم اور جدید مؤرخین اور یورپ کے محققین نے ان کی کتاب 'طبقات ناصری' کی طرف رجوع کر کے بہت سی چیزیں لکھی ہیں ۔ چونکہ میں اس مقدمے کے لکھتے وقت ان کتابوں پر دسترس نہیں رکھتا تھا ، نیز ان کا مفصل تذکرہ بظاہر کچھ مفید بھی نہیں ، لہٰذا ان کے متعلق کچھ لکھا نہیں گیا ۔۱۲۶

[268] عہد حاضر کے محققین اور لکھنے والوں نے ، جن میں اہل زبان بھی ہیں ، مولانا کے جو حالات لکھے ہیں ، وہ فقط چند سطروں پر مشتمل ہیں ۔ گویا ایک خلاصہ لکھ دیا ہے ۔ چونکہ مکمل کتاب ان کی دسترس میں نہ تھی ، اس لیے وہ کوئی مفصل مقالہ نہیں لکھ سکے ہیں ۔ اس ضمن میں عہد حاضر کے مشہور تین فارسی اہل قلم نے مولانا کے ادبی مقام اور برجستگیِ قلم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ، ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں ۔ آقاے بدیع الزمان (فروزانفر) خراسانی لکھتے ہیں کہ :

قاضی منہاج الدین بن سراج الدین معروف بہ منہاج سراج جو گوزگان کے رہنے والے تھے ، مغل کے حملوں کے وقت ہندوستان آئے اور مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ کتاب 'طبقات ناصری' ان کی

تالیف ہے ، جس میں بالخصوص سلسلہ غزنویہ ، غوریاں اور مغل عہد کے حوادث و واقعات سے متعلق بہت سی مفید اطلاعات ملتی ہیں ۔ ان کی نثر نہایت رواں اور برجستہ ہے ۔''۱۲۷

مشہور دانشمند سعید نفیسی لکھتے ہیں کہ :

''ہندوستان میں ساتویں صدی کے لکھنے والوں میں ابوعمرو منہاج الدین عثمان بن سراج الدین جوزجانی مشہور بہ منہاج سراج ابن امام سراج الدین محمد منہاج سراج ہے ۔ وہ غوری فرمانرواؤں کے دربار میں تھا ، اور مشہور کتاب 'طبقات ناصری' کا مؤلف ہے ۔

اس کتاب کے حق میں ایران کے ادیبوں نے ظلم کیا ہے ، اس لیے کہ اس کتاب میں علاوہ تاریخ کے نہایت اہم نکات کے ، اس کی نثر فارسی کی فصیح ترین نثر ہے ۔ اس کتاب کا ہر صفحہ ہمارے اس خیال کی شہادت دیتا ہے کہ منہاج سراج دو سو سال بعد کے بیہقی ہیں ۔ خصوصاً وہ چند صفحے جو فتنہ مغل کے بیان میں لکھے گئے ہیں ، اس قابل ہیں کہ تمام دل سوختہ ایرانی ان کو پڑھیں ۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کو ایران کے مدارس میں نصاب کی کتابوں میں داخل کرتا ۔''۱۲۸

[269] تہران کا ایک دوسرا دانش مند مرحوم عباس اقبال اس کتاب کے متعلق لکھتا ہے کہ :

''طبقات ناصری بحیثیت سلاست و پختگی انشاء و بلاغت کے اور اس حیثیت سے کہ وہ تاریخ کے اہم واقعات پر مشتمل ہے اور مؤلف کی باریک بینی اور لہجے کی ثقاہت کے لحاظ سے اور علاوہ ازیں اس اعتبار سے بھی کہ غوریوں اور ہندوستان کے فرماں رواؤں کی تاریخ میں تاتار کے غلبے کے متعلق ایک معتبر ترین ماخذ ہے ، اور زمانے کے اعتبار سے بھی یہ ایک قدیم ترین فارسی کی تاریخوں میں ہے ، غرض کہ ان تمام وجوہ و اعتبار سے یہ فارسی زبان کے شاہکاروں میں سے ایک ہے . . . قاضی ابوعمرو منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی مشہور بہ 'منہاج سراج' فارسی زبان کے بلیغ نثر نگاروں اور شعرا میں شمار ہوتے تھے جو اہل علم و اہل بلاغت کے خاندان سے تھے ، اور ان کے اجداد سیستان اور بلاد غور میں بلند اور قابل احترام مقامات پر فائز تھے . . .''۱۲۹

یہ ہے قدیم اور جدید لکھنے والوں کی مختصر رائے مولانا کے عرفانی اور روحانی مرتبے اور ان کی ادبی فصاحت اور غیر معمولی علمی صلاحیت کے متعلق ۔ قارئین محترم ان آرا سے اس مشہور شخصیت ، اہل قلم ، اور علامہ روزگار کے بلندیِ مقام کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔

مولانا کے اشعار پر ایک نظر :

مولانا کے زیادہ اشعار ہم تک نہیں پہنچ سکے ہیں ۔ ان کے جو اشعار 'طبقات ناصری' میں نظر آتے ہیں ، وہ چند قطعات و قصیدے ہیں ، جو اس کتاب میں مختلف مواقع پر مذکور ہیں ۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ مولانا فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے اور دونوں زبانوں پر قادر تھے ۔ جس طرح کہ ان کا نثری کلام کمال فصاحت و بلاغت اور سلاست میں ادب کا شاہکار ہے ، ان کے اشعار اس درجے کے نہیں ، لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا کے اشعار میں متانت اور پختگی نہیں ، یا کوئی ادبی عیب ان میں موجود ہے ۔

مولانا کی دوسری منظوم کتاب 'ناصری نامہ' ہے جس کا تذکرہ ہم نے مولانا کے علمی آثار میں کیا ہے ۔ افسوس ہے کہ وہ ہمارے سامنے نہیں ، بلکہ ہندوستان کے بعض محققین [270] نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہندوستان اور یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں میں بھی اس کا سراغ نہیں ملتا ۔ گویا کتاب مذکور کا اب تک کوئی پتا نہیں چل سکا ۔

اگر مولانا کی یہ کتاب ہمارے سامنے ہوتی تو ہم ان کے اشعار کا مطالعہ کرکے ان کے شعر و سخن کے متعلق دلیل و برہان سے کوئی بات کر سکتے ۔ اب جب کہ ان کا محدود منظوم کلام ہمارے سامنے ہے ، اس لیے ہم ان کے منظوم کلام پر کوئی سیر حاصل تبصرہ نہیں کر سکتے ۔

مولانا عبدالحق نے 'اخبار الاخیار' میں بحوالہ شیخ نظام الدین ان کی ایک رباعی لکھی ہے ، جو انھوں نے وعظ و تذکیر کے موقع پر پڑھی تھی ۔ اس رباعی کے متعلق صحیح طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا یہ رباعی مولانا کی ہے یا کسی دوسرے کی جسے مولانا نے وعظ و تذکیر کے موقع پر پڑھ دیا تھا ۔ علاوہ ازیں دوسرے اشعار جو مولانا نے 'طبقات' میں مختلف مواقع پر لکھے ہیں ان میں فن کی پختگی اور متانت اس طرح نمایاں ہے کہ انھیں زبان کے بہترین اشعار سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ۔ مثلاً وہ غزل جس کی ردیف شکر ہے ، اور جو طبقہ اول کے آخر میں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ و سلم کے مبارک القاب کے آخر میں کہی ہے ۔ وہ روانی اور بے ساختگی و متانت میں زبان کے بہترین ذخیرے میں شمار ہو سکتی ہے ۔ مطلع یہ ہے :

ای مہ دہانِ تنگ ترا تنگہا شکر
شاخِ نباتِ تست بر آونگہا شکر

اس غزل کا مقطع بھی شاعر کی قدرت کلام ، زور بیان ، اور میدان سخن میں اس کی وسعت فکر کو ظاہر کرتا ہے جب کہ وہ کہتا ہے :

منہاج راست عرصۂ ملکِ سخن فراخ
کز نعتِ تست در دہنش تنگہا شکر

بعض جگہ اور مواقع پر مولانا عربی اور فارسی اشعار کو اپنی نثر کے ضمن میں لائے ہیں ، لیکن انھوں نے اشارہ نہیں کیا کہ یہ اشعار کس کے ہیں ۔ چونکہ یہ مسئلہ تحقیق ، تلاش اور جستجو اور ورق گردانی چاہتا ہے اور اس قسم کی کتابیں اور ضروری ماخذ اس مقالے کے لکھتے وقت ہمارے پاس نہ تھے ، اس لیے میں اس کو آیندہ پر چھوڑتا ہوں اور اپنے قارئین سے اس معاملے میں معذرت چاہتا ہوں ۔ جب مولانا کے اشعار اور قصائد متن کتاب میں آ چکے ہیں ، قارئین محترم ان کو پڑھ سکتے ہیں ، اس لیے ان کے نقل کرنے کی یہاں حاجت نہیں ۔

یہاں غیر مناسب نہ ہوگا ، اگر میں ان کے ایک ہم عصر دانش مند کی رائے کا اقتباس نقل کروں ، جو اس نے مختصر الفاظ میں مولانا کے قصائد کی طرف رجوع کرتے ہوئے لکھی ہے ۔ پروفیسر عبدالستار صدیقی جو ہندوستان کے دانش مندوں میں سے ایک تھے ، اپنے مقالے میں جو انھوں نے مولانا کی شاعری پر لکھا ہے ، لکھتے ہیں کہ :

[271] مولانا کے قصائد تازگی ، روانی اور سادگی لیے ہوئے ہیں ، بعض قدما کی طرح پیچیدہ نہیں ۔ اگرچہ بعض جگہ خال خال مشکل الفاظ ملتے ہیں ، لیکن ان کا کلام حشو و زوائد ، طوالت اور غیر ضروری تشبیب ، تمہید اور تعقید سے خالی ہے ۔ ہر قصیدہ بغیر تکلف اور تصنع کے چند مدحیہ اشعار پر ختم ہوتا ہے[130] . . .

میرے خیال میں مولانا اس قسم کے شاعروں میں نہیں کہ جنھوں نے بہت زیادہ اور طول طویل قصیدے کہے ہیں ، بلکہ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ مولانا کا پیشہ بعض اساتذۂ سخن کی طرح ، شعر گوئی

اور قصیدہ گوئی نہ تھا ۔ وہ کبھی کبھی خوش طبعی کے لیے شعر کہتے تھے یا بوقت ضرورت قطعہ اور قصیدہ کہتے تھے ۔ اسی لیے تذکرہ نگاروں نے ان کا شمار ہندوستان ، خراسان ، عراق اور ماوراء النہر کے مشہور شعرا کے ساتھ نہیں کیا ۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا چونکہ سیاسی درباری اور عہدۂ قضاء ت کے اہم مشاغل رکھتے تھے ، انھوں نے کبھی نہیں چاہا کہ وہ شاعری کو اپنا پیشہ بنائیں ، اس لیے مولانا کی شاعری حسب ضرورت اور وقتی تھی ۔

مؤلف کے مراجع اور مآخذ :

ہمارے مؤلف نے اسلاف کی عادت اور قدیم مورخین کی طرح تاریخی واقعات اور پیامبروں ، خلفاء و سلاطین کے حالات کو کسی کتاب یا قول یا سماع یا اپنے مشاہدے کے حوالے سے لکھا ہے اور اکثر حصے میں اپنے مآخذ اور منابع کی نشان دہی کرتے ہیں ۔ وہ کتابیں جو طبقات کے لکھتے وقت مولانا کے پیش نظر رہیں اور مولانا نے ان سے استفادہ کیا ہے ، انھوں نے ہر مبحث کی ابتدا میں بطور سند ان کا نام لیا ہے اور انہیں اپنا مآخذ قرار دیا ہے ۔ ذیل کی تاریخی کتابیں ان کے مآخذ ہیں :

۱- سلامی :

سلامی کے متعلق تفصیلات آپ تعلیق نمبر (۵) میں پڑھ سکتے ہیں ۔ مؤلف طبقات نے سلامی کی تالیفات میں سے ان کی ایک تالیف سے استفادہ کیا ہے ، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے سلامی کی کس کتاب سے اپنی روایتوں میں استفادہ کیا ہے ، کیوں کہ سلامی بہت سی کتابوں کا مؤلف [272] ہے ۔ شاید ہمارے مؤلف کا ماخذ سلامی کی کتاب ''تاریخ ولاۃ خراسان'' ہوگا ، یا اس کی کوئی دوسری کتاب ہوگی ۔ ابن فندق علم تاریخ میں اپنے آپ کو اس سے نسبت دیتا ہے ۔ ہم نے اس بارے میں تعلیق نمبر ۵ میں لکھا ہے ، وہاں دیکھا جا سکتا ہے ۔

۲- تکملۃ اللطائف :

ایک موقع پر مؤلف نے طبقۂ اول میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے ۔ طبقات میں کہیں بھی دوسری جگہ اس کتاب کا حوالہ نہیں ملتا ۔ میں نے تکملۃ اللطائف کے متعلق اس

کتاب کی تعلیقات کے آخر میں ایک جداگانہ تعلیق تفصیل سے لکھی ہے ، اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے - (رک : نمبر ۷۰)

۳- تاریخ بیہقی :

مولانا کے دوسرے مآخذ میں سے تاریخ بیہقی بھی ہے - یہ کتاب ثقاہت اور بلاغت کے اعتبار سے ایک بلند اور معیاری کتاب ہے - اس تاریخ کا مصنف ابوالفضل محمد بن حسین کاتب بیہقی ہے ، جو فارسی کا ایک نامور ادیب ہے - یہ انیس سال تک دیوان رسالت غزنہ کا منشی رہا ، اور اس نے آل سبکتگین کے حالات میں تیس جلدوں میں ''تاریخ آل ناصر'' کے نام سے تاریخ نہایت بلیغ اور شیریں فارسی میں لکھی - اب اس کتاب کے فقط چند ناقص حصے ، جو سلطنت سلطان مسعود کے حالات پر مشتمل ہیں ، اور 'تاریخ مسعودی' یا 'تاریخ بیہقی' کے نام سے مشہور ہیں ، ملتے ہیں - بیہقی فارسی انشا میں استاد تھا - اس کی نثر اور شیریں اسلوب نگارش پسندیدہ اور مسلّم ہے - بیہقی کی ولادت ۳۸۵ھ میں ہوئی - وہ ۴۵۱ھ میں اس کتاب کی تالیف میں مشغول ہوا اور ۴۷۰ھ میں اس نے وفات پائی -۱۳۱

یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کے سلسلۂ مطبوعات میں مورلے اور ناسولیس کی کوشش سے کلکتہ سے طبع ہوئی - پھر دوسری مرتبہ ۱۳۰۷-۱۳۰۵ قمری میں مرحوم سید احمد ادیب کی تصحیح اور حواشی کے ساتھ چھپی ، اور آخر میں آقائے سعید نفیسی نے مکمل صورت میں کہ اس سے بہتر تکمیل نہیں ہو سکتی ، مقابلے ، تصحیح ، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ ۱۳۱۹ ش تہران سے تین جلدوں میں شائع کی -۱۳۲ اور اسی طرح اس کتاب کا متن ایک ضخیم جلد میں ڈاکٹر فیاض کی کوشش سے (دو مرتبہ) طبع ہوا ہے - [273]

۴- احداث الزمان :

یہ کتاب بھی مؤلف کے مآخذ میں ہے - طبقہ ۲۳ کے آغاز میں مؤلف نے دو مرتبہ اس کا نام لیا ہے اور مؤلف کا نام ابی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابی اللیث شیبانی لکھا ہے - یہ 'احداث الزمان' علاوہ اس 'احداث الزمانی' کے ہے ، جس کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کیا ہے ، اس لیے کہ وہ اس کے مؤلف کا نام ابی سلیمان داؤد بن محمد الاودنی الحنفی بتاتا ہے ، جو بخارا کے ایک گاؤں اودنہ میں زندگی بسر کرتا تھا -۱۳۳

۵۔ سنن ابو داؤد سجستانی :

طبقہ ۲۳ کے آغاز میں ہمارے مؤلف نے اس کتاب سے ایک حدیث نقل کی ہے اور یہ کتاب ان کے مآخذ میں شامل ہے ۔ سنن ابی داؤد صحاح ستہ کے سلسلے کی کتاب ہے ۔ اس کے مؤلف سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الاسدی السجستانی ہیں جو سال ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور شوال سنہ ۲۷۵ھ میں بصرے میں وفات پائی ۔ انہوں نے احادیث امام احمد بن حنبلؒ ، عثمان بن ابی شیبہؒ اور قتیبہ بن سعیدؒ جیسے اکابر ائمہ سے سنیں ۔ جب اپنی کتاب سنن کو اپنے استاد امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس کو بے حد پسند کیا ۔ ابراہیم حربی کہتے تھے کہ : جس وقت ابو داؤد اپنی سنن کی تالیف میں مشغول تھے تو علم حدیث کو آہن داؤد سے بھی زیادہ نرم تر اور ملائم تر بنا لیا ۔[۱۳۴]

۶۔ البدو والتاریخ : تالیف مقدسی

تاریخ کی مشہور کتابوں میں ہے ، جو سنہ ۳۵۵ھ شہر بُست میں ہیرمند کے کنارے 'البدء والتاریخ' کے نام سے فیلسوف ، متکلم و مؤرخ مطہر بن طاہر المقدسی نے لکھی ، جو سنہ ۱۸۹۹ء میں مشہور خاور شناس کلاں ہوارت (Clament Hauort) کی کوشش سے چھ جلدوں میں فرانسیسی ترجمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے ۔[۱۳۵] حاجی خلیفہ نے اس کتاب کو ابو زید احمد بن سہل بلخی کے نام سے نسبت دی ہے ۔ اور اس کتاب کے ناشر نے بھی اول کی چند جلدوں پر اس کتاب کے مؤلف کا یہی نام لکھا ہے لیکن وہ آخر کی جلدوں میں اس غلطی پر متنبہ ہوا اور اس نے مؤلف کا نام معلوم کر کے ان آخری جلدوں پر چھاپا ۔

[274] ہمارے مؤلف نے بہت سے مباحث میں مقدسی کے حوالے دیے ہیں اور یہ کتاب ان کے مآخذ میں شامل ہے ۔ (رک : ۲۷)

۷۔ تاریخ یمینی :

تاریخ یمینی کا تذکرہ طبقہ ۱۰ کے آغاز میں آیا ہے ۔ یہ وہی 'تاریخ العتبی' ہے ، جو 'تاریخ یمینی' کے نام سے مشہور ہے ، اور سلطان محمود کے عہد میں ابو نصر محمد بن عبدالجبار العتبی نے سنہ ۴۱۵ھ میں غزنہ میں لکھی ۔

ابو نصر محمد عبدالجبار ''رے'' میں پیدا ہوا اور خراسان میں مرتبہ کمال کو پہنچا - عربی انشا میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا - سبکتگین کے دربار میں ابوالفتح بستی کے ساتھ ایک عرصے تک کتابت کو اپنا شغل بنائے رکھا ، اور ایک طویل مدت تک نیشاپور میں شمس المعالی کی خدمت میں بھی رہا - عتبی نے تاریخ یمینی کو یمین الدولہ سلطان غزنہ کے نام سے معنون کی اور اس میں ابو منصور سبکتگین اور سلطان محمود کی سلطنت کے حالات تفصیل سے لکھے - عتبی نے اس کتاب میں نظم و نثر کو ملا کر مسجع طرز نگارش کو اختیار کیا ہے ، جیسا کہ ثعالبی نے 'یتیمۃ الدھر' میں کیا ہے -

احمد بن علی بن عمر المنینی دمشقی نے سنہ ۱۱۵۰ھ میں 'الفتح الوہبی' کے نام سے ، اور نجاتی نے 'بساتین الفضلاء' کے نام سے اس کتاب کی شرحیں لکھی ہیں[۱۳۶] اور ابو شرف ناصح بن ظفر بن سعد منشی جرفادقانی (گلپایگانی) نے ساتویں صدی ہجری کے آخر میں یعنی ۶۰۳ھ کے حدود میں اس کا فارسی میں ترجمہ کیا - یہ کتاب ۱۲۷۲ق میں تہران میں طبع ہوئی - اسی طرح یمینی کا ایک ترجمہ تحت اللفظ کرامت علی (ہندی) نے انیسویں صدی عیسوی میں مکمل کیا - اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں (نمبر ۱۸۸۸) موجود ہے ، اور اس کے ترکی ترجمے بھی موجود ہیں -

۸- قانون المسعودی :

ہمارے مؤلف نے طبقہ (۷۵) کے آغاز میں اس کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''بروایت قانون مسعودی کہ جس کو ابو معشر منجم نے نقل کیا ہے -'' اس سے ظاہر ہے کہ نجوم کے بعض مسائل میں قانون مسعودی ہمارے مؤلف کا مرجع و ماخذ رہا ہے - لیکن اس کتاب کو ابو معشر منجم کی طرف نسبت دینا اور اس کو اس کا مؤلف بتانا سہو ہے ، اس لیے کہ یہ کتاب ابو ریحان البیرونی کی تصنیف ہے ، اور مؤرخین اس کتاب کو ابو معشر کے نام سے نسبت نہیں دیتے - [275]

ابو معشر جعفر بن محمد بلخی نے ابن ندیم کے قول کے مطابق رمضان ۲۷۲ھ میں وفات پائی - اس نے کئی کتابیں لکھی تھیں ، جن میں سے اکثر کا تذکرہ ابن ندیم اور حاجی خلیفہ نے کیا ہے -[۱۳۷] حاجی خلیفہ نے صراحت سے لکھا ہے کہ : قانون مسعودی ایک کتاب ہے ، ہیئت اور نجوم

میں ، جس کو ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی خوارزمی متوفی ۴۴۰ھ نے ۴۲۱ھ میں غزنہ میں لکھ کر سلطان مسعود کے نام سے معنون کیا۔[138]

قانون مسعودی علم ہیئت ، نجوم ، جغرافیہ کی کتاب ہے ، جو گیارہ مقالوں پر مشتمل ہے اور جس میں مذکورہ علوم پر نہایت جامع اور مفصل بحث کی گئی ہے۔[139] اس کا ایک حصہ زکی ولیدی توغان (مرحوم) نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے محکمۂ آثار قدیمہ ہند دہلی کی طرف سے شائع کیا تھا اور دوبارہ یہ کتاب ۱۹۶۰ء میں حیدرآباد دکن کے دائرۃ المعارف عثمانیہ کی طرف سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۹۔ تاریخ مجدول :

جس زمانے میں کہ مولانا دہلی میں قضا کے شرعی فیصلوں اور ان کے حل کرنے پر مامور تھے ، اس زمانے میں ان کے ہاتھ ایک کتاب لگی ، اور اسی کتاب کے مطالعے نے مولانا کو 'طبقات ناصری' کے لکھنے پر برانگیختہ کیا۔ اس کتاب کا تذکرہ مولانا 'تاریخ مجدول' کے نام سے کرتے ہیں ، اور اپنی کتاب میں اس کے بہترین اقتباسات و مطالب پیش کرتے ہیں۔ اپنی کتاب کے مقدمے میں اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"اس زمانے میں جب کہ میں قضا کے فیصلوں پر مامور تھا ، دفتر مظالم و مقام فصل خصومات و قطع دعاوی میں ایک کتاب میری نظر سے گزری جسے افاضل سلف میں سے ایک نے انبیاء اور خلفاء علیہم السلام کی تاریخ ، ان کے انساب اور گزشتہ بادشاہوں کے حالات میں تالیف کیا تھا اور عہد سلاطین آل ناصرالدین سبکتگین تک کو جدول کے طریقے پر لکھا تھا ، اور ایجاز و اختصار کے ساتھ ہر باغ سے پھول اور ہر دریا سے قطروں کو جمع کیا تھا اور انبیاء اور ان کے پاک انساب ، اور خلفائے بنی امیہ و بنی عباس اور سلاطین عجم اور خاندان اکاسرہ کے بعد خاندان سلطان سعید محمود سبکتگین غازی کے تذکرے پر ختم کیا تھا۔ دوسرے بادشاہوں اور اکابر خاندان کے مقدم اور مؤخر بادشاہوں کے تذکرے سے کتاب میں اعراض کیا گیا تھا۔ اس ضعیف نے چاہا کہ اس کتاب کے جدول کو تمام بادشاہوں [276] اور عرب و عجم کے سلاطین کے حالات سے اول تا آخر مزین کرے۔"[140]

'تاریخ مجدول' اس طرح کی ایک تاریخ تھی کہ جس میں بصورت جدول انبیاء اور ملوک اور شاہان عرب و عجم کی تاریخ عہد غزنویان تک جمع کی گئی تھی - چنانچہ ہمارا مؤلف طبقہ اول میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے القاب کے ذکر کے بعد تاریخ مجدول کی طرف رجوع کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''یہ فصلیں تاریخ مجدول سے بغیر کسی کمی بیشی کے نقل کی گئی ہیں -'' طبقہ ۵ میں زو بن طہماسپ کا سلسلہ نسب نمبر ۱۲ اسی تاریخ سے لیا گیا ہے - اسی طرح اسی طبقہ میں پورانداخت نمبر ۲ کے ذکر میں تاریخ مجدول کا نام لیتا ہے - طبقہ ۱۱ کے شروع میں کہتا ہے ''. . . امام محمد علی ابوالقاسم عمادی تاریخ مجدول میں اس طرح بیان کرتے ہیں . . .'' مؤلف کا یہ اشارہ بہت مغتنم اور اہم ہے - چنانچہ ہم تاریخ مجدول کے لکھنے والے کے نام سے آشنا ہو جاتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص خراسان کے قدیم مؤرخین میں سے تھا -

طبقات کے خطی نسخے ہیں کہ جس کو ہم نے اصل قرار دیا ہے (عمادی) لکھا ہوا ہے ، اور کلکتہ کے مطبوعہ نسخے میں (جمادی) مرقوم ہے - راورٹی لکھتا ہے کہ طبقات کے چند خطی نسخوں میں بھی (جمادی) لکھا ہوا ہے ، جو صحیح نہیں ہے ، اور صحیح عمادی ہی ہے -[۱۲۱]

جو بھی صورت ہو بہرحال عمادی کی 'تاریخ مجدول' تاریخ کی بہترین کتابوں میں سے ہے ، جس کو بقول مؤلف آل محمود کے عہد میں مؤرخین کے طبقے میں امام کی حیثیت حاصل تھی - لیکن اس مؤلف کا نام جو مولانا نے لکھا ہے ، اور اس کی زندگی کے زمانے کا جو تعین کیا ہے ، اس سے مجھے اختلاف ہے - مثلاً :

کتاب 'مجمل التواریخ و القصص' جو سنہ ۵۲۰ھ میں لکھی گئی ، اور سنہ ۱۳۱۸ ش میں تہران سے مرحوم ملک الشعراء بہار کی تصحیح و ترتیب سے شائع ہوئی ، اس میں آل محمود کے حالات میں 'کتاب عمادی' کا اس طریقے پر تذکرہ آیا ہے :

> ''-- اور مجھے ان تواریخ سے امیر عمادی محمود بن امام سنجری غزنوی حفظ اللہ کے تاریخ لکھنے کا حال معلوم ہوا اور میں نے اس کو محل اعتماد میں رکھا -''[۱۲۲]

[277] 'تاریخ مجدول' کے مؤلف کا نام جو مولانا منہاج سراج نے لکھا ہے ، اور جو مؤلف مجمل نے لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کیونکہ ایک

نے (محمد) اور دوسرے نے (محمود) لکھا ہے ۔ لیکن اس اختلاف جزوی کو ظن کا مدار نہیں بنایا جا سکتا کہ جو طبقات کے عمادی کو مجمل کے عمادی سے بیگانہ کر دے ۔

طبقات نے اس کی کنیت (ابوالقاسم) اور اس کے باپ کا نام (علی) لکھا ہے ۔ لیکن مجمل نے نام کا ذکر کیے بغیر اس کی نسبت (سنجری و غزنوی) کی صراحت کی ہے ، اور پہلے (امام) کو بیٹے کے نام کے ساتھ ، اور دوسرے کو باپ کے نام کے ساتھ ضم کر دیا ہے ۔ اس طرح ان روایتوں میں ایک دوسرے سے بنیادی اختلاف موجود نہیں ۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ دونوں مؤلفوں کا مقصد شخص واحد ہے کہ جس نے اس تاریخ کو لکھا تھا ۔ ڈاکٹر محمد ناظم نے ''حیات و واقعات سلطان محمود'' میں اپنی کتاب کے مآخذ و منابع کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی رائے قائم کی ہے ،[۱۳۳] اور شاید خاورشناس معروف بارتولد کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے ۔

راقم الحروف نے چند سال پہلے 'کتاب البلدان' ابی بکر احمد بن محمد المعروف بہ بابن الفقیہ الہمدانی کا ایک نسخہ کابل میں دیکھا تھا ۔ جو کمال ثقاہت اور عمدہ طرز پر لکھا گیا تھا ۔ اس کے کاغذ سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کئی صدیاں پیشتر کا لکھا ہوا تھا ۔ اس قدیم خطی کتاب کے آخر میں چند ورق جو شنجرف سے بنائے ہوئے جدول میں تھے ، نظر سے گزرے ، جس میں آل محمود کے دور تک شاہان و سلاطین عرب و عجم کے خاندانوں کے تاریخی حالات تھے ۔ افسوس ہے کہ مجھے اس وقت اس کی فکر نہیں ہوئی کہ میں ان اوراق کے بارے میں تحقیق کروں اور اس پوری کتاب کو نقل کراؤں ۔ میں نے اس کتاب میں سے صرف چند جدولوں کو نقل کر کے اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا اور اب مجھے اس کتاب کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ یہ کتاب کہاں ہے اور کس کے پاس ہے ؟ اب جب کہ 'تاریخ مجدول' کی تحقیق و تلاش میں مجھے اپنی یادداشت کا خیال آیا اور میں نے اس کو دیکھا ، اور جو کچھ صاحب 'مجمل التواریخ' نے امیر عمادی کے متعلق لکھا تھا ۔ اس کا اپنی یادداشت سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اوراق مذکور تاریخ 'مجدول عمادی' کا حصہ ہیں کیونکہ اکثر مطالب و مضامین صاحب 'مجمل التواریخ' سے مطابقت رکھتے ہیں ، اور دونوں کتابوں کی روش اور اسلوب بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے ۔ اس اتفاق نے [278] کہ 'طبقات ناصری' کا عمادی اور مجمل التواریخ کا عمادی

ایک ہی ہے ، میرے ظن کو یقین سے قریب تر کر دیا ، اور معلوم ہوا کہ یہ مؤرخ ایک گم نام لکھنے والوں اور دربار غزنہ کے مؤرخین میں سے ایک ہے ۔ افسوس ہے کہ گردش دوراں نے اس کی نایاب اور مبارک کتاب کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا ۔

اب دونوں اقوال کی مطابقت اور دونوں طرف کے ملاحظے کے بعد اس گم نام مؤرخ کے نام کو اس طرح لکھنا چاہیے : امام ابوالقاسم محمد عمادی ابن امام علی سنجری غزنوی ، یا امیر محمود عمادی بن ابوالقاسم امام علی سنجری غزنوی ۔

اس مؤرخ کی زندگی کا زمانہ کہ جو بغیر کسی شبہ کے غزنہ کا رہنے والا ہے ، صاحب 'مجمل التواریخ' کے سیاق و سباق سے معلوم کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ مؤلف 'مجمل التواریخ' نے اس کا نام لینے کے بعد اس کے لیے دعائیہ کلمہ (حفظ اللہ) لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'تاریخ مجدول' کا مصنف 'مجمل التواریخ' کی تالیف کے وقت (۵۲۰ھ) زندہ تھا اور صاحب 'مجمل التواریخ' کا معاصر ہے ۔ اس لیے کہ اس دعائیہ کلمے کے بعد کہ (خدایش نگہ دارید) وہ ایسے اشخاص کی فہرست میں نہیں آتا جو وفات پا چکے ہیں کیونکہ ہمیشہ مرنے والوں کے لیے دعائے مغفرت اور بخشش کی جاتی ہے ۔ اور نیز یہ کہ مؤلف مجمل نے اس کا نام احترام سے لیا ہے ، اور اس کو امیر اور اس کے باپ کو امام کہا ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مؤرخ کسی شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا ، اور صاحب 'مجمل التواریخ' اس کا معاصر اور شناسا تھا ۔

چونکہ تاریخ مجدول کے مؤلف کا زمانہ ۵۲۰ھ ہے ، اور یہ زمانہ یمین الدولہ بہرام شاہ غزنوی کے عہد سے ملتا ہے ، اس لیے اسے آل محمود کے آخری دور کے مؤرخین میں شمار کرنا چاہیے ۔ اس طرح وہ 'طبقات ناصری' کے مؤلف کے جد دوم (ابراہیم) کا ہم عصر قرار پاتا ہے ۔

کتب طبقات اور 'مجمل التواریخ' سے عمادی کے سلسلے میں اسی قدر مختصر اور کم معلومات حاصل ہوتی ہیں ، لیکن دوسرے مآخذ اور تذکروں اور تاریخوں میں مشہور فارسی شاعر عمادی کے متعلق معلومات کے کچھ ٹکڑے ملتے ہیں اور اس معلومات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عمادی شاعر وہی ہے جو طبقات اور مجمل التواریخ میں مذکور ہے ۔

اس لیے کہ تذکرہ نویسوں نے عمادی شاعر کو بھی 'مجمل التواریخ'

کی طرح (امیر) لکھا ہے ، اور اس کی زندگی کا زمانہ ۵۲۰ھ کی حدود میں بتایا ہے ۔ ان دو دلیلوں کے بعد یہ بات بعید نہیں کہ عمادی شاعر اور عمادی مؤرخ دونوں ایک ہی شخص ہوں ۔ [279] محض اس لیے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے عمادی شاعر کو اچھی طرح پہچان لیں ، اور اس کے حالات کو طبقات کے عمادی کے حالات سے مطابقت دے سکیں ، میں ذیل کی سطور میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں جو استاد بدیع الزمان خراسانی نے ''سخن و سخنوران'' کی دوسری جلد میں عمادی کے متعلق لکھا ہے ۔

عمادی

مؤلف راحۃ الصدور[۱۳۴] اور المعجم اور اکثر تذکرہ نویسوں نے اس کا یہی نام لکھا ہے ، اور اسی عنوان سے اسے یاد کیا ہے ، اور اس کا تسلیم شدہ نام تاریخ کی کتابوں اور تذکروں میں بھی یہی ہے لیکن اس کا اصلی نام کسی کو معلوم نہیں ہے ۔

محمد عوفی نے ایک شاعر کا تذکرہ عمادالدین غزنوی[۱۳۵] کے نام سے کیا ہے اور چند قصائد اس کے نام سے منسوب کیے ہیں ۔ اگر عوفی نے ان اشعار کے نسبت دینے میں غلطی نہیں کی ، اور عمادالدین غزنوی کا کوئی وجود ہے اور عمادالدین اور مشہور عمادی کے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ عمادی کا لقب عمادالدین تھا ، یا وہ اس نام سے موسوم تھا ۔

عمادی کے لقب سے اس کے مشہور ہونے کا سبب یہ ہے ، جیسا کہ راحۃ الصدور سے اندازہ ہوتا ہے ، اور اس کی صحت پر قراین بھی موجود ہیں ، کہ وہ شروع میں عمادالدولہ فرامرز فرمانروائے مازندران کی مدح میں مشغول رہا ، چنانچہ یہ تخلص اس نے اپنے ممدوح کے نام سے حاصل کیا ہے ۔

بعضے تذکرہ نویسوں[۱۳۶] نے عمادی کو شہریار (بادشاہ) بھی لکھا ہے اور اس کی شہرت کے سبب کو اس عنوان کے ضمن میں بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ : اس کی اصل ''رے'' کے شہریار سے تھی ، اور اس کی شہرت شہریاری اپنے وطن کی نسبت کی وجہ سے ہے ۔ اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عمادی رے اور مازندران میں زندگی بسر کرتا رہا لیکن اس کی شہرت کا آغاز عراق سے ہوا ۔ مؤلف کشف الظنون[۱۳۷] نے اس کو رازی لکھا ہے ۔ اگر ہم اس کی یہ بات مان لیں تو یہ عمادالدین غزنوی

عمادی کے علاوہ کوئی دوسرا ہوگا ۔ چنانچہ[148] بعضوں نے اس قسم کا احتمال ظاہر کیا ہے ۔

لیکن کہا جا سکتا ہے کہ شہریاری کی نسبت (اگر اس نسبت کو درست مان لیا جائے) [280] تو عمادی کی طرح لفظ شہریار کی نسبت ، امرائے مازندران سے لی گئی ہوگی کیوں کہ اکثر امرائے مازندران اس نسبت کے ساتھ مشہور ہیں ۔ یا تذکرہ نویسوں نے تاریخی اعتبار سے اس کو شہریاری کے ساتھ نسبت دی ہوگی ۔ اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مؤلف راحۃ الصدور جو عمادی کا معاصر یا قریب العہد ہے ، اور مؤلف المعجم کہ جو ساتویں صدی کے فضلا میں ہے ، عمادی کو شہریاری کے ساتھ یاد نہیں کرتے بلکہ صرف عمادی لکھتے ہیں ۔ اس کو فرض کر لینے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ عمادی شہریاری اور عمادی غزنوی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں اور اس اعتبار سے ہم تصور کرتے ہیں کہ اس کا اصل وطن ، یا عمر کے کسی حصے میں اس کی اقامت گاہ شہر غزنہ ہوگی[149] اور وہ غزنوی کی نسبت سے مشہور ہو گیا ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ صرف عمادی کو شہریاری کے بھروسے پر ، جیسا کہ مجمل اور دوسرے تاریخ نگار کہتے ہیں ، رے کا باشندہ قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ عمادی[150] نے خود بھی اس کا اشارہ کیا ہے ۔ چونکہ وہ سلجوق سلاطین عراق کے ساتھ منسلک رہا ہے ، لوگوں نے اس کے لقب عمادی کو بدل کر سلطانی کے ساتھ موسوم کیا ہے ۔

عمادی کے معاصر سلاطین سیف الدین عمادالدولہ فرامرز فرمانروائے مازندران ہے کہ جس نے بظاہر حدود سنہ ۵۱۱ھ میں مازندران کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا تھا ۔ دوسرا رکن الدنیا والدین ابو طالب طغرل بن محمد ۵۲۶-۵۲۸ھ ہے کہ عمادی نے اس کی تخت نشینی کے موقع پر مبارک باد کا قصیدہ لکھا ، اور مؤلف راحۃ الصدور[151] کے بیان کے مطابق شاعر نے حضرت سلطان سے انعام و اکرام حاصل کیا ، اور اسی کے بعد عمادی اپنے قول کے مطابق سلطانی ہوا ۔

تقی الدین کے قول کے مطابق عمادی نے علم تصوف سنائی سے حاصل کیا اور ان کا مرید ہوا ۔ ادیب صابر[152] کے اشعار میں بھی ہمیں عمادی کا نام ملتا ہے اور انوری اور سید حسن غزنوی نے بھی تقی الدین کے حوالے سے اس کو یاد کیا ہے ۔[153]

[281] عمادی کی وفات بقول تقی الدین ، طغرل بن ارسلان کی حکومت میں سال ۵۷۳ھ میں ہوئی ۔ جو کچھ کہ اس کے موجودہ اشعار سے معلوم ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ چھٹی صدی ہجری کے نصف اول کے آخر تک زندہ تھا اور اس نے امیر حاجب فخرالدین عبدالرحمٰن بن طغائرک کے متعلق ، جو ۵۴۱ھ میں قتل کیا گیا ، مدحیہ اشعار کہے تھے ۔ لیکن ریو نے اس کی وفات ۵۸۲ھ میں لکھی ہے ۔ اور دیوان عمادی کا خطی نسخہ برٹش میوزیم میں نمبر ۲۹۸ پر موجود ہے ۔ تاریخ ادبیات فارسی جلد دوم میں ڈاکٹر صفا نے (صفحہ ۷۴۳) عمادی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ، اس میں کوئی نیا نکتہ نہیں ۔ ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ طبقات و مجمل کا امیر عمادی اور شاعر عمادی شہریاری الگ الگ دو شخصیتیں ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

۱۰- منتخب تاریخ ناصری :

یہ کتاب مولانا کے اہم ترین ماخذوں میں ہے ۔ مولانا نے طبقات میں چار جگہ اس کتاب سے اقتباس اور استفادہ کیا ہے :

اول : طبقہ ۱۲ نمبر ۴ ذکر جلال الدین ملک شاہ میں کہتے ہیں کہ : [282] "منتخب ناصری" جو غزنین کے اکابر حضرات میں سے ایک نے لکھی ہے ، نظر سے گزری . . . ." پھر اس جگہ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جب ملک شاہ نے بلاد مصر کا مصمم ارادہ کیا تھا . . . .

دوم : اسی کتاب سے ایک دوسری حکایت بیان کی ہے ، جب کہ قہستانی کی ایک جماعت نے ایک عرض داشت لکھ کر نظام الملک کے پاس بھجوائی تھی . . . .

سوم : طبقہ (۱۷) میں ذکر بسطام ملک الہند و السندھ میں کہتے ہیں کہ : اس جگہ اصحاب تاریخ کی دو روایتیں ہیں : ایک روایت تو وہی ہے ، جو لکھی جا چکی ہے ، اور دوسری روایت 'منتخب تاریخ ناصری' کی ہے جیسے "ایک اکابر غزنین میں سے سلطان معزالدین محمد سام کے زمانے میں لکھا ۔" . . . وہ اس جگہ طبقات میں روایت منتخب ناصری کو جو خاندان اور اجداد سوریان غور کے حالات

کے متعلق ہے مفصل نقل کرتے ہیں ۔

چہارم : اسی طبقے میں امیر سوری کے ذکر نمبر ۳ میں لکھتے ہیں کہ : جو کچھ 'تاریخ ناصری' اور 'تاریخ ابن ہیصم' اور بعض سماعی روایتوں سے ہمیں مشائخ غور کے متعلق معلوم ہوا ، وہ قلم بند کیا جا چکا ۔

مؤلف کے متذکرہ بالا اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبقات کے لکھتے وقت مولانا کو کتاب 'منتخب ناصری' یا 'منتخب تاریخ ناصری' یا 'تاریخ ناصری' کے مؤلف کا نام معلوم نہ تھا ، ورنہ وہ اپنی عادت کے مطابق ضرور اس کے مؤلف کا نام لکھتے ۔ انہیں صرف اس قدر معلوم تھا کہ اکابر غزنہ میں سے کسی ایک نے سلطان معزالدین کے زمانے میں لکھی ۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ 'تاریخ ناصری' کون سی کتاب تھی کہ جس کا انتخاب اکابر غزنہ میں سے ایک نے کیا تھا ؟ ظن غالب ہے کہ 'تاریخ ناصری' سے مراد وہی ابوالفضل محمد حسین کاتب بیہقی کی اہم اور مشہور تاریخ کی جلدیں ہوں گی جو تاریخ مسعودی ، تاریخ بیہقی ، جامع التواریخ یا جامع فی تاریخ آل سبکتگین وغیرہ کے مختلف ناموں سے مشہور ہے اور بقول حاجی خلیفہ اس کو 'تاریخ ناصری' بھی کہتے ہیں ۔[۱۵۴]

پس یہ امر بعید نہیں ہے کہ تاریخ بیہقی کی ان تمام مجلدات کو جو گم ہو چکی ہیں ، اور لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ، اکابر غزنہ میں سے کسی ایک نے ان کا اختصار کر کے ، اس کو 'منتخب تاریخ ناصری' سے موسوم کر دیا ہو ۔ الناصرلدین اللہ [283] سبکتگین کا لقب تھا اور اس کے خانوادے کو آل سبکتگین یا آل ناصر کہتے تھے ۔ چونکہ سلطان معزالدین کا دور حکومت ۵۶۹ھ سے ۶۰۲ھ تک تھا ، اس بنا پر 'منتخب تاریخ ناصری' کی تحریر کا سنہ بھی ۵۸۰ھ کے لگ بھگ سمجھنا چاہیے ۔

۱۱۔ انسب نامہ غوریاں :

اس کتاب کو ملک الکلام فخرالدین مبارک شاہ نے ، جو کوہ فیروز کے جلیل القدر لوگوں میں تھا ؛ سلطان علاء الدین حسین جہاں سوز کے نام پر لکھا تھا اور غور کے نامور سلاطین کے نسب کو نظم کیا تھا ۔ خداوند ملکہ جہاں جلال الدنیا والدین ماہ ملک بنت سلطان غیاث الدین محمد سام جو مولانا کی والدہ کی ہمشیرہ اور ہم مکتب تھیں ، اور انہوں نے

مولانا کو اپنے آغوش تربیت میں مثل ماں کے پالا تھا ۔ یہ کتاب ان کے حرم میں سال (۶۰۲ھ) میں مولانا کی نظر سے گزری اور اسی زمانے میں مولانا نے اس خاتون کی زبانی سنا کہ بعض کتابیں اور تاریخیں نظم میں لکھی گئیں تو یہ کتاب بسبب تغیر مزاج فخرالدین مبارک شاہ نے بیکار ڈالے رکھی ۔ یہاں تک کہ جب سلطان غیاث الدین محمد سام تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوا تو اس کے مبارک القاب سے مزین کر کے یہ کتاب مکمل کی گئی ۔۱۵۵

مولانا افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طبقات کے لکھتے وقت ، وہ کتاب جو بلاد غور میں ان کی نظر سے گزری تھی ، ان کے پاس نہیں رہی اور فتنۂ مغول کی وجہ سے ۔ اس کتاب کو وہاں سے حاصل کرنا ممکن نہیں رہا ۔ پھر بھی مولانا نے شاہان غور کے انساب کو اس کتاب سے جہاں تک مولانا کے ذہن نے کام دیا ، طبقات میں نقل کیا ہے ۔ اسی بنا پر 'نسب نامۂ فخرالدین مبارک شاہ' مولانا کی ذاتی معلومات اور یادداشت پر مبنی ہے ۔ نسب نامہ کا مؤلف فخرالدین مبارک شاہ بن حسن مروروزی دربار سلاطین غور کے اکابر رجال میں سے تھا ، اور فصاحت شعر میں یا سخاوت و فیاضی اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں وہ اپنے دور میں بہت مشہور تھا ۔ اس نے تاریخ و نسب نامۂ سلاطین غور کو مثنوی کے طرز پر بحر متقارب میں نظم کیا تھا ۔ اس میں سے ایک قطعے کو کتاب ''روضات الجنات فی اوصاف مدینۂ ہرات'' [284] میں معین الدین اسفزاری نے نقل کیا ہے ۔ خدا جانتا ہے کہ اصل کتاب اب بھی کہیں باقی ہے یا ضائع ہو چکی ہے ۔۱۵۶ ابن اثیر نے مؤلف کے باپ کا نام حسن لکھا ہے ۔ اور اس کی وفات شوال ۶۰۲ھ میں بتائی ہے ، اور لکھتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی میں خوب شعر کہتا تھا اور غیاث الدین بادشاہ غزنہ اور ہرات کے یہاں نہایت قدر و منزلت رکھتا تھا ۔۱۵۷

محمد عوفی نے 'لباب الالباب' میں دربار غور کے اس مشہور فاضل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :

''صدر الاجل الاکرم فخرالدولہ و الدین مبارک شاہ بن الحسین المروروزی ، فیروز کوہ کے اندر مرجع افاضل اور اہل علم کے لیے مشکل کشا تھا . . . سلطان غیاث الدنیا و الدین اس کا مربی تھا اور وہ اپنے مربی کی تعریف و توصیف اس کے مناسب حال کیا

کرتا تھا ۔ اس کے قصائد اور رباعیاں لطافت و سلاست میں مشہور ہیں ۔ اس نے یہ قصیدہ ملک سیف‌الدین خسرو جبال کی مدح میں کہا تھا :

دستِ صبا برکشاد روی عروس بہار
بر سر او چشم ابر ، کرد ز ژالہ نثار
برق برآورد تیغ ، رعد فروکوفت کوس
سرو علم بر فراخت ، لشکرِ گل شد سوار

اس کا مقطع ہے :

انجم و مردم مقیم ، تابع فرمانت باد
بر غرض و کام تو ، چرخ فلک را مدار

غزلوں کے چند شعر یہ ہیں :

آنکہ کہ خواب بود ترا ، دل بخواب دید
در تیرہ شب بدیدۂ جان آفتاب دید
جانی پر از نشاط ترا در کنار یافت
گوشی پر از سماع بکف بر شراب دید
فریاد از آن مقام کہ بیدار گشت دل
وآگاہ شد کہ این ہمہ دولت بخواب دید
زلفش ندید در کف و از دست روزگار
نزدیک شد کہ بگسلد از بسکہ تاب دید

[285] اس کی رباعیاں اطراف عالم میں مشہور ہیں ۔ اس کتاب کی زینت کے لیے چند رباعیاں یہاں نقل کی جاتی ہیں :

باز این دل دیوانہ ہوا خواہد کرد
ہر لحظہ بہر موی ندا خواہد کرد
روزی دوسہ از عشق مگر آسودہ است
آنرا ببلا کنون قضا خواہد کرد

ایضاً :

دل در سر زلفت آرمیدن خو کرد
ہر لحظہ بہر سوی دویدن خو کرد
چون موی شدم نزد منش باز فرست
اکنون کہ بموی سر دویدن خو کرد[158]

عوفی نے داستان باغ ارم زمین داور میں ، کہ جس کا حال علیحدہ تعلیق میں مفصل لکھا گیا ہے ، سلطان کے شکار کے متعلق فخرالدین مبارک شاہ کی ایک اور رباعی دی ہے ، جو طبقہ (۱۷) میں غیاث الدین محمد کے حالات میں قارئین کی نظر سے گزرے گی -

۱۲- تاریخ ابن الهیصم ثانی :

وہ کتاب جس کو مؤلف طبقات نے بہت سے تاریخی مسائل میں اپنی معلومات کا مرجع بنایا ہے ، وہ متذکرہ بالا نام کی ایک تاریخ ہے - بہت سی معلومات جو مؤلف طبقات نے محفوظ کی ہیں یا ان کی طرف اشارہ کیا ہے ، وہ اسی کتاب سے حاصل کی گئی ہیں - تعلیق چہارم میں ان کا ذکر گزر چکا ہے - ان کے لیے ہمارے قاری کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور بقیہ تکملہ' معلومات کے لیے تعلیق نمبر ۸۳ پڑھنی چاہیے -

۱۳- کتاب اغانی :

طبقہ (۱) ذکر مہتر لمک میں (ص ۲۰) پر کہتا ہے کہ : اسحاق موصلی نے ''کتاب اغانی میں بیان کیا ہے'' میں نہیں جانتا کہ مؤلف طبقات نے 'کتاب اغانی موصلی' کو خود دیکھا تھا یا کسی دوسری کتاب سے اس کی روایت کو نقل کیا ہے -

اسحاق بن ابراہیم بن میمون (ماہان) موصلی ارجان کا باشندہ تھا اور سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۳۵ھ میں اس نے ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی - وہ اشعار عرب کا راوی اور گانے بجانے والوں کا امام تھا - اور 'کتاب اغانی الکبیر' جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ، وہ اسی کی تصنیف ہے - لیکن ابن ندیم ابوالفرج اصفہانی سے روایت کرتا ہے کہ اس نے اسحاق کے بیٹے حماد سے سنا تھا 'الاغانی بزرگ' اسحاق موصلی کی تصنیف نہیں ہے ، کیونکہ اس نے اس کتاب کو اپنے باپ کے پاس نہیں دیکھا لیکن [286] سندی ابن علی جلد ساز نے ، جو اسحاق کی کتابوں کی جلد سازی کیا کرتا تھا اسحاق کی وفات کے بعد مشہور کیا تھا کہ یہ کتاب اسحاق موصلی کی ہے - اسحاق موصلی کی دوسری کتابیں شعر اور گانے والوں کے حالات میں موجود ہیں -[۱۵۹]

ابن ندیم کی اس روایت کے مطابق دوسرے لکھنے والے بھی 'الاغانی الکبیر' کو اسحاق موصلی کا مال نہیں جانتے اور اس کو سہو قرار دیتے ہیں -[۱۶۰]

لیکن کتاب الاغانی جو آج ہمارے ہاتھ میں ہے ۔ اور (۲۰) جلدوں میں سنہ ۱۲۸۵ میں بولاق پریس مصر میں چھپی اور بعد میں مستشرق برونو (Brunnu) نے اہتمام کے ساتھ ۲۱ جلدوں میں لیڈن سے چھاپا ہے، وہ کتاب ابوالفرج علی بن حسین اصفہانی کی تالیف ہے جو سنہ ۲۸۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۵۶ھ میں فوت ہوا ۔ یہ مؤلف عربی زبان کے مشہور مؤلفین اور ائمہ میں شمار کیا جاتا ہے ۔

۱۳- صابی :

طبقہ (۱۰) میں بختیار بویہ کے ضمن میں (ص ۲۶۲) پر مؤلف نے لکھا ہے کہ :

''اس کا ذکر صابی نے اپنی کتاب میں کیا ہے'' یہ ادیب، مؤرخ اور انشا پرداز ابواسحاق ابراہیم بن ہلال بن ابراہیم بن زہرون صابی ہے ۔ جو کتابت کے پیشے اور بلاغت میں اپنی مثال آپ تھا اور ۳۲۰ھ میں پیدا ہوا ۔ اور ۳۸۰ھ میں وفات پائی ، اس کا دیوان ، مختلف رسائل اور خطوط موجود ہیں[۱۶۱] اس کی کتاب دیالمہ کے حالات میں ''التاجی فی آثار الدولة الدیلمیہ'' مشہور ہے جس کو ابن اسفندیار کے قول کے مطابق بلیغ ترین عبارت میں لکھا گیا ہے ۔ صابی کی روش اور اسلوب نگارش میں کوئی اس سے بازی نہیں لے جا سکا ۔[۱۶۲] اس نامور عالم کی یہ کتاب اور دوسرے آثار موجود ہیں ۔ ''ابلغ من الصادین یعنی الصاحب و الصابی''[۱۶۳] کی ضرب المثل اس کے لیے کہی گئی ہے ۔ منہاج سراج نے ان کی کتاب کو اپنا ماخذ بنایا ہے ۔

سماع و مشاہدات :

علاوہ ان کتابوں کے جن کا ذکر آ چکا ہے ، اور طبقات کے لکھتے وقت مولانا کے سامنے تھیں ، نصف کتاب [287] ایسی روایتوں پر بھی مشتمل ہے جو انہوں نے ثقہ اور قابل یقین لوگوں سے سنی تھیں یا خود ان کے مشاہدے میں آئیں ۔

غوریوں کی سلطنت کے واقعات ، کفار مغول اور چنگیزیوں کا خروج ، غزوات غور و تولک وغیرہ اور اس کے بعد ہندوستان کے حوادث اور وہاں کے ملوک اور امرا کے حالات ، یہ تمام کے تمام واقعات مولانا کے مشاہدات کا حاصل ہیں ۔ ان میں سے بعض جو سماعی ہیں ان کو نقل کرتے وقت

راوی کا ذکر کیا گیا ہے ۔ قارئین اگر چاہیں تو وہ مولانا کے مشاہدات کو طبقات میں صفاریوں ، غوریوں ، اور سیستان اور غزنوی سلاطین اور سلطان التتمش کے حالات اور دوسرے ملوک معزیہ اور امرائے شمسیہ کے حالات اور طبقہ ۲۲ میں مفصل دیکھ سکتے ہیں ۔ یہ وہ واقعات ہیں ، جو مولانا نے خود دیکھے ہیں اور ان کے لکھنے میں ان کو اولیت حاصل ہے ۔

بعض واقعات جو مولانا نے دوسروں سے سنے ہیں ، اس کتاب میں موجود ہیں اور وہ ایسے لوگوں سے سن کر لکھے ہیں جن پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔ اس کے متعلق انھوں نے کتاب کے دیباچے میں کہا ہے کہ :

ہرچہ کردم سماع بنوشتم
اصل نقل و سماع گوش بود

کتاب کے آخر میں اپنے نقل اور سماع کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ :

"جس قدر کہ دائرۂ سماع و نقل میں اس دعا گو کے لیے ممکن تھا وہ تحریر میں لایا" [١٦٤]

چونکہ مولانا دربار دہلی میں بلند مناصب پر فائز اور بارگاہ سلطانی میں باریاب تھے نیز امیروں اور دیگر بڑے لوگوں میں ان کو مصاحبت حاصل تھی ان کی وجہ سے غالباً انھوں نے ثقہ لوگوں سے جو خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ سے ہندوستان آتے رہے ، ان سے ملاقات کرکے روایتیں حاصل کیں اور اپنی کتاب میں ان کو نقل کیا ۔ ان جملہ لوگوں میں سے کہ جن سے انھوں نے سماع و روایت کی ہے ، ان کے استاد امام غزنوی[١٦٥] ، خواجہ مقبول القول رشید الدین حکیم بلخی[١٦٦] اور سید اشرف الدین بن سید جلال الدین صوفی سمرقندی ہیں جو سنہ ٦٥٧ھ میں تجارت کے لیے دہلی آئے تھے ۔[١٦٧] اور بعض روایتیں انھوں نے یوزبک طغرل خاں کے غلاموں سے سنی تھیں کہ جن کی باتیں قابل اعتماد تھیں[١٦٨] اور سید بزرگ بہاء الدین رازی[١٦٩] اور خواجہ احمد وخشی کو جو نہایت صادق القول شخص تھے [١٧٠] اور ملک رکن الدین کے بیٹے [288] خیسار غور[١٧١] اور قاضی امام وحید الدین فوشنجی جن سے مولانا نے سنہ ٦٢٢ھ کے مہینوں میں قہستان میں ملاقات کی تھی[١٧٢] اور بعض باتیں انھوں نے خسرو غور برادر ملک تاج الدین حبشی سے سنہ ٦١٨ھ میں قلعہ سنگھ غور میں سنی تھیں[١٧٣] اور بعض باتیں انھوں نے امیر علی چاوش سے سنہ ٦١١ھ میں فیروز کوہ میں سنی تھیں[١٧٤] اور بعض باتیں انھوں نے امام رشید الدین بن عبدالمجید سے

سیستان میں سنہ ۴۱۳ھ میں[۱۲۵] سنیں اور ملک تاج الدین سے مولانا نے قلعہ سنگھ میں سنہ ۴۱۸ھ میں ایک حکایت سنی[۱۲۶] اور صمصام الدین فرغانی[۱۲۷] اور معتمد الدولہ مقبل رکابی[۱۲۸] سے انھوں نے بعض روایتیں سنیں ۔ ان تمام روایات کو انھوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ۔

اخلاق اور تاریخ نگاری کا طریقہ :

مشرق کے مؤرخین نے ، جو ہمیشہ سلاطین اور امرا کے درباروں سے وابستہ رہے ہیں ، اپنی تاریخ نگاری کی بنیاد اپنے ممدوحین کی محض ستایش و توصیف پر رکھی ہے ۔ لیکن فارسی میں اہم ترین کتاب ابوالفضل کاتب بیہقی کی تاریخ ہے ، جس کا اسلوب بالکل مختلف اور معمول سے ہٹ کر ہے ۔ کتاب کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دانش مند مؤرخ اپنے عہد کے عظیم ترین لکھنے والوں میں ہے اور یہ ایک ایسا شخص تھا کہ جس نے تاریخ نگاری میں اپنی روش قوی روایتوں اور مؤثق سنی ہوئی باتوں پر رکھی ہے اور تاریخی واقعات کو نہایت عدالت و انصاف سے لکھا ہے ۔ اور حقائق کو اس طور پر واضح اور روشن کیا ہے کہ ان میں فضول گوئی اور انحراف کی کوئی گنجائش نہیں ملتی ہے ۔

بیہقی نے اکثر واقعات کا تجزیہ فلسفہ تاریخ کے نقطہ نظر سے کیا ہے اور اچھے اعمال اور برے کرداروں کو واضح طور پر صاف صاف ضبط کیا ہے اور ممکن حد تک حقائق سے روگردانی یا چشم پوشی نہیں کی ہے ۔ میرے خیال میں درباری مؤرخین میں بیہقی ہی پہلا شخص ہے جس نے تاریخ نگاری میں تحقیق اور حقائق کو پرکھنے کا سختی کے ساتھ اہتمام کیا ہے ۔ اس کی تاریخ کے مطالعے کے بعد اس کے پیش کردہ تاریخی حقائق سے اشخاص [289] اور رجال کے معایب و محاسن بے کم و کاست سامنے آ جاتے ہیں اور اس کے بیان کردہ واقعات سے بادشاہوں اور حاکموں کے حالات کا ہم صحیح طور پر تجزیہ اور ان پر تنقید کر سکتے ہیں ۔

گردیزی بھی غزنویوں کے عہد کے لکھنے والوں میں ہے ، جس نے کتاب ''زین الاخبار'' سنہ ۴۴۰ھ میں لکھی ۔ اس کا ایک حصہ جو طبع ہو چکا ہے ، اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ گردیزی نے حالات کو بغیر تنقید اور نتیجہ اخذ کیے لکھا ہے ، چنانچہ وہ بیہقی کے ہم پایہ نہیں ہو سکتا ۔[۱۲۹]

مولانا کے اسلاف میں یہی دو مشہور تر مؤرخ ہیں ، جو ان کے وطن میں تھے ، اور غزنویوں کے دربار سے بھی وابستگی رکھتے تھے اور ان کی کتابوں کے اہم حصے گم ہونے سے باقی رہ گئے ہیں ۔ ایک اور مؤرخ جس کا شمار مولانا کے اسلاف میں کیا جا سکتا ہے ، وہ ہے قصص و تاریخ نامی کا مؤلف ابوالحسن ہیصم بن محمد ۔ لیکن دست برد زمانہ نے یہ کتاب ہم سے چھین لی ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کتاب کس زبان میں لکھی گئی تھی اور مؤلف نے تاریخ نویسی میں کس روش کی پیروی کی تھی ۔

جب ہم کتاب 'طبقات' کو بیہقی کے طرز تحقیق و تدقیق پر قیاس کرتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ تحقیق اور تنقید میں بیہقی کے مرتبے کو نہیں پہنچتی ۔ امام ابوالفضل نے بہت صاف لہجہ اور درست رویہ اختیار کیا ہے ۔ اس کے باوجود کہ وہ دربار غزنہ سے وابستہ تھا ، لیکن تاریخی حقائق اور ان کے نتائج کے بیان کرنے میں چشم پوشی نہیں کرتا ، اور اس کے قلم نے جادۂ صداقت و تحقیق سے انحراف نہیں کیا ۔ اس کا سیاق تاریخ نویسی نہایت پسندیدہ ہے اور حقائق تاریخی سے بھرپور ہے ۔

منہاج سراج نے اس روش میں اپنے اسلاف کی پیروی نہیں کی ۔ وہ نہایت ہی مداح شخص ہے ۔ اس نے بادشاہوں اور امرا کی ستائش و توصیف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ، اور انتقاد کے پہلو کو اپنی تاریخ نگاری سے بالکل دور رکھا ہے ۔ اکثر فصلوں اور مباحث کے اختتام پر ملوک اور امرا کی زندگی کی غیر مستجاب دعا کو اپنا وظیرہ بنا رکھا ہے ۔ اس بنا پر ہم اس کی کتاب کو بیہقی کی گراں مایہ اور مبارک تصنیف کے ہم پلہ اور ہم دوش قرار نہیں دے سکتے ۔

مولانا نے کتاب میں ابتدا سے لے کر انتہا تک اسی روش دعا گوئی اور مداحی کو [293] لازمی برقرار رکھتے ہوئے واقعات و حوادث کے لہجے میں صفائی اور صراحت سے گریز کیا ہے ، اور صداقت سے واسطہ نہیں رکھا ۔ ان کے نوشتوں کے مضمرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی تعریف کرنے میں حریص تھے اور انہوں نے بڑے لوگوں کی تعریف و توصیف کو اپنے شخصی اور ذاتی منافع کی بنیاد بنا دیا ہے ۔ چنانچہ اس قسم

کے مضامین سے بطور نمونہ یہاں مثال پیش کرتا ہوں ۔ مثلاً الغ خاں کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ :

''اگر ہزار جزو کاغذ مقروظ اس کے پسندیدہ اوصاف اور برگزیدہ اخلاق کے بیان کرنے میں تحریر میں لائے جائیں ، تب بھی اس دریائے بیکراں کا ایک قطرہ ، اور اس کے گلستان فردوس کی خوشبو کی ہواؤں کا ایک شمہ ، سننے اور پڑھنے والوں تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اگر سو ہزار میں سے اس کے ان حقوق تربیت میں سے چند کو بیان کروں . . . جو اس دعاگو کے بارے میں بصورت مناصب و اشغال و انعامات و اکرام فرمائے گئے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں ، تب بھی ان نعمتوں کے حقوق اس ضعیف کے ذمے اور اس کی اولاد و احفاد کے ذمے باقی رہیں گے ۔''[۱۸۰]

مولانا بہت سے مواقع پر اس کتاب میں ثناء و ستایش کر کے اپنے ممدوحین سے انعام و نوازش کے متمنی رہتے تھے ، اور ان کا یہ رویہ اسلاف کی تاریخ نگاری کے طریقوں سے بعید ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں :

''اس کتاب کے پڑھنے والوں اور ناظرین سے دعا کی امید ہے اور ارباب دولت سے اعزاز و عطا کی امید ۔''[۱۸۱]

اس کے علاوہ کہ مولانا ہمیشہ ارباب دولت اور بادشاہوں سے انعام کے متمنی رہتے تھے ، اور درباروں سے طمع رکھتے تھے ، انہوں نے واقعات کے لکھنے میں بھی جنبہ داری ، فریق بننے اور ایک جماعت کی طرف داری سے بڑی کام لیا ہے ، اور دوسرے کے لیے زجر و توبیخ سے بھی کام لیا ہے ۔ اس بنا پر ان کی تاریخ کا معیار تاریخی انتقاد اور تحقیق کے نقطہ نظر سے گر گیا ہے اور اس کی قدر و قیمت گھٹ گئی ہے ۔ مثلاً طبقہ (۲۱) میں سلطان التتمش کے ذکر میں جب تاج الدین یلدوز کا لشکر خوارزم شاہ سے شکست کھا کر لاہور آیا اور وہ شخص سلطان کے ساتھ سرحدوں کی طرف سخت گیری کرنے کے لیے گیا ، اور ایک سخت لڑائی کے بعد سال ۶۱۲ھ میں تاج الدین اسیر ہوا ، اور اس کو دہلی لا کر بدایوں کی طرف بھیجا گیا ، اور وہاں سلطان التتمش کے حکم سے قتل کیا گیا تو اس سلسلے میں مولانا نے اس واقعہ کے بیان کرنے میں اس شخص کے قتل کیے جانے کی صراحت نہیں کی

اور اس سے چشم پوشی اختیار کی ہے ، بلکہ قتل کے تمام واقعے کو حذف کر کے صرف انھوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی ہے کہ وہ وہیں مدفون ہے۔ ۱۸۲

جان بوجھ کر اس قسم کی چشم پوشی اور تجاہل عارفانہ کے علاوہ کہ جو انھوں نے تاریخی حوادث اور واقعات کے قلم بند کرنے میں کی ہے ، ان کی کتاب کے اکثر حصے ارباب اقتدار کے لیے غیر مستجاب دعاؤں سے بھرے پڑے ہیں ، جو انھوں نے جابجا ارباب اقتدار کے لیے کی ہیں ۔ اس بنا پر بیہقی کو [294] اس قسم کے مواقع پر افضلیت حاصل ہے ، جس کی وجہ سے ہم اس دانشمند مؤرخ کے لہجے کی صفائی اور متین اور درست انداز نگارش کو فراموش نہیں کر سکتے ، اور نہ مولانا کو بیہقی کا ہم پایہ اور عدیل قرار دے سکتے ہیں ۔

مؤلف کی انشا کی فضیات اور اس کی فوقیت قدما پر :

جس طرح کہ بیہقی کو روش تاریخ نویسی میں مولانا پر فضیلت حاصل ہے ، اور وہ استاد و امام عفت قلم ، امانت اور راست گوئی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ، اس کے برعکس مولانا طرز تحریر ، سبک اور سلیس انشا میں اس امام پر سبقت اور فضیلت لے گئے ہیں ۔ ان سطور کے لکھنے والے کے عقیدے کی بنا پر مولانا امام بیہقی سے ، اسلوب نگارش میں زیادہ شیرینی ، استحکام اور تازگی رکھتے ہیں ۔ ان کا اسلوب نگارش نہ صرف اپنے زمانے میں بلکہ مقدم اور مؤخر لکھنے والوں میں ایک ادبی شاہکار ہے ۔

جن لوگوں نے ابوالفضل بیہقی کی روش انشا اور نئے پسندیدہ طریقے کا مطالعہ کیا ہے ، وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس عمدہ لکھنے والے نے اپنی کتاب نہایت بہتر فارسی میں سادہ سلیس اور روانی کے ساتھ لکھی ہے ۔ لیکن اس کے باوجود اس کے طرز عبارات و الفاظ اور جملوں سے ظاہر ہے کہ اس میں عربی سے ترجمے کا رنگ اور اس زبان کا ادبی غلبہ جھلکتا ہے ۔ اور اس کتاب کے بہت سے جملے اس صورت سے لکھے گئے ہیں کہ ایک فارسی کو گمان ہوتا ہے کہ یہ عربی جملوں کا تحت اللفظ ترجمہ ہے ، نمونتاً ان جملوں کو پڑھیے :

۱۔ بر تخت نشست و باردار ، بار دادنی سخت بشکوہ . . . ص ۲۸ ۔

۲- و آنچہ کردند خود رسد پاداش آن بدیشان . . . ص ۳۹ -
۳- ما نزدیک خدائے عز و جل معذور باشیم در خون ریختن ایشان . . . ص ۴۲ -
۴- ساختہ برقتم با پردہ دار ، یافتم امیر را در خرگاہ . . . ص ۱۴۹ -
۵- وحاجت نیاید ترا استطلاع رای ما کردن . . . ص ۲۵۰ -

چونکہ اس زمانے میں ابھی فارسی نثر نو زاد تھی اور پختگی کو نہ پہنچی تھی ، اس لیے یہ ناگزیر تھا کہ بیہقی کے یہاں اس قسم کے جملے مثالاً نہ ملیں کیونکہ اس کا قلم عربی لکھنے کا عادی تھا اور اس قسم کے عربی زبان کے جملوں کی بندش اس کے فکر و دماغ میں مرکوز تھی - اسی وجہ سے اکابر اساتذہ مثلاً بیہقی اور ان کے ہم عصروں کے یہاں جو اس زمانے میں محکم اور متین نثر لکھتے تھے ، ان کی نثر میں عربی زبان کا اثر [295] جستہ جستہ ظاہر ہوتا ہے - لیکن منہاج سراج کی نثر ایک گونہ اس عیب سے پاک ہے ، اور فصاحت و سلاست اور شستگی عبارت اور جملوں اور الفاظ کی شگفتگی میں اس درجہ پر ہے کہ بعض مواقع پر ان کی نثر بیہقی کی نثر کی خوبیوں پر بھی تفوق رکھتی ہے ، اور اس سے سبقت لے گئی ہے -

اگر آپ طبقات کو پورا پڑھیں ، تو اس میں آپ کو کہیں اغلاق اور ابہام نہیں ملے گا ، اور اس کی نثر سہل ممتنع ہے ، اور فارسی زبان کے تمام ادبی محاسن پر مشتمل ہے - اس کے جملے مختصر اور جملوں کی خبریں واضح اور روشن ہیں ، اور ادائے مقاصد میں وضاحت ، صراحت اور صفائی آشکارا ہے - اگر نثر نگاری کا یہ مستحسن رویہ اور یہ برجستہ روش اور محکم نثر نگاری کا یہ طریقہ مغل دور کے سخت لہجے اور ناپسندیدہ ، مستکرہ اور پرتکلف روش میں تبدیل نہ ہوتا اور اس کا حسن خداداد اور خوب صورت اور بشاش چہرہ اس غیر طبیعی رنگ اور ناشایستہ حلیے کی آلایشوں سے نہ بگاڑا جاتا ، تو آج فارسی کی نثر زیادہ قوی اور دلچسپ ہوتی اور اس کا اسلوب نگارش زیادہ پختہ اور متین ہوتا - مختصر یہ ہے کہ مولانا ایک جادو نگار نثر نویس ہیں اور ان کی طبقات فارسی زبان میں نثر نگاری کا ایک بہترین شاہکار ہے -

(کابل ، کارتہ ۴ ، ثور ۱۳۴۱)

عبدالحی حبیبی

(۲) حرمون

حرمون ، حائے حطی کے ساتھ صحیح ہے ۔ حرمون ، فلسطین کے شمال مشرق میں لبنان کے مقابل اور باشان کے متصل ایک پہاڑ ہے اور فلسطین و شام کے بڑے پہاڑوں میں اس کا شمار ہوتا ہے ۔ آج کل اس کو جبل شیخ یا جبل الشیخ بھی کہتے ہیں ۔ موسم سرما میں برف سے وہ ڈھک جاتا ہے ۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی دس ہزار فٹ ہے ۔ تورات و زبور میں اس پہاڑ کا ذکر آیا ہے ۔

(۳) ضحاک

مؤرخین نے ملوک و سلاطین غور کو سہاک نامی شخص کی اولاد میں شمار کیا ہے ۔ منہاج سراج نے اس کو ضحاک لکھا ہے اور اس نے اس افسانوی شخصیت سے ان کی نسبت کر دی ہے ۔ میرخواند اور فرشتہ کا ماخذ بھی غالباً طبقات ناصری ہی رہا ہے ۔ وہ بھی شاہان غور کو اسی ضحاک کی نسل سے سمجھتے ہیں ۔

لفظ ضحاک ، اصل میں دہاک یا دہ آک تھا ۔ عربوں نے اس کو ضحاک لکھا ۔ یہ ایک افسانوی نام ہے ۔ استداد زمانہ سے رنگا رنگ افسانے اس سے متعلق ہوگئے ۔ یہ لفظ دھاکہ یا دہاکو اور اژی دہاکہ بھی لکھا گیا ہے ۔ بعض مشہور مستشرقین جیگر الہانی ، ڈاکٹر جستی اور سپیگل کی رائے ہے کہ اژی دہاکہ کو جدید فارسی میں اژدھائی لکھتے ہیں اور قدیم فارسی میں دہاک ، اور اس کا معرب ضحاک ہے ۔ عربوں نے اژدہا کو بھی معرب کر لیا اور وہ اژدہاق لکھتے ہیں ۔ طبری اور البیرونی کہتے ہیں کہ بیوراسپ اژدہاق وہی شخص ہے کہ جس کا نام ضحاک ہے ۔ عرب اس کو عربی اور اہل عجم اس کو عجمی کہتے ہیں ۔ مسعودی لکھتا ہے کہ بیوراسپ بن اردو اسپ وہی بادشاہ ہے کہ جس کو دہ آک کہتے ہیں ۔ ابن البلخی بھی بیوراسف کو اژدہاق کہتا ہے اور اس کے باپ کو اروند اسف لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ جادو کے ذریعہ اپنے آپ کو سانپ

کی شکل میں دکھلاتا تھا اس لیے لوگ اس کو اژدہاق کہتے تھے ۔ اور تمام روایتوں میں اس کو جمشید کا بھانجا کہا گیا ہے اور اس کی ماں کا نام ورک (ودک) تھا جو جمشید کی بہن تھی ۔

مؤرخین نے دہ آک کا سبب یہ لکھا ہے کہ آک کے معنی آفت اور بری رسم کے ہیں اور یہ کلمہ اوستا میں بھی اسی معنی میں آیا ہے ۔ اس اس کے ساتھ گویا دس برائیاں اور آفتیں دنیا میں آئیں ۔ حمد اللہ اور عین الدین نے بھی یہی بات لکھی ہے ۔

بیوراسپ کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے بیور کے معنی دس ہزار کے ہیں اسی لیے ضحاک کے پاس دس ہزار گھوڑے تھے ۔

ضحاک کے متعلق مشرقی مؤرخین کی روایتیں نہایت منتشر اور افسانوی ہیں کہ جن کے متعلق اوپر اشارے کر دیے گئے ہیں ۔ فردوسی نے بھی ان روایات کو شاہنامہ میں بیان کیا ہے ۔

افغانستان کی تاریخ اور جغرافیہ میں اس لفظ کی بہت اہمیت ہے ۔ بامیان کے نزدیک اب بھی شہر ضحاک موجود ہے اور اسی نام سے پکارا جاتا ہے ۔ اور افغانوں کے اب تک دس قبیلے (سہاک) کے نام سے موسوم ہیں کہ جن کے سات ہزار گھرانے ہیں اور یہ علاقہ خروار اور ہندوکش وغیرہ میں آباد ہیں ۔

راقم الحروف کے خیال سے ان کلمات کی اصل ''سکھا'' ہے کہ جس کا ذکر ہیرودوت نے کیا ہے اور وہ آریائی قبیلے تھے کہ جو سیستان کے علاقے میں آگئے اور دریائے اندوس تک پھیل گئے اور رہنے لگے ۔ پھر یہ سرزمین مگستان کہلائی کہ جس کا معرب سجستان ہے ۔

طبری نے بھی یہی روایت لکھی ہے کہ ضحاک کا مسکن قلعہ زرنج سجستان تھا اور تاریخ سیستان میں بھی یہی ہے کہ ضحاک کا تعلق سیستان سے ہے ۔ پس جو کچھ تاریخ سوری کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ غور کے بادشاہ سہاک کی اولاد سے ہیں وہ طبقات ناصری میں منہاج سراج کے اس بیان سے پوری مطابقت رکھتا ہے کہ اس نے ضحاک کو ان کا جد اولیں (مورث اول) کہا ہے ۔ فرق یہ ہے کہ سہاک پشتو املا ہے ۔ سہاک ، سکھا اور ضحاک تقریباً ایک ہیں اور یہ سب قدیم آریائی زبان سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اگر حقائق کو افسانوں سے الگ کردیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سکھا آریوں کے مشہور قبیلے تھے اور اسی نام سے مشہور اشخاص ، قبیلے اور شہر ہوئے ۔

استداد زمانہ سے یہ شخصیتیں اور نام خلط ملط ہوگئے اور تاریخ نے افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا کہ اب ہم ضحاک تازی ، سہاک ، اژدہا ، دہ آک اور اژدہاق میں فرق نہیں کر سکتے ۔

تاریخی اسناد کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ نام آریائی ہیں ۔ ضحاک ، بامیان کے قریب ایک شہر کا نام ہے ۔ ضحاک ، دہاکہ ، دہ آک یا اژدہاک تاریخی شخصیتیں ہیں ۔ سہاک ایک افغانی قبیلہ ہے ۔ سہاکا مشہور آریائی قبیلہ ہے کہ اس کے نام پر سکستان ہے ۔ ان سب کا باہم تعلق ہے ۔ درانیوں کا مشہور قبیلہ ساگزی ہے ۔ پہلے اس کو سہاکزی اور سکزی کہتے تھے ۔ یہ لوگ قندھار اور سیستان کے درمیان رہتے ہیں ۔ ان کا تعلق یقیناً سہاکا اور سکزی سے ہے کہ استداد زمانہ سے وہ اسحاق زی سے مشہور ہو گئے ہیں لیکن مؤرخین نے ان کا باپ ضحاک کو قرار دیا ہے ۔

(۴) تاریخ و قصص ابن الهیصم نابی (؟)

ابن الهیصم کے نام اور نسبت نابی میں اختلاف ہے ۔ ظن و تخمین کے سہارے مختلف نظریے قائم کیے مگر آخر میں مرتب اس نتیجے پر پہنچے کہ امام ہیصم بن محمد بن عبدالعزیز ناوی وہی شخص ہیں کہ جن کو منہاج سراج ابوالحسن ہیصم بن محمد نابی مؤلف تاریخ و قصص لکھتا ہے ۔ ناب کو ناو بھی کہتے ہیں اور ہروی لہجہ میں ب ۔ و سے تبدیل ہو جاتا ہے ۔ (اسماء المؤلفین اسماعیل پاشا بغدادی طبع استانبول ۱۹۵۵ء) نیز دیکھیے (۷۴) ۔

(۵) سلامی

ابو علی حسین بن احمد بن محمد سلامی بیہقی نیشاپوری مشہور مصنف ہے ۔ امام ثعالبی نے اس کا نام ابوالحسن محمد بن عبداللہ السلامی لکھا ہے ۔ کہتے ہیں کہ وہ اہل عراق سے تھا ، ۳۳۶ھ میں پیدا ہوا ۔ دس سال کی عمر میں شعر کہنے لگا ۔ بغداد سے موصل گیا ، پھر مؤیدالدولہ اور عضدالدولہ کی خدمت میں شیراز پہنچا اور ان کی مدح کی ۔ ۳۹۴ھ میں فوت ہوا ۔ ابوالحسن علی بن زید بیہقی نے اس کا نام ابو علی الحسین بن احمد بن

محمد السلامی لکھا ہے ۔ علم لغت اور تاریخ میں اس کو درک تھا ۔ اس کی مؤلفات میں تاریخ ولاۃ خراسان اور کتاب التتف والطرف اور کتاب المصباح ہیں ۔ مؤرخین اسلام مثلاً ابن الاثیر ، یاقوت حموی ، ابن خلکان و جوینی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس کی مؤلفات سے استفادہ کیا ہے ۔

(۹) ابن الربیع و ابن الخطیب و امام شمس الدین

یہ تینوں بزرگ دارالخلافہ (بغداد) کے سفیر تھے اور مختلف اوقات میں دربار غور میں آئے ۔

امام شمس الدین ترک کا کہیں ذکر نہیں ملتا ۔ صرف ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ذکر کیا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں وہ ملتان تک آئے اور بادشاہ کو ایک خط لکھا کہ وہ حدیث کی اشاعت چاہتے ہیں ۔

برنی نے ان کو مصری محدث لکھا ہے اور ان کی آرزو تھی کہ وہ ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کریں اور اسی مقصد کے لیے ملتان تک آئے ۔ اور منہاج سراج کے بقول امام شمس‌الدین ترک سلطان غیاث الدین غوری کے زمانے میں (قبل ۶۰۰ھ) تھے ، لہٰذا اس وقت سے سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے تک ایک قرن سے زیادہ کا زمانہ ہوتا ہے ، لہٰذا یہ دونوں ایک شخص نہیں ہو سکتے ۔ ان کے ایک ہم نام شمس الدین بن احمد بن عبدالمومن ترکانی ، خواجہ احمد نسوی کی نسل سے ہندوستان میں مشہور ہوئے ہیں ۔ وہ ترکستان میں تحصیل علوم کر کے ہندوستان آئے اور پانی پت میں ساکن ہو گئے اور علاء الدین صابر کلیری سے طریقت میں فیض حاصل کیا ۔ اور وہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۱۶ھ کو فوت ہوئے (سیدالاقطاب) ۔ اور یہ بھی بعد زمانی کی وجہ سے شمس‌الدین ترک سفیر نہیں ہو سکتے ۔

ابن اثیر نے ابن الربیع کا بار بار ذکر کیا ہے ۔ ان کا نام شیخ مجدالدین ابو علی یحیٰی بن الربیع ہے ۔ وہ شافعی فقیہہ اور مدرسہ نظامیہ بغداد کے مدرس تھے ۔ وہ بغداد سے سفارت پر شہاب الدین کے پاس آئے ۔ جب یہ سلطان مارا گیا تو ابن الربیع غزنہ میں تھے اور عوام و خواص نے غزنہ میں افراتفری کے زمانے میں ان سے رجوع کیا ۔

شہاب الدین کی موت کے بعد جب غزنین و غور میں ہنگامہ اور

افراتفری ہوئی تو ابن الربیع نہایت عزت و احترام سے رہے - پھر یہ بغداد چلے آئے اور ابن اثیر کی روایت کے مطابق وہیں شوال ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے -

چونکہ منہاج سراج نے ابن الخطیب کی تشریح نہیں کی ہے ، لہٰذا ہمیں دوسرے ماخذ کی طرف رجوع کرنا پڑ رہا ہے - امام فخرالدین رازی ، جو اسی عہد میں ہرات اور غور میں تھے اور شاہان غور کے یہاں وہ باریاب تھے ، وہ بھی ابن الخطیب کہلاتے ہیں - مؤرخین نے ان کا نام ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسین المشہور بابن الخطیب رازی لکھا ہے - وہ فقہ ، اصول اور علوم معقول میں ماہر و کامل تھے - ان کی تصنیفات مشہور ہیں - ابن اثیر ان کو امام الدنیا اور شافعیوں کے مشاہیر میں شمار کرتے ہیں - وہ ۵۴۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے - اور یہ بات کہ یہی امام فخرالدین رازی بغداد کی سفارت پر گئے ، درۃ الاخبار و لمعۃ الانوار سے کہ تتمہ صوان الحکمۃ کا فارسی ترجمہ ہے واضح ہوتی ہے کہ وہ بارہا بغداد کی سفارت پر گئے تھے جیسا کہ منہاج سراج ذکر کرتا ہے - ممکن ہے کہ امام رازی دربار خلافت سے بھی سفارت پر گئے ہوں - امام رازی تقریباً ۵۹۹ھ میں شہاب الدین اور اس کے بھائی غیاث الدین کے دربار میں غور گئے ، پھر غور سے غزنہ چلے گئے ، وہاں سے خوارزم شاہیوں کے دربار میں آ گئے اور محمد ابن تکش کو تعلیم دیتے تھے - ان کے لیے ہرات میں مدرسہ قائم ہوا - بروز پیر عیدالفطر ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے -

(۷) قانون مسعودی

مؤلف (منہاج سراج) کا ماخذ ہے ، اور اس کی شرح مؤلف کے حالات میں شروع میں گزر چکی ہے -

(۸) رازی

ہوشنگ کے ذکر میں آیا ہے کہ وہ بڑھئی ، رنگ ریزی اور لوہار کا کام کرتا تھا - فارسی لغت میں راز کے معنی رنگ کے ہیں اور رنگ کرنے کے بھی ہیں - اس سے رازیدن مصدر بنا ہے اور رازی کے معنی رنگ کرنے والے کے لیے گئے ہیں -

پشتو میں بھی راز کے معنی رنگ اور طور کے ہیں - اسی لیے راز گر

اس آدمی کو کہتے ہیں جو طور طریقے سے واقف ہو ۔ خاص طور سے اس عورت کو کہتے ہیں جو امور خانہ داری سے واقف ہو ۔ فارسی ، عربی اور انگریزی لغت میں راز کے معنی دیوار کی مرمت و درستی کرنے والے کے ہیں ۔ اس طرح ہم عمارت کی دیواروں پر رنگ کرنے والے کو کہہ سکتے ہیں ۔

(۹) بود اسفر

ہندوستان میں وہ ایک مقدس آدمی تھا اور لوگوں کو صابی مذہب کی دعوت دیتا تھا ۔ اس کا نام بود اسفر تھا اور یہ بود اسفر بلاشبہ وہی بودا ہے کہ جس نے ایک نیا مذہب جاری کیا ، اور آج کل اس مذہب کے ماننے والے ہند ، تبت اور دوسرے ممالک میں زیادہ ہیں ۔

اسلامی مؤرخوں نے اس نام کو بوذ اسفر یا بود اسفر لکھا ہے ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ باختری ناموں کی تقلید میں ایسا ہوا کیوں کہ ان کے نام کے آخر میں (اسپہ) جیسے گشتاسپ و لہراسپ وغیرہ ہوتا ہے اور اس مذہب کے ماننے والے باختر اور کوہ ہندوکش کے علاقے میں زیادہ تھے ۔ مؤرخین عرب نے ان ہی کی اصطلاح میں لکھا ۔ مگر البیرونی ، ہندوستان گیا تھا ، اس کو بدھ لکھا ہے ۔ علامہ علی بن الحسین علی معروف بہ مسعودی (۳۴۶ھ) مشہور اسلامی مؤرخ نے لکھا ہے کہ بوذ اسف ہندوستان کی سرزمین سے اٹھا اور سندھ اور سجستان اور زابلستان کے شہروں میں آیا ۔ وہ لوگوں کو زہد و تقویٰ کی دعوت دیتا تھا ۔ اس نے بتوں کی پرستش کی تجدید کی ۔ ابن ندیم لکھتا ہے کہ بوذ اسف حکیم کی صورت لوگ مختلف طرح سے پوجتے ہیں اور اس کو پیغمبر اور رسول سمجھتے ہیں اور اس کے مجسمے کو (بد) کہتے ہیں ۔

اسلامی مؤرخوں نے اس کا نام بوذاسف ، بوذاسفر اور بود اسفر لکھا ہے ۔

(۱۰) جمشید

قدیم آریائی بادشاہ کا نام ہے ۔ اوستا میں اس کا نام یمہ آیا ہے ۔ اس کے باپ کا نام اوستا میں ویو ہونت ہے ۔ اوستا میں یمہ کے معنی جڑواں اور

ہمزاد کے ہیں ۔ یہ نام رگ وید میں بھی آیا ہے ۔ برہمنی مذہبی کتابوں میں (یم) اور اس کی بہن (یمی) بمنزلہ آدم و حوا کے ہیں ۔
شید اوستا میں اس کے نام کا جزو نہیں ہے لیکن دوسرے قطعات میں خشئت اس کے نام کا جزو ہے ۔ اسلامی مؤرخوں نے جمشید کی شرح تفصیل سے لکھی ہے ۔ ابوالفدا لکھتا ہے : جم بمعنی چاند اور شید بمعنی شعاع یعنی شعاع قمر ۔ ابن اثیر ، ابن مسکویہ اور صاحب مجمل اس (بادشاہ) کی نیکی کے معترف ہیں ۔ مجمل میں ہے کہ وہ اپنی نیکی اور اچھائی کی وجہ سے جمشید کہلاتا تھا ۔ دوسری جگہ اسے لکھا ہے کہ جم شید بمعنی سورج ۔
شاید خشئت اوستائی لفظ مرور زمانہ سے شید بن گیا ہو ۔ جمشید کے باپ کا نام اوستا میں ویوہونت ہے ، بعد کو یہ لفظ ویونگھوت ، ویوانہان ، ویوانگھان ہوا ۔ معرب ہو کر ویوانجہان ہو گیا ۔ بہرحال اس نام میں تحریف ہوئی ہے ۔

(۱۱) نسب نامہ افریدون

فریدوں کے باپ دادا کے نام اس نسخہ میں خطی نسخے کے مطابق لکھے گئے ہیں اور یہ نام تواریخ کی کتابوں میں مختلف طرح ہیں ۔ مثلاً صاحب مجمل لکھتا ہے : افریدون بن اتفیان یا اتفیال بن ہمایوں ابن جمشیدالملک اور اس کی ماں فری رنگ تھی اور طہور کی لڑکی تھی لیکن پہلوی کتابوں میں اس کے باپ کا نام اپتیان و اثپیان و انوپنیان آیا ہے اور اس کو آبتین آتپین بھی لکھا ہے لیکن طبری افریدون بن اثفیان بن پرگاؤ لکھتا ہے ۔

(۱۲) زال زر

تاریخ سیستان کا مؤلف جو مجہول ہے کہتے ہیں کہ بہت سی نہریں اور زراعت ، زل زر کی وجہ سے ہوئی ، چنانچہ زالق العتیق کہتے ہیں ۔ معرب کر کے زالق الحدیث کہتے ہیں اور وہ زال کہن ہے اور زال نو کو سیستان کے لوگ زر (سونا) اور رنگ کہتے ہیں کیونکہ رنگ سونے کی مانند ہے ۔
تاریخ سیستان کے فاضل حاشیہ نگار مرحوم بہار لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے بال سنہرے تھے ۔ فارسی کتابوں اور اس کی تقلید میں پہلوی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زال ، زار ، زروان ، زرنان ، زرہان ، زرہون اور زربان و زرمان سب ایک دوسرے سے

متعلق ہیں اور ان کے معنی بوڑھے اور سپید بال والوں کے ہیں اور اسی معنی میں فارسی میں استعمال ہوا ہے۔
پشتو زبان میں اس لفظ کی خوب تطبیق ہوتی ہے۔ پشتو زبان پہلوی سے قریب ہے۔ پشتو زبان میں کلمہ زوڑ، اب بھی بوڑھے، پرانے اور قدیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ر۔ ڑ سے بدل جاتا ہے اور یہ ل سے بھی قریب المخرج ہے اور ل سے بھی بدل جاتا ہے۔

(۱۳) شیئت

اس کلمہ کا ذکر گھوڑے کے ساتھ اس کے رنگ کے ذکر میں آیا ہے۔ قرآن میں بھی رنگ کے معنی میں آیا ہے۔ بہرحال شیہ ایک طرح کا رنگ ہے جو عام رنگوں سے مختلف ہوتا ہے۔

(۱۴) ابو عبید القاسم ابن سلام

حاجی خلیفہ علم غریب الحدیث کی شرح میں لکھتا ہے کہ اس فن کا اولین جامع ابوعبیدہ معمر بن المثنی التیمی البصری (ف ۲۱۰ھ) ہے۔ اس کے بعد ابوعبید القاسم بن سلام اس فن کے ماہر ہوئے اور وہ اس فن کے امام ہیں اور انہوں نے اس فن میں اپنی عمر صرف کر دی۔ انہوں نے چالیس سال کی مدت میں اپنی کتاب مکمل کی اور اہل فن اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ محب الدین احمد بن عبداللہ طبری متوفی ۶۹۴ھ نے تقریب المرام فی غریب القاسم ابن سلام میں حروف تہجی سے اسے ترتیب دیا ہے۔
امام ابو عبید رومی غلام تھے اور اہل ہرات سے متعلق تھے۔ حدیث و ادب کا علم حاصل کیا، اور بارہ سال طرطوس کے قاضی رہے۔ بیس سے زیادہ ان کی کتابیں ہیں۔ ان میں سے غریب الحدیث، غریب المصنف، کتاب الامثال، کتاب فضائل القرآن وادبہ اور کتاب المواعظ مشہور ہیں۔ ۲۲۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۵) جروم

جروم جمع جرم کی ہے جو کہ گرم کا معرب ہے۔ اس کے مقابل صرود ہے جو صرد کی جمع اور جو سرد کا معرب ہے اور قدیم پشتو کے ایک شعر

میں جروم کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معرب اصطلاح عربوں کے ورود کے شروع سے رائج ہے۔

اور گرم سیر و سرد سیر دو اصطلاحیں قدیم سے افغانستان میں رائج تھیں اور گرم سیر کا اطلاق اس مملکت کے جنوبی حصے پر اب بھی ہوتا ہے کہ جو قندھار کے جنوب میں ہے اور سیستان و چخانسور تک یہ حصہ جاتا ہے اور شمالی حصے کو سردسیر کہتے ہیں جو معرب ہو کر صرد ہوا۔

جروم سے مقصد اسی گرم سیر موجودہ جنوبی غربی قندھار سے ہے۔ تاریخ بیہقی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جروم کی اصطلاح غزنویوں کے زمانے میں بھی تھی۔

(۱۶) درطعام

درطعام یا باب طعام شہر زرنج سیستان کے مشہور جنوبی دروازوں میں سے تھا۔ منہاج سراج نے طبقہ ہشتم میں یعقوب لیث کے حال میں اس کا ذکر کیا ہے۔ شارستان زرنج کے پانچ آہنی دروازے تھے۔ ان میں سے ایک دروازہ باب طعام تھا اور وہاں سے روستا کو جاتے تھے اور یہ اس شہر کا آباد ترین دروازہ تھا۔ اس دروازے کا تاریخ کی کتابوں میں اکثر ذکر آتا ہے اور تاریخ سیستان میں متعدد مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے[1]۔ محمد بن وصیف سجستانی کے اس شعر میں اس کا ذکر ہے:

عمر او نزد تو آمد کہ تو چوں نوح بزی
در آکارتن او ، سر او باب طعام

(۱۷) حاکم الشہید و شمس الائمہ سرخسی

ان کا نام محمد بن محمد الحنفی اور مشہور حاکم الشہید ہے اور بقول حاجی خلیفہ ۳۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ کتاب (کافی فی فروع الحنفیہ) مشہور ہے۔ لیکن طبقات کے مؤلف نے جس طرح لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام بزرگ مشہور شمس الائمہ سرخسی نہ تھے۔ ان کی شہرت حاکم الشہید سے ہے۔ ان کی شہادت کے واقعہ کو مؤلف ۳۳۵ھ میں لکھتا ہے۔

لیکن شمس الائمہ سرخسی دوسرے مشہور امام ہیں۔ شاید ہمارے مؤلف (منہاج سراج) نے دونوں اماموں میں خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ شخص بقول حاجی خلیفہ شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابوسہل سرخسی ہیں کہ ۴۸۳ھ

یں فوت ہوئے اور ان کی مشہور کتاب "مبسوط سرخسی" ہے اور
حاکم الشہید کی مبسوط کی شرح میں ۱۵ جلدیں اوزجند کے قید خانے میں
لکھی ہیں ۔
شمس الائمہ حنفیوں کے مشہور فقیہہ تھے ۔ اہل عام میں ان کی کتابیں
مشہور اور اب تک متداول ہیں اور وہ اکثر مسائل میں درجہ اجتہاد کو
پہنچے ہیں اور امام عصر اور حجت زمان ہیں ۔ ان کی دوسری کتابیں بہت
مشہور ہیں ۔ اصول فقہ میں شرح السیر الکبیر اور شرح مختصر طحاوی اور
مبسوط سابق الذکر کہ حاکم الشہید کی کافی کی شرح ہے ۔ سرخسی نے
علامہ روزگار شمس الائمہ عبدالعزیز احمد الحلوانی البخاری المتوفی ۴۴۸ھ سے
تحصیل علوم کی ۔
بعض مؤرخوں نے حاکم الشہید کے باپ کا نام احمد مروزی بھی
لکھا ہے ۔ خواند میر لکھتا ہے : ابوالفضل محمد بن احمد الحاکم ۔

(۱۸) غژگاؤ

یہ لفظ اس کتاب میں اکثر آیا ہے ۔ خطی نسخے میں یہ لفظ مختلف
طرح مثلاً غژغا ، غژغاؤ ملتا ہے ۔ اسی طرح مطبوعہ نسخوں میں املا مختلف
طرح ہے ۔ لیکن اس کلمے کے اساسی حروف (غ ، ژ ، غ ، ا ، و) ہیں کہ
اس کا پہلا لفظ غژ ، گئوش ارشتہ سے مربوط ہے کہ جو چوپایوں کا نگہبان
ہے ۔ اوستا میں گئوش اوز پہلوی میں گوش ، گائے کو کہتے ہیں ۔
کلمہ کا دوسرا جزو ، (غ ا و) اوستا میں (گئو) فارسی میں (گاؤ) پشتو میں
غوا) اور (غوی) بمعنی گائے ہے ۔ گویا اس لفظ (غژگاو) کے معنی ہوئے
قدش گائے ۔ اور یہ ایک قسم کی گائے ہے کہ جو پہاڑی جانور ہے اور
بدخشاں ، واخان اور پامیر کے پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے ۔
اور یہ سردسیر کا جانور ہے ۔ وہاں کے لیے بڑا مفید اور اس کوہسار کے
لوگوں کی زندگی کا دار و مدار اس پر ہے ۔ ترکی میں قتاس کہتے ہیں ۔ لوگ
اس کو پالتے ہیں ۔ اس کا دودھ کھاتے پیتے ہیں ۔ جب برف جم جاتا ہے
تو یہ جانور اپنے پیر سے برف کو اکھاڑ کر نیچے سے گھاس نکال لیتا ہے
اور کھاتا ہے ۔
غژگاو بہت قوی ہیکل اور طاقت ور جانور ہے ۔ لوگ اس پر بوجھ
ڈھوتے ہیں اور سواری کرتے ہیں ۔ پہاڑوں پر خوب چڑھتا اترتا ہے ۔ گوشت

اس کا بہت لذیذ ہوتا ہے ۔ اس کے بالوں سے چوری (مگس پراں) بناتے ہیں ۔
اس کے بال کبھی سفید اور کبھی سیاہ ہوتے ہیں ۔ پہاڑی باشندے اس کو
بہت دوست رکھتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ قدیم ترک اس کو پوجتے تھے اور
اس کے سینگوں کو اپنے مردوں کی قبروں پر لگاتے تھے ۔

(۹) جائے وفات سبکتگین

سبکتگین کی وفات بلخ کے قریب گاؤں مدوری ، مادروموی ، مدروی ، مدریوی ، یا بارمل مادروی میں بیان کی جاتی ہے ۔ اس مقام کا املا مختلف لکھا گیا ہے ۔ ایک نسخہ میں ترمذ کا ذکر آیا ہے ۔ راورٹی نے بیان کیا ہے :

ابن اثیر کامل کا بیان ہے کہ سبکتگین بلخ و غزنہ کی راہ میں فوت ہوا اور اس کی میت غزنہ لائی گئی اور وہاں دفن کی گئی ۔ ابن خلدون نے ابن اثیر کا قول نقل کر دیا ہے ۔ گردیزی نے بھی بلخ و غزنہ کی راہ میں فوت ہونا لکھا ہے اور کسی جگہ کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ فرشتہ نے ترمذ لکھا ہے ۔ ممکن ہے طبقات ناصری سے لے کر فرشتہ نے لکھا ہو ، کیونکہ طبقات ناصری کے ایک نسخے میں ترمذ لکھا ہے ۔ ڈاکٹر محمد ناظم جنھوں نے محمود غزنوی پر کتاب لکھی ہے انھوں نے مادروموی لکھا ہے جو راورٹی سے استفادہ ہے ۔

ہمارے خیال سے ترمذ میں فوت ہونا صحیح نہیں ہے ، کیونکہ ترمذ بلخ و غزنہ کی راہ میں واقع نہیں ہے اور ابھی تک اسی نام سے مشہور و معروف شہر ہے ۔

ہم تحقیق و جستجو کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں :

(۱) بلخ کے جنوبی علاقے میں مزار شریف کے جنوب مشرق میں بیس سے تیس میل کے فاصلے پر کوہستانی علاقے میں پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک گاؤں ہے کہ اس کو آج کل مارمل یا مرمل کہتے ہیں اور یہ پہاڑی راستے پر واقع ہے کہ وہاں سے بامیان اور کابل کی طرف جاتے ہیں ۔ اسی مناسبت سے مزار کے شہر میں ایک "کوچہ مارمل" ہے ۔ یاقوت نے بھی مارمل کا ذکر کیا ہے ۔ طبقات ناصری کے خطی نسخے میں اس جگہ سبکتگین کا مرنا لکھا ہے کہ جس کو مرمل یا مارمل پڑھ سکتے ہیں ، لہٰذا وہ بھی جگہ

ہو سکتی ہے۔

(۲) بامیان سے ایک دوسرا راستہ ولایت مزار و بلخ کی طرف جاتا ہے کہ جو کوہستان صعب المروری سے گزرتا ہے اور موجودہ راستہ پروان ، درہ غوربند اور کوتل شیبر سے گزرتا ہے اور اس کے بعد دو آب پہنچ جاتا ہے۔ اور ایک راستہ بامیان کی طرف الگ ہو جاتا ہے اور بامیان کی حد تک سواریوں کی گزر گاہ کا راستہ ہے اور اس کوہسار میں گھوڑے پر سوار ہو کر چل سکتے ہیں ۔

راستے میں ذیل کی منزلیں ہیں :

(۱) بامیان ۔ (۲) سیغان ۔ (۳) کہمرد ۔ (۴) مدر ۔ (۵) روئی ۔ (۶) خرم و سار باغ ۔ (۷) ایبک ۔ اگر منزلوں کے ان ناموں میں (مدر) اور (روئی) کو ایک جگہ لکھیں (مدر روئی) بن جاتا ہے اور طبقات (ناصری) کے خطی نسخے کی شکل ہو جاتی ہے اور اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سبکتگین بلخ سے ایبک آیا اور وہاں سے چاہتا تھا کہ سابق الذکر منازل کو طے کر کے بامیان سے گزرے۔ اور شاید وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس جگہ کا قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی ذکر کیا ہے ۔

(۲۰) ویہند ، پرشاور ، سدرہ

البیرونی کہتا ہے کہ ویہند ، کرسی گندھار تھا کہ جو وادی سندھ میں واقع ہے۔ بشاری مقدسی کہتا ہے کہ ویہند ہندو بادشاہوں (راجاؤں) کا پایۂ تخت ہے کہ وہاں مسلمان بھی کافی ہیں مگر ہندو زیادہ ہیں ۔

البیرونی لکھتا ہے کہ وادی ویہند سے دریائے سندھ گزرتا ہے اور پشاور کے نزدیک ہے اور شہر قندھار یعنی ویہند کے نیچے دریائے سندھ گزرتا ہے ۔ اس کے علاوہ البیرونی تصریح کرتا ہے کہ وادی سندھ میں ویہند قصبہ قندھار ہے اور دریائے سندھ وہاں سے گزرتا ہے کہ ہندی اس کو سونے کی نہر کہتے ہیں ۔ اس تاریخی شہر کا نشان اب بھی ہند کے نام سے دریائے کابل و سندھ کے مقام اتصال پر صوابی مردان و پشاور میں موجود ہے۔ مؤرخ کشمیر کلہانا (Kelhana) نے اس کو اودھا ہندا پورہ اور جولیں نے اس کو Ohind لکھا ہے۔

لیکن پرشاور کا جو ذکر آیا ہے وہ موجودہ پشاور ہے کہ جس کا نام پرشاور ، پرشور اور پرشاپور تھا ۔ مؤرخوں نے اس کو اسی طرح لکھا ہے اور اس کتاب میں بار بار پرشاور کا ذکر آیا ہے ۔

دریائے سدرہ کا بھی ذکر اس کتاب میں بار بار آیا ہے کہ اس کو (سودرہ) بھی لکھا گیا ہے ۔ عربی و فارسی کی اکثر تاریخوں مثلاً بیہقی ، گردیزی ، طبقات ناصری اور آداب الحرب وغیرہ میں یہ نام اسی طرح آیا ہے ۔ راورٹی لکھتا ہے کہ سدرہ یا سودرہ ، چناب کا قدیم نام ہے کہ خود اہل ہند نے (سدھورا) کہا ہے ۔ چونکہ ویہند دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے لہٰذا یہاں سدرہ کی بجائے سند صحیح ہوگا ۔

(۲۰۱) درۂ خار

منہاج سراج نے درۂ خار کا اس موقع پر ذکر کیا ہے کہ جب سلطان عبدالرشید اپنے لشکر کو الپ ارسلان شاہ سلجوق کے مقابلے پر طخارستان کی طرف سے غزنہ کا رخ کرتے ہوئے بھیجتا ہے اور وہ درۂ خار کے سامنے الپ ارسلان کو شکست دیتا ہے ۔

اس حساب سے درۂ خار غزنہ کے مشرق شمال میں یعنی کابل کے شمال میں ہوگا ۔ درۃ الاخبار و لمعۃ الانوار میں درۂ خار کا اس طرح ذکر ہے : سلطان محمود نے ابوالخیر کو خار کا علاقہ دے دیا لہٰذا اس کو ابوالخیر خار سے منسوب کر دیا ۔

فخر مدبر اس طرح ذکر کرتا ہے :

"در ولایت غزنین چہار ناحیت است کہ آنرا انوع (؟) و خار و شاہ بہار و لمغان خوانند ۔"

ان میں سے لمغان اب بھی مشہور ہے لیکن خار بھی وہیں ہے کہ منہاج سراج اور علی بیہقی نے ان کا ذکر کیا ہے ۔ اور سلطان محمود کے زمانے کا مشہور طبیب ابوالخیر خار اسی علاقے کی طرف منسوب ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ خار کہاں تھا ؟ مندرجہ بالاحوالہ جات کی روشنی میں اور منہاج سراج کے بقول کابل کے شمال اور غزنہ کے شمال مشرق میں ہوگا کہ اگر ہم غزنی سے طخارستان جائیں تو اسی حدود سے گزرنا ہوگا ۔

غزنہ کے شمال مغرب اور کابل کے شمال مغرب میں ایک راستہ ہے کہ جو بامیان سے غزنہ کو جاتا ہے ۔ وہاں ایک جگہ کہنہ خار ہے کہ جو کابل

کے غربی میدان کے درے میں واقع ہے ۔ شاید تاریخی خار بھی خار ہو اور اس میں سلجوقیوں کا حملہ غزنہ پر بامیان کے راستہ سے غزنہ کی طرف ہوا ہوگا ۔

(۲۲) برغند

اس قلعہ کا صحیح نام (بزغند) ہے لیکن ڈاکٹر راورٹی نے برغند لکھا ہے ۔ راورٹی نے خطی نسخوں کی روشنی میں برغند لکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ایک دو نسخوں میں جمہور کے خلاف بزغند بھی ہے لیکن صحیح برغند ہے ۔ اس قلعہ کا بیہقی میں بھی ذکر آیا ہے اور مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں (غند) لکھا ہے ۔

راورٹی نے لکھا ہے کہ بر پشتو میں بالا اور بلند کو کہتے ہیں اور غند گول اور مدور کو ، پس یہ پشتو نام ہے یعنی قلعۂ مدور و بلند ۔ راورٹی کا یہ بیان حقیقت سے نزدیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ غزنویوں اور غوریوں کے زمانے کے کچھ قلعوں کے نام پشتو ہیں ، مثلاً 'برکوشک' ۔

لیکن تاریخ بیہقی میں اس قلعہ کا نام بزغند چھپا ہے ۔ لیکن ر پر زیادہ نقطہ خطی کاتبوں کا اضافہ ہے لیکن صحیح اور درست برغند ہے ۔ بره+ غوندی (تپۂ بلند) کہ جس کا مخفف برغند ہو گیا ہے ۔

(۲۳) قصیدہ جوے مولیاں و کمال الزماں

منہاج سراج پہلا شخص ہے کہ جس نے استاد رودکی کے مشہور قصیدے (جوے مولیاں) کو امیر معزی سے منسوب کیا ہے اور ایک قصہ بیان کر دیا ہے اور اس قصیدے کو سلطان سنجر کے عہد میں بیان کیا ہے کہ امیر معزی نے اس قصیدے کو کایا اور کمال الزماں موسیقار نے ساع مزامیر کے ذریعہ مشہور کر دیا ۔ حالانکہ تذکرہ نویسوں نے اتفاق رائے سے اسے رودکی کا قصیدہ بتایا ہے کہ یہ نصر بن احمد سامانی کے لیے کایا گیا تھا ۔ تفصیل درج ذیل ہے :

تقریباً ایک قرن پیشتر مولانا نظامی عروضی نے چہار مقالہ یا مجمع النوادر میں جو تقریباً ۵۵۱ھ - ۵۵۲ھ میں لکھا ہے ، نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ھ - ۳۳۱ھ) کے ذکر میں لکھا ہے کہ جب وہ بادغیس ہری میں مسلسل چار سال رہا تو رودکی نے یہ قصیدہ کایا ۔ منہاج سراج اور نظامی عروضی کے اقوال کے اختلاف کی وجہ سے کچھ مؤرخین شبک و تردد میں پڑ گئے جیسا کہ مولانا

جامی نے (بہارستان) میں اس اختلاف کا ذکر کر دیا ہے -
منہاج سراج کا قول صحیح نہیں ہے - تہران کے دانشور ڈاکٹر معین نے دلائل ذیل کی روشنی میں رودکی سے اس قصیدہ کا انتساب صحیح مانا ہے :

۱- چہار مقالہ کی تاریخ تالیف تقریباً چھٹی صدی کے وسط میں ہے اور طبقات ناصری سے ایک صدی قبل ہے ، لہٰذا اس کو قدامت زمانی حاصل ہے اور نظامی کا زمانہ رودکی اور معزی کے نزدیک تھا ، لہٰذا اس کا قول صحیح ہے -

۲- تمام مؤرخین اور تذکرہ نویسوں نے اس قصیدے کو اپنی کتابوں میں رودکی کے نام سے لکھا ہے ، مثلاً بہارستان جامی ، آتشکدۂ آذر ، تذکرۃ الشعرا دولت شاہ ، گزیدہ دیوان رودکی (طبع تہران ۱۳۱۵ق) حبیب السیر ، خرابات ضیا پاشا ، زینۃ المجالس مجدالدین محمد حسنی ، سفینۃ الشعراء سلیمان فہیم ترکی - فرہنگ انجمن آرائی ناصری ، تالیف رضا قلی ہدایت ، قاموس الاعلام سامی ، مراۃ الخیال لودی ، مجمع الفصحاء ، سفینۂ خوش گو ، شعرالعجم ، عرفات العاشقین تقی الدین اوحدی ، خلاصۃ الافکار ابوطالب تبریزی ، تاریخ نگارستان قاضی احمد غفاری - سرڈینس راس در مجلہ انجمن آریائی ، نفیسی در کتاب رودکی (ج ۳ ، ص ۱۰۳۵) وغیرہ -

۳- کامل معزی کا جو دیوان مختلف خطی نسخوں کی مدد سے مرحوم عباس اقبال نے تہران سے شائع کیا ہے ، اس میں یہ قصیدہ نہیں ہے -

۴- سنجر سلطان کی حیثیت سے معروف ہے نہ کہ امیر کی حیثیت سے جو کہ سامانی بادشاہوں کا عنوان ہے اور شاعر نے اس قصیدے میں کہ جیسے نظامی عروضی نے نقل کیا ہے تین مرتبہ اپنے ممدوح کو اس عنوان سے پکارا ہے - اس کے علاوہ سنجر کا دارالملک مرو تھا ، بخارا نہیں تھا کہ جیسے شاعر اس کی طرف دعوت دیتا - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ منہاج سراج کو اس قصیدے کے بارے میں شبہ ہو گیا ہے کیونکہ معزی نے

بھی ایک قصیدہ لکھا ہے اور اس کا مطلع یہ ہے :

رستم از مازندراں آید ہمی
زیں ملک از اصفہاں آید ہمی

کمال الزماں : سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کے زمانے کا مشہور موسیقار ہے ۔ جب کمال الزماں فوت ہوا تو اس کے ہم عصر شاعر انوری نے اس کا مرثیہ کہا اور ارادت کا اظہار کیا ۔ مرثیہ کا پہلا شعر یہ ہے :

ہرگز گماں مبر کہ کمال الزماں بمرد
کو روح محض بود بہ جسم فنا پذیر

(۲۴) سلجوقیان روم

مؤلف نے اناطولی سلجوقیوں کو روم کے نام سے پکارا ہے ۔ اس سلسلے میں مؤلف کی معلومات ناقص ہیں ، لہٰذا ہم لین پول کی کتاب سے اناطولی سلجوقیوں کے سلسلے کو ذیل میں درج کرتے ہیں ۔ ان بادشاہوں کا سلسلہ اولاد اسرائیل میں سے یبغو بن سلجوق سے ہے کہ اس کا بیٹا قتلمش تھا ۔ قتلمش کے بیٹے سلیمان نے ۴۷۰ھ میں قوت حاصل کی اور ۷۰۸ھ تک انوطولیہ اور اس کے قرب و جوار میں ان کا سلسلۂ حکمرانی رہا ۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ یہ ہیں :

۱۔ سلیمان بن قتلمش ، ۴۷۰ھ - ۱۰۷۷ء ۔
۲۔ داؤد بن سلیمان ، ۴۷۹ھ - ۱۰۸۶ء ۔
۳۔ قلیچ ارسلان اول بن سلیمان ، ۴۸۵ھ - ۱۰۹۲ء ۔
۴۔ ملک شاہ بن قلیچ ارسلان اول حدود ، ۵۰۰ھ - ۱۱۰۷ء ۔
۵۔ رکن الدین مسعود اول بن قلیچ ارسلان اول ، ۵۱۰ھ - ۱۱۱۶ء ۔
۶۔ عزالدین قلیچ ارسلان ثانی بن مسعود ، ۵۵۱ھ ۱۱۵۶ء ۔
۷۔ غیاث الدین کیخسرو بن قلیچ ارسلان ثانی دفعہ اول ، ۵۸۸ھ - ۱۱۹۲ء ۔
۸۔ رکن الدین سلیمان ثانی بن قلیچ ارسلان ثانی ، ۵۹۳ھ - ۱۱۹۶ء ۔
۹۔ عزالدین بن قلیچ ارسلان ثالث بن کیخسرو اول ، ۶۰۰ھ - ۱۲۰۳ء ۔

۱۰- غیاث الدین کیخسرو اول دفعہ دوم ، ۶۰۱ھ - ۱۲۰۴ء -
۱۱- عزالدین کیکاؤس اول بن کیخسرو اول ، ۶۰۷ھ- ۱۲۱۰ء -
۱۲- علاءالدین کیقباد اول بن کیخسرو اول ، ۶۱۶ھ-۱۲۱۹ء -
۱۳- غیاث الدین کیخسرو ثانی بن کیقباد اول ، ۶۳۴ھ - ۱۲۳۶ء -
۱۴- عزالدین کیکاؤس ثانی بن کیخسرو ثانی ، ۶۴۴ھ/۶۴۷ھ -
۱۲۴۶ء/۱۲۴۹ء -
۱۵- رکن الدین قلیچ ارسلان رابع بن کیخسرو ثانی دفعہ اول ،
۶۴۶ھ/۶۴۷ھ - ۱۲۴۸ء/۱۲۴۹ء -
۱۶- عزالدین کیکاؤس ثانی ، رکن الدین قلیچ ارسلان رابع
علاءالدین کیقباد ثانی بن کیخسرو ثانی مشترکا ، ۶۴۷ھ/
۶۵۵ھ = ۱۲۴۹ء/۱۲۵۷ء -
۱۷- عزالدین کیکاؤس ثانی دفعہ دوم ، ۶۵۵ھ/۶۵۸ھ -
۱۲۵۷ء/۱۲۵۹ء -
۱۸- رکن الدین قلیچ ارسلان رابع دفعہ دوم ، ۶۵۵ھ/۶۶۳ھ -
۱۲۵۷ء/۱۲۶۴ء -
۱۹- غیاث الدین کیخسرو ثالث بن کیکاؤس ثانی ، ۶۶۳ھ -
۱۲۶۴ء -
۲۰- غیاث الدین مسعود ثانی بن کیخسرو ثالث دفعہ اول ،
۶۸۲ھ - ۱۲۸۳ء -
۲۱- علاءالدین کیقباد ثالث بن فرامرز بن کیخسرو ثالث حدود ،
۶۹۸ھ/۷۰۱ھ - ۱۲۹۸ء/۱۳۰۱ء -
۲۲- غیاث الدین مسعود ثانی دفعہ دوم ، ۷۰۲ھ/۷۰۸ھ-۱۳۰۳ء/
۱۳۰۸ء - (دول اسلامیہ ، ص ۲۱۷)

(۲۵) اتابکان آذربائیجان و فارس

اتابکان آذربائیجان اور فارس کے بارے میں مؤلف سے غلطی ہو گئی ہے جس کی تصحیح ہونی چاہیے ، لہٰذا مذکورہ بادشاہوں کا سلسلہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

آذربائیجان کے اتابک شمس الدین ایلدکز کی نسل سے ہیں کہ جس نے

۵۴۱ھ میں قوت حاصل کر لی اور ۵۶۸ھ میں ہمدان میں فوت ہوا۔ اس خاندان کا سلسلہ یہ ہے :

(۱) شمس الدین ایلدکز ۵۴۱ھ

(۲) محمد پہلوان جہان ۵۶۸ھ — (۳) قزل ارسلان غنی ۵۸۲ھ

(۴) نصرۃ الدین ابوبکر ۵۸۲ھ — قتلغ اینانج — (۵) مظفر الدین اوزبک (۶۰۷ھ—۶۲۲ھ)

(باقی شجرہ صفحہ ۳۸۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

(۲۹) مندیش و سنگہ

غور کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ غزنوی عہد کے بقیہ آثار میں سے مندیش ہے۔ ابوالفضل بیہقی کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سخت اور مضبوط و مستحکم قلعہ تھا۔

عبدالحی گردیزی نے بھی اس قلعہ کے استحکام، مضبوطی کی تعریف کی ہے۔ بلکہ اس کا بیان ہے کہ شاہی خزانے اور دفینے اسی قلعے میں رہتے تھے۔

طبقات ناصری میں اس قلعہ مندیش کا اکثر ذکر آیا ہے۔ کتاب پٹہ خزانہ (گنجینۂ پنہاں) میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ وہ تاریخ سوری کے حوالے سے اس قلعہ کا ذکر کرتا ہے۔

مینورسکی لکھتا ہے کہ مندیش دامن کوہ میں آل شنسب کا اصلی مسکن ہے۔ دربار غزنہ کے فرخی شاعر نے حسنک وزیر کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں بطور تلمیح و ایہام تین مشہور قلعوں (سو، مرنج، مندیش) کا نام لیا ہے۔

منہاج سراج کے قول کے مطابق سنگہ مندیش کا دارالحکومت تھا۔ اس کو خول سانی کہتے تھے۔ اس کا معرب سنجہ ہے جو بقول یاقوت غور کا مشہور ترین شہر تھا۔

ابن اثیر نے بھی سنجہ کو غور کا شہر لکھا ہے۔ کوئی اس شہر

(۲) اتابکان فارس

یہ خاندان مودود سلغری کے پوتوں میں ہے کہ اس کے بیٹے سنقر نے تقریباً ۵۴۲ھ میں سلجوقیوں سے بغاوت کی اور فارس میں حکومت کا اعلان کر دیا اور شیراز کو دارالحکومت قرار دیا ۔ اس خاندان کا سلسلہ اس طرح ہے :

مودود سلغری

- (۱) مظفرالدین سنقر ۵۴۲ھ
  - (۴) طغرل ۵۹۰ھ
- (۲) زنگی ۵۵۶ھ
  - (۳) تکلہ ۵۷۰ھ
  - (۵) ابو شجاع سعد اول ۵۹۹ھ
  - سلغر شاہ
    - (۶) ابوبکر ۶۲۸ھ محمد شاہ ۶۶۰ھ
      - (۷) سعد ثانی ۶۵۸ھ
        - (۸) محمد ۶۵۹ھ
        - (۱۱) ایش خاتون (۶۶۳ھ—۶۸۵ھ)
    - (۱۰) سلجوق شاہ ۶۶۱ھ
- تکلہ

(دول اسلامیہ ، ص ۲۵۰)

کے اصل محل وقوع کی نشان دہی نہیں کرتا ۔

(۲۷) والشتان

والشتان یا بالشتان غور کے مشہور قلعوں اور شہروں میں سے ہے ۔ اس کتاب میں والشتان لکھا ہے اور آج کل بالشتان نام سے موجود شہر ہے قندھار کے قریب ، غور کے جنوب مشرق میں واقع ہے ۔

پشتو کی کتاب تاریخ پٹھہ میں تاریخ سوری کے حوالے سے اس کا ذکر ہے ۔ افغان دانشمند مؤرخ شیخ کہتہ نے بالشتان میں تاریخ سوری کو دیکھا ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی زندگی (۷۵۰ھ) میں یہ شہر آباد اور موجود تھا ۔ لیکن بالشتان ، تاریخی اور جغرافیہ کی کتابوں میں والشتان لکھا گیا ہے "و" کو "ب" سے بدل دیا ہے ۔

والشتان ۔ بالشتان کو بیہقی نے گوروالشت کے نام سے ذکر کیا ہے ۔ طبقات ناصری میں بھی گوروالشت ہے ۔ پترسبرگ کے ایک خطی نسخے میں غوروالشت لکھا ہے کہ جو تکیناباد اور مندیش غور کے درمیان واقع ہے اور یہ بالشتان ہی غوروالشت ہونا چاہیے ۔

تاریخ سیستان میں بھی زمین داور ، بُست اور والشتان کا ذکر ہے اور بلاشبہ یہی بالشتان ہے ۔ ابوالحسن علی بیہقی نے بھی والشتان کو بُست ، نواح میں بتایا ہے ۔ یہ سارے تاریخی اسناد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ والشتان ۔ بالشتان غور کا مشہور شہر تھا اور منہاج سراج نے بھی والشتان کو غور کا مشہور شہر بتایا ہے ۔

بیہقی نے باوالس ۔ بالس ۔ والشتان کے نام سے مکران ، قصدار و طوران کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے ۔ مقدسی نے بالش لکھا ہے ۔ حدود العالم میں بالش ہے ۔ البیرونی نے قانونِ مسعودی اور صیدلہ میں بالش و والشتان لکھا ہے اور یعقوبی نے بھی اسی طرح لکھا ہے ۔ اس سے شبہ میں نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ :

والشتان ۔ بالس ۔ باش بلوچستان اور سندھ میں تھے اور اب سیوی سے سیوستان تک سندھ میں ہے ۔ البیرونی نے قانون مسعودی میں سیوی و مستنگ کو جو بلوچستان میں ہیں اور سیوان کو جو سند میں تھے والشتان کے شہر بتایا ہے ۔ طبقات (ناصری) کے بعض خطی نسخوں میں والشتان والیان بھی لکھا ہے اور یہ لکھنے والوں کی غلطی ہے ۔ والیان ایک علیحدہ

شہر تھا جسے واٹین بھی لکھ دیا ہے ۔

(۲۸) جبال غور

یہ پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے کہ جو مملکت افغانستان کے درمیان میں واقع ہے ۔ اس کے ایک طرف وادی ہری ہے اور دوسری طرف ہیرمند کا صحرا ہے ۔ منہاج سراج نے پانچ پہاڑوں کا سلسلہ بیان کیا ہے جو اس طرح ہے :

۱- زار مرغ مندیش : مندیش کے متعلق پہلے تشریح کی جا چکی ہے لیکن زار مرغ کو ہم اسی نام سے پہچانتے ہیں اور کوتل زار مرغ تیورہ اور ساخر کے راستے کے درمیان واقع ہے اور کاین کے حصے میں بلند ترین پہاڑ ہے ۔ اور اب اس کو چھل ابدال بھی کہتے ہیں کہ تیورہ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جنرال فریہ فرانسوی کہتا ہے کہ یہ دنیا کے بلند ترین پہاڑوں میں سے ہے اور ہولدچ نے اس کی بلندی (۱۲۷۰۰ فٹ) بتائی ہے ۔ مندیش تاریخی اس پہاڑ اور کوتل زار مرغ کے دامن میں موجود ہوگا کہ جو اب تک سوریوں کا مسکن ہے ۔

۲- سرخ غر یعنی کوہ سرخ : جن لوگوں نے کوہستان غور کو دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اغلب یہ ہے کہ وہاں کے پہاڑ سرخ اور گلابی رنگ کے ہیں اور رنگ کی یہ سرخی زمین ، ٹیلے اور پہاڑوں سب جگہ ہے ۔ اسی لیے سرخ پہاڑ کی وجہ سے اسے "سرخ غر" کہنے لگے اور راورٹی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے ۔

اب "ساخر" یا "ساغر" کوہ چھل ابدال کے شمال مغرب کی طرف ایک پہاڑ ہے ۔ پشتو میں اس کا اصلی نام "سور غر" اور فارسی میں "سرخ غر" ہے ۔ ممکن ہے امتداد زمانہ سے اس رنگ نے "ساغر" یا "ساخر" کا لفظ اختیار کر لیا ہو ، اور ساخر لفظ میں سہولت ہے ۔

۳- کوہ ورشک : یہ نام بعض نسخوں میں اشک اور بعض میں دراشک ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ورشک صحیح ہوگا اس لیے کہ اب بھی غور کے سرد سیر علاقے میں ورشک

موجود تھے۔ منہاج سراج اس پہاڑ کو تمران کے علاقے میں خیال کرتا ہے کہ جو سرد سیر غور کا جنوبی منطقہ ہے۔ اب اس علاقے کے سب سے بڑے پہاڑ کو منگان کہتے ہیں کہ جو غور کے مشرقی حصے میں (دائی کندی) کے قریب موجود ہے اور اس پہاڑ کے دامن میں محمد سنجانی کا مزار مشہور ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ کوہ ورشک کہ جو بعض خطی نسخوں میں اشک — دراشک لکھا ہوا ہے وہ یہی پہاڑ ہے۔

۴۔ کوہ ورنی : کوہ ورنی کو ہم جنوبی غور میں متعین کرتے ہیں۔
گمان غالب ہے کہ ورنی (زرنی) کی تصحیف ہو کیوں کہ اب بھی یہ غور میں ایک بڑا گاؤں ہے کہ جو تیورہ کے جنوب میں ہے اور تیورہ سے ۶۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ زرنی ایک ٹیلہ ہے اور ان پہاڑوں کے مشرق، جنوب اور مغرب سے محیط ہے۔

اس پہاڑ کے مشرق کی طرف کوہ (پنج شاخ) اور جنوب کی طرف کوہ (غکہ) اور مغرب کی طرف کوہ (غچہ گک) واقع ہے۔ اور پہاڑوں کا یہ سلسلہ (زرنی) غور کے پہاڑوں کے بلند ترین حصوں میں شمار ہوتا ہے۔ ورنی کا ''و'' ''ز'' سے بدل گیا ہے۔

۵۔ کوہ خیسار : یاقوت کے قول کے مطابق خیسار غزنہ و ہرات کے سرحدی شہروں میں سے ہے کہ بیہقی بھی خیسار کا ذکر کرتا ہے اور اصطخری کہتا ہے کہ وہ ہرات سے دو روز کے فاصلے پر واقع ہے۔

قلعہ خیسار ، اپنے استحکام ، مضبوطی اور بلندی کے لیے مشہور ہے۔ تاج الدین عثمان مرغنی کا دارالحکومت رہا ، اور کوئی شخص اس قلعے تک نہ پہنچ سکا ، یہاں تک کہ چنگیز خان کا ہاتھ بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ خلافت شرق کا مؤلف لی سترینج اس کو ہرات کے مشرق میں بتاتا ہے۔ اس کا یہ بیان جغرافیہ نگاروں اور مؤرخوں کے بیان کے مطابق ہے۔
کچھ لوگوں نے کوہ خیسار کا وہ موقع بیان کیا ہے کہ زرنی کنوئی کے غربی طرف پہاڑی سلسلے میں جو چار قلعے ہیں ،

لیکن ہمیں اس کے بارے میں تامّل ہے کیوں کہ ایسی صورت میں وہ ہرات سے کئی منزل دور ہوگا اور اس طرح جغرافیہ نگاروں اور مؤرخوں کے بیان کے خلاف ہوگا ۔ اور یہ قیصار جو ہے وہ بھی خیسار ہی کی تصحیف ہے اور جبال فیروز کے بلند پہاڑوں میں واقع ہے ۔

(۲۹) غرستان ، غرجستان

غرجستان ، غرشتان یا غرستان ، بادغیس کے مشرق میں وہ علاقہ ہے کہ جس پہاڑی سلسلے سے مرغاب کا دریا نکلتا ہے ۔ عربوں نے اس کو غرج الشار لکھا ہے ۔ مقدسی کہتا ہے کہ غرج کے معنی پہاڑ کے ہیں اور اس علاقے کو غرجستان بھی کہتے ہیں ۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اکثر لوگ اس کو غرشتان یا غرستان کہتے ہیں ۔ عربوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانے میں وہاں کا بادشاہ ملک الغرجہ کہلاتا تھا اور وہاں کے شہر ابشین ، شرمین ، سنجہ اور بیوار تھے ۔

غر پشتو کلمہ ہے اور بہت سے شہر اور مقام اس کلمے سے شروع ہوتے ہیں ۔ یاقوت لکھتا ہے کہ غرشتان ، غرش کی طرف منسوب ہے اور اس کے معنی کوہسار کے ہیں ۔ اور بشاری کا قول ہے کہ یہ غرج الشار ہے اور اس کے معنی جبال الملک ہیں ۔ غرش کو غرج بھی کہتے ہیں ۔ غرجستان ، غزنہ ، کابل ، ہرات اور بلخ کے درمیان واقع ہے ۔ اور اہلِ خراسان اب اس کو غور کہتے ہیں ۔

پشتو میں ''غر'' پہاڑ کو کہتے ہیں ۔ اور یہ لفظ اوستا میں ''گیری'' آیا ہے اور سنسکرت میں گیر یا گیری ہے جس کے معنی پہاڑ کے ہیں ۔ مشہور مستشرق بارتولد کا خیال ہے کہ کلمات غور ، غرچہ ، غرج ، غلج سب ایک ہی سلسلے کے ہیں اور وسط ایشیا میں بہت سے قبیلے اور نام ان لفظوں سے بنے ہیں ۔

طبقات کے خطی نسخے میں جس کو میں نے اصل قرار دیا ہے ، یہ نام غرجستان ہے ۔ اس کا املا غرستان ہے ۔ منہاج سراج نے مطلق کوہستان کے معنی میں غرجستان استعمال کیا ہے ۔ ہم نے ساری کتاب میں غرستان کے املا کو ترجیح دی ہے اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں ۔

(۳۰) گزیو و تمران

تمران ، غور کا مشہور شہر ہے کہ آلِ شنسب کے زمانے میں بہت سے مشاہیر وہاں سے اٹھے - منہاج سراج اکثر موقعوں پر اس کا ذکر کرتا ہے - ۶۱۸ھ میں مؤلف تمران سے غور آیا اور وہ تمران کو کوہ ورشک کے اطراف و جوانب میں مقرر کرتا ہے - حدودالعالم میں تمران کو خراسان کے مضاف میں رباط کروان کے حدود میں بتایا ہے - طبقات ناصری میں اس شہر کے بہت سے مشاہیر کے نام آئے ہیں -

منہاج سراج نے جو لکھا ہے کہ وہ تمران سے غور آیا ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمران ، غور کے علاوہ ہے - اور وہ لکھتا ہے کہ یہ کاتب (منہاج سراج) ۶۱۸ھ میں ملک ناصرالدین ابوبکر کی خدمت میں ولایت گزیو اور تمران پہنچا - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گزیو و تمران قریب قریب تھے -

گزیو کو اب گزو اور گزاب بھی لکھتے ہیں اور موجودہ زمانے میں وہ شمالی قندھار کے ساتھ وابستہ ہے اور اجرستان کے مغرب میں ہے اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمران بھی غور کے جنوب مشرق میں ہوگا اور غزنہ کے جنوب مغرب میں -

تاریخ سیفی ہروی میں بھی تمران کے لوگوں کا ذکر ہے - راقم الحروف نے ۱۳۲۶ میں جنوبی غور کا سفر کیا ہے اور (گزیو) اور (تمران) اور (تمزان) اور (کجران) کو دیکھا ہے -

(گزیو) جبال شامخ کے درمیان غور کے جنوب مشرق میں دریائے ہیرمند کے دونوں کناروں پر واقع ہے اور پرانے شہر کے آثار اب تک موجود ہیں -

گزیو کے مغرب کی طرف یعنی غور کے جنوب میں والشتان ، تمران ، تمزان اور کجران ایک سلسلے میں دریائے ہیرمند پر واقع ہیں اور جبال شامخ ان کو احاطہ کیے ہوئے ہے -

(۳۱) کاروہ

یہ ایک قدیم جنگی دفاعی آلہ تھا کہ جو افغانوں میں مستعمل تھا - یہ پشتو نام ہے - اسے کاڑوہ یا کروہ (Karwah) کہتے ہیں - منہاج سراج نے

اس کو آلہ دفاعی اور پشتو لفظ کہا ہے - راورٹی کہتا ہے کہ یہ قدیم آلہ افغانوں میں تھا ، اور بندوق سے قبل کے دور سے اس کا تعلق تھا کہ اس کے ذریعے تیر کی زد سے بچا جاتا تھا اور اس کو اس طرح بناتے تھے کہ گائے یا بھینس کی کھال میں گھاس یا چارہ بھر دیتے تھے ، اور جنگ میں ہر آدمی اس کو اپنے سامنے رکھتا تھا کہ سامنے کے تیروں سے محفوظ رہے - ایک افغانی مؤرخ افضل خان خٹک اپنی پشتو کی مشہور تاریخ میں اس کی بناوٹ کا ذکر کرتا ہے - (تقریباً ۱۱۱۰ھ) اسی طرح لطائف الاخبار مؤلفہ رشید خان میں اس کا ذکر ہے -

یہ آلہ قدیم زمانے میں افغانوں میں رائج تھا اور یہ کلمہ پشتو ہے - بندوق کی ایجاد کے بعد اس کا رواج اٹھ گیا ، اس لیے پشتو میں اب اس کا استعمال کم ملتا ہے -

(۳۲) باغ ارم زمین داور

منہاج سراج نے اس باغ کی وسعت اور نزہت کو تفصیل سے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین نے اس کو یعنی زمین داور کو سرمائی دارالحکومت بنایا تھا - ۱۳۱۰ھ میں راقم الحروف (حبیبی) نے زمین داور اور (دریائے) ہلمند کے کنارے سفر کیا اور ایک بوڑھے آدمی سے ملا جس کو پرانی حکایتیں یاد تھیں - اور وہ ان پرانی داستانوں کو نہایت رنگینی اور دلچسپی سے بیان کرتا تھا - اس نے بیان کیا کہ زمین داور میں ایک عظیم باغ تھا کہ اس کو "باغِ ارم" کہتے تھے - اور زمین داور کے اس باغ سے متعلق بہت سی داستانیں ، اشعار اور ترانے مشہور ہیں - اس بوڑھے آدمی نے اپنی جوانی زمین داور میں گزاری تھی اور وہاں کے ٹیلوں اور کھنڈروں کی داستانیں اسے ازبر تھیں - اس نے پشتو کے اشعار بھی گائے جن میں "باغِ ارم" کا ذکر تھا -

(۳۳) فتوحات سلطان غیاث الدین

غیاث الدین کے مفتوحہ شہروں کے صحیح نام لکھے جا رہے ہیں :

ہرات ، داور (زمینداور) ، فارس ، تالقان ، نیشاپور ، لوہور (لاہور) مروالرود ، نیمروز ، سجستان ، فوشنج (غربی ہرات) ، زابل ، غزنین ، کابل ، عراق (ماورائے خراسان طرف غرب) شہر ہیں کہ ان میں سے اکثر اب

بھی مشہور ہیں ۔ (ان کا غیاث الدین کی فتوحات میں ذکر آتا ہے)

لیکن کالیوان یا کالین یا کالیون ایک شہر تھا ، ہرات کے شمال میں اور بادغیس میں ۔ کالیور (املا) غلط ہے اور یہ قلعہ (کالیوان) غوریوں کے زمانے سے آل کرت کے زمانے میں بھی مشہور رہا ۔ سیفی ہروی اپنی تاریخ میں اس کا بار بار ذکر کرتا ہے ۔

فیوار ایک نسخے میں بنوار اور دوسرے نسخے میں فروار بھی ہے ۔ یہ فیوار یا پیوار وہی ہے کہ جو قادس میں ہرات کے شمال میں واقع تھا ۔ یاقوت اس کو بیوار کے نام سے غرجستان کا شہر شمار کرتا ہے ۔ شاید فروار (ایک نسخے میں قزدار ہے) جغرافیہ نویسوں نے قصدار لکھا ہے جو (موجودہ بلوچستان میں) اب خضدار ہے ۔

قلعہ سیفرود کا اس کتاب میں بار بار ذکر آیا ہے ۔ سیف برد غلط ہے ۔ خرروان یا خزروان اور وہی جرزوان یا گرزوان ، جوزجانان ہے ۔ حواشی میں ہم نے ذکر کیا ہے ۔ تاریخ ہرات سیفی میں جرزوان اور حرزوان وغیرہ آتا ہے ۔

جروم کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ یہ جرم کی جمع ہے اور معرب ہے ، اور گرم سیر کو کہتے ہیں ۔ تکناباد یا تکین آباد (یکنباد) بھی چھپا ہے ۔ قندھار کے حدود میں مشہور شہر تھا ۔ بیہقی اور گردیزی وغیرہ اس کو تکناباد لکھتے ہیں اور اب اس شہر کا کوئی نشان نہیں ہے اور اس کے موقع کا تعین بڑی مشکل ہے ۔

منہاج سراج کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تکناباد رخج کے شہروں میں تھا اور رخج سے مراد قندھار کے مغرب میں ہیرمند اور ارغنداب کے درمیان کی وادی ہے ۔ وہ اس سلسلے میں دوسری جگہ بھی بحث کرتا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تکناباد گرماب کے نزدیک واقع تھا ۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخی شہر خاکریز و دہراوت و میوند و زمینداور کے درمیان تھا اور منہاج سراج کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ وہ سلطان بہرام شاہ کے متعلق کہتا ہے کہ غزنہ سے لشکر لے کر رخج و تکناباد سے زمینداور کی طرف پہنچا ۔ اس لیے یہ بات غلط نہیں ہے کہ وہ تکناباد سے زمینداور کی طرف آیا ۔

تاریخ ہرات سیفی وہ واحد کتاب ہے کہ جو طبقات ناصری کے بعد اس مقام کا تعین کرتی ہے ۔ وہ اس کو ہیرمند اور ارغنداب کی وادی میں بتاتا

ہے اور اس حساب سے تکناباد افغانستان میں نہیں تھا اور ارغنداب کے مغرب کی طرف تھا ۔ بعض نے قندھار کے نزدیک کہا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے ۔

تاریخ سیفی میں ایک اور جگہ بھی اس کا ذکر آیا ہے ۔ اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ تکناباد افغانستان کے حدود سے اس وقت خارج تھا ۔

مبارک شاہ فخر مدبر نے آداب الحرب و الشجاعۃ میں بھی اس طرح ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکناباد آب گرم کے نزدیک تھا ۔

پنجدہ شہر مرو میں تھا ۔ اب بھی اس نام کا شہر ہرات و مرو کی شمالی حدوں پر واقع ہے ۔ پہلے کے مقابلے میں ویران ہے ۔ فاریاب شہر جوزجانان میں تھا کہ جس کو اب دولت آباد کہتے ہیں اور آج کل افغانستان کی ولایت میمنہ سے اس کا تعلق ہے ۔

میمند شہر قندھار کے مغرب میں ارغنداب کے کنارے تھا کہ اب اس کو میوند کہتے ہیں ۔ غزنویوں کے زمانے کا میمندیوں کا مشہور خاندان وہیں کا ہے ۔ موجودہ میمنہ کو مؤرخین اور جغرافیہ نویس میمند بھی لکھ دیتے ہیں اور دونوں مقامات میں سے ایک مراد ہوتا ہے ۔

راورٹی نے ترجمہ میں اغراق لکھا ہے ۔ عراق بھی لکھا گیا ہے ۔ صحیح اغراق ہے ۔ یہ ایک قبیلہ تھا ۔ حواشی میں ہم نے شرح کی ہے ۔

(۳۴) برکوشک

کوشک کے معنی محل کے ہیں کہ جو بلند اور بڑا ہو ۔ اسلام کے بعد فارسی میں یہ کلمہ اضافہ ہوا ۔ مرو میں احنف بن قیس نے جو محل بنایا تھا اس کو کوشک احنف کہتے تھے ۔ پہاڑوں میں جو محلات تھے ان کو کوشک کہتے تھے ۔ چنانچہ پہاڑ کے باشندوں کے حالات میں منہاج سراج نے اسی طرح لکھا ہے ۔

برکوشک ، سلاطین غوری کے زمانے کے مشہور محل تھے ۔ ایک خطی نسخے میں بزکوشک ہے جو بے معنی ہے اور برکوشک صحیح ہے ۔ بہت سے خطی نسخوں میں یہی لفظ برکوشک ہے ۔ پٹھہ خزانہ (پشتو کتاب) میں بھی یہی لفظ ہے ۔ بر پشتو میں بلند کو کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں لر ہے جس کے معنی پست ہیں ۔

اور یہ لفظ (بر) اکثر مقامات اور قبیلوں کے نام میں آتا ہے ۔ مثلاً بر ارغنداب (ارغنداب علیا) بر کوشک (کوشک علیا) بر پشتون (پشتون علیا) اور کلمہ بر فارسی میں بھی اسی معنی میں آتا ہے ۔ طبقات ناصری میں برکوشک جو آیا ہے وہ بھی اسی معنی میں آیا ہے یعنی کوشک علیا کہ یہ محل ایک بلند پہاڑ پر واقع ہے ، اس لیے اس کو (بر) کہتے ہیں ۔ وہ بلندی اور رفعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا ہے ۔ غوریوں اور غزنویوں کے زمانے میں کوشک محل کے معنی میں بہت مستعمل تھا ۔ اور اب بھی کوشک نخود ہے جو قندھار کے مغرب میں ہرات کے راستے پر واقع ہے ۔

(۳۵) مشہد سلطان معزالدین

دمیک ، دھیک

یہ جگہ جو سلطان معزالدین کا مشہد اور مقتل ہے طبقات ناصری میں مختلف املا سے لکھا گیا ہے ۔ ایک خطی نسخے میں دمیل اور دوسرے میں (دمیک) ہے ۔ راورٹی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اوراس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سلطان معزالدین کا مشہد (دمیک یا دھمیک) ہے لیکن یہ جگہ کہاں ہے ؟

سب سے اول ہم ابن اثیر کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ یہ کتاب (۶۲۸ھ) میں لکھی گئی اور یہ کتاب سلطان کی شہادت سے قریب تر زمانے کی ہے ۔ اس نے لکھا ہے کہ جب سلطان محمد بن سام غوری لھاور (لاہور) سے واپس ہوا تو عشاء کے وقت دمیک کی منزل پر مارا گیا ۔

ابن اثیر نے سلطان کی شہادت کے ۲۶ سال بعد یہ کتاب لکھی ہے اور اس سلسلے میں منہاج سراج کا قول بھی مطابقت رکھتا ہے ۔

اس کتاب کے بعد مؤرخوں اور مصنفوں نے اس واقعہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ، اس میں سلطان کے مقتل کا نام مختلف طرح سے لکھا ہے ۔ مثلاً ابوالفداء نے لکھا ہے کہ لاہور سے واپسی پر (دمیل) کی منزل پر شہادت پائی ۔ میر خواند لکھتے ہیں کہ فدائیوں نے (دمیک) کی منزل پر شہید کر دیا ۔ غیاث‌الدین خوند میر نے اس منزل کا نام (دمنک) لکھا ہے ۔ محمد قاسم فرشتہ (رلھک) لکھتا ہے ۔

ولیم بیل نے مفتاح التواریخ میں (دھیک) لکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ

یہ ایک گاؤں ہے جو غزنی کے مضافات میں دریائے نیلاب کے کنارے واقع ہے ۔ قاضی فقیر محمد نے دیبک لکھا ہے ۔ غلام حسین کہتے ہیں کہ وہ غزنی کے ایک دیہات میں شہید ہوا ۔ مرزا نصراللہ اصفہانی نے (رتھک) لکھا ہے کہ یہ مقام دریائے سندھ کے داہنے کنارے پر واقع ہے ۔ تذکرہ بہادران اسلام میں ددھمیک متصل سوہاوہ ضلع جہلم (پنجاب) لکھا ہے ۔ دائرۃ المعارف اسلامی میں دریائے سندھ کے کنارے (دمیک) لکھا ہے ۔ راورٹی کہتا ہے کہ اس نام کے بارے میں اختلاف ہے ۔ کچھ نے جہلم کے مغربی طرف بتایا ہے اور بعض دریائے نیلاب کے کنارے کہتے ہیں ۔ لیکن پہلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے اور خیال یہ ہے کہ یہ لفظ دمیک ہونا چاہیے ۔

چند سال پہلے اس موضوع پر مجلہ کابل میں کئی مقالے لکھے گئے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ سلطان کا مقتل اور آرام گاہ (دھیک) ہے کہ جو غزنی کلاں کے قریب ہے اور وہاں سے چھ کوس کے فاصلے پر حظیرہ اور گنبد ہے جو سلطان کا مقتل اور مزار ہے ۔

اس کے بعد آقائے گویا نے مجلہ کابل میں ایک اور مقالہ لکھا اور بعض توضیحات و تشریحات پیش کیں اور موضع دھیک متصل غزنی کو سلطان کا مشہد اور آرام گاہ بتایا ۔ اور کہا ہے کہ ابن حوقل اور مقدسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اسی دھک میں مسعود معد سلمان دس سال قید رہا ہے ۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ البیرونی غزنہ کا رہنے والا ہے ۔ اکثر مقامات کو اس نے بچشم خود دیکھا ہے ۔ وہ اپنی کتاب الصیدلہ میں جبال افغانیہ میں پرشاور (پشاور) اور ارض ہند کے قریب دھکہ بتاتا ہے ۔

پروفیسر زکی ولیدی توغان نے بھی الصیدلہ کے حاشیے میں دھک کو سرحد افغانستان پر پشاور کے راستے میں بتایا ہے ۔ لہٰذا وہ دھک جو غزنی سے چھ میل کے فاصلے پر ہے ، سلطان کا مقتل نہیں ہو سکتا ، اس لیے کہ سلطان دمیک میں شہید ہوا اور اس کا جنازہ پشاور اور تیراہ کے پہاڑوں سے کر،ان اور وہاں سے غزنی لایا گیا ۔ لہٰذا یہ دھیک غزنی کے قریب والا نہیں ہو سکتا ہے اور یہ واضح ہو گیا کہ دمیک جس کا ہندی املا (دھمیک) ہے ضلع جہلم پنجاب میں سوہاوہ کے قریب ایک مقام ہے جو اب بھی اسی نام سے مشہور ہے اور ہم نے اس دھمیک کو دیکھا ہے ۔ وہاں ایک ٹیلہ ہے کہ لوگ اس کو سلطان کی شہادت جانتے ہیں اور اس کی زیارت

کرتے ہیں ۔

(۳۶) شل ، سیلی

سلطان معزالدین کے ذکر میں ایک کلمہ "شل" آیا ہے ۔ ایک سیلی زد تھپڑ مارنا بھی آیا ہے ۔ پھر لکھا ہے کہ بازو پر سخت زخم آیا ۔ سیلی کے معنی فارسی زبان میں تھپڑ ہیں اور اس سے بازو پر زخم نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے ہم نے اس کی تصحیح "شل" سے کی ہے کیونکہ پشتو میں شل اور شلکی نیزے کو کہتے ہیں ۔ اور ان نیزوں کو غزنی کے شلگر میں بناتے ہیں ۔ شلگر اسم ظرف ہے جہاں نیزے بنتے ہیں ۔

راورٹی نے بھی اس کلمہ کو (شل) پڑھا ہے اور ترجمہ چھوٹا نیزہ کیا ہے اور یہ لفظ پشتو سے فارسی میں آیا ہے ۔ شعراء نے بھی اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے ۔

(۳۷) کرمان

اس شہر کا اس کتاب کے حواشی و تعلیقات میں متعدد مرتبہ ذکر آیا ہے ۔ مثلاً سلطان کے دمیک میں شہید ہونے کے بعد اس کے جنازے کو کرمان لے گئے اور وہاں سے غزنی لے گئے ۔ اسی طرح مغلوں کی تاخت و تاراج کے ذکر میں کرمان کا نام آتا ہے ۔ ابن اثیر نے ۶۰۲ھ کے واقعات کے ضمن میں اس جگہ کا ذکر کیا ہے ۔ اسی طرح ابن اثیر نے سلطان کی شہادت کے موقع پر اس جگہ کا ذکر کیا ہے ۔ بہرحال ابن اثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سوران و مکرھان و کرمان تیراہ کے پہاڑوں کے بعد ایک دوسرے سے نزدیک واقع تھے ۔ منہاج سراج اور ابن اثیر کے بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کرمان موجودہ کابل کے جنوب کی طرف اس ولایت کے مشرق میں وہ سرزمین ہے کہ جہاں جاجی اور منگل قبیلے رہتے ہیں اور تمام وادی کرم ، جنوبی سپین غر کا دامن اور دریائے سندھ کا دامن اس میں شامل ہیں ۔

راورٹی نے ان حدود کو اس طرح متعین کیا ہے کہ کرمان وہ سرزمین ہے کہ اس میں وہ درے اور وادیاں ہیں کہ اس کے دو طرف پہاڑ اور دریا ہیں ۔

جنوب میں سپین غر (کوہ سپید) سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور جنوب مغرب میں درۂ گومل کے جنوب تک اس کا سلسلہ چلتا ہے ۔ مغرب میں

کوہسار گردیز تک یہ سلسلہ چلتا ہے ۔ مشرق میں دریاے سندھ کے کنارے کا علاقہ ہے اور اس کا بڑا حصہ دریاے کرمہ سے سیراب ہوتا ہے ۔ غرض کرمان کا حدود اربعہ یہ ہے کہ شمال میں سلسلۂ جبال سپین غر (کوہ سپید) اور تیراہ مغرب میں گردیز و غزنہ کی وادی ، مشرق میں دریائے سندھ کا کنارہ اور جنوب میں کوہ سلیمان ۔

ابن اثیر میں سوران کا ذکر بھی آیا ہے ۔ یہ وہ سرزمین تھی کہ جو قوم سورانی سے متعلق ہے اور اسی کرمان کے قرب و جوار میں واقع تھی ۔ آج بھی ایک قوم سورانی نام کی اس علاقے میں رہتی ہے ۔

(۳۸) کتاب محرف بنام منہاج سراج

تقریباً ۵۰ سال کا عرصہ گزرا کہ بمبئی میں ایک مطبع سنگی میں ۸۸ صفحات کی فل اسکیپ سائز کی ایک کتاب چھپی تھی اور اس کا نام "سیاست الامصار فی تجربۃ الاعصار" تھا ۔ اس کے طابع نے اس کتاب کے مؤلف کا نام منہاج سراج لکھا تھا ۔ اس بات کی تفصیل ہم نے طبقہ (۲۳) کے شروع میں بیان کر دی ہے ۔

اس مطبع کا مالک مرزا محمد تھا جو بمبئی میں تاریخی و دینی کتابیں چھاپتا تھا ۔ اس نے طبقہ (۲۳) کے آخر کا کچھ حصہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا مطبوعہ یا کوئی خطی نسخہ لے کر اس کا وہی طبقہ ۲۳ یا تو جہالت سے یا جان بوجھ کر تجارت کی گرم بازاری کی غرض سے سابق الذکر نام سے چھاپ لیا ۔

مرزا محمد اور اس کے اعوان و انصار نے اصل نسخے میں تحریفات کر دیں ۔ کچھ مباحث حذف کر دیے اور بعض میں تحریف و تبدیلی کر دی جو ایک علمی و ادبی دیانت کے خلاف تھی ۔ ہم نے طبقہ ۲۳ کے صفحات کے حواشی میں ان تحریفات کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

کتاب کے طابع نے اس کے لیے ایک مجہول نام تراش لیا اور یہ تاریخ وصاف سے اخذ ہے جو دراصل جوینی کی جہان کشا کا ذیل ہے اور اس کا نام تجزیۃ الامصار و تزجیۃ الاعصار ہے ۔ اس کتاب کے ناشر مرزا محمد نے کتاب وصاف کے نام کو مسخ کر دیا ہے اور منہاج سراج کے نام سے مشہور کر دی ۔

کتاب کے شروع میں ناشر نے اصلی مؤلف کی طرف ایک مقدمہ بھی

لکھ دیا کہ اس کی انشا اور منہاج سراج کی انشا میں واضح فرق ہے ۔ اور ناشر نے دراصل یہ مقدمہ لکھ کر ایک قسم کا جعل کیا ہے اور منہاج سراج کے نام سے جعل کیا ہے ۔

(۳۹) وہ اسماء جو کلمہ "خر" سے شروع ہوتے ہیں

طبقات ناصری اور دوسری کتابوں میں جہاں سلطنت غوری اور مغلوں کے ابتدائی خروج کا ذکر آتا ہے وہاں ایسے بہت سے کلمے آتے ہیں کہ جن کے شروع میں "خر" آتا ہے ۔ مثلاً خرمیل ، خرنک ، خرزور ، خرچم ، خرپوست وغیرہ کہ یہ اس خاندان کی اہم جنگی شخصیتیں اور ادارے ہیں ۔ غوریوں کے دربار کے بہت سے مشہور اشخاص کے نام اسی طرح کے ہیں ۔

ابن اثیر نے غوریوں کے زمانے کے واقعات میں ابن خرمیل کا بار بار نام لیا ہے کہ وہ بہت دنوں تک ہرات پر حکمران رہا ۔ اسی طرح غوریوں کے زمانے کے مشاہیر خرجم (خرجوم) کا نام طبقات ناصری میں ہے ۔ اسی زمانے میں محمد علی خرپوست غزنہ میں حکمران تھا ۔ ابن اثیر نے سپہ سالار خروش غوری اور خرنک غوری کے نام بھی لکھے ہیں کہ جو سلطان شہاب الدین کے معاصر ہیں ۔

مسٹر راورٹی نے بھی ان ناموں کے رنگ و آہنگ کی وحدت پر توجہ کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ غور کے مشاہیر اور ملوک کے اکثر ناموں میں خر Ass ہوتا ہے جیسے خرچم (Ass Energy) ، خر زور (Ass Power) ، خرپوست (Ass Skinned) ، خرلک یا خرنک (Ass plate or lipped) ۔ جنھوں نے تاریخ باختر کا مطالعہ کیا ہے ان کے علم میں ہے باختر کے لوگ گھوڑے (اسپ) کی طرف نسبت کو کیسا سمجھتے تھے ۔ اوستا اور دیگر تاریخی کتابوں میں ایسے کلمے ہیں جن میں اسپ کا لفظ ہے مثلاً لہراسپہ ، گشتاسپہ زرسپہ وغیرہ ۔ شاید بعد کو یہ انتساب "خر" میں تبدیل ہو گیا اور اکثر مشہور لوگوں کے نام میں شامل ہے ۔ پشتو کے بعض لوگوں اور قوموں کے نام میں بھی یہ لفظ آتا ہے مثلاً خرشبون اور خروتی ۔

اس تاریخی مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ حیوانات مثلاً گائے (گاؤ) ، گھوڑا (اسپ) اور گدھا (خر) وغیرہ کی طرف انتساب برا نہیں سمجھا جاتا تھا اور انسانی ناموں میں یہ لفظ شامل تھے ۔ لیکن شیوع اسلام کے بعد یہ رواج ختم ہو گیا اور عربی نام رواج پذیر ہو گئے ۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ (غر) (خر) کی تصحیف ہو جس کا معنی پہاڑ ہیں اور خ (غ) سے بدل گئی ہو - فارسی میں خر کا لفظ بزرگی کے معنی میں آتا ہے -

(۴۰) کیری ، گیری ، گبری

طبقات ناصری میں اس قلعہ کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے : ایک تو سلطان مسعود کے ذکر میں کہ وہ وہاں قید رہا - اور دوسری مرتبہ جب (گیری) تک اس کا تعاقب کیا گیا - اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قلعہ اٹک اور دریاے سندھ سے ماورا واقع ہے کہ پنجاب اور صوبہ سرحد کی حدود وہاں سے شروع ہوتی ہیں - تاریخ کی کتابوں میں یہ نام مختلف طرح آیا ہے -

بیہقی لکھتا ہے کہ سلطان مسعود قلعہ کیری میں مارا گیا -

بیہقی کے خطی نسخے میں کیری کو گیری لکھا ہے -

ابن اثیر نے اس کو کیکی لکھا ہے -

گردیزی نے اس کو قلعہ کسری لکھا ہے -

اس سلسلے میں ہم ابن اثیر پر اعتماد نہیں کر سکتے لیکن گردیزی کا بیان قابل اعتنا ہے ، اس لیے کہ اس کی کتاب کا خطی نسخہ کیمبرج اور آکسفورڈ میں ہے اور اس کا دور مسعود سلطان سے قریب ہے - اس کی کتاب کے ایک حصے کو مرحوم محمد قزوینی نے چھاپ دیا ہے اور اس میں کسری لکھا ہے - لیکن طابع و ناشر نے صحت کا التزام نہیں کیا اور یہ نام دوسری جگہ دوسری طرح لکھا ہے - ظاہرا یہ کاتبوں کی تصحیف ہے -

طبقات ناصری کے نسخوں میں یہ نام مختلف طرح آیا ہے - مطبوعہ اور خطی دونوں میں کیری اور کبری ملتا ہے - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نقطہ لگانے میں بے احتیاطی ہوئی ہے - راورٹی نے اپنے خطی نسخوں سے اس لفظ کو کبری ، گیبری اور گیری لکھا ہے - وہ کہتا ہے کہ قدیم نسخوں پر اگر اعتماد کیا جائے تو یہ لفظ گیری یا گیبری ہے اور گبر نام کا باجوڑ میں ایک شہر ہے - اگر راورٹی کا قول صحیح ہے تو صحیح گبری ہوگا کہ راورٹی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے - دوسرے مؤرخین مثلاً میر خوند اور فرشتہ نے بھی اس کو گیری یا کبری لکھا ہے - لیکن بقول راورٹی اگر اس قلعہ کو ہم باجوڑ میں سمجھیں تو اس کو اٹک کے اس طرف ہونا چاہیے - اور بعض مؤرخوں نے اس کا اس طرح بھی ذکر کیا ہے کہ اس مقام کو

اٹک کے ماورا ہونا چاہیے ۔

ابوالفضل نے آئین اکبری (ج ۲ ، ص ۱۵۹) میں ایک مقام گھری بتایا ہے کہ جو بہت کے کنارے ہزارہ میں ہے اور اس کا تعلق دوآبہ چھنت صوبہ لاہور سے ہے ۔ اور اسی دوآبے کو آج کل چچھ کہتے ہیں کہ جو جہلم اور سندھ کے درمیان واقع ہے ۔

میرا خیال یہ ہے کہ مؤرخین کا کیری یا گیری وہی ہے جس کو ابوالفضل گھری لکھتا ہے کہ آج بھی گری حبیب اللہ اور گری نجیب وغیرہ ہیں ۔

(۴۱) غرجہ و مرغزی

قلعہ اشیار میں امیر غرجہ ، امیر محمد مرغزی نام کا تھا ۔ غرج اور غرجہ پر حاشیہ (۲۹) لکھا جا چکا ہے ۔ اشیار ؛ شار کی جمع ہوگی کہ غرجہ اور غرجستان کے بادشاہ کو اسی نام سے پکارتے تھے ۔ مرغزی ؛ مروخراسان کی طرف منسوب ہوگا کہ پہلوی زبان میں مروزی اور دری زبان میں مرغزی کہتے ہیں ۔

یہاں کے ایک مشہور عارف ابو یزید مرغزی تھے کہ جو شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ ہروی کے معاصر تھے اور ابو یزید مرغزی کو خراسان کے فقہاء میں شمار کیا جاتا ہے ۔ مولوی کہتا ہے :

گرچہ باہم مرغزی و رازیند — لیکہ باہم در شریک بازیند

سنائی نے بھی مرغزی کا ذکر کیا ہے :

ابلہی مرغزی بشہر ہری — سوی بازار برد لاشہ خری

مرغز (کرگس کے وزن پر) ہرات کے جنوب میں ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہریرود کے شمالی ساحل پر اب تک موجود ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ نسبت اسی طرف ہو ، کیونکہ ابو یزید مرغزی خراسان کے فقیہہ و عارف وہیں کے تھے ۔

(۴۲) خول مانی

پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ قلعہ سنگہ یا سنجہ غور کا مشہور ترین قلعہ تھا ۔ بقول منہاج سراج اس کو خول مانی بھی کہتے تھے اور یہ نام بھی غور کے شہروں و قصبات کی طرح ہیں کہ جو پشتو ہیں ۔ غوریوں کی زبان پہلے پشتو تھی ۔

کلمہ خول بر وزن شور کے معنی خود یا کلاہ آہنی کے ہیں کہ جس کو جنگ میں سر پر پہنتے ہیں اور مانی پشتو میں محل کو کہتے ہیں - پس خول مانی ایسے محل کو کہتے ہیں کہ جو کلاہِ آہنی کی شکل کا ہو اور شاید شاہی محل اسی طرح کا بنا ہو یا ایسا محل ہو کہ شاہی تاج اس میں رکھتے ہوں -

(۴۳) بنیان

مؤلف نے بنیان کا ذکر مغل لشکر کے ساتھ کیا ہے کہ ملک حسن قرلغ مغل لشکر سے شکست کھا کر غزنین و کرمان و بنیان سے ملتان و سندھ کی طرف آیا -

کرمان کی شرح کی جا چکی ہے - بنیان بھی ملتان و غزنہ کے درمیان ہوگا - ہمارے خیال سے یہ بنیان موجودہ بنوں ہے اور بنوں کرمان سے اس طرف دریائے سندھ پر واقع ہے -

ضلع بنوں صوبہ سرحد میں موجود ہے - اس شہر کی ایک مشہور شخصیت ملک القضاۃ صدر جہاں فیض اللہ بن زین العابدین بن حسام بنیانی ہے کہ محمود شاہ بیگڑہ بادشاہ گجرات کے دربار میں تھے اور ۹۰۳ھ میں اس بادشاہ کی طرف سے دکن میں سفارت پر گئے تھے اور اسی سال انھوں نے کتاب مجمع النوادر لکھی اور ۹۰۷ھ میں طبقات ناصری کے تتبع میں طبقات محمود شاہی لکھی - بلاذری نے بنوں—بنیان کو بنہ لکھا ہے اور ملتان و کابل کے درمیان بتایا ہے - فخر مدبر مبارک شاہ نے بنو لکھا ہے -

(۴۴) طبقات ناصری کے نسخے

یہاں ہم طبقات ناصری کے تمام مطبوعہ اور خطی نسخوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اب تک معلوم ہوئے ہیں :

۱- نسخہ مطبوعہ کلکتہ: یہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی طرف سے ۱۸۶۴ء میں کلکتہ سے شائع ہوا ہے اور کالج پریس کلکتہ میں چھپا ہے - تصحیح و اہتمام کے فرائض کپتان ولیم ناسولیس Captain W. Nassauless ، مولوی خادم حسین اور مولوی عبدالحی نے انجام دیے ہیں - اس کتاب میں ۲۳ طبقات میں سے صرف چھ طبقات طبع ہوئے ہیں کہ جو تاریخ ہند سے متعلق ہیں -

اس مطبوعہ نسخوں میں بہت سی فاحش غلطیاں ہیں جن کا ہم نے حواشی میں ذکر کر دیا ہے مگر اس کے باوجود اس میں بعض خوبیاں بھی ہیں ۔ وسالیس نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس اڈیشن کی ترتیب و طباعت کے وقت ان کے سامنے چار خطی نسخے رہے تھے :

۱۔ نسخہ خطی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۔

۲۔ خطی انڈیا آفس لائبریری ۔

۳۔ خطی بمبئی کے ایک پارسی بزرگ کا تھا ۔

۴۔ کرنل ہملٹن نے دہلی سے بھیجا تھا ۔

لیکن ان نسخوں میں دو نسخے ایک دوسرے کی نقل تھے ، اس طرح گویا ان کے سامنے دو ہی خطی نسخے رہے ۔

انگریزی ترجمہ طبقات ناصری : مسٹر راورٹی ایک مشہور مستشرق ہیں ۔ وہ پشتو ، فارسی ، عربی ، سنسکرت اور ہندوستان کی دوسری زبانوں میں مہارت رکھتے تھے ۔ انھوں نے طبقات ناصری کا انگریزی ترجمہ کیا جس سے ہم نے استفادہ کیا ہے اور وہ (انگریزی ترجمہ) ہمارے مآخذ میں رہا ہے ۔ راورٹی نے ۱۸۶۵ء سے طبقات ناصری کا مطالعہ کیا اور ۱۸۸۱ء میں اس نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ۔

اس کی دو جلدیں ہیں ۔ شروع میں اس نے مصنف کا حال اور مقدمہ لکھا ہے اور ہم نے اس سے استفادہ کیا ہے ۔ شروع کے چھ طبقات کا خلاصہ دے دیا ہے اور طبقہ ۷ سے طبقہ ۲۲ تک مکمل ہیں ۔ دوسری جلد میں طبقہ ۲۳ سے طبقہ ۲۳ تک کا حال ہے ۔ اس کے بعد چار ضمیمے ہیں اور آخر میں (۲۷۳) صفحات میں تاریخی و جغرافیائی اعلام کی مفصل فہرست ہے ۔ یہ دونوں جلدیں ۱۸۸۱ء میں لندن سے طبع ہوئی ہیں ۔

حواشی میں برصغیر کے تاریخی کے مآخذ سے استفادہ کیا ہے ۔ ان کے علاوہ پشتو کی کتابیں بھی ان کے سامنے رہی ہیں ۔ راورٹی کے سامنے بارہ خطی نسخے تھے :

(۱) نسخہ شاہی پٹرسبورگ ۔ (۲) نسخہ برٹش میوزیم لندن ۔ (۳) ایک قدیم نسخہ۔ راورٹی کے خیال میں یہ سب سے قدیم ہے ۔ (۴) کتب خانہ اکاڈمی علوم پٹرسبورگ ۔ (۵) انڈیا آفس لائبریری ۔ (۶) (۷) کتب خانہ ملی پیرس ۔ (۸)،(۹) نسخہ اول برٹش میوزیم نسخہ دوم اکاڈیمی علوم

پٹرسبورگ - (۱۰) کتب خانہ کالج ہیلیبوری - (۱۱) کرنل ہملٹن - (۱۲) وہ نسخہ جو کرنل ہملٹن نے ناسولیس کو بھیجا تھا -

پانچ دوسرے نسخے :

پروفیسر محمد شفیع نے اطلاع دی ہے کہ طبقات کے چار نسخے اور ہیں : (۱) نسخہ پنجاب یونیورسٹی - (۲) نسخہ بانکے پور - (۳) نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن - (۴) کرزن کلکشن ، کلکتہ -

بمبئی کا مطبوعہ نسخہ : پہلے ذکر آ چکا ہے کہ مرزا محمد نے طبقات ناصری کے طبقہ ۲۳ کو جعلی نام سے چھاپ دیا تھا -

نسخہ خطی اور اصل ماخذ : اس کتاب کی تصحیح و ترتیب و طبع کا جس نسخہ پر دار و مدار رہا ہے ، وہ خاکی کاغذ پر نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے - تاریخ تحریر اور کاتب کا نام درج نہیں ہے - پہلا ورق بھی نہیں ہے - طرز تحریر سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ۹۰۰ھ تا ۱۰۰۰ھ کے درمیان یہ کتاب خراسان میں لکھی گئی ہے - بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مؤلف کا لکھا ہوا ہے - آخر میں ہے :

"کتب المنہاج فی الخامس من ربیع الاول سنہ ثمان و خمسین وستمایہ"

لیکن کتاب اتنی غلط لکھی گئی ہے اور اتنی فاحش غلطیاں ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مؤلف کا تحریر کردہ نسخہ نہیں ہے -

(۴۵) صاحب وزیر

یہ شخص غوری حکومت کے زمانے کا مشہور آدمی تھا اور سلطان علاءالدین حسین غوری کا وزیر تھا - ابن اثیر نے اس کا نام عمادالملک خواجہ صاحب لکھا ہے - اور وہ "صاحب وزیر" کے عرف سے مشہور تھا - ابن اثیر کہتا ہے کہ اس کا عرف خواجہ صاحب تھا اور مؤرخوں میں "صاحب وزیر" مشہور ہے -

(۴۶) ملک الکلام فراہی

مؤلف نے اسے ملک الکلام ، امام شرف الدین احمد فراہی لکھا ہے اور بہرام شاہ کے بیان میں ذکر کیا ہے - مرحوم محمد قزوینی لباب الالباب کے تعلیقات میں لکھتا ہے کہ اس کو ابو نصر بدرالدین محمود (یا مسعود)

ابن ابی بکر بن الحسین بن جعفر الفراہی صاحب نصاب الصبیان کے ساتھ اشتباہ ہو گیا ہے کہ دونوں ہم عصر ہیں ۔

عوفی ؛ اس کا نام الامام شرف الدین محمد بن محمد الفراہی لکھتا ہے اور صاحب فضل و کمال بتاتا ہے ۔ اس کی رباعیات نہایت عمدہ ہوتی ہیں ۔ جب محمد عوفی فراہ سے گزرا ہے تو اس سے ملا ہے ۔

(۴۷) راورٹی

ہنری جارج راورٹی مشہور مستشرق ہے ۔ وہ افغان شناسی میں مشہور ہے اور اس نے پشتو زبان کی بہت سی کتابیں چھاپی ہیں ۔ وہ سپاہی آدمی تھا ۔ اس نے ایک مدت فوجی ملازمت میں گزاری ۔ زبان شناسی میں اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا ۔ سنسکرت ، اوستا ، ہندوستان کی زبانیں ، فارسی اور خاص طور سے پشتو میں ماہر تھا اور اس زبان کے بولنے والوں پر اس کے احسان تاابد رہیں گے ۔ چونکہ راورٹی نے طبقات ناصری کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے لہٰذا اس کے مختصر سے حالات دیے جاتے ہیں ۔ وہ ۳۱ مئی ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوا ۔ اس کے باپ کا نام پیٹر راورٹی تھا ۔ اس نے فالموت (Falmouth) اور پنزانس (Penzance) میں تحصیل علم کی اور ۱۸۴۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجی ملازمت میں آیا ۔ ۱۸۶۳ء میں میجر کے منصب پر پہنچا ۔ ۱۸۶۴ء میں وہ سول ملازمت میں آیا ۔ ملتان میں ۱۸۴۸ء میں ، پنجاب میں ۱۸۴۹ء میں اور ۱۸۵۰ء میں رہا ۔ گجرات ، سرحد شمالی صوبہ اور سوات اور اضلاع پشاور کا ۱۸۵۰ء میں بندوبست کیا ۔

۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۹ء تک پنجاب کے حاکم کا مددگار رہا اور اس نے مشرقی زبانوں کا مطالعہ شروع کردیا ۔ اس کی مندرجہ ذیل تصنیفات ہیں :

(۱) پشتو گرامر طبع کلکتہ ۱۸۵۵ء ۔
(۲) فرہنگ مصطلحات (تعمیرات و انجینیری) طبع ۱۸۵۹ء ۔
(۳) منتخبات اشعار افغانی طبع ۱۸۶۲ء ۔
(۴) قاموس پشتو بہ انگلش ۔ یہ پہلی قاموس ہے جو اس زبان میں لکھی گئی ۔ طبع ۱۸۶۰ء ۔
(۵) اشعار پشتو در قرن ۱۶ (با ترجمہ انگلش) انتخاب خوشحال خاں مع مقدمہ ۔
(۶) داستان ایسف الحکیم ۔ قدیم مشہور قصے کو پشتو میں

ترجمہ کیا - طبع ۱۸۷۱ء -

(۷) ترجمہ طبقات ناصری - فارسی سے انگریزی میں -

(۸) افغانستان و بلوچستان سے متعلق یادداشتیں ۱۸۸۸ء -

(۹) مضامین متعدد جغرافی و تاریخی و علم الانساب در مجلہ انجمن بنگال از ۱۸۵۴ء تا ۱۹۰۵ء -

(۱۰) ہرات و خراسان سے متعلق تاریخی تحقیقات آغاز اسلام سے -

(۱۱) تاریخ مشرق سے متعلق تین اور کتابیں -

(۱۲) گلشن روہ ، انتخابات نظم و نثر پشتو ، طبع ۱۸۶۰ء -

(۱۳) قاموس انگلیسی بہ پشتو ۱۸۹۷ء میں لکھی - معلوم نہیں تمام ہوئی یا نہیں -

(۱۴) مینول پشتو Manual of Pashtu

اس دانشور کی یہی کتابیں معلوم ہو سکیں - اس نے پشاور کے قیام کے دوران افغانوں کے ملی ترانے بھی جمع کیے تھے - ہمیں اس فاضل کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے - شاید ۱۹۰۰ء تک زندہ تھا - اس نے ہندوستان اور پشاور کے قیام کے زمانے میں فارسی اور پشتو کے بہت سے خطی نسخے جمع کیے تھے - اس کے نام سے برٹش میوزیم میں ایک کلیکشن ہے -

(۴۸) ملحقات طبقات ناصری

ہمیں اس کتاب کی تفصیلی اطلاع نہیں ہے - لیکن قاسم فرشتہ کے پاس اس کی کتاب کی تدوین کے زمانے میں اس کے سامنے رہی ہے اور اس نے اسے اپنا ماخذ بتایا ہے - اس کا مؤلف شیخ عین الدین بیجاپوری تھا - یہ کتاب فرشتہ سے پہلے ہندوستان میں قریباً ۱۰۱۵ھ میں لکھی گئی - عین الدین بیجاپوری نے منہاج سراج کے بعد سے اپنے زمانے تک کے حالات اس میں لکھے ہیں - اس کے کسی خطی نسخے کا ہمیں علم نہیں - حیدرآباد دکن میں جو تاریخ ہند (بزبان اُردو) لکھی گئی ہے ، اس سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے -

(۴۹) التتمش

یہ نام اصل نسخے میں مختلف املا : ایلتمش ، التمش اور التتمش لکھا گیا ہے - کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ میں عموماً التمش ملتا ہے - دوسرے مؤرخوں مثلاً فرشتہ ، سجان رائے اور لین پول نے بھی مختلف املا لکھا

ہے کہ کسی میں ایلتمش اور کسی میں ایلتتمش لکھا ہے ۔ لیکن قدیم نسخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا پہلا جز (ایل) ہوگا ، جیسے ایل ارسلان ، ایلدوز ۔ لیکن دوسرا حصہ قلیتمش جیسا ہوگا ۔ بدایونی کہتا ہے کہ ترکوں کا جو بچہ چاند گرہن کی رات میں پیدا ہوتا ہے اسے ایلتمش I-yal-Timish کہتے ہیں ۔ لیکن راورٹی اس وجہ کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے اور متن ترجمہ میں اس نے ایلتمش کو ترجیح دی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ رضیہ سلطان کے ایک سکہ پر جو ۶۳۴ھ میں دہلی میں ضرب ہوا ہے ، سلطان رضیہ بنت شمس‌الدین ایلتمش لکھا ہے ۔ لیکن میں نے اس کتاب میں التتمش کی تمام شکلوں کو اختیار کیا ہے ۔ طبقات ناصری کے مؤلف نے ایک جگہ التتمش لکھا ہے ۔ ایک قصیدے کا مطلع ہے :

آں شہنشاہے کہ حاتم بذل و رستم کوشش است

ناصر دنیا و دین محمود بن التتمش است

منہاج سراج کے تقریباً ایک قرن کے بعد عصامی نے فتوح السلاطین لکھی ہے ، اس میں بھی التتمش لکھا ہے ۔ شعر یہ ہے :

غرض چونکہ خورشید روئے زمیں

شہ التتمش آں شمس دنیا و دین

عصامی دوسری جگہ لکھتا ہے :

کہ چوں ناصرالدین روشن ضمیر

کہ بد پور التتمش ہند گیر

شمس‌الدین کا ایک معاصر شاعر ''تاج ریزہ'' لکھتا ہے :

حامی آفاق التتمش کہ عزم و جزم او

گرد بر گرد جہاں حصن حصین آوردہ اند

یہ ہم عصر شاعر ہے اور اس دور کے اہل علم التتمش لکھتے تھے ۔ لیکن دوسرا املا بھی عام تھا مثلاً سکوں پر ملتا ہے :

۱- سلطان المعظم شمس الدنیا و الدین ابوالمظفر التیمش القطبی بزمان امیرالمؤمنین ۔

۲- ایک طرف ''السلطان ایلتمش'' ۔

دوسری طرف سنسکرت میں سری سلطان لی تت مسی سموت ۱۲۸۳ ۔

قطب مینار دہلی کے ایک کتبے میں ہے (دوسری منزل) :

"امر باتمام هذه العمارة الملک المؤید من السما شمس الحق و الدین ایلتمش سلطانی ناصرالمؤمنین'' ۔

اسی منزل اور اسی مینار پر مرقوم ہے :

''السلطان الاعظم ۔ ۔ ۔ ابوالمظفر ایلتمش السلطانی''

(۵۰) لشین یا بشین

اس لفظ کا املا طبقات ناصری کے نسخوں اور دوسری کتابوں میں مختلف ہے اور اصل نسخے میں افشین ہے ۔ جغرافیے کی قدیم ترین کتاب فارسی حدود العالم ہے : اس میں غرجستان کو بشین لکھا ہے کہ یہی بات زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ مصنف خود جوزجانی ہے ۔

یاقوت معجم البلدان میں کہتا ہے کہ بقول اصطخری غرج کے دو شہر ہیں : ایک بشین اور دوسرا سورمین اور ان دونوں کے درمیان میں ایک منزل کا فاصلہ ہے ۔ مراصد الاطلاع میں یہ نام (بسنین) چھپا ہے ۔ ممکن ہے غلط چھپا ہو ۔ کابل میوزم میں ایک کتاب ''اشکال العالم'' ہے ۔ اس میں بھی غرجستان کے دو شہر بتائے ہیں : ایک نشین اور دوسرا شورمین ہے ۔ چونکہ اشکال العالم خط و املا کے اعتبار سے قابل اعتماد نہیں ہے لہٰذا یہ قابل توجہ نہیں ہے ۔ بعض مؤرخوں نے اسے ابشین لکھا ہے (ارض خلافت شرق) کہ اصل اس کی افشین ہے ۔ ایک شکل نشین بھی ہے ۔

(۵۱) قاضی القضاۃ فخرالدین عبدالعزیز کوفی

قطب‌الدین ایبک کے ذکر میں اس کا نام آیا ہے ۔ وہ خراسان کا مشہور علمی شخص تھا ۔ محمد عوفی اس کو الصدرالاجل العالم برہان الملۃ والدین محمد بن عبدالعزیز الکوفی لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ عبدالعزیز کوفی ابوحنیفہ ثانی تھا ۔ نیشاپور میں قاضی وقت تھا ۔ اس کا بیٹا برہان الدین بھی علم و فضل میں شہرت رکھتا تھا ۔ محمد قزوینی نے لباب الالباب کے حاشیے میں ان کا ذکر کیا ہے ۔

(۵۲) سرجاندار

سرجاندار کے معنی سر سلاحدار ہیں (جان معنی سلاح ، دار معنی

دارنده) فخرالدین خطاط ہروی کہتا ہے :

آن ترک کہ یافت منصب جانداری
یک لحظہ نمی شکیبد از دلداری
گفتم دل من نگہ نمی‌داری ؟ گفت
جانداران را چہ کار با دلداری

طبقات ناصری میں سر جاندار اور جاندار دونوں آیا ہے کہ جس کے معنی افسر محافظ ، افسر سلاحدار اور شاہی گارد کے کمانڈر کے ہوتے ہیں ۔ دوسرا (جامدار) وہ آدمی ہے کہ جس کے متعلق شاہی مشروبات و ماکولات اور لباس ہوتا ہے کہ جس کو اب ''پیش خدمت'' کہتے ہیں ۔ یہ دونوں درباری منصب ہندوستان اور خراسان میں ہوتے تھے ۔

(۵۳) شرح حال منہاج سراج

کابل میں ایک خطی مجموعہ ''مجمع المضامین'' کے نام سے دیکھا گیا کہ اس کو ہندوستان میں قمرالدین خان کوکب نے جہانگیر کے لیے لکھا ہے ۔ اس کی تاریخ تحریر ۱۰۲۲ھ ہے ۔ غالباً وہ خود کوکب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ۔ اس کا پہلا حصہ قدیم شعرا خصوصاً التتمش اور قباچہ کے دربار کے شعرا کے حالات میں ہے ۔ اس میں وہ اسماعیل زرریس کے احوال میں لکھتا ہے :

''این یکہ تاز میدان بلاغت را در شرح حال منہاج سراج جوزجانی رسالہ مستوفائی است''

زرریس کے اس لکھے ہوئے رسالہ کے متعلق اور کوئی معلومات نہیں ملتی ہے ۔

(۵۴) تینگو یا تاینگو طراز

یہ لفظ خطی نسخے کے مطابق ''بانیکو طراز'' چھپا ہے ۔ اصل میں یہ لفظ تینگو یا تاینگو ہے ۔ طراز ، ترکستان کی سرحد پر سیحوں کی طرف ایک شہر ہے ۔ لیکن تاینگو ، قراختائیوں کا ایک بڑا امیر تھا کہ جو طراز کی جنگ عظیم میں (۶۰۷ھ) خوارزم شاہ کی قید میں آ گیا تھا اور پھر اس کو دریا میں ڈبو دیا تھا ۔ قاضی شمس‌الدین . . . بن منصور بن محمود اوز جندی

نے تینگو کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا ہے جس کا مطلع ہے :

بر خیز کہ شمعست و شرابست و من و تو
آواز خروس سحری خاست ز ہر سو

لباب الالباب میں بھی تاینگو طراز کا ذکر ملتا ہے -

(۵۵) ملک تاج الدین تمرانی

اس سردار (تمرانی) کی لڑکی سلطان غیاث الدین محمود کے عقد میں تھی اور وہ سلطان بہاءالدین سام کی ماں تھی - عوفی نے ملک تاج الدین تمران کی تیزی طبع اور اشعار کی طراوت کی تعریف کی ہے ، اور اس کا یوں ذکر کیا ہے :

''الملک المعظم تاج الدین تمران شاہ : شاہزادہ و گوہر زادہ ، ہم نسبتی عالی و ہم کرمی متوالی داشت'' اس کے اشعار کا نمونہ بھی دیا ہے -

(۵۶) تاجیک ، تازیک

طبقات ناصری میں جمع ''تازیکاں'' آئی ہے - ماوراءالنہر اور افغانستان کے ایک قدیم آریائی فارسی زبان کے قبیلے کا نام ہے -

مرحوم ملک الشعرا بہار نے طبقات ناصری میں ''تات'' بمعنی تازیک پڑھا ہے لیکن ہمیں کسی نسخے میں نہیں ملا - اور انہوں نے توجیہہ یہ کی ہے : ایرانی اجنبیوں کو تازیک یا تاجیک کہتے تھے - مشہور مستشرق المانی مارکوارت کہتا ہے کہ یہ کلمہ ''تاچیک'' سے لیا گیا ہے - ترکی میں اس کے معنی زیردست اور مغلوب کے ہیں -

ہمیں ان دونوں قولوں کے قبول کرنے میں تامّل ہے - مؤرخین کے بقول تاجیک قدیم ایرانی ہیں اور ان کی زبان تاجیک بھی فارسی زبان کی دوسری شاخوں کی طرح قدیم ہے - اگر یہ لفظ ترکوں کی طرف سے اجنبیوں کو دیا جاتا تو اس کو لوگ بطور فخر کیوں قبول کرتے اور زبان کو اس نام سے کیوں موسوم کرتے - حقارت و طنز کے نام کو کون پسند کرتا ہے - تاجیک اپنے کو لوگ بطور فخر کہتے ہیں -

تاجیک قدیم نام ہے اور بصورت تژیک زبان ختنی میں ملتا ہے اور سفرنامۂ ختن میں یہ نام آیا ہے جو قدیم آریائی ختنی زبان میں ہے - یہ

کتاب (۳۰۰ھ تا ۴۰۰ھ) کی تالیف ہے - یہ قدیم ترین زبان کا کلمہ ہے - اور آریائی اصل قبیلے کا قدیم نام ہے کہ جو آمویہ کے دونوں طرف بستے ہیں -

(۵۷) مزار امام یحییٰ در سرپل

حضرت یحییٰ (بن زید بن زین العابدین بن حسین بن علیؓ ابن ابی طالب) کی ماں کا نام ریطہ تھا اور وہ اس لڑائی میں جو اسلم بن احوز سے روز جمعہ ماہ شعبان ۱۲۵ھ میں ہوئی تھی شہید ہوئے تھے - جس گاؤں میں شہادت ہوئی اس کا نام ارغوی جوزجانان ہے کہ جس کو اب قراغو کہتے ہیں - ان کی عمر ۱۸ سال تھی - یہ گاؤں افغانستان کے شمال میں سرپل سے ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر بلخ و میمنہ کے درمیان واقع ہے - اسی میں امام یحییٰ کی قبر ہے - اس پر کتبہ لگا ہوا ہے - رسم الخط قدیم ہے - غزنویوں یا سامانیوں کے دور سے تعلق رکھتا ہے - مقام شہادت کو مختلف لوگوں نے مختلف املا سے لکھا ہے لیکن صحیح ارغوی ہے جس کو اب قراغو کہتے ہیں -

(۵۸) بحیرا و نسطورا

سیرت ابن ہشام کا مؤلف ابن اسحاق کے حوالے سے بحیرا کی داستان بیان کرتا ہے کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارت کے قافلے میں شام گئے تو انھوں نے بصرے میں بحیرا راہب کو دیکھا اور جب اس نے حضرت محمد صلی‌اللہ علیہ وسلم کے اوپر سایۂ ابر دیکھا تو اس کو اس نے آثار نبوت سے سمجھا -

اسی بات کو جریر طبری نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے - مؤرخین نے راہب کے نام میں اختلاف کیا ہے - بہت سے مؤرخین نے نام نہیں لکھا - کسی نے بحیرا اور بعض نے ''نسطور'' لکھا ہے - ابن اسحاق میں نام نہیں ہے - ابن سعد اور سیرت الحلبیہ میں نسطور لکھا ہے - ابن اثیر نے بحیرا لکھا ہے -

بحیرا کی زندگی اور حالات و واقعات کے متعلق ہمیں کچھ نہیں ملتا - یہاں تک کہ نولد نے اس قسم کی شخصیت کے وجود ہی سے انکار کیا ہے - لیکن ایک مخطوطہ سریانی میں ملا ہے - اس کو (Richard Gottheil) نے مجلہ آشوریات B-XIII 1813 میں شائع کر دیا ہے - اس سے بحیرا کے مسئلے پر روشنی پڑتی ہے - اس سریانی داستان میں بحیرا - اس کے سفر بیت المقدس

اور طور سینا کا ذکر ہے اور اس میں بحیرا سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا بھی بیان ہے ۔ یہ بحیرا ثقافت ، علم اور معجزات کا ماہر تھا ۔ لیکن اس سریانی ماخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بحیرا اس کا نام نہ تھا بلکہ اس کا لقب تھا ۔ اس کا حقیقی نام سرجیس تھا ۔ مسعودی نے بھی مروج الذہب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

(۵۹) بجکم

ہم نے تعلیق نمبر ۱۸ میں بجکم کی وضاحت کی ہے جو تشنہ ہے ۔ ہم نے کہا ہے کہ یہ نام ترکوں میں مستعمل تھا ۔ محمود بن حسن بن محمد کاشغری دیوان لغات الترک میں لکھتا ہے کہ : بجکم میں ب پر زبر ہے ، ج ساکن ہے اور کاف پر زبر ہے ۔

بجکم جنگلی گائے تھی ۔ اس کی دم اور بالوں سے علم یا جھنڈے کا نشانہ بناتے تھے اور اس جھنڈے کو بھی بجکم کہتے تھے ۔

(۶۰) لاویک ، الوک

ان کلموں کا املا عہد اسلام اور زمانہ قبل از اسلام میں مختلف رہا ہے ۔ قبل اسلام اور ظہور اسلام کے وقت کابل ، غزنہ ، گردیز کے علاقے میں ایک خاندان حکمرانی کرتا تھا ، اور بقول لنگورث تقریباً ۲۶۰ھ میں غزنہ کے علاقے کا حکمران شاہ لاویک تھا ۔ (دائرۃ المعارف اسلامیہ ۲ صفحہ ۱۵-۴) عبدالحی گردیزی (زین الاخبار صفحہ ۶) اور نظام الملک غزنہ کے امیر کا نام لویک لکھتا ہے ۔ (سیاست نامہ صفحہ ۱۲۲) منہاج سراج بھی ابوبکر لاویک کا سبکتگین کے مقابلے میں ذکر کرتا ہے ۔ محمد بن علی نے بھی غزنہ کے لویک کا ذکر کیا ہے (مجمع الانساب خطی) ۔

فصیح الدین احمد بن جلال الدین خوافی نے دو بار لویک کا ذکر کیا ہے (مجمل فصیحی ۲/۳۵) ۔

کاتبوں کی تحریف سے لویک کا املا مختلف ہے ۔ انوک ، لاویک ، لاویل ۔

کرامات سخی سرور کے ایک خطی نسخے میں جو ڈیرہ اسماعیل خان میں ملا ہے ، غزنی کے اس حکمران خاندان کے متعلق ایک حکایت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا اصلی نام (لویک) تھا ۔ پشتو میں

لوی کے معنی بزرگ ، سردار اور معظم کے ہیں اور آخر میں یک کا اضافہ ہو گیا اور اس اضافے کا افغانستان میں عام رواج ہے ۔
زبان تخاری میں یونانی رسم الخط میں کوشانی عہد کے آتش کدہ کا ایک کتبہ نکلا ہے ۔ اس میں ایک نام قاسیلی لویک ہے املا Loix (لویخ) ہے ۔ ایک دوسرے کتبے میں املا لوخ Lox ہے ۔

(۶۱) ینال

یہ نام اکثر نون اول (نیال) سے ملتا ہے لیکن میں اس کو یائے اول (ینال) سے صحیح سمجھتا ہوں ۔ کتب تواریخ میں نبال ، بنال ، اینال وغیرہ بھی آیا ہے ۔ اینال ترکی میں سردار قبیلہ کو کہتے ہیں ۔ فارسی ادب میں بھی ینال ترکوں اور سلاجقہ کے اثر سے داخل ہو گیا ہے جیسے ینالتگین نام ہے ۔ تنہا ینال کے معنی سردار کے ہیں ۔ سنائی اور ناصر خسرو نے بھی ینال بمعنی سردار استعمال کیا ہے ۔
ابو عبداللہ محمد بن احمد کاتب خوارزمی کہتا ہے کہ ینال کے معنی ولی عہد کے ہیں ۔

(۶۲) سنگ سوراخ

سلطان سیف الدین کے ذکر میں ہے :
”راہ غور گرفت تا در حدود سنگ سواخ او را دریافتند ۔“
تاج الدین یلدوز کے ذکر میں ہے :
”از راہ سنگ سوراخ بجانب ہندوستان رفت بطرف گردیز و درہ کراہیہ ۔“
قطب الدین ایبک کے ذکر میں ہے :
”از طرف غزنین بطرف ہندوستان از راہ سنگ سوراخ باز آمد ۔“
علاء الدین خوارزم شاہ کے ذکر میں ہے :
”از غزنین . . . از جانب سنگ سوراخ بجانب ہندوستان رفت ۔“
بعد کے تینوں بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ سنگ سوراخ مشرق کی طرف ہندوستان کے راستے پر تھا ۔
ایک سنگ سوراخ (جس کا پشتو نام سوری ڈیرہ) ہے کوہ نہ بولاد کے جنوب میں کلات سے چھ کوس کے فاصلے پر ہے کہ شرقاً غرباً سوراخ ہے

میں ہے۔

ہفت اقلیم (امین رازی) میں فخرالدین مبارک شاہ کے دو قصیدے ملک سیف الدین غوری (ف ۵۵۸ھ) کی مدح میں ہیں اور حبیب السیر میں اس کی کتاب نجوم المدخل المنظوم فی بحر النجوم کا ذکر ہے۔

زکی ولیدی توغان لکھتے ہیں کہ ایا صوفیہ کے کتب خانے میں ایک خطی کتاب رحیق التحقیق من کلام فخرالدین مبارک شاہ موجود ہے۔

(۹۴) خرمیل

تعلیق ۳۹ کے ذیل میں اس لفظ کا ذکر آیا ہے کہ غور میں اس نام کے اشخاص تھے اور شاید درباریوں اور سپہ سالاروں کا مشہور خاندان تھا کہ ان کو عرب و عجم کے مؤرخ پہچانتے تھے۔ طبقات ناصری میں یہ کلمہ پیل کے مقابلے میں مذکور ہوا ہے چنانچہ علاء الدین حسین کہتا ہے:

''اگر تو پیل می آری من خرمیل می آرم'' (طبقہ ۱۷ ذکر علاءالدین)

اگرچہ دوسرے مقامات پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمیوں کا نام اور خاندانی لقب ہے لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ کسی قوی اور طاقت ور حیوان کا نام ہو اور اس کو ناموں کے ساتھ روا رکھا گیا ہو۔ جیسے باختری ناموں میں اسپہ غوری اور افغانی ناموں میں خر، اور ترکی ناموں میں تنکا (ببر) ارسلان (شیر) یغان (فیل)۔ گمان ایسا ہے کہ یہ کلمہ خراسان سے عربی میں گیا اور معرب ہو گیا کیونکہ خوارزمی مفاتیح العلوم میں دخیل الفاظ کا ذکر کرتا ہے۔

القراميل: شتر دو کوہہ (ص ۷۴)۔

ابن منظور افریقی کہتا ہے: القرملہ: اشتر دو کوہانہ۔

قرمل: شتر دو کوہہ، قرامل جمع (منتھی العرب)

اس کی اصل خرمیل معلوم ہوتی ہے۔

(۹۵) نور ترک

منہاج سراج نے سلطان رضیہ کے ذکر میں نور ترک اور دہلی میں قرامطہ کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے اور بقول ہوڈی والا ان کا ربط ہندوستان کے اسماعیلیوں سے تھا (حواشی بر ایلیٹ ۲/۲۲۷)۔

بقول انہوں یہ فرقہ مستعلیہ نزاریہ ہیں اور سنہ ۴۸۷ھ میں اس فرقے

اور اسی جگہ سے ایک راستہ کوژک کو اور ایک راستہ قندھار کی طرف جاتا ہے اور مشہور درہ نیہ بولان اسی پہاڑی میں واقع ہے۔

لیکن وہ سنگ سوراخ جو ہندوستان کے راستے میں واقع تھا ، اس کو ولایت پختیانی میں جنوبی سمت ہونا چاہیے کیوں کہ غزنی سے ہندوستان کا مشہور راستہ اسی ولایت سے گزرتا ہے۔

ذکر دوم میں ہم نے صراحت کے ساتھ اس کا گردیز اور درہ کراہہ کی طرف تعین کیا ہے۔ چمکنی کی سرزمین ولایت گردیز سے عبارت ہے اور وہیں کراہہ ندی بہتی ہے اور چمکنی کے پہاڑوں میں مشرق کی طرف ایک راستہ ہے جو دریائے سندھ کے کنارے ہے ۔ اور وہ سنگ سوراخ سے گزرتا ہے اور وہاں کے لوگ پشتو زبان میں اس کو (سوروی خولہ) کہتے ہیں کہ جس کے معنی سنگ سوراخ کے ہوتے ہیں۔

ہوڈی والا سنگ سوراخ کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ غزنہ و ہند کے درمیان واقع تھا۔ اور بقول راورٹی تین چار جگہ اس نام سے مشہور ہیں۔ بابر نے اپنی تزک میں بھی سنگ سوراخ کا نام لیا ہے۔ بابر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کابل سے مغرب کی طرف گیا اور میدان کے راستے سے چرخ لوکرو جغتو گیا اور جنوبی راستے اور سنگ سوراخ سے کابل چلا گیا۔

دوسری جگہ بابر اس طرح ذکر کرتا ہے کہ وہ سنگ سوراخ کے راستے سے ترک سے گزرا اور فرمل آیا۔

(٦٣) فخرالدین مبارک شاہ غوری

یہ فخرالدین مبارک شاہ غوری شاعر نسب نامہ غوریاں ، فخر مدبر مبارک ابن منصور مشہور بہ مبارک شاہ مؤلف آداب الحرب و الشجاعۃ و شجرۃ النساب مبارک شاہی کے ساتھ خلط ملط ہو گیا ہے۔ انتخابات آداب الحرب (طبع لاہور) کے مقدمہ میں دونوں کو ایک شخص سمجھ لیا گیا ہے۔

حالانکہ مبارک شاہ اول شوال ٦٠٢ھ میں فوت ہوا اور مبارک شاہ ثانی اس سال (٦٠٢ھ) کے بعد ہندوستان میں زندہ تھا اور اس نے شجرۃ النساب اور اپنی تاریخ قطب الدین ایبک کے نام اور آداب الحرب شمس الدین التتمش (٦٠٧ھ - ٦٣٣ھ) کے نام معنون کی۔

ابن اثیر نے پہلے شخص کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ٦٠٢ھ میں فوت ہوا اور عربی و فارسی شاعری پر اسے دسترس تھی ۔ یہی بات مجمل فصیحی

میں ہے ۔

ہفت اقلیم (امین رازی) میں فخرالدین مبارک شاہ کے دو قصیدے ملک سیف الدین غوری (ف ۵۵۸ھ) کی مدح میں ہیں اور حبیب السیر میں اس کی کتاب نجوم المدخل المنظوم فی بحر النجوم کا ذکر ہے ۔

زکی ولیدی توغان لکھتے ہیں کہ ایا صوفیہ کے کتب خانے میں ایک خطی کتاب رحیق التحقیق من کلام فخرالدین مبارک شاہ موجود ہے ۔

(۶۴) خرمیل

تعلیق ۳۹ کے ذیل میں اس لفظ کا ذکر آیا ہے کہ غور میں اس نام کے اشخاص تھے اور شاید درباریوں اور سپہ سالاروں کا مشہور خاندان تھا کہ ان کو عرب و عجم کے مؤرخ پہچانتے تھے ۔ طبقات ناصری میں یہ کلمہ پیل کے مقابلے میں مذکور ہوا ہے چنانچہ علاء الدین حسین کہتا ہے :

''اگر تو پیل می آری من خرمیل می آرم'' (طبقہ ۱۷ ذکر علاءالدین)

اگرچہ دوسرے مقامات پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمیوں کا نام اور خاندانی لقب ہے لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ کسی قوی اور طاقت ور حیوان کا نام ہو اور اس کو ناموں کے ساتھ روا رکھا گیا ہو ۔ جیسے باختری ناموں میں اسپہ غوری اور افغانی ناموں میں خر ، اور ترکی ناموں میں تنکا (ببر) ارسلان (شیر) یغان (فیل) ۔ گمان ایسا ہے کہ یہ کلمہ خراسان سے عربی میں گیا اور معرب ہو گیا کیونکہ خوارزمی ، مفاتیح العلوم میں دخیل الفاظ کا ذکر کرتا ہے ۔

القرامیل : شتر دو کوہہ (ص ۷۴) ۔

ابن منظور افریقی کہتا ہے ، القرملہ : اشتر دو کوہانہ ۔

قرمل : شتر دو کوہہ ، قرامل جمع (منتہی العرب)

اس کی اصل خرمیل معلوم ہوتی ہے ۔

(۶۵) نور ترک

منہاج سراج نے سلطان رضیہ کے ذکر میں نور ترک اور دہلی میں قرامطہ کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے اور بقول ہوڈی والا ان کا ربط ہندوستان کے اسماعیلیوں سے تھا (حواشی بر ایلیٹ ۲/۲۲۷) ۔

بقول انھوں نے یہ فرقہ مستعلیہ نزاریہ ہیں اور سنہ ۴۸۷ھ میں اس فرقے

نے تشکیل پائی ۔ یہ فرقہ تبلیغی حیثیت سے ہندوستان میں آیا ۔ اس کے رئیس کا نام نورالدین یا نورشاہ تھا اور ان کے خواجگان کو "نورستہ گور" یعنی رہنمائے نور خالص کہتے تھے ۔ وہ دو بار گجرات آئے اور وہاں کے راجا کو اپنے عقاید کی تعلیم دی کہ اس کا نام بھیم دوم (۵۷۴ھ - ۶۴۰ھ) تھا ۔ انتھوین نے طبقات ناصری (کے ذکر کردہ) ان نور ترک کو ہندوستان کے خوجوں کے فرقے کا رہنا نورستہ گور سمجھا ہے ۔ (قبائل و فرق بمبئی ۲/۲۰۱ - ۲۱۶)

ایک قرن کے بعد نور ترک کے متعلق اسی دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے سلسلے میں ذکر آیا اور امیر حسن علا سجزی نے اس کو قلم بند کیا ہے اور نورترک کو عالی مرتبہ، صاف باطن اور متقی بتایا ہے ۔ ملفوظات (۱۸ ربیع الآخر ۷۱۸ھ) میں ذکر ہے کہ وہ خانہ کعبہ چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ انھوں نے وہاں مکان بنا لیا تھا اور گھر کے دروازے پر لکھ رکھا تھا کہ میرے گھر میں کوئی بغیر مسواک کے نہ آئے ؛ بغیر مسواک آنا حرام ہے ۔

(۱۳ شعبان ۷۱۸ھ کا بیان ہے) کہ مولانا نور ترک کا ذکر ہوا تو میر حسن نے عرض کیا کہ بعض علماء نے ان کے دین کے بارے میں کچھ کہا ہے تو نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ وہ آسمان کے پانی سے زیادہ پاکیزہ تر تھے ۔ پھر میر حسن نے کہا کہ طبقات ناصری میں تو ایسا لکھا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ علمائے شہر کو ان سے عداوت تھی اس لیے ایسا کہا ہے ۔ پھر حضرت نظام الدین اولیا نے مولانا نور ترک کی خوبیاں بیان کیں ۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی اخبارالاخیار میں فوائدالفواد کے بیان کو نقل کر دیا ہے ۔

(۹۶) نظیر قصیدۂ منہاج سراج

مولانا منہاج سراج کے ایک قصیدے کا ذکر ملتا ہے جو انھوں نے ۲۷ رمضان ۶۳۷ھ کو کہا تھا ۔ سدیدالدین محمد عوفی نے لباب الالباب میں (۶۳۰ھ) اسی وزن ، قافیہ اور مشترک الفاظ میں صدرالدین عمرالخرما بادی کے نام سے لکھا ہے کہ جو اس نے سلطان سکندر کی تعریف میں گایا تھا ۔

اس قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے :

زہے در شانِ تو منزل ، ہمہ آیاتِ قرآنی
بدیدہ عقل در تیغ تو آیات جہانبانی

یہ عمر بن محمد ، عوفی کا معاصر تھا ۔ وہ کہتا ہے کہ میں سمرقند میں اس سے ملا ۔ وہ شاعری میں بہت غلو کرتا تھا مگر اس کے پاس دولت و مال نہ تھا ۔ اس وجہ سے وہ سمرقند سے خراسان آ گیا اور بلخ میں سکونت اختیار کر لی اور وہاں مال دار ہو گیا ۔ عوفی کے بیان سے ظاہر ہے کہ وہ ۵۹۷ھ میں سمرقند میں تھا ۔ اس طرح عوفی کی ملاقات عمر خرما بادی سے اس زمانے میں ہوئی ہوگی اور مندرجہ بالا قصیدہ مولانا منہاج کے قصیدے سے تقریباً چالیس سال قبل کا ہے ۔ صورت یہ ہوگی کہ مولانا (منہاج) نے اس (عمر خرماہادی) کے تتبع میں انہیں الفاظ و مضامین کا قصیدہ کہا ہوگا ۔

(۶۷) دلکی ملکی

تھومس ، احوال شاہان افغان دہلی میں (ص ۶۵) میں لکھتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ نام ترای لوکیہ مالا (Trailokyamalla) ہوگا کہ جو چندیلہ راجا کا نام ہے جس سے سلطان ایبک نے کالنجر لیا تھا ۔ اس بیان کو تقویت ایک کتبہ سے ملتی ہے جس میں اس کا نام اور اس کے لڑکے ویراورمن (Viravarman) کا نام ہے ۔ ایک کتبہ خود اس بادشاہ کا ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چندیلہ علاقہ میں اس کی حکومت ۶۰۲ھ — ۶۳۵ھ تک رہی ۔ (کتبہ ہائے ہند ۱/۶۳۷) ۔

(۶۸) مواس و مواسات

گزیٹیر ہند طبع ۱۹۰۸ء (جلد ۷/۳۰۲) میں مواس کو سرزمین آفت و طغیان زدہ کہا ہے ۔ اصل میں یہ کلمہ ماہی واسی (Mahiwasi) تھا ۔ مغلوں کے زمانے میں دہلی کے مسلمان مصنفین کوہستانی علاقہ کے قبائلی سرداروں پر اس کا اطلاق کرتے رہے ۔

مگر گزیٹیر کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ منہاج سراج ، برنی ، امیر خسرو وغیرہ نے مغلوں سے پہلے اس لفظ کا استعمال کیا ہے ۔ خزائن الفتوح (خسرو) ، تاریخ فیروز شاہی (ضیائے برنی) تاریخ مبارک شاہی (سہرندی) ، منتخب التواریخ (بدایونی) میں یہ لفظ مواسی آیا ہے ۔

ان تمام اسناد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ہندو قبیلے پہاڑوں ، جنگلوں اور دور دراز علاقوں میں چلے گئے تھے اور وہاں پناہ گاہیں بنائی تھیں اور ان دور و دراز ناقابل عبور علاقوں سے بغاوت و سرکشی کرتے تھے ۔

مواسی کا لفظ پشتو میں بھی ہے اور یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے : ایک محافظ کے معنی میں اور دوسرے آشوب کے معنی میں آتا ہے ۔

(۶۹) بھیم دیو نہروالا

مسلمان مؤرخوں نے بھیمہ کو گجرات کا راجا لکھا ہے کہ سلطان غور نے اس سے شکست کھائی ۔ لیکن مقامی مؤرخوں نے اس شکست کو اس کے بزرگ مولا راجا کے متعلق بتائی ہے اور چلوکیہ کے ایک کتبہ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور گزیٹیر بمبئی میں بھی یہ روایت ہے ۔ ممکن ہے مسلمان مؤرخوں کو اس وجہ سے اشتباہ ہوا ہو کہ شاہی زمانے میں مولا راجا بہت چھوٹا تھا اور اس کے بعد اس کا بھائی بھیمہ دوم تخت پر بیٹھا جو جوان آدمی تھا اور اس کی حکومت ۶۲ سال (۵۷۵ھ — ۶۳۹ھ) رہی ۔

(۷۰) تکملۃ اللطایف

ہم اس کتاب سے بالکل بے خبر ہیں لیکن منہاج سراج نے انبیاء کے حالات اسی کتاب سے لکھے ہیں ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ کتاب مؤلف سے پہلے لکھی گئی ہے ۔

ساتویں صدی ہجری کے وسط ہیں احمد بن محمد بن منصور الارفجانی (؟) نے فارسی زبان میں ایک کتاب قصص الانبیاء لکھی جو ابو محمد عبدالعزیز بن عثمان الجسری کی تالیف کردہ کتاب تکملۃ اللطایف و نزہۃ الطرایف پر مبنی تھی ۔ (اسٹوری ۱۵۹/۱)

حاجی خلیفہ اس تکملہ اور مؤلف کے بارے میں خاموش ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب عربی میں تھی ۔ چونکہ تکملہ احمد بن محمد کی قصص الانبیاء کی اساس پر تھا ، منہاج سراج نے بھی انبیاء کے حالات اسی سے نقل کیے ہیں ۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ دونوں کتابیں ایک ہی ہوں گی ۔ چونکہ منہاج سراج نے اس کے مؤلف کا نام نہیں لیا ہے ، اسی لیے مسئلہ مبہم رہا ۔

(۷۱) ذکر منہاج سراج در فوائد الفواد

امیر حسن نے فوائد الفواد میں منہاج سراج کا اکثر ذکر کیا ہے ، اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے :

۱۸ شوال ۷۲۰ھ :

قاضی حمید الدین کے بعد قاضی منہاج قاضی (دہلی) ہوئے ۔ وہ بھی قاضی حمید الدین کی طرح سماع سنتے تھے لہٰذا ان کی وجہ سے سماع کو استقامت حاصل ہوئی ۔

▪ جمادی الاول ۷۲۰ھ :

قاضی منہاج الدین نے وعظ میں ایک دفعہ کہا کہ چھ حدیثیں متواتر ہیں ۔ ان میں سے تین انہوں نے پڑھ کر سنائیں اور باقی تین کے متعلق کہا کہ وہ میں نہیں جانتا ہوں ۔

۱۴ رمضان ۷۲۱ھ :

میر حسن اکثر قاضی منہاج الدین کے وعظ میں جاتے تھے ، بلکہ ہر دوشنبہ کو بلا ناغہ جاتے تھے ۔ ایک مرتبہ ان پر ایسا کیف طاری ہوا کہ سماع میں بھی نہیں ہوا تھا ۔ بلکہ ایک عزیز نے قاضی منہاج سے کہا کہ آپ اس لائق تھے کہ آپ شیخ الاسلام ہوتے ۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۱۸ھ :

میر حسن نے ایک مرتبہ قاضی منہاج کے متعلق بیان کیا کہ میں ہر دوشنبہ کو ان کے وعظ میں جاتا تھا ۔ وہ صاحب ذوق شخص تھے ۔ ایک مرتبہ ان کو شیخ بدرالدین غزنوی کے یہاں طلب کیا گیا ۔ اس روز دوشنبہ کا دن تھا ۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وعظ کے بعد میں آؤں گا ۔ چنانچہ فارغ ہو کر وہ آئے ۔ سماع شروع ہوا ۔ انہوں نے دستار اور پوشاک جو پہنتے تھے پارہ پارہ کر ڈالی اور چند شعر پڑھے ۔

(۷۲) روایت المقدسی

طبقہ ۲۳ کے شروع میں مغلوں کے خروج کے ذکر میں مقدسی کی

روایت ہے ایک حدیث نقل ہوئی ہے ۔ مؤلف کا ماخذ، مطہر بن طاہر المقدسی کی تالیف کتاب البدء و التاریخ ہے اور کلان ہوارنے اس کو ۱۹۱۰ء میں پیرس سے شائع کر دیا ہے اور اس میں انہوں نے ترکوں کے خروج پر روشنی ڈالی ہے ۔

(۷۳) اشعار خوارزم شاہیان

طبقہ ۱۶ کے ذکر میں ہندو خان اور محمد خوارزم شاہ کے اشعار آئے ہیں ۔ محمد عوفی نے لباب الالباب میں ان کو اس طرح لکھا ہے :

گفتار ترا، خنجر بران ما را — کاشانہ ترا، مرکب و میدان ما را
خواہی کہ خصومت ز میان برخیزد — خوارزم ترا شہا ! خراسان ما را

جواب

اے جان عم ! ایں رہ غم سودا گیرد — ویں چند نہ در تو و نہ در ما گیرد
تا قبضۂ شمشیر کہ پالاید خون — تا آتش اقبال کہ بالا گیرد

(لباب الالباب ۱/۴۳)

تاریخ نگارستان قاضی احمد غفاری (نسخہ خطی پشاور میوزیم) میں کچھ اختلاف ہے ۔ مجمع الفصحاء میں بھی اختلاف ہے ۔

(۷۴) مؤلف تاریخ و قصص نابی

تعلیق چہارم میں میں نے اس کتاب اور مؤلف کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا تھا ۔ بیس سال کے بعد اس کی سند ملی ہے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے :

فصیح احمد بن جلال الدین محمد فصیحی (۷۷۷ھ—۸۴۵ھ) نے مجمل فصیحی ایک کتاب لکھی ہے ۔ اس نے امام ابو منصور الازہری کے ذکر میں امام ہیصم بن محمد بن عبدالعزیز الناوی صاحب کتاب التہذیب فی اللغہ کا ذکر کیا ہے اور وہ اس خاندان کی نسبت تصریح کرتا ہے : ”الناوی و ھو نسبۃ الٰی ناو قریۃ من براترود“ ۔

اس تصریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہیصم بن محمد بن عبدالعزیز ناوی وہی شخص ہیں کہ منہاج سراج نے ان کو ابوالحسن ہیصم بن محمد نابی مؤلف تاریخ و قصص لکھا ہے اور فصیحی کے بقول وہ نواسہ دختری (ابن بنت) محمد بن ہیصم کرامی ناوی پیشوائے فرقہ ہیصمیہ کرامیان ہرات

ہیں کہ ان کا ۲۸ شوال ۹ ۰ ۴ھ کو انتقال ہوا ۔ فصیحی نے ان کو ناوی لکھا ہے اور منہاج سراج نے نابی لکھا ہے ۔ ناب کو لوگ ناو کہتے ہیں ۔ ب ۔ و سے بدل گیا ہے ۔

فصیحی سے سنین وفیات کے ضبط میں اکثر سہو ہوا ہے ۔ اگر ہم مؤلف تاریخ و قصص کو وہی ہیصم بن محمد بن عبدالعزیز ناوی سمجھیں کہ وہ محمد بن ہیصم کرامی ناوی (متوفی ۹ ۰ ۴ھ) کے نواسے ہیں تو مؤلف تاریخ و قصص کو (۴۷۰ھ) میں ہونا چاہیے ۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ و قصص کی کتاب پانچویں صدی ہجری کے آخر میں تالیف ہوئی ۔

(۷۵) ابن قدوہ

اس مشہور دانشمند کا امام فخر الدین رازی سے ہرات میں مقابلہ و مناظرہ ہوا ۔ عبداللہ یافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے کہ شہاب الدین غوری امام رازی کا بہت احترام کرتا تھا ۔ کرامیوں کو یہ بات ناگوار گزری ۔ انھوں نے ایک روز قاضی مجدالدین ابن قدوہ کو بلایا اور امام رازی سے مناظرہ ہوا ۔ اس کا نتیجہ جھگڑا اور فساد ہوا ۔ سلطان نے اس فتنے کو فرو کرنے کے لیے لشکر مقرر کیا ۔ یہ واقعہ ۵۹۵ھ میں ہوا ۔ سلطان نے امام رازی سے کہا کہ ہرات سے چلے جائیں ۔ اور کرامیوں اور امام رازی کے درمیان برابر اختلاف رہا ۔ کہتے ہیں اس گروہ نے امام رازی کو زہر دے دیا اور ہرات میں مار ڈالا ۔

(۷۶) تکمیل تعلیق نمبر (۴۰) دربارۂ گیری

بیہقی نے چار جگہ ''گیری'' کا ذکر کیا ہے ۔

ہوڈی والا نے ایلیٹ (۲/۶۵۰) کی تعلیقات میں ویہند کو اٹک سے ۱۵ میل شمال پر بتایا ہے اور کلمہ مرمنارہ کو سمنارہ پل کی تصحیف بتایا ہے ۔ البیرونی نے اس کو دریائے کابل کے ذکر میں اس کا ذکر کیا ہے ۔

ان ہی حدود میں اب بھی ایک مقام ہرتہ منارہ ہے ۔ تاریخ ہمایوں کے ذکر میں ہے کہ ہمایوں ۹۵۰ھ میں ہرتہ منارہ کے نزدیک سے دریائے سندھ سے گزرا ۔ راورٹی نے اس مقام کو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اٹک کے اوپر بتایا ہے ۔ ہوڈی والا کہتا ہے کہ قلعہ گیری یہی شہباز گری ہے یا کافر گری ہے جو پشاور سے چالیس میل کے فاصلے پر شمال و مشرق

کی طرف ہے ۔

توضیح نور قیرات :

سلطان محمود کی چودھویں لشکر کشی قیرات ، نور ، لوہ کوٹ اور لاہور پر ہوئی (۴۱۳ھ) ۔ عتبی نے بھی ذکر کیا ہے ۔ فرشتہ نے کوریات اور نارد لکھا ہے ۔ مختلف املا ، کیبرت ، کوریات ، قیرات ملتا ہے ۔

طبقات اکبری نے اس سرزمین کو کوہستانی اور سردسیر بتایا ہے ۔ فرشتہ نے کوریات لکھا ہے ۔ اور یہ دو نام طبقات اکبری اور کنزالمحفوظ میں نور اور کوریات مذکور ہیں ۔ البیرونی نے دریائے کابل کی شرح میں لکھا ہے کہ ”در آب نور و قیرات می افتد“ ۔ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ دریائے نور و قیرات شہر جلال آباد اور پشاور کے درمیان دریائے کابل سے ملتا ہے اور یہ دریائے کنر ہے ۔

ہوڈی والا لکھتا ہے کہ نور و قیرات کافرستان کے دریا ہیں ۔ بابر نامہ میں بھی درۂ نور کا ذکر ملتا ہے ۔ بابر نے تزک بابری میں وادی کنر کو قراتو لکھا ہے ۔

گردیزی لکھتا ہے ۴۱۲ھ میں نور و قیرات کو محمود غزنوی نے فتح کیا اور وہ لکھتا ہے کہ یہ دو درے ہیں ، ایک کو قیرات اور دوسرے کو نور کہتے ہیں (زین الاخبار ، ص ۶۳) ۔

ایک نویسندہ نے قیرات کو کوہسار کشمیر کے دامن میں بتایا ہے اور نور کو دریائے جہلم کے کنارے نارا سے تطبیق دی ہے (روزنامہ شہباز پشاور ۱۲ ستمبر ۱۹۵۱ء) ۔

(۷۷) بنیان (تکمیل تعلیق نمبر ۴۳)

ادیب شرف الدین عبداللہ وصاف نے تاریخ تجزیۃ الامصار (تالیف ۷۰۲ھ) میں بنیان کو کوہ جودی میں ذکر کیا ہے ۔ تاریخ فیروز شاہی (برنی) میں ایک شخص مولانا حمید الدین بنیانی کا ذکر ہے ۔ راورٹی نے اس شہر کو وادی کرم و جہلم کے درمیان لکھا ہے ۔ خانپور کے مشرق میں اراضی گھکر میں بھی ایک بنیان ہے اور بنیان گاؤں ہری پور (ضلع ہزارہ) کے جنوب مغرب میں چھ میل پر ہے ۔

گزیٹیر ہند (۹/۱۶ء) میں اسے بنوں بتایا ہے ۔

مجلہ ایشیا ۱۹۰۸ء (ص ۳۹۰) میں ہے کہ سلطان التتمش نے بنیان کی ٹکسال میں ایک سکہ ڈھالا تھا ۔ وہ بنیان یہی بنوں ہے ۔

شرف الدین یزدی تیمورلنگ کے متعلق لکھتا ہے :

''از آنجا بہ قلعہ نغر و بانو رفت''

اس بانو سے یہی بنوں مراد ہے ۔

(۷۸) عین الدین بیجاپوری

تعلیق نمبر ۳۸ میں ملحقات طبقات ناصری کے متعلق ذکر ہوا ہے کہ اس کتاب کا مؤلف شیخ ابوالعون عین الدین جنیدی دہلوی ثم بیجاپوری معروف بہ خزانۃ العلم ہے ۔ وہ دہلی میں ۷۰۶ھ میں پیدا ہوا ۔ وہیں پرورش پائی ۔ اس کے بعد دولت آباد آیا ۔ شیخ علاء الدین جیوری و شیخ شمس الدین محمود افغانی سے پڑھا اور شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری سے صحبت رہی ۔ بہت سے علماء نے ان سے تحصیل علم کی ۔ وہ ۷۳۲ھ میں عین آباد سکر آیا اور ۷۷۳ھ میں بیجاپور میں آیا ۔ شیخ حسین بن محمود شیرازی و شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی اور بہت سے مشائخ نے اس سے تحصیل علم کی ۔ اس کی کتابوں میں کتاب الانساب اور تاریخ الاولیاء ہند مشہور ہے ۔ ۲۷ جمادی الاخری ۷۹۵ھ کو بیجاپور میں فوت ہوا اور وہیں دفن ہوا ۔ (نزہۃ الخواطر ۲/۹۶) ۔

(۷۹) التمش ؟ (راجع بہ تعلیق ۴۹)

ناگری املا میں یہ لفظ ایلی تتی مسی (Ilititimisi) یا لی تت مسی ہے اور ایلت مش کے معنی ترکی میں ساتھ کے ہیں اور خافی خاں نے اس کو قلب لشکر کے لیے لکھا ہے ۔

لین پول کہتا ہے کہ ایل تت مش کے معنی زبردست اور مددگار کے ہیں ۔ لیکن زید ہوس اس کے معنی بھاگے ہوئے غلام کے لکھتا ہے ۔ ترکی میں اس کے معنی چاند گرہن کے ہیں ۔ ڈاکٹر بارتولد لکھتا ہے کہ اس کے معنی حافظ سلطنت کے ہیں ۔

ترکوں میں التمش نام ہمیشہ مشہور رہا ہے ۔ خود منہاج سراج نے ایک شہزادے کا نام فیروز شاہ التمش لکھا ہے ۔ عبداللہ خاں اوزبک کی طرف سے حاجی التمش اکبر کے دربار میں سفیر آیا ۔ اسی طرح تغ تمش ، سوبورغ

ممش ، ایدکوتمش وغیرہ ترکوں میں نام تھے ۔ ایک ایلتتمش الترک ، رے کا حاکم تھا ۔ لاہور کے عجائب گھر میں نمبر ۵۸ کا سکہ ہے جس کے ایک طرف ہے :

(السلطان المعظم شمس الدنیا و الدین ابوالمظفر ایلتتمش القطبی ناصر امیرالمؤمنین) جس میں واضح طور سے ایلتتمش لکھا ہے ۔ اسی طرح سکہ (۶۰) اور سکہ (۱۱۱) ہے ۔ اور آخرالذکر میں ناگری میں صاف طور سے (ایلتتمش السلطان) ہے ۔ سکہ نمبر (۱۰۹) اور (۱۱۰) میں (التتمش) ہے بغیر (ی) کے ۔ اس سے ہم کہہ سکتے ہیں صحیح املا ایلتتمش یا التتمش ہے ۔

ابن اثیر نے ، اسماعیل بن احمد سامانی کے عہد میں ایک امیر الدمتمش الترکی کا ذکر کیا ہے (الکامل ۷/۱۰۷) ۔ غیاث اللغات میں التمش کے معنی فوج پیشین کے ہیں ۔ ترکی لغت میں التمش کے معنی براول اور سردار کے درمیان کی فوج کو کہتے ہیں اور اس کے معنی چھ کے بھی ہیں ۔

(۸۰) قصیدہ امام یحیٰی اعقب ؟

طبقہ ۲۳ میں عربی قصیدہ "فصلی برافتادن مغل" میں امام یحیٰی اعقب کے نام سے آیا ہے کہ ابن ابی اصیبعہ نے عیون الانباء عن طبقات الاطباء (تالیف ۶۴۳ھ) میں اس کو نقل کیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بعض نے اس قصیدہ کو ابن سینا سے منسوب کیا ہے لیکن وہ خود اس کی تردید کرتا ہے ۔

اس قصیدے کا ایک نسخہ کتب خانہ اسعد استانبول اور برلین میں موجود ہے اور عیون الانباء (جلد ۲/۲۰) میں طبع ہوا ہے ۔ پہلا شعر ہے :

احذر بنی من القران العاشر
و انفر بنفسک قبل نفر النافر

ابن ابی اصیبعہ کہتا ہے کہ تاتاریوں کی شکست کنعان کی وادی میں عین جالوت کے واقعہ میں ۶۵۸ھ میں ہوئی ، لہٰذا اس قصیدہ میں اشعار واقعہ عین جالوت کے بعد بڑھائے گئے ہیں اور دوسری مرتبہ اشعار الملک الناصر کی فتح پر اضافہ کیے گئے ہیں ۔ چونکہ ابن ابی اصیبعہ اور قاضی منہاج کے اشعار میں فرق ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصیدہ کے مطالب میں بعد کے واقعات کا اضافہ کر دیا گیا ہے ۔

(۸۱) تکمیل نام ہائے کتب

منہاج سراج کے ذکر میں اکثر ہم نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے طبقات ناصری سے استفادہ کیا ہے یا اس کے مؤلف کا نام لیا ہے ۔ مندرجہ ذیل کتابیں اور ہیں جن میں طبقات ناصری سے استفادہ کیا گیا ہے یا اقتباسات لیے گئے ہیں :

(۱) تاریخ نگارستان مؤلفہ احمد بن محمد معروف بہ قاضی احمد غفاری (ف ۹۷۵ھ) ہے ۔ یہ کتاب ۹۵۹ھ میں تالیف ہوئی ۔ اس کا خطی نسخہ (مکتوبہ ۱۰۸۱ھ) پشاور میوزیم میں ہے ۔

(۲) ظفرالوالہ بمظفر و آلہ مؤلفہ عبداللہ محمد بن عمر المکی (تالیف تقریباً ۱۰۲۰ھ) گجرات کی تاریخ عربی زبان میں ہے ۔ یہ کتاب تین جلدوں میں چھپ چکی ہے ۔

(۳) سیرالعارفین مؤلفہ مولانا جمالی متوفی ۹۴۲ھ (طبع دہلی ۱۳۱۱ھ) ۔

(۴) بابر نامہ یعنی توزک بابری اور تاریخ ہرات میں بھی طبقات ناصری سے استفادہ کیا گیا ہے ۔

(۸۲) قاضی حمید الدین ماریکلہ

یہ غرہ رمضان ۷۵۶ھ کو دہلی میں فوت ہوئے ۔ ماریکلہ حسن ابدال اور راولپنڈی کے درمیان ہے کہ سلطان مسعود کو اس کے سپاہیوں نے وہاں پکڑ لیا تھا ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجلس میں ان امام کا ذکر آیا ۔ امیر حسن سجزی نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے :

"ازینجا حکایت قاضی حمیدالدین ماریکلہ افتاد ۔ فرمود : کہ او گفتی کہ من در شہر بہوائے قاضی حمیدالدین ناگوری آمدہ ام چون برسیدم او پیش ازاں نقل کردہ بود"

روزی مجموعات قاضی حمیدالدین را پیش طلبید و از کتب او کہ در سلوک نوشتہ است مطالعہ کردن گرفت ۔ بعد از مطالعہ روئے سوے متعلمان کرد کہ گرد او حاضر بودند گفت : کہ شما آنچہ می‌خوانید ہمدرین کاغذ ہا است و آنچہ نہ خواندہ اید ہم دریں میان ہست و آنچہ من خواندہ ام ہمدریں میان ہست و آنچہ نخواندہ ام ہم ہست ۔ (فوائدالفواد ، ص ۲۴۱)

قاضی حمید الدین ناگوری شمس الدین التتمش کے معاصر تھے ۔ ان کا نام محمد بن عطا ہے وہ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے ۔ ان پر وجد و سماع غالب تھا ۔ ان کی بہت سی تالیفات ہیں ۔ ان میں سے طوالع شموس ہے ۔ ان کی وفات ۶۰۵ھ میں ہوئی ۔ (تذکرہ علمائے ہند از رحمان علی ، ص ۵۲ طبع نولکشور ۱۹۱۴ء) ۔

(۸۳) البتگین ۔ بلکاتگین ، پیری

مربوط طبقۂ یازدہم

پہلا نام الب تگین ہے ۔ اس کے سکوں میں اسلا موجود ہے ۔ دوسرا نام (بلکاتگین) طبقات (ناصری) کے مطبوعہ نسخہ میں ملکایگین (Albtigin) ہے اور ایلیٹ کے خطی نسخے میں بلکاتگین ہے اور یہی صحیح ہے ۔ جوامع الحکایات میں بھی اسی طرح ہے ۔ ایک سکے میں جو بہت کم یاب ہے بلکاتگین ہے ۔

لیکن تیسرا نام (پیری) ایلیٹ کے نسخے میں میری اور تھوماس کے ترجمے میں پیری ہے ۔

(۸۴) ترائن ۔ نرائن

مطبوعہ نسخہ میں ترائن ہے مگر فرشتہ نرائن نام لکھتا ہے ۔ اس کے بعد وہ اس کو تیراوری لکھتا ہے کہ جو تھانیسر سے چودہ میل کے فاصلے پر سرستی کے کنارے واقع ہے کہ دہلی سے اسی میل کے فاصلے پر ہے ۔ لیکن بقول کننگھم ''میدان جنگ نرائن'' دریائے رکشی کے کنارے پر تیراوری کے جنوب مغرب میں چار میل پر اور کرنال کے شمال میں دس میل پر ہے ۔ تیراوری کو عظیم آباد بھی کہتے ہیں ۔

بقول ہوڈی والا اس نواح میں ترائن یا نرائن نام کی اب کوئی جگہ نہیں ہے ۔ کرنال کے گزیٹیر میں مزدینہ لکھا ہے کہ جو تھانیسر سے ۱۲ میل اور تیراوری سے ۳ میل ہے ۔ لہٰذا راورٹی کا قول ہے کہ صحیح نام ترائن نہیں ہوگا ۔ اور کننگھم نرائن کو مزدینہ کے قریب سمجھتا ہے ۔ تیراوری یا تلہ واری جدید نام ہیں جس کے معنی چھوٹے تالاب کے ہیں ۔ مسلمانوں نے اس کا نام عظیم آباد رکھ دیا ہے ، کیونکہ اورنگ زیب کا بیٹا عظیم یہاں پیدا ہوا تھا ۔ اور قلعہ کے محلات کے کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں ۔ قول یا

تلاو Talav کے معنی تالاب کے ہیں ۔ اس کتاب میں یہ کلمہ مطبوعہ اور خطی کے مطابق تراین لکھا گیا ہے ۔

(۸۵) رتبیل

یہ نام مختلف املا ، رتبال ، رتبیل ، رسل ، رت سل ، زنبیل ، رن بیل وغیرہ سے لکھا گیا ہے ۔ ۳۳ھ سے دو صدی تک عرب کے مؤرخین کابل شاہ اور سجستان کے بادشاہ کو اس نام سے لکھتے ہیں ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام کسی ایک خاص شخص کا نہیں تھا بلکہ خانوادہ کا نام یا موروثی لقب تھا ۔

ویلسون اور راورٹی اس کو رتن پال (رتنہ پالہ یا رنہ پالہ) سمجھتے ہیں ۔ دوسرے لکھنے والوں نے کسی ایک قرأت پر اعتماد نہیں کیا ہے ۔

ممکن ہے یہ نام رارن زبل یا رای زبل ہو کہ اس کے معنی رائے یا رانائے زابل ہوں گے ۔

میری نظر میں اس کلمہ کا صحیح املا رتپیل ہے کہ جس کی تفصیل ور سند میں نے کتاب لویکان غزنہ میں دی ہے ۔

(۸۶) تاج الدین سنجر شحنہ بحر و کشتی

اس ملک کا ذکر طبقہ ۲۲ میں آیا ہے ۔ مؤلف نے اس کو سمندر و کشتی کا کوتوال لکھا ہے ۔ یہ امیر فخرالدین عمید تولکی کے زمانے کا مشہور شاعر ہے ۔ ۶۰۱ھ میں پیدا ہوا ۔ دہلی دربار کے امرا و ملوک کی شان میں اس نے قصیدے لکھے ہیں ۔

اس شاعر نے ایک قصیدہ ''کشتی ساختہ'' کی ردیف میں بنام سنجر لکھا ہے ۔ اس زمانے میں دو سردار اس نام کے مشہور و معروف تھے ، لہٰذا بعد کے مؤرخوں کو اصل ممدوح کے تعین میں شبہ ہو گیا ہے ۔ سید صباح الدین نے (بزم مملوکیہ ، ص ۱۹۹) لکھا ہے اس قصیدے میں شاعر کا ممدوح تاج الدین سنجر تیر خاں ترک گرجی تھا ۔ منہاج سراج کے بقول تاج الدین کریت خاں ''شحنہ بحر و کشتی'' تھا ۔ قصیدے کے مضامین میں کشتی ، بحر اور آب کا تلازمہ بھی ہے ، لہٰذا ہماری رائے میں اس قصیدے کا ممدوح سنجر کریت خاں ہوگا ، سنجر تیر خاں نہیں ہوگا ۔

ایک شعر ملاحظہ ہو

مدارِ مملکتِ بر و بحر تاج الحق
کہ بحرِ قلزمِ غم ساخت از امان کشتی
سپہر مرتبہ سنجر کہ فتنہ زوبیاہ کرد
بہ سوی معبر دریائے قیروان کشتی

(۸۷) نام ہائے ترکی

طبقات ناصری میں کچھ ترکی نام آئے ہیں؛ ان کا قدیم املا اور شرح یہاں پیش کی جا رہی ہے:

اغراق : محمود بن حسین بن محمد کاشغری نے تشریح کی ہے کہ یہ ترکوں کا ایک قبیلہ ہے۔ (دیوان لغات الترک ۱/۲۸)

الپ : یہ کلمہ الپ ارسلان اور الپ ترک میں نام کا پہلا جزو ہے اور کبھی بطور علم تنہا بھی آتا ہے، جیسے الپ ترک۔ اس کے معنی شجاع اور بہادر کے ہیں۔ (دیوان لغات الترک ۱/۴۴)

الغ : اس کے معنی ہیں کہ جو دوسری چیز سے بزرگ تر ہوتی ہے۔ (شعر از دیوان مولوی)

مومن و ترسا، جہود و گبر و مغ
جملہ را رو سوی آں سلطان الغ (دیوان ۱/۶۲)

ازغون : ایک ایسا پرندہ ہے جس سے چڑیوں کو شکار کرتے ہیں۔ (دیوان لغات الترک ۱/۱۰۸)

ارسلان : اس کے معنی شیر ہیں اور بادشاہوں کے نام میں آتا ہے۔ (دیوان ۳/۳۰۴)

ایل : بقول کاشغری معنی ولایت، خیل اسپاں، دو بادشاہوں کے درمیان صلح۔ اور بہ قول چغتائی اس کے معنی ہیں:
دست، مردم، ملت، گروہ، سال، مطیع و تابع و رام۔ ایلات کے معنی قبائل صحرا نشین کے آتے ہیں۔

ایبک : معنی بت، معشوق، غلام، قاصد۔ (غیاث ۸۹)

ایتگین : صاحب خانہ، خانہ دار۔

ایلک : غربال ، چھلنی ، پہلا ۔ سلاطین آل افراسیاب ''ایلک خانیہ'' ہوتے ہیں ۔ ترکستان میں ایک شہر کا نام ہے ۔

باربک : یہ لفظ بار + بک سے مرکب ہے ۔ اس کے معنی امیربار یا حاجب کے ہیں ۔ ترکی میں باک ، امیر یا شوہر کو کہتے ہیں ۔ بقول غیاث اللغات امیر اعظم ، صاحب امیر اور عرض بیگی ۔

بکتم : طبقات (ناصری) میں یہ کلمہ بکتم دو مرتبہ آیا ہے ۔ راحت الصدور (ص ۴۴) میں بادشاہ کا نام بکتمر آیا ہے ۔ شاید بکتمر کی تصحیف بکتم ہو ۔

بغرا : اس کے معنی اونٹ کے ہوتے ہیں اور نام بغرا خان ہوتا ہے ۔

بلکا : عالم ، دانش مند ، دانا ۔ یہ کلمہ مرکب صورت میں بلکاتگین اور بلکابیگ آتا ہے ۔ (راحت الصدور ، ص ۱۴۱) ۔

تگین : یہ کلمہ الپ ، بلکا اور الغ کے ساتھ آتا ہے ۔ کاشغری ت کے نیچے زیر لکھتا ہے اور جمع تکت بتاتا ہے ۔ یہ غلام کا نام تھا ۔ بعد کو خاقان کے فرزندوں کا لقب ہو گیا ۔ اس کے بعد ان کا لقب اکا ہو گیا ۔ اکاتگین کے معنی ہوئے ''کوچک فرزندان ملوک'' ، الپ تگین یعنی غلام شجاع ، تتلغ تگین (بندہ مبارک) ۔ جب تگین بادشاہ کے بیٹوں کے نام میں استعمال ہونے لگا تو اس کو شکاری پرندوں کے نام میں شامل کرنے لگے ۔ جیسے جغری تگین ، کبج تگین ۔

لغت چغتائی (ص ۲۱۷) میں اس کے معنی زیبا اور خوش شکل کے ہیں ۔ غزنویوں کے زمانے میں قندھار کے قریب تگین آباد ایک شہر تھا ۔

تمر : معنی لوہا ، فولاد ۔ طبقات میں نام آتے ہیں تمرچی ، تمرخان قیران ، تمرخان سنقر ۔ بعد میں اس کا املا تیمور ہو گیا ۔ کبھی کبھی تمور بھی لکھ دیتے ہیں ۔

تکش : خوارزم شاہیوں اور ترکوں کے نام میں یہ لفظ مستعمل

ہے ۔ اس کے معنی ہر چیز کی غایت اور نہایت ہوتے ہیں ۔

ترخان : اس لفظ کا املا مختلف طور سے آیا ہے ۔ مثلاً تبرخان و تزخان لیکن ترخان صحیح ہے ۔ اس کا معرب طرخان اور جمع طراخنہ آتی ہے ؛ معنی شریف (مفاتیح العلوم ، ص ۷۳) ۔

یہ وہ شخص ہوتا ہے کہ ہر گناہ اور تقصیر اس کو معاف ہوتی ہے اور ترخانی وہ لوگ ہوتے ہیں جو قبیلہ ترخان کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں ۔ ترخان کا معرب طرخان ہے ۔ خراسان میں ایک قدیم قبیلہ ہے اور یہ لفظ بطور علم کے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ ابونصر فارابی کے والد کا نام طرخان بن اوزلغ تھا ۔

گمان یہ ہے کہ قبل اسلام بھی ترخان خراسان میں تھے اور زابلستان میں خاندان ابدالی کے موروثوں میں سے تھے ۔ اس لفظ کا پہلا حصہ (تر) پشتو کے لفظ (تور) سے مطابقت رکھتا ہے ۔ تور کے معنی پشتو میں تلوار کے ہیں ۔ اور اس زمانے کے بعض نام تورسن ، تورکش ، تورجن پالہ وغیرہ میں یہ لفظ (تور) موجود ہے ۔

یہ نام بہت زمانے تک خراسان میں مستعمل رہا ہے ۔ اور دسویں صدی ہجری میں ہرات و قندھار کے ارغون و ترخان خاندان سندھ آ گئے ۔ اور ۹۶۲ھ میں مرزا عیسٰی ترخان ولد میر عبدالعلی ٹھٹھہ میں تخت نشین ہوا اور حکمرانی کی ۔ بقول کاشغری ارغولغت میں اس کے معنی امیر ہیں ۔

البیرونی نے آثار الباقیہ (ص ۱۰۱) اور ابن خرداذبہ نے طرخان = طوخون سمرقند کے بادشاہوں کا لقب لکھا ہے :

تاش : معنی خداوند ، صاحب ، یار اور ساتھی ۔ (برہان ۱/۳۶۰) کبھی بطور علم استعمال ہوتا ہے جیسے تاش حاجب ۔

تغرل : پرندوں میں ایک درندہ ہے کہ اس پر آدمیوں کا بھی نام رکھا جاتا ہے ۔ کاشغری نے اس کا املا طغریل لکھا ہے ۔ غزنوی اور سلجوقیوں کے دور میں اس کا املا طغرل لکھا ہے ۔

عثمانی لغت میں طوغرل ہے ۔ اس کے معنی قوش ، شکاری مرغ کے ہیں ۔

تیانکو : اس کتاب میں اس کا املا تیاینکو بھی آیا ہے۔ کاشغری نے اس کے معنی حاجب لکھے ہیں۔

لنکت : ترکوں کا ایک قبیلہ ہے کہ چین کے قریب رہتا ہے اور خود کو عربی سمجھتا ہے۔ برہان قاطع میں لکھا ہے کہ یہ ایک قصبہ کا نام ہے کہ جو کولاب اور حصار کے درمیان ہے۔ لیکن یاقوت کہتا ہے کہ یہ شہر شاش اور رے سیحوں کے درمیان ہے۔

جغری : ایک شکاری پرندہ ہے کہ عربی میں صقر اور فارسی میں چرغ کہتے ہیں۔

خان : ملک اعظم اور افراسیاب کی اولاد میں ہر ایک کو خاقان بھی کہتے ہیں۔ خاقان ترکوں کا ملک اعظم ہے اور خان ان کا رئیس ہے۔ پس خاقان شہنشاہ کی طرح اور خان خانان رئیس الرؤسا کی طرح ہے۔

ختای : بقول کاشغری یہ چینی نام ہے۔ چین میں ترکوں کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ یہ قبیلہ چوتھی صدی ہجری [illegible] قبل تمام مغولستان اور چین کے کچھ حصے پر قابض تھا اور اس سب وسیع علاقے کو ختا کہتے ہیں۔

سنقر : دیوان لغات الترک میں اس کلمہ کا املا سنکقر ہے اور یہ ایک درندہ کی قسم کے پرندے کا نام ہے جو طغریل کے علاوہ ہے۔ برہان قاطع میں شنقار ہے کہ چرغ کی قسم کا شکاری پرندہ ہے۔ متعدد آدمیوں کا نام بھی رہا ہے، مثلاً بدرالدین سنقر۔ انوری نے اس کی مدح لکھی ہے اور ایران و موصل میں بادشاہوں کا سلسلہ آق سنقری گزرا ہے۔

سباشی : بقول محمد بن احمد سباشی کے معنی صاحب الجیش کے ہیں۔ طبقات ناصری میں سباشی حاجب آیا ہے۔ بیہقی نے سباشی اور سباشی تگین بصورت علم دونوں استعمال کیے ہیں۔

طمغاج : کاشغری نے ایک جگہ یہ لفظ لکھا ہے اور ف کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے اوپر تین نقطے لگائے ہیں۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس حرف کی آواز (پ ، م) کے درمیان ہے اس لیے عرب و عجم کے مؤرخوں نے طمغاج بھی لکھا ہے۔ ان کا اس سے مقصد چین و یکن کی مملکت ہے اور اغلب یہ ہے کہ ترک ملوک معروفہ بہ خانیہ کہ مغلوں سے قبل اس علاقے میں ان کی سلطنت رہی ہے ، طمغاج خاں رہے ہیں۔ سیرت جلال الدین منکبرنی میں یہ کلمہ طمغاج ہے۔ تقویم البلدان میں طومخاج اور ایک کتبہ میں طپغاچ ہے۔

طغان : طغان اور تگین اسمائے جنس سے ہیں۔ ترکی میں اس کے معنی پہلوان ، سردار ، امیر اور شہزادے کے ہیں۔ کبھی بطور علم کے بھی استعمال ہوتا ہے۔

قلیج : بمعنی تلوار ، خاقانی بادشاہوں کا لقب ہے۔ قلیج خان کہتے ہیں یعنی وہ بادشاہ جس کا عزم سیف قاطع کی طرح ہے۔ فارسی کتابوں میں اس کا املا قلیچ ہے۔

قدر : اس کے معنی باجبروت اور مطلق العنان بادشاہ کے ہیں کہ خاقانیوں کو قدر خاں کے نام سے پکارتے تھے۔ سلاطین ترکیہ میں یوسف قدر خاں ، سلطان محمود و مسعود کا معاصر تھا۔

قزل : ترکی میں اس کے معنی سرخ ہیں اور قزل ارسلان کے معنی سرخ شیر کے ہیں۔

قاتون : افراسیاب کی ہر لڑکی کا نام قاتون ہے۔ (کاشغری ۱/۳۴۳) بعد میں فارسی ، عربی اور ترکی میں خاتون کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور بعد میں خان کے مقابل خاتون بطور احترام و اعزاز کے استعمال ہونے لگا۔ بعد میں ان کلمات کی جمع عربی طریقے پر خواتین اور خوانین بن گئی۔

قفجاق : ترکوں کا ایک قبیلہ ہے اور کاشغر میں ایک گاؤں ہے۔ "اسپان قفجاق" اپنی خوبی میں مشہور ہیں۔ اس کلمہ کا املا ، خفجاخ ، خفجاق ، اور قبچاق بھی

ہے کہ اس کے جنوب میں بجناک ہے اور شمال میں ویرانہ ہے۔

قرا : عام طور سے یہ لفظ نام کے شروع میں آتا ہے، قرابجکم، قراقروم، قرہ ارسلان وغیرہ۔ یہ ترکی لفظ ہے۔ اس کے معنی سیاہ کے ہیں۔ خاقانی بادشاہوں کا نام ہوتا تھا جیسے بغرا قرا خان۔ شاہنامہ میں قرا خان، تورانی پہلوان اور افراسیاب کے بیٹے کا نام آیا ہے اور نوشیروان کا ایک سپہ سالار بھی تھا۔

قراقش : معنی عتاب، ستاروں میں مشتری کو کہتے ہیں۔ بظاہر یہ مرکب ہے قرا + قش، سیاہ + مرغ شکاری۔

قیر : ترکی کلمہ ہے، معنی سرحد اور کنارہ۔

قتلغ : ترکی میں قتلغ تکین کے معنی بندہ مبارک ہیں۔ قتلغ کے معنی مبارک اور با برکت۔ سلجوقیوں کے زمانے میں بعض آدمیوں کا نام بھی تھا جو مشہور رہے ہیں۔ اس کا املا قتلق بھی آیا ہے۔

قماج : یہ لفظ طبقات میں دو مرتبہ آیا ہے۔ راحۃ الصدور میں قماج امیر حاجب، و قماج امیر اسفہسلار والی بلخ کا ذکر ہے۔ عوفی نے جوامع الحکایات میں ملک شاہ سلجوقی کے دیوان قماج امیر حاجب کا ذکر کیا ہے۔

غیاث اللغات میں ہے کہ قماج کے معنی ایک قسم کی روٹی کے ہیں۔ اس کو کماچ بھی کہتے ہیں۔

قباچہ : قباچہ یا قباچاقی، ایک قسم کی ٹوپی ہوتی ہے جو موسم سرما میں پہنتے ہیں۔ قباچہ ایک چھوٹا کپڑا بھی ہوتا ہے۔

قباچہ، افغانستان اور سندھ کا مشہور بادشاہ بھی تھا۔ مرحوم ڈاکٹر داؤد پوتہ لکھتے ہیں کہ چچ نامہ میں قباجۃ السلاطین آیا ہے اور قباچہ، فارسی میں قبا کی تصغیر ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترکی کلمہ ہے۔ اس کے معنی بزرگ اور عظیم کے ہیں، لہٰذا قباجۃ السلاطین کے معنی اعظم السلاطین کے ہوئے۔

منکورس : طبقات میں اس کا املا منکورس ہے - شاید صحیح منکوبرس ہو اور ساجوقیوں کے زمانے میں یہ نام رکھا جاتا تھا - ایک امیر منکوبرس (۵۳۲ھ) میں سلطان مسعود بن ملک شاہ کے حکم سے مارا گیا -

گور خان : خطا و ختن کے بادشاہوں کا لقب ہے -

گورخانیہ یا قرا خطائیہ ملوک کا لقب ہے - ان میں سے ایک کا نام بھی گور خان تھا (چہار مقالہ ص ۲۲) اس نے سنجر سے جنگ کی -

کبھی کبھی بہرام گور کو بھی گور خان کہا گیا ہے -

یماک : ترکوں کا ایک قبیلہ ہے - مؤلفین متاخرین نے بادشاہ کا نام اور قیصر روم کے غلام کا نام بھی بتایا ہے - طبقات ناصری میں اس کا مخفف یمک آیا ہے - برہان میں ہے کہ یمک ایک شہر اور ایک ولایت ہے جو بہت حسن خیز ہے اور ایغور بادشاہوں کا نام بھی ہے -

یباقو : ترکوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے - کیا اس کلمہ کی قدیم شکل یبغو نہیں ہے - (دیکھیے یبغو)

یغان : اس کے معنی ہاتھی ہیں - آدمیوں کا بھی نام ہوتا ہے مثلاً یغان تگین -

یلدز : معنی ستارہ -

یغرش : وزیر کے درجہ کا شخص - خاقان سے نیچے درجے کا ہوتا ہے - اس کو سیاہ ریشم کی قبہ دی جاتی ہے کہ وہ برف اور گرمی کے دفعیہ کے لیے اس کو سر پر اوڑھتا ہے -

ینال : تعلیق نمبر ۶۱ کی طرف رجوع کیجیے -

یوزبک : ترکی میں یوز کے معنی صد (سو) ہیں ۔ لہٰذا یوزبک کے معنی صد باشی یا سو آدمیوں کے سردار کے ہوئے -

ترکی میں اوز بطور سابقہ (Prefex) کے بھی آتا ہے - معنی اس کے ''ایشان'' ہیں - بطور تعظیم و تکریم کے استعمال کرتے ہیں ، مثلاً اوز خان : خان بزرگ ۔

اوزبک : بک بزرگ ، اوزجند : شہر بزرگ ، اوز حاجب : حاجب بزرگ ۔ اوزبک ایک مشہور قوم بھی ہے ۔ صد باشی کا لقب ہے ، سلجوقیوں کے زمانے میں عراق اور بغداد میں ایک مشہور شخص تھا ۔

یغاق : یغلغ بھی لکھا گیا ہے ۔ تیر پیکان دار کو کہتے ہیں ۔ یہ ترکی لفظ ہے ۔ ایک قسم کا تیر ہے ۔

یبغو : یہ کلمہ اکثر کتابوں میں کاتبوں کی تصحیف سے بیغو لکھا گیا ہے لیکن صحیح یبغو ہے ۔

مارکوارت نے اپنی کتاب ایرانشہر میں ثابت کیا ہے کہ ترکوں میں اس نام کا بہت معمول تھا ۔ اور دلائل قطعی کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ اس کی صحیح صورت یبغو ہے ۔ ممکن ہے کہ اس کی قدیم شکل یباقو ہو ۔ (دیکھیے یباقو)

(۸۸) فریغونیان

تعلیق اول میں آل فریغون اور جوزجانی حکمرانوں کا ذکر گزرا ہے کہ جو (۲۵۰ھ تا ۴۱۰ھ) افغانستان میں حکمران رہے ۔ تاریخی کتب ، مثلاً تاریخ یمینی ، آثارالباقیہ ، کامل ابن اثیر ، تاریخ بیہقی ، حدود العالم ، یتیمۃ الدہر ، قابوس نامہ ، زین الاخبار ، تاریخ بخارا ، جوامع الحکایات ، اصطخری ، حیات سلطان محمود (ڈاکٹر محمد ناظم) میں معلومات ناکافی اور تشنہ ہیں ۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فریغون نام خراسان میں مشہور و مستعمل تھا ، مثلاً افریغون بن محمد ۔

اس خاندان کے آدمیوں کے ناموں کو لوگوں نے ضبط نہیں کیا ۔ میں نے ان سات آدمیوں کو اس خاندان کے تلاش کیا ہے :

۱۔ امیر فریغون تقریباً ۲۵۰ھ ۔

۲۔ امیر احمد بن فریغون (۲۸۹ھ ، ۳۳۰ھ) ۔

۳۔ ابوالحارث محمد بن احمد (۳۳۰ ، ۳۸۹ھ) ۔

۴۔ فریغون بن محمد (تقریباً ۳۹۴ھ) ۔

۵۔ ابو نصر احمد بن محمد (۳۹۰ھ ، ۴۱۰ھ) ۔

۶- حسن بن ابو نصر احمد ؟ (۴۱۰ھ) -
۷- ابن فریغون : مؤلف کتاب عربی جوامع العلوم - یہ کتاب ابھی حال میں یورپ میں شائع ہوئی ہے -

(۸۹) سنجری یا سجزی

مؤیدالملک محمد عبداللہ وزیر سیستانی کا نام صفحہ ۳۰۶ ، ۳۰۸ ، ۳۱۲ ، ۳۱۹ ، جلد اول میں سنجری طبع ہوا ہے کہ صحیح سجزی ہے - منسوب بہ سجستان -

(۹۰) نشین

تعلیقات میں لکھا جا چکا ہے کہ غرستان کا یہ شہر ہے ، بحوالہ مراصد الاطلاع (طبع تہران) - مراصد الاطلاع کا جو نسخہ ۱۹۵۴ء میں علی محمد بجاوی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ طبع ہوا ہے ، اس کے متن میں "بسنین" ہے (۹۸۹/۲) -
اسی کتاب کے ایک خطی نسخے میں "نشین" بھی آیا ہے - اصطخری (ص ۳۷۶) میں "نشین" ہے - اصطخری کے فارسی ترجمہ میں بھی "نشین" ہے - بعض خطی نسخوں میں حرف اول (ن) بغیر نقطہ کے ملتا ہے - ایک نسخے میں "بشتن" بھی لکھا ملا ہے کہ جو بلاشبہ بشین ہے -

(تعلیقات ختم ہوئے)

☆ ☆ ☆

حواشی

۱- رک تعلیق (۴۴) نسخہ طبقات ناصری -
۲- تاریخ استیلاے مغول از عباس اقبال ص ۳۸۲ و منتخبات ادبیات فارسی ص ۲۰۸ (۲) تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر شفق ص ۱۶۵ -
۳- طبقات ناصری طبقۃ الشرح حال سلطان ابراہیم -
۴- طبقات ناصری طبقۃ الشرح حال سلطان ابراہیم -
۵- ترجمہ طبقات ناصری ج ۲ ، ذیل ص ۱۲۹۶ -
۶- طبقہ ۱۷ : ذکر غیاث الدین محمد -
۷- طبقہ ۴۱ : ذکر ناصرالدین -
۸- طبقہ ۱۸ : ذکر بہاءالدین بن سام و طبقہ ۱۹ ذکر تکش -
۹- طبقہ ۱۱ : ذکر سلطان ابراہیم -
۱۰- ترجمہ طبقات ناصری ، ج ۲ ، ذیل ص ۱۲۹۶ -
۱۱- ایضاً -
۱۲- معجم البلدان ، ج ۲ ، ص ۱۶۷ -
۱۳- حدود العالم ، ص ۹-۶۰-۶۱ -
۱۴- اراضی خلافت شرقی ، ص ۶۲۳ -
۱۵- جغرافیاے تاریخی ایران ، ص ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ (رک ، تعلیق آخر کتاب) -
۱۶- اشکال العالم ، نسخہ خطی موزۂ کابل ، ص ۶۶ -
۱۷- معجم البلدن ، ج ۳ ، ص ۱۶۷ -
۱۸- مقدمہ بارتولد بر نسخہ عکسی حدود العالم ، ص ۴ - ۵ -
۱۹- تاریخ یمینی ، ص ۸۲ -
۲۰- تاریخ بخارا ، ص ۸۰ -
۲۱- زین الاخبار ، ص ۳۷ -
۲۲- ڈاکٹر ناظم در ضائم کتاب سلطان محمود بحوالہ العتبی ، لباب ،

عوفی و ابن اثیر و بیہقی وغیرہ ۔

۲۳- طبقہ ۱۱ : ذکر سلطان ابراہیم ۔

۲۴- اس لیے کہ مؤرخین ایک قرن میں تین نسلوں کا حساب لگاتے ہیں ۔

۲۵- طبقہ ۴ : ذکر المستضی ۔

۲۶- طبقہ ۱۴ : ذکر ملک شمس الدین ۔

۲۷- طبقہ ۱۹ : ذکر معزالدین ۔

۲۸- لباب الالباب ، ص ۲۸۲ ، ج ۱ ۔

۲۹- طبقہ ۱۸ : ذکر بہاؤالدین سام ۔

۳۰- ایضاً ۔

۳۱- طبقہ ۱۸ : ذکر بہاءالدین سام ۔

۳۲- ایضاً ۔

۳۳- طبقہ ۱۴ : ذکر تاج الدین حرب ۔

۳۴- طبقہ ۴ : ذکر الناصرلدین اللہ ۔

۳۵- طبقہ ۱۷ : ذکر سلطان غیاث الدین محمد سام ۔

۳۶- طبقہ ۱۶ : ذکر سلطان تکش ۔

۳۷- تعلیقات لباب الالباب ، ج ۱ ، ص ۳۶۲ ۔

۳۸- مرحوم سید عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر (ج ۱ ، ص ۱۱) میں امام سراج الدین محمد کے جو حالات دیے ہیں وہ علامہ قزوینی کے تعلیقات (عوفی) سے لیے گئے ہیں جس کی بنیاد رسالہ نیر پر ہے ۔ مزید تحقیق کی طرف توجہ نہیں کی گئی ۔

۳۹- لباب الالباب عوفی ، ج ۱ ، ص ۲۸۴ ۔

۴۰- طبقہ ۱ : ذکر المستضی ۱۲ ۔

۴۱- طبقہ ۱۹ : ذکر معزالدین و طبقہ ۱۳ : ذکر غیاث الدین ۔

۴۲- طبقہ ۲۲ : حدیث واقعات غور و غرستان و فیروز کوہ ۔

۴۳- طبقہ ۱۷ : ذکر حاجی علاءالدین محمد ۔

۴۴- طبقہ ۱۷ : آخر ذکر ملک علاءالدین بن محمد ۔

۴۵- طبقہ ۱۷ : ذکر شہاب الدین ۔

۴۶- نشتر عشق ، نسخہ خطی دانش گاہ پنجاب ، ج ۱ ، ص ۳ ۔

۴۷- ریاض الشعرا ، نسخہ خطی ، کابل ، ص ۲۷۱ ۔

۴۸- شرح حال مؤلف در آغاز ترجمہ راورٹی ۔
۴۹- آغاز طبقہ ۱۷ ۔
۵۰- طبقہ ۲۳ : فوت اوکتای ۔
۵۱- طبقہ ۱۷ ذکر علاء الدین محمد ۔
۵۲- طبقہ ۱۷ : ذکر علاء الدین محمد ۔
۵۳- طبقہ ۱۲ : ذکر الپ ارسلان ۔
۵۴- طبقہ ۱۴ : ذکر بہرام شاہ ۔
۵۵- طبقہ ۱۴ : ذکر رکن الدین محمود ۔
۵۶- طبقہ ۲۳ : ذکر چنگیز خاں ۔
۵۷- طبقہ ۲۳ : چنگیز خاں کے لشکر کا جیحوں دریا سے گزرنا ۔
۵۸- طبقہ ۱۷ : ذکر شہاب الدین بن محمد نمبر ۱۲ ۔
۵۹- طبقہ ۲۳ : مراجعت چنگیز خاں ۔
۶۰- طبقہ ۲۲ : حدیث واقعات غور و غرستان ۔
۶۱- طبقہ ۲۳ : حدیث برافتادن ملاحدہ ۔
۶۲- طبقہ ۱۱ : ذکر تاج الدین ینالتگین ۔
۶۳- طبقہ ۲۳ : حدیث برافتادن ملاحدہ ۔
۶۴- طبقہ ۱۴ : ذکر تاج الدین ینالتگین ۔
۶۵- طبقہ ۲۰ : ذکر ناصرالدین ۔
۶۶- طبقہ ۲۱ : ذکر التتمش ۔
۶۷- طبقہ ۲۰ : ذکر ناصرالدین ۔
۶۸- آغاز طبقہ ۲۲ ۔
۶۹- طبقہ ۲۲ : ذکر تاج الدین سنجر ۔
۷۰- طبقہ ۴ : ذکر المستنصر ۔
۷۱- طبقہ ۲۱ : ذکر التتمش ۔
۷۲- طبقہ ۲۲ : ذکر ہندو خاں ۔
۷۳- طبقہ ۲۱ : ذکر رضیہ ۔
۷۴- طبقہ ۲۲ : ذکر تاج الدین سنجر قتلق ۔
۷۵- طبقہ ۲۳ : ذکر برکا ۔
۷۶- یہ تمام قطعہ طبقہ ۲۱ : ذکر بہرام شاہ میں پڑھا جا سکتا ہے ۔
۷۷- طبقہ ۲۱ : ذکر بہرام شاہ ۔

۷۸- طبقہ ۲۱ : ذکر بہرام شاہ -
۷۹- طبقہ ۲۱ : ذکر بہرام شاہ -
۸۰- طبقہ ۲۱ : ذکر علاء الدین مسعود -
۸۱- طبقہ ۲۱ : علاءالدین مسعود و طبقہ ۲۲ ذکر بلبن -
۸۲- طبقہ ۲۲ : ذکر بدرالدین نصرت خاں -
۸۳- طبقہ ۲۲ : ذکر طغان خان و طبقہ ۲۰ : ذکر محمد بختیار -
۸۴- طبقہ ۲۲ : ذکر طغان خاں -
۸۵- طبقہ ۲۱ : ذکر علاءالدین -
۸۶- افغانستان کے لوگ اس وقت ہندوستان کو ملک زیرین کہتے تھے ، اور ہندوستان کے رہنے والے افغانستان کو اطراف بالا کہتے تھے -
۸۷- طبقہ ۲۲ -
۸۸- طبقہ ۲۱ : سال اول عصر ناصر الدین محمود -
۸۹- طبقہ ۲۱ : ذکر ناصرالدین -
۹۰- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خاں ، طبقہ ۲۱ : ذکر ناصرالدین محمود -
۹۱- طبقہ ۲۳ : ذکر باتو -
۹۲- طبقہ ۲۱ : ذکر ناصرالدین ، طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خاں -
۹۳- طبقہ ۲۱ : سال ہفتم ناصرالدین -
۹۴- طبقہ ۲۱ : سال ۸ ناصرالدین -
۹۵- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خاں -
۹۶- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خاں -
۹۷- طبقہ ۲۱ : ذکر سال نہم ناصرالدین -
۹۸- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خاں ، طبقہ ۲۱ : سال ۱۰ ناصرالدین -
۹۹- طبقہ ۲۲ : ذکر سیف الدین ارکلی -
۱۰۰- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خاں -
۱۰۱- آخر طبقہ ۲۱ -
۱۰۲- تذکرہ صبح گلشن -
۱۰۳- سالنامہ فارس ۱۳۱۷ ش -
۱۰۴- طبقہ ۲۳ : چنگیز خاں کے لشکر کا جیحوں سے گزرنا -
۱۰۵- طبقہ ۲۲ : ذکر سنجر کریت خاں -
۱۰۶- طبقہ ۲۲ : ذکر سنجر کریت خاں -

۱۰۷- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خان ۔
۱۰۸- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خان ۔
۱۰۹- طبقہ ۲۲ : ذکر الغ خان ۔
۱۱۰- اس سلسلے میں مآخذ و مراجع کے عنوان میں تفصیل دیکھنی چاہیے ۔
۱۱۱- دیباچۂ کتاب ۔
۱۱۲- مآخذ مؤلف کا مطالعہ کیا جائے ۔
۱۱۳- آغاز طبقہ ۹ ۔
۱۱۴- طبقہ ۲۲ : ذکر نصرت الدین شیر خاں ۔
۱۱۵- آخر طبقہ ۲۲ ۔
۱۱۶- خاتمہ کتاب ۔
۱۱۷- تاریخ فیروز شاہی ، ص ۲۱ ۔
۱۱۸- یہ کتاب ڈینس راس کی کوششوں سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے ۔ جلد اول لیدن سے ۱۹۱۰ء میں، جلد دوم بریل لیدن سے ۱۹۱۹ء میں اور جلد سوم لیدن میں ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی ۔
۱۱۹- گلزار ابرار غوثی ۔
۱۲۰- اخبارالاخیار فی اسرارالابرار ، ص ۸۰ ۔ لیکن فوائدالفواد میں اس رباعی کا تیسرا مصرع اس طرح ہے :

"امروز خوش است لیک فرداست زیاں"

اس تعلیقات کے آخر میں فوائد الفواد کی تمام عبارت کی تفصیل علیحدہ بیان کی گئی ہے (رک : ۱۷) و نیز تعلیق نمبر ۸۱ ۔
۱۲۱- شرح حال مؤلف در آغاز ترجمہ طبقات ناصری (راورٹی) ۔
۱۲۲- ریاض الشعرا خطی کابل ، ص ۳۷۱ ۔
۱۲۳- نشتر عشق ، نسخہ قلمی دانشگاہ پنجاب ، ورق ۱۵۰ ۔
۱۲۴- مجمع النفائس نسخہ خطی دانشگاہ پنجاب ، ورق ۱۵ ۔
۱۲۵- ترکتازان ہند ، ص ۱۸۳ ۔
۱۲۶- راقم الحروف نے بعض مسائل تاریخی ، کتب شناسی ، اور مؤلف کے حالات زندگی کے متعلق ، پنجاب کے مشہور دانشور پروفیسر محمد شفیع مرحوم کو ایک خط لکھا تھا ، اور ان سے اس سلسلے میں بعض معلومات طلب کی تھیں ۔ اس دانشور مرحوم نے ، باوجود اس کے کہ میرا

ان سے پہلے سے کوئی تعارف نہ تھا ، میرے خط کے جواب کی زحمت کی ، اور مولانا کے حالات کے لیے جن کتابوں کی طرف مجھے مراجعت کرنے کی ہدایت فرمائی ، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) تاریخ مغل : چار جلدوں پر مشتمل ہے - یہ ہاورتھ کی تالیف ہے - اس کی چوتھی جلد کی فہرست میں صفحہ ۳۵۸ پر آٹھ حوالے ، اور صفحہ ۳۷۱ پر انیس حوالے 'طبقات ناصری' سے دیے گئے ہیں - ان حوالوں کے لیے جلد ۳ کی طرف رجوع کرنا چاہیے -

(۲) مقدمہ جامع الحکایات محمد عوفی : از نشرات اوقاف گیب - اس کتاب میں طبقات کے حوالوں کے لیے اس کتاب کی فہرست میں منہاج الدین کے ذیل میں دیکھنا چاہیے ، اور طبقات ناصری کی طرف رجوع کرنا چاہیے -

(۳) فہرست مخطوطات فارسی میوزیم برطانیہ : تالیف ریو (ص ۷۲) اس کا بیان ہے کہ مورلی کی فہرست میں (ص ۲۱ - ۲۵) طبقات کے سواد کا تجزیہ موجود ہے -

(۴) تاریخ ہند ، مرتبہ ایلیٹ : (ج ۲ - ص ۲۵۹ - ۳۸۳) میں منہاج سراج کی سوانح حیات اور بعض طبقات کے مضامین آئے ہیں -

(۵) فہرست ستیورات : ص ۷ -

(۶) فہرست مخطوطات میونک ، تالیف آمیر -

(۷) رسالہ ہشت ورقی نواب لوہارو و ضیاءالدین نیر : کہ جن کا تذکرہ ریو نے اپنی فہرست مخطوطات (ص ۸۸۱) میں کیا ہے اور یہ منہاج سراج کے حالات زندگی پر حاوی ہیں -

(۸) کشف الظنون : میں طبقات ناصری کے ذیل میں چند سطریں ملتی ہیں (ص ۱۰ ، ج ۲) -

(۹) رسالہ ـــ ماہی تاریخ اُردو : جو حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے - اس میں طبقات اور مؤلف کے حالات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے -

(۱۰) تذکرہ مصنفین دہلی : تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، اس کے صفحہ ۷ پر منہاج الدین کا ذکر موجود ہے -

(۱۱) تاریخ فرشتہ مطبوعہ برگس : (ج ۱ ، ص ۲۸) میں بھی منہاج کا ذکر آیا ہے ۔ اور اسی کتاب کے (ص ۱۳۱) پر ملحقات طبقات ناصری تالیف شیخ عین‌الدین بیجاپوری کا بھی ذکر ہے ۔

(۱۲) تاریخ فیروز شاہی : (ص ۲۱) ۔

(۱۳) دائرۃ المعارف اسلامی : میں جوزجانی کے ذیل میں ۔

(۱۴) تاریخ جہان کشای : جوینی جلد سوم میں بھی بعض جگہ طبقات ناصری کے حوالے ملتے ہیں ۔

(۱۵) ترکستان بارتولد : طبع اوقاف گیب (کتاب مذکور کی فہرست میں طبقات ناصری جوزجانی کو دیکھا جائے ۔

(۱۶) فہرست مخطوطات بانکی پور :

(۱۷) ادبیات فارسی حصہ دوم : (ص ۶۸) مطبوعہ انجمن ایشیاٹک بنگال ۔ اس میں بھی مؤلف کا حال اور اس کی کتاب کا ذکر آیا ہے ۔

(۱۸) مجلہ اورینٹل کالج میگزین لاہور : مضمون منہاج سراج کی شاعری اور تعلیم ، پروفیسر عبدالستار صدیقی ۔

(۱۹) مجلہ علی گڑھ میگزین : مقالہ ، شمارہ (۱) ، ج ۱۳ ، مؤرخہ جنوری ۱۹۳۴ء ، مضمون سوانح سراج منہاج از قلم زکریا فیاضی استاد علی گڑھ یونیورسٹی ۔

۱۲۷- منتخبات ادبیات فارسی ، ص ۲۵۹ ۔

۱۲۸- مجلہ ارمغان : ج ، ۱۰ ، ص ۶۱۰ ۔

۱۲۹- تاریخ استیلائے مغول ، ص ۴۸۳ ۔

۱۳۰- اورینٹل کالج میگزین لاہور ۔

۱۳۱- تاریخ ادبیات ایران ، از ڈاکٹر شفق ، ص ۶۲ ۔

۱۳۲- آغاز طبقہ ۱۱-۱۲ میں مؤلف بیہقی سے اقتباس کرتا ہے ۔

۱۳۳- کشف الظنون ، جلد ۱ ، ص ۴۳ ۔

۱۳۴- مقدمہ تیسیر الوصول ، ص ۹ ۔

۱۳۵- دوبارہ ایران میں سال ۱۹۶۴ء میں آفسٹ میں کتب فروش اسدی نے اس کو چھاپا ہے ۔

۱۳۶- آداب اللغۃ العربیہ ، جلد ۳ ، ص ۳۲۲ ۔

۱۳۷- فہرست ، ص ۳۸۶ ۔

۱۳۸- کشف الظنون ، جلد ۷ ، ص ۱۰۳ -

۱۳۹- البیرونی ، سید حسن برنی ، ص ۲۴۶ -

۱۴۰- دیباچہ طبقات -

۱۴۱- ترجمہ طبقات ، ج ۱ ، ص ۶۹ -

۱۴۲- مجمل ، ص ۴۰۵ -

۱۴۳- حیات و واقعات سلطان محمود ، ص ۴ -

۱۴۴- راحۃ الصدور مطبوعہ لیڈن ، ص ۵۷ - ۲۰۹ - المعجم طبع بیروت ، ص ۲۳۲ - ۳۳۶ -

۱۴۵- لباب الالباب ، ص ۲۵۷ - ۲۶۷ ، طبع لیدن -

۱۴۶- مثلاً تقی الدین کاشی اور مؤلف مجمع الفصحا -

۱۴۷- کشف الظنون ، جلد ۱ ، ص ۵۱۷ -

۱۴۸- جیسا کہ تقی الدین اپنے تذکرے میں عمادے ہونے کا قایل ہے -

۱۴۹- جیسا کہ تقی الدین کہتا ہے کہ : عمادی ایک مدت تک بلخ میں مقیم رہا اور سنائی سے علم تصوف حاصل کیا - پس اس طرح غزنہ میں بھی اس کا قیام بعید از قیاس نہیں -

۱۵۰- عمادی کہتا ہے :

لقبم دادہ‌اند سلطانی
چون عمادی چرا چنین خوارم
جاودان مان کہ نثر عشق تو بود
کہ عمادی شدہ است سلطانی

۱۵۱- راحۃ الصدور ، طبع لیدن ، ص ۲۱۰ -

۱۵۲- ادیب صابر کے ایک قطعے میں ہے کہ :

عمادی دی بنزدیک من آمد
نشستم ساعتی دی با عمادی
ز دیدار عمادی من بدیدم
مراد دل بوقت بے مرادی

۱۵۳- سید حسن غزنوی نے عمادی کا اس طرح ذکر کیا ہے (دیوان مطبوعہ تہران ۱۳۲۸) :

- زنہار چو وطواط و عمادیم مپندار
کانسوس بود عیسی باخر بجوالی

ص ۱۹۰ - صفحہ ۱۹۷ پر ایک قصیدہ ہے ، جس میں شاعر بہرام شاہ کے حضور میں عرض کرتا ہے کہ غزنہ کے شعرا میں سے ایک نے اس کے قصیدے کو عمادی کے دیوان میں لکھ دیا ہے - پھر وہ کہتا ہے کہ اس قسم کا مکر اور اس نوع کی غداری آج تک کسی آدمی نے نہیں کی - صفحہ ۲۲۸ میں کہتا ہے :

این کم از شعر عمادی مت اگر با شش ماہ
برقم کلک عطارد بنگارد سخنم

اس قسم کے تمام اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید کو عمادی سے ادیبانہ رقابت تھی - لیکن سنائی نے بھی اس قصیدے میں جو اس نے سلطان سنجر کی مدح میں کہا ہے ، عمادی کا ذکر کیا ہے ، کہتا ہے کہ :

بر سر خوان عمادی من کشادم این لقع
گرچہ شیرین نیست باری نادرانی آمد ست

(دیوان سنائی ، ص ۳۵) دیوان انوری میں بھی عمادی کا ذکر آیا ہے - کہتا ہے :

ہان و ہان تا ترا عمادی وار
از سر ابلہی و نادانی
در نیفتد حدیث مصحف و زند
گردی او را دریں صفت ثانی

(ص ۳۱۴) اس نے ایک دوسری جگہ عمادی کے ایک شعر پر تضمین بھی کی ہے :

بہ بیت عمادی جوابش بگفتم
چہ گفتمش گفتم کہ ای روشنائی
مرا از شکستن چنان درد ناید
کہ از ناکسان خواستن مومیائی (ص ۴۷۵)

۱۵۴- کشف الظنون ، ج ۲ -
۱۵۵- آغاز طبقہ ۱۷ -
۱۵۶- تعلیقات بر لباب الالباب ، ج ۱ ص ۳۲۷ -
۱۵۷- الکامل ، ج ۱۲ ص ۹۴ -
۱۵۸- لباب الالباب ، ج ۱ ، ص ۱۲۵ تا ۱۳۳ -
۱۵۹- الفہرست ابن ندیم ، ص ۲۰۱ - ۲۰۴ -

۱۶۰- آداب اللغة العربیہ ، ص ۱۳۵ -

۱۶۱- الفہرست ، ص ۱۹۳ -

۱۶۲- تاریخ طبرستان ، ص ۱۳۹ -

۱۶۳- طبقہ ۲۳ : کمال الدین سلطان سنجر بن ملک شاہ کی مدح میں کہتا ہے :

جان روان صاحب و صابی بہ پیش تست
این تیرہ از بیانت و آن عاجز از بنان

۱۶۴- اواخر طبقہ ۲۳ -

۱۶۵- طبقہ ۲۳ : ذکر اوکتائی -

۱۶۶- طبقہ ۲۳ : حکایت عجیب -

۱۶۷- طبقہ ۲۳ : ذکر برکا -

۱۶۸- طبقہ ۲۲ : ذکر یوزبک طغرل خان -

۱۶۹- طبقہ ۲۳ : ذکر چنگیز خان -

۱۷۰- طبقہ ۲۳ : وقایع اسلام -

۱۷۱- طبقہ ۲۳ : آخر ذکر چنگیز خان -

۱۷۲- طبقہ ۲۳ : حکایت گشادہ شدن شہر ہائے خراسان -

۱۷۳- طبقہ ۲۳ : حدیث مراجعت چنگیز خان -

۱۷۴- طبقہ ۱۲ : ذکر سنجر -

۱۷۵- طبقہ ۱۲ : ذکر الپ ارسلان -

۱۷۶- طبقہ ۲۳ : حدیث مراجعت چنگیز خان -

۱۷۷- طبقہ ۲۰ : ذکر محمد بختیار -

۱۷۸- طبقہ ۲۰ : ذکر محمد بختیار -

۱۷۹- حبیبی صاحب نے زین الاخبار کا کامل ایڈیشن اب ایران سے شائع کیا ہے -

اس کے بعد حبیبی صاحب نے بیہقی کی تحقیق اور صاف بیانی کی تصریح کرتے ہوئے ان کی تاریخ سے اقتباسات پیش کیے ہیں جن کا ترجمہ یہاں دینا غیر ضروری ہے -

۱۸۰- طبقہ ذکر الغ خان -

۱۸۱- آخر طبقہ ۲۲ -

۱۸۲- طبقہ ۲۱ : ذکر التتمش -

☆ ☆ ☆

اشاریہ

اشخاص

ت

ث

ج

چ

ح

خ

د

ڈ

ر

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

ق

ن

و

☆ ☆ ☆

اماکن

الف (ممدودہ)

الف (مقصورہ)

ب

پ

ت

چ

ح

خ

ز

س

ع

غ

ک

ن

ی

☆ ☆ ☆

قبائل

الف (ممدودہ)

الف (مقصورہ)

ب

ت

☆ ☆ ☆

کتب

س

ش

ص

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

طبقاتِ ناصری

جلد دوم

تصنیف

ابو عمرو منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج

ترتیب و تحشیہ

عبدالحیٔ حبیبی قندھاری

ترجمہ و اضافہ

غلام رسول مہر

نظر ثانی

سیّد حسام الدین راشدی

اردو سائنس بورڈ
299-اپر مال، لاہور